# شرع محمدی

مشتمل

بر دو حصہ



مؤلفہ

جناب منشی محمد حسین صاحب بی - اے - وکیل ہائیکورٹ

ومصنف ممالک مغربی وشمالی



در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام قادر علیخان صوفی حلیۂ طبع پوشید



سنہ ۱۸۹۹ء

اُردو مین شرع محمدی پر ابتک کوئی مستند کتاب جہانتک مجھے علم ہے کسی صاحب نے تالیف نہین کی حالانکہ اسکی ضرورت اصحاب قانون ہمیشہ عرصے سے محسوس کر رہے ہین - اس احتیاج کے پورا کرنے کی کوشش اس کتاب کے ذریعے سے کی گئی ہے -

ظاہر ہے کہ فقہ کی کتابین صدیان گذرین کہ سلطنت اسلامی کے دور دورہ مین تصنیف و تالیف ہوئین - امتداد زمانہ و انقلاب سلطنت نے تمدن و طرز معاشرت مین اہم تبدیلیان پیدا کر دی ہین - بہت سے قانون منسوخ ہوگئے اور اونکی جگہہ جدید قانون قایم ہوگئے - کتب فقہ مین جو مسائل اصول معاہدہ و شہادت وغیرہ کے متعلق درج ہین اب ہندوستان مین قانون کا حکم نہین رکہتے - شرع محمدی کا تہوڑا ہی سا حصہ[له] جو مسلمانون کے لیے اب بہی قانون کا حکم رکہتا ہے[له] - اوسمین بہی ضروریات ملکی کے لحاظ

---

[له] دیکھو ایکٹ ۲۱ نمبر ۱۸۷۱ء (ایکٹ عدالت ہائے دیوانی بنگال) منظر علی بنام بدہ سنگہ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ و یوسف علی بنام کلکٹر ترہت کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۸ و فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ -

سے واضعان قانون نے جا بجا تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ ان پر اس قسم کی دوسری
باتون پر خیال رکھکر یہ مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کی قدیم کتابین اب اس زمانہ
کی کل ضروریات کی کفیل ہو سکتی ہین۔ اس لیے اس کتاب کی تالیف مین مذہب سنّی
و شیعہ کی مستند کتب فقہ کے علاوہ فیصلجات عدالت و زمانہ موجودہ کے نامی مصنفان
کی کتابون سے (جو انگریزی زبان مین ہین) مدد لیگئی ہے۔ اور موقع مناسب پر اون
ایکٹون کا بھی ذکر کیا گیا ہے جسکے ذریعے سے کچھہ تبدل و تغیر پیدا ہوا ہے۔

شرع محمدی کی بنیاد قرآن پاک و حدیث پر ہے۔ لیکن ان مین تمام جزئیات مذکور نہین
ہین۔ علاوہ اسکے قرآن مجید کے نازل ہونے و رسول عربی کے بعثت کے وقت
عرب کا تمدن بہت ابتدائی حالت مین تھا۔ کچھہ زمانے بعد فتوحات اسلامی کا دائرہ بہت
وسیع ہوگیا اور مختلف قوم و ملت کے لوگون سے بحیثیت فاتح سابقہ پڑا۔ تجارت و تمدن
نے بھی اوسی پیمانہ پر ترقی کی۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس قدر کثرت سے نئے معاملات
پیش آنے لگے جن کے لیے قرآن مجید یا حدیث مین کوئی حکم بتصریح موجود نہ تھا
یا حکم کی تصریح تھی مگر حدیثین اسکے معارض تھین ایسی صورتون مین اجتہاد و استنباط
کی ضرورت پڑی جسکا نام فقہ پڑا۔ چونکہ رسول مقبول کی وفات کے بعد ہی خلفائے راشدین
کے زمانہ مین فتوحات ملکی بڑی سرعت سے شروع ہوگئین اس لیے یہ لازمی تھا کہ فقہ کی
بنیاد بھی اوسی وقت سے قایم ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فقہ کی توسیع اور اوسکا تمام ضروریات کے لیے کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ کتب فقہ
مین قیاس کی یہ تعریف کی گئی ہے "اصل کے حکم کو فرع تک پہونچانا کسی ایسی علت
کی وجہ سے جو دونون مین مشترک ہو" قیاس کے لئے دو ضروری شرائط ہین (۱) جو مسئلہ
قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو یعنی اوس کے بارے مین کوئی خاص حکم

موجود نہ ہو (۲) مقیس و مقیس علیہ مین علت مشترک ہو - گو استنباط مسائل کے قواعد خلافت راشدہ کے زمانہ مین قایم ہو چکے تھے اور بعدہ اونپر اور بزرگون نے بہت کچھ اضافہ کیا مگر فقہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت زیادہ تر امام ابوحنیفہ کی ذات سے حاصل ہوئی گو اس اولیت کے مدعی اور بزرگ بھی گنے جا سکتے ہین -

امام ابوحنیفہ کا نام نعمان - کنیت ابوحنیفہ و لقب امام اعظم ہے - سنہ ۸۰ ہجری [illegible] پیدا ہوئے و سنہ ۱۵۰ ہجری مین وفات پائی - ان کے [illegible] امام [illegible] و حضرت امام باقر و اونکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہم السلام (جو شیعون کے پانچوین و چھٹے امام ہین) داخل ہین - آخرالذکر دو حضرات کے فیض صحبت سے امام ابوحنیفہ نے بہت فائدہ اوٹھایا - مگر علم فقہ مین ان کے استاد حماد کوفی تھے - کہتے ہین کہ امام [illegible] فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین مین جو ۳۰ برس کا زمانہ صرف ہوا اس مین امام ابوحنیفہ کے اونکے چالیس شاگرد بھی شریک تھے مگر ان سب مین قاضی ابویوسف و امام محمد و امام زفر بہت ممتاز ہین -

قاضی ابویوسف سنہ ۱۱۳ ہجری یا سنہ ۱۱۷ ہجری مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے و سنہ ۱۸۲ ہجری مین وفات پائی اور جب تک امام ابوحنیفہ زندہ رہے ہمیشہ اونکے حلقہ درس مین حاضر ہوتے رہتے - سنہ ۱۶۶ ہجری مین خلیفہ مہدی عباسی نے اونکو قاضی مقرر کیا لیکن خلیفہ ہارون الرشید نے تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا - امام احمد حنبل ان کے شاگردون مین ہین قاضی ابویوسف پہلے شخص ہین جنہون نے فقہ مین تصنیفین کی ہین -

امام محمد بن الحسن الشیبانی - یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہین - ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤن تھا - سنہ ۱۳۵ ہجری مین پیدا ہوئے و سنہ ۱۸۹ ہجری مین وفات پائی -

ان کے شاگردون مین امام شافعی ہین جو کہتے ہین کہ وہ مین نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے" امام محمد کی تصنیفات فقہ مین بہت زیادہ ہین اور آج فقہ حنفی کا مدار انہین کتابون پر ہے۔

امام زفر سنہ ۱۱۰ ہجری مین پیدا ہوئے و سنہ ۱۵۸ھ مین وفات پائی - فقہ مین اُن کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے[1]۔

اسلامی دنیا کا غالب حصہ مذہب حنفی کا پیرو ہے۔

اہل سنت و جماعت کے چار مذہب ہین - ایک تو وہ جسکے بانی امام ابو حنیفہ ہین۔ بقیہ تین کے بانی امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل ہین -

امام شافعی کا وطن مکہ معظمہ تھا - باپ کی طرف سے قریشی مطلبی و مان کی طرف سے ہاشمی تھے - انہون نے سنہ ۲۰۴ھ مین ملک مصر مین انتقال فرمایا - مذہب شافعی عرب - مصر - شمالی افریقہ - و بمبئی کے اکثر بورون مین رائج ہے -

امام مالک مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے - اُن کے پیرو عرب و شمالی افریقہ مین ہین - امام احمد بن حنبل کے پیرو بہت کم ہین -

شیعہ و سنّی مین جس امر مین اختلاف ہے وہ مسئلہ امامت و خلافت ہے - سنیون کا یہ اصول ہے کہ امام یا خلیفہ جملہ مسلمین کی طرف سے انتخاب ہوتا ہے - برعکس اسکے شیعہ یہ کہتے ہین کہ امام پیدائشی اور آل رسول سے ہوتا ہے -

ثانیاً یہ کہ شیعہ صرف اون احادیث نبوی کو مانتے ہین جسکی تصدیق اہل بیت سے کی ہو - برخلاف اسکے سنیون کے نزدیک اس قسم کی کوئی قید نہین ہے -

---

[1] امام ابو حنیفہ و اون کے شاگردون کا مختصر حال سیرۃ النعمان مولفہ مولانا شبلی نعمانی سے ماخوذ ہوا ہے -

اس شیعہ میں بھی چند فرقے ہیں لیکن لفظ شیعہ سے فی زمانہ اثنا عشریہ یعنی پیروان
بارہ امام مراد ہوتے ہیں۔ اثنا عشریہ کے بھی دو فرقے ہیں۔ اصولی و اخباری۔
اصولی وہ ہیں جو ان احادیث کو مانتے ہیں جو بہت سخت جانچ و تنقیح کے بعد صحیح
ثابت ہوئی ہیں۔ اور اصول شرع کی تشریح کرنے اور اون کو روزانہ معاملات سے
متعلق کرنے میں اپنی رائے کو بہت زیادہ دخل دیتے ہیں۔ برعکس اسکے اخباری شیعہ
ہیں جو اپنے مجتہد کی رائے و تشریح پر عمل کرتے ہیں۔

جن الفاظ کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے اون کا پورا پورا پتہ فٹ نوٹ میں دیا ہے
مثلاً اصل الفاظ سے ولسن صاحب کا گلاسری مراد ہے جو جملہ عدالتون کے کتب خانہ
میں موجود ہیں۔ جن الفاظ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ فلان ہائی کورٹ کی فلان جلد
اون سے انڈین لا رپورٹ کی وہ مخصوص جلد مراد ہے۔

اس تالیف مین کتب ذیل سے مدد لیگئی ہے عینی الہدایہ و در المختار و فتاوی عالمگیری
مطبوعہ نولکشور و ہدایہ عربی و انگریزی شرح محمدی بیرو صاحب و مختصر شرح محمدی جس کا نام
اسٹوڈنٹس ہینڈ بک آف محمڈن لا ہے ٹیگور لا لکچرز ۱۸۸۴ء و شاماچرن سرکار
کا ٹیگور لا لکچر بابت ۱۸۷۳ء

اخیر مین ان مصنفان و مولفان کا شکریہ ادا کرتا ہون جنکی بیش بہا کتابون سے مین نے
اپنی اس ناچیز تالیف مین مدد لی ہے۔

راقم
محمد یسین

فتح آباد
ضلع آگرہ
۵ نومبر ۱۸۹۹ء

شرع محمدی کے مطابق مالک جائداد اپنی ہر قسم کی جایداد کا خواہ وہ مکسوبہ ہو یا موروثی اپنی حیات مین قطعی مالک ہے۔ وہ اپنی مرضی کے موافق جطرح چاہے اوسمین تصرف کر سکتا ہے بشرطیکہ اوسکا انفاذ بھی اپنی حیات مین کر دیا ہو۔ اگر کسی نے ہبہ کیا تو ضرور ہے کہ جائداد موہوبہ کو اپنی حیات مین موہوب لہٗ کے قبضہ واقعی یا معنوی مین دیدیا ہو۔ واہب کو فی الواقع اپنے تمام حقوق ملکیت کو شے موہوبہ سے خارج کر کے موہوب کو موہوب لہٗ کے حوالہ کرنا چاہیئے۔

انتقال کے دو طریقے ہین۔

۱۔ حیات مین۔ ۲۔ وصیت کے ذریعہ سے جو بعد وفات موصی کے نفاذ مین آتا ہے۔

جو تصرف کہ مرض الموت مین کیا جاتا ہے وہ مثل وصیت کے متصور ہوتا ہے مگر اسکے متعلق زیادہ وضاحت سے وصیت کے باب مین لکھا جائیگا۔

حالت حیات کے انتقالات مین سے صرف وقف وھبہ کے متعلق ہمکو زیادہ بحث کرنی ہے

۱۔کسی مخصوص جایداد کو عمداً بلا معاوضہ کے منتقل کرنے کو ہبہ کہتے ہین۔
۲۔مخلوق خدا کے فایدہ کے لیئے یا کسی مذہبی یا کار خیر کے اغراض کے لیے کسی جائداد کی منفعت کو ہمیشہ کے لیے دیدینا وقف ہے۔سُنی مذہب مین کسی جائداد کی منفعت کو ایک محدود زمانہ کے واسطے بلا معاوضہ اسطرح دیدینا کہ جب چاہے واپس کرلے عاریتہ کہلاتا ہے۔
ہبہ وعاریتہ کی تعریف بمقدمہ محمد فیض احمد خان بنام غلام احمد خان سب جج علیگڈھ نے بہت واضح طور پر کتب مستند کے حوالہ سے بیان کی ہے اور اصول قرار داوہ فیصلہ مذکور پریوی کونسل سے بحال رہا۔
مالک کردینا عین شے کا بلا معاوضہ کے ہبہ ہے۔اور صرف منافع کا بلا معاوضہ مالک کردینا عاریت ہے (درالمختار کتاب ہبہ) واہب کا عاقل و بالغ ہونا اور شے موہوب کا مشاع نہونا اور مقبوضہ واہب ہونا اور ایجاب وقبول ہونا لازم ہے۔فاسد شرایط سے ہبہ باطل نہین ہوتا مثلاً ایک غلام اس شرط پر ہبہ کیا ہے کہ موہوب لہ اوسکو آزاد کردے تو شرط باطل و ہبہ جائز ہوگا (درالمختار کتاب ہبہ) عاریت مین نہ واہب کا بالغ ہونا ضرور ہے نہ موہوب کا غیر مشاع ہونا نہ ایجاب کے بعد قبول شرط ہے (عالمگیری) علماوے مین مشاع کی عاریت و ودیعت و بیع کے جواز کی صراحت ہے (درالمختار کتاب عاریتہ) جن الفاظ سے عاریت واقع ہوتی ہے عالمگیری مین اوسکے واسطے ایک خاص باب ہے اوسکو اس جگہہ مین نقل کرتا ہون تاکہ یہ معلوم ہو کہ عاریت کے لیے کون سے الفاظ کس معنی مین مستعمل ہوتے ہین۔کتاب العاریتہ باب دوم عالمگیری۔اگر کہا کہ مین نے تجھکو بغیر معاوضہ کے اس گہر کی منفعت کا مالک ایک مہینہ کے لیے کردیا یا لفظ مہینہ نہ کہا تو عاریت ہوگی۔ایسا ہی قاضی خان کے فتاوی مین ہے اور اگر کہا کہ مین نے تجھکو یہ کپڑا قرض دیا تاکہ تو اوسے ایک دن پہنے یا یہ کہا کہ مین نے تجھے یہ گہر قرض دیا تاکہ تو اسمین برس بہر رہے تو عاریت ہے (فتاوی تاتارخانیہ) اگر کہا کہ مین نے اس مہینہ مین تیری

سکونت کے لیے یا اپنی زندگی بھر بطریق سکونت کے یہ مکان تجھکو دیا تو یہ عاریت ہے (ظہیریہ)
اگر کہا کہ مین نے تجھکو اسپر (گھوڑے پر) خدا کے واسطے سوار کر دیا تو یہ عاریت ہے (فتاوی
قاضی خان) اگر کہا کہ میرا مکان تجھے ہبہ ہے رہنے کے لیے یا رہنے کے واسطے ہبہ ہے
تو عاریت ہے (ہدایہ) اگر کہا کہ میرا مکان تیرے رہنے کے لیے عطیہ ہے یا بطریق سکونت
صدقہ ہے یا صدقہ عاریتہ یا بطریق عاریت ہبہ ہے پس یہ کل عاریت ہے ایسا ہی کافی مین ہے
اگر کہا کہ میرا مکان تیرے لیے رقبیٰ ہے (یعنی تیرے واسطے ہے اگر تو میرے بعد تک
زندہ رہے اور میرے لیے ہے اگر مین تیرے بعد تک زندہ رہون) یا حبس تو یہ امام ابو حنیفہ
و امام محمد کے نزدیک عاریت ہے و امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ ہے اور اوسکا رقبیٰ یا
حبس کا کہنا باطل ہے (بدایع) اگر کہا کہ میرا گھر رقبیٰ ہے یعنی تیرے لیے ہے اگر میرے بعد
تک زندہ رہے۔ اور میرے لیے ہے اگر مین تیرے بعد تک زندہ رہون یا حبس تو بالاتفاق
یہ عاریت ہے (منابیع)۔ اگر کسی نے کہا کہ مین نے تجھے یہ گدہا دیا تاکہ تو اوس سے کام لے
اور اوسکو اپنے پاس سے چارہ دے تو یہ عاریت ہے۔ قینیہ۔ اگر اوس نے کہا کہ مین نے
تجھے کھانے کے لیے یہ درخت دیا تو عاریت ہے مگر یہ کہ اوس نے ہبہ کا ارادہ کیا ہو۔ تمام تر
یہی الفاظ ہین جنسے عاریت کی تعبیر ہوتی ہے۔ ان تمام الفاظ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے
کہ وَهَبْتُ کا لفظ ان مین کہین مستعمل نہین ہوا ہے اور جو لفظ هِبَةً سُكْنَى یا سُكْنَى هِبَةً کا
استعمال ہوا ہے وہ عین شئے کے ہبہ پر دلالت نہین کرتا ہے اور وہ تفسیر ہے دَارِيْ لَكَ کی۔
جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دیا گیا ہے وہ سکونتاً دیا گیا۔

اب مین اون الفاظ کو بتاتا ہون جنسے ہبہ ہوتا ہے۔ وہ تین قسم کے لفظ ہین۔ ایک وہ
جو بالخصوص ہبہ کے لیے موضوع ہوئے ہین۔ دوسرے وہ جس سے کنایتہ و عرفاً ہبہ واقع ہوتا ہے
تیسرے وہ جو ہبہ و عاریتہ کے لیے مساوی احتمال رکھتے ہین۔ عالمگیری مین ہے وہ الفاظ

جس سے ہبہ واقع ہوتا ہے تین قسم کے ہین۔ایک وہ الفاظ ہین جو ہبہ کے لیے بالخصوص وضع ہوئے ہین۔قسم دوم جن الفاظ سے کنایتہً وعرفاً ہبہ واقع ہوتا ہے۔تیسرے وہ الفاظ جو ہبہ وعاریت دونون کے لیے ساوی طور پر محتمل ہین۔قسم اول کی مثال مثلاً مین نے یہ شے تجھے ہبہ کردی یا تجھے اسکا مالک کردیا۔یا مین نے تیرے واسطے کردیا یا یہ شے تیرے واسطے ہے۔یا مین نے تجھے عطا کیا یا دیدی پس یہ سب الفاظ ہبہ ہین۔دوسری قسم کی مثال مثلاً یہ کہا کہ مین نے تجھے یہ کپڑا پہنایا یا مین نے تجھے اس گھر مین آباد کردیا تو یہ ہبہ ہے۔اسیطرح اگر یون کہا کہ میری عمر بہر یا تیری عمر بہر یا میری زندگی بہر یہ مکان تیرا ہی پہر جب تو مر جاے تو وہ مجھے واپس ملیگا تو یہ ہبہ جائز ہے اور شرط باطل ہے۔تیسری قسم کی مثال اگر کہا کہ یہ گھر تیرے لیئے رقبلے یا حبس ہے تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک یہ عاریت وامام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ ہے۔محیط سرخسی۔

اس تصریح سے معلوم ہوگیا کہ وَهَبْتُ کا لفظ جسکے یہ معنی ہین کہ مین نے ہبہ کیا وہ لفظ ہے جو ہبہ کے لیے بالخصوص موضوع ہوا ہے اور یہ لفظ عاریت کے معنی مین مستعمل نہین ہوتا اور یہی لفظ ہے جو دستاویز موسومہ ہبہ نامہ مین مستعمل ہوا ہے۔دستاویز مین کوئی لفظ محتمل المعنی مستعمل نہین ہوا ہے۔اور جو الفاظ کہ اوسمین بعد مین مذکور ہین وہ بطور مشورہ کے ہین کتب فقہ مین ایک مثال ہے جو نہایت موثر مقدمہ ہے اور جس سے یہ صاف ہوجاتا ہے کہ معاملہ متنازعہ ہبہ تہا نہ عاریت۔یہ مثال ہدایہ اور در مختار وعالمگیری سب کتابون مین موجود ہے۔

دَارِیْ لَكَ هِبَةٌ تَسْكُنُهَا یعنی میرا گھر تیری ملکیت ہے بطریق ہبہ کے تو اوسمین سکونت رکہہ۔عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جملہ اسمیہ کی تفسیر جملہ فعلیہ نہین واقع ہوتا دَارِیْ لَكَ هِبَةٌ جملہ اسمیہ ہے اور تَسْكُنُهَا جملہ فعلیہ اسلیے تَسْكُنُهَا فقرہ اول کی تفسیر نہین ہوسکتی۔بلکہ بطور مشورہ واہب اوسکو سکونت کی ہدایت کرتا ہے۔جسکا ماننا یا نہ ماننا موہوب لہٗ

سکے اختیار مین ہے - ہبہ کی صحت کی بابت جہان اور باب لکھے ہین وہان کتب فقہ مین
یہ لکھا ہے دو میرا مکان تیرے لیئے ہبہ ہے کہ تو اوسمین رہے - یہ الفاظ کہ تو اوسمین
سکونت رکھ مثل مشورہ کے ہین نہ کہ مثل تفسیر کے کیونکہ فعل اسم کی تفسیر نہین ہو سکتا - بیشک
اوسمین ملکیت کا اشارہ اس طور پر کیا کہ اوسمین رہا کرے پس وہ چاہے اوس مشورہ کو قبول
کرے - خواہ نہ قبول کرے - پس اگر یہ کہا جاوے جیسا کہ عمارت کے الفاظ مین مذکور ہوا ہے - دَارِیْ لَکَ
هِبَةٌ سُكْنٰى اَوْ سُكْنٰى هِبَةً اوسمین هِبَةٌ سُكْنٰى تفسیر ہے بیان ملکیت کی
بخلاف دَارِیْ لَکَ هِبَةٌ تَسْكُنُهَا کے کہ اوسمین تفسیر نہین ہے - ہدایہ - لَوْ قَالَ
هِبَةٌ تَسْكُنُهَا فَهِيَ هِبَةٌ لِاَنَّ قَوْلَهٗ تَسْكُنُهَا مَشُوْرَةٌ وَلَيْسَ بِتَفْسِيْرٍ وَهُوَ هِبَةٌ
بِالْمَقْصُوْدِ - بخلاف قَوْلِهٖ هِبَةٌ سُكْنٰى لِاَنَّهٗ تَفْسِيْرٌ لَهٗ یعنی اگر کہا کہ
ہبہ کیا تاکہ اوسمین رہے تو یہ ہبہ ہے کیونکہ اوسکا تَسْكُنُهَا یعنی تو اوسمین رہیگا کہنا بطور مشورہ
کے ہے نہ کہ اوسکی تفسیر اور اوس سے مقصود ہبہ ہے - بخلاف اوسکے اگر اوس نے کہا کہ هِبَةٌ
سُكْنٰى تو اوسمین سُكْنٰى یعنی رہنے کے لیئے تفسیر ہے ہبہ کی - جہان ہبہ نامہ مین یہ الفاظ لکھے
ہین کہ ہبہ کیا و دخل و قبضہ کرا دیا - اوسکے بعد جو یہ ہدایت کی ہے کہ بابو صاحب انتظام دیہات
کرین اور آمدنی اپنی ضروریات اور مالگذاری سرکار مین صرف کرین یہ تمام بطور مشورہ کے ہے
ہبہ کا معاملہ پہلے الفاظ پر تمام ہو گیا جبکہ ہبہ کا لفظ اپنے اصلی معنون پر دال ہے اور وہ قانون کی
نسبت بولا گیا ہے - ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ الفاظ سے ہمیشہ اونکے اصلی معنے مراد ہوتے
ہین ہان اگر کہین اصلی معنی درست نہ ہوتے ہون تو مجازی معنی مراد لئے جاوینگے - غیر زبانون
کی کتاب سے زیادہ سند کی ضرورت نہین - یہان جس دستاویز مین یہ عبارت ہے ہبہ کے
اصلی معنی عمدہ طور سے بیان ہوتے ہین - واہب نابالغ نہین ہے شے موہوبہ مشاع نہین -
کوئی وجہ نہین کہ ہبہ کے معنی عاریت کے لیے جاوین - اور جہان صاف لکھا ہے کہ موضع سہاولی

وکمال آباد ہبہ کیا اوسکی تفسیر یہ کیجاوے کہ منافع موضع سہاولی وکمال آباد بطور عاریتہ دیا۔ تمام دستاویز کی عبارت پڑہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فیض احمد خان کے دلمین عاریت کا تصور بہی نہ تہا۔ اونہون نے کافی الفاظ استعمال کیے ہین جنسے بجز ہبہ کے اور کوئی دوسرے معنی مراد نہین ہوسکتے اور تمام طرز ہبہ کا ہے عاریتہ کا کہین پتہ نہین ہے۔ جایداد کی مالیت قرار دی۔ اسٹامپ پورا لگایا۔ مثل کے شبہہ سے جو ہبہ کے لیے مضر تہا اوسمین لکہا کہ بلاشرکت دونون گانون میرے ہین۔ پھر یہ لفظ لکہا کہ ہبہ کیا اور اوسکو ہماتنک مستحکم کیا کہ مجکو یا میرے وارثون کو دعوی نہ ہوگا۔ پہر آخر مین نوعیت دستاویز بہی یہ لکہکر کہولدی کہ ہبہ نامہ لکہدیا۔ قبضہ بہی مسماۃ کو دیدیا جو موجب تکمیل ہبہ ہے۔ دستاویز مین لکہا (جسکی عاریت مین کچھ ضرورت نہ تہی) مسماۃ سے قبولیت کی بابتہ دستاویز لکہوائی جس قبول کی صحت ہبہ مین ضرورت تہی (عاریتہ مین کچھ ضرورت نہ تہی) بعد اختتام مضمون دستاویز و تحریر فقط کے مکرر اقرار یہ ہے کرکے جو عبادت لکہی ہے اوس سے تو مدعا علیہ نے اور بہی نوعیت ہبہ کو صاف کردیا کہ یہ ہبہ بالعوض ہے۔ کوئی وجہ نہین ہے کہ تمام الفاظ کی اصلی تعبیر کیون نہ ہو اور معاملہ کی نوعیت عاریت کیون قرار دیجاوے جبکا کہین تمام دستاویز مین تذکرہ بہی نہین ہے عاریت کا قرار دینا بجز اسکے نہین ہوسکتا کہ تمام الفاظ اپنے حقیقی معنون مین استعمال نہ کیے جائین لیکن اسکی بہت قوی وجہہ ہونی چاہیے جو عدالت کے نزدیک مفقود ہے۔

حکام پریوی کونسل نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کرکے یہ تحریر کیا۔ کہ اگر اغراض ہبہ مین سے کیسکی تخصیص کیجاوے تو اسکی وجہ سے ہبہ کا اثر محدود یا کم نہین ہوجاتا۔

نصیر حسین بنام صغرہ بیگم

بمقدمہ نصیر حسین بنام صغرہ بیگم واہب نے[۹۱] ایک مکان موہوب لہم اور اونکے ورثاء کو نسلاً بعد نسلاً سکونت کے لیے ہبہ کیا اور یہ شرط کی کہ اگر موہوب لہم مکان مذکور کو بیع یا رہن کرین

[۹۱] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۳ء صفحہ ۱۰۶۔

تو واہب کے ورثاء کو دعوی کرنیکا حق ہوگا۔ تجویز ہوئی کہ شرائط بطور مشورہ کے ہین اور اس سے ہبہ کا اثر محدود یا کم نہین ہوتا۔

کنوربای بنام اعلم خان

بمقدمہ کنوربائی بنام اعلم خان[۵۱] دستاویز کی عبارت یہ تھی کہ چھوٹے صاحب نے اپنے نابالغ لڑکے میر رحیم اسد کو میری گود دیا اوسوقت سے مین اوسکو مثل اپنے لڑکے کے پرورش و تربیت کرتی ہون اوسکو مین نے اپنی تمام جایداد و اسباب کا مالک قرار دیا ہے اور اونپر قابض کرا دیا ہے . . . تجویز ہوئی کہ یہ دستاویز ہبہ نامہ ہے نہ کہ وصیت نامہ۔

# فصل دوم واہب

## سید امیر علی صفحہ ۱۴

اہلیت

مثل دیگر معاہدون کے ہبہ کی صحت کے لیے بھی یہ ضرور ہے کہ واہب مین ہبہ کرنے کی اہلیت و قابلیت ہو۔ ہر تصرف شرعی کی صحت کے لیے کچھ اختیار شرط ہے یعنی تصرف کرنے والے پر جبر و اکراہ کا اثر نہ ہو۔ رضامندی ایک عقل کا کام ہے جسمین غور و تامل بھی شامل ہے اور انسان اوسکی بھلائی برائی کو گویا ترازو مین تولتا ہے۔ تمام تصرف شرعی عقد ہین اور ہر عقد کی صحت اس امر پر موقوف ہے کہ عقد کرنیوالا آزادی کے ساتھ اوسکے نتیجہ پر غور کر سکتا تھا اگر کوئی شخص کسی پیدایشی یا خارجی یا اتفاقی سبب سے اس قابل نہین ہے کہ آزادی کے ساتھ

[۵۱] بمبئی جلد ۷ صفحہ ۱۷۰۔

عقل سے کام لے تو اوسکے جملہ تصرفات کالعدم ہین - اسیلئے جملہ تصرفات شرعی کے لیے (۱) بلوغیت (۲) عقل (۳) آزادی (۴) ملکیت اوس شئے کی ہونی جسپر تصرف کیا جاے شرط ہے -

نابالغی نا بالغ بوجہ خامی عقل و فہم کے کسی عقد کرنے کی قابلیت نہین رکھتا - شرع مین پندرہ سال پورے ہونے پر نابالغی ختم ہوجاتی ہے (یہ عام راے ہے مگر بعض فقہا کے نزدیک اٹھارہوین سال پورے ہونے پر انسان بالغ ہوتا ہے) - اور قبل نفاذ ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ع ہر مسلمان شخص بعد پورے ہونے پندرہ سال کی عمر کے اپنی جائداد کے متعلق ہر قسم کے تصرفات کرنے کی قابلیت رکھتا تھا - لیکن بعد نفاذ ایکٹ مذکورہ کے قانوناً تین قسم کی بلوغیت قرار دیگئی ہے - بموجب دفعہ ۲ - ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ء نکاح و طلاق و مہر کے متعلق شرعی سن بلوغ قایم رکھا گیا - دیگر معاملات مین ایسے اشخاص کے لیے جو کورٹ آف وارڈس کی نگرانی مین ہین یا جنکے لیے کسی عدالت دیوانی سے کوئی ولی مقرر کیا ہے ۲۱ برس سن بلوغیت ہے اور دوسرون کے لیے ۱۸ برس - اول الذکر صورت مین تاوقتیکہ کوئی شخص ۲۱ برس کی عمر کا نہ ہو شرعاً ہبہ نہین کرسکتا اور صورت ثانی مین تاوقتیکہ ۱۸ سال کی عمر کا نہ ہو - قانون مذکور کی اس خصوصیت کی وجہ سے ایک ہی شخص کی قابلیت کی نسبت اوسکے مختلف افعال مین بہت دقتین پیدا ہوتی ہین - مثلاً کسی عورت کو جو پندرہ برس سے زیادہ عمر کی ہے مگر ایکٹ مذکور کی رو سے جو سن بلوغت قرار دیا گیا ہے اوس سے کم عمر ہے یہ اختیار ہے یا نہین کہ وہ اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کرسکے یا معاف کرسکے -

جنون تمام معاہدے یا عقود جو مجنون یا سفیہ نے کیے ہون کالعدم ہین لیکن اگر جنون مطبق نہین ہے تو وہ ایسے وقت جسمین اوسکو جنون نہین ہے چند شرایط کے ساتھ عقد یا معاہدہ کرسکتا ہے ہدایہ مین محجوری یعنی ممنوع التصرفات ہونے کے تین سبب بیان کیے گئے ہین یعنی نابالغی و جنون

وغلامی۔ گو فقہ کی کتابون مین صرف جنون ہی ممنوع التصرفات ہونیکا سبب بیان کیا گیا ہے
لیکن جو مثالیں بیان کی گئی ہین اون سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون نے اپنی حفاظت کا فائدہ
صرف ایسے ہی لوگون کے لیئے مخصوص نہین رکھا ہے جو مختلف اقسام کے جنون مین گرفتار
ہین بلکہ اوسکی حفاظت مین ایسے اشخاص ہی شامل ہین جو اتفاقی حالات مین عارضی طور پر
اپنی عقل سے کام لینے مین معذور ہین۔ لارڈ کوک کی کتاب سے اسٹوری صاحب نے
اون اشخاص کی فہرست نقل کی ہے جو قانوناً معاہدہ کرنے کی قابلیت نہین رکھتے اور شرعی
تصرفات مین جو شرط ہے کہ تصرف کرنے والا عاقل ہو تو عاقل کی توضیح کے لیے وہی بیان
غالباً شرع مین بھی صحیح ہوگا۔

لارڈ کوک صاحب نے چار قسم کے اشخاص بیان کیئے ہین جو باعتبار اپنے دل کی حالت
کے قانوناً ناقابل معاہدہ یا عقد ہین۔ اول جو پیدایشی سفیہ ہے۔ دوسرے وہ جو پیدایشی قوی
دا بہا حافظہ رکھتا تھا۔ مگر بعد مین کسی بیماری وغیرہ سے زائل ہوگیا۔ تیسرے مجنون جو کبھی
اپنے حواس مین رہتا ہے اور کبھی نہین۔ چوتھے وہ جو خود اپنے فعل سے اپنے کو اپنے افعال
کے نتیجہ سمجھنے کے ناقابل بنا دیتا ہے مثلاً شراب خوار۔ اس آخر الذکر قسم کی نسبت گو عام طور سے
یہ کہنا صحیح ہے کہ شراب خواری سے کسی فعل کے نتیجہ یا جرم کی سنگینی مین تخفیف نہین ہوتی بلکہ
زیادتی ہوجاتی ہے اور شراب خواری کے باعث وہ کسی رعایت کا مستحق نہ ہوگا اور گو قانون
کے بموجب شراب خوار کے افعال و معاہدہ بے اثر نہین ہین۔ لیکن عدالت ہاے انصاف
شراب خوارونکو اونکے افعال و معاہدون کے نتیجہ سے بری کرتی ہے درحالیکہ وہ فعل یا معاہدہ
انھون نے بیہوشی کی حالت مین کیا اور فریق ثانی نے دہوکا و فریب دیکر اون سے وہ افعال
کرائے۔ کیونکہ شراب خوار چاہے کیسے ہی بڑے فعل کا مرتکب کیون نہ سمجھا جائے۔ مگر
اس سے فریق ثانی کو کوئی استحقاق اس امر کا نہین حاصل ہوتا ہے کہ عدالت اونکے خلاف تہذیب

وفریبی کارروائی مین معین ہو۔

شراب خواری

شراب خواری کی بناء پر کسی فعل یا معاہدہ کو منسوخ کرنیکے لیے صرف یہی امر کافی نہین ہے کہ وہ شخص شراب کے نشہ مین تھا۔ بلکہ نشہ اوس اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے جس نے اوسکی عقل وفہم کو بالکل معطل کر دیا ہوا ور جب یہ حالت ہے تو یہ نہین کہا جا سکتا کہ اوس شخص نے غور و تامل کر کے کوئی فعل یا معاہدہ کیا۔ اگر نشہ اوس اعلیٰ درجہ کا نہین ہے تو عدالت ہاے انصاف اوسکے افعال کے نتیجہ سے اوس شخص کو بری نکرینگی تاوقتیکہ یہ نہ ثابت ہو کہ فریق ثانی نے اوسکے نشہ کی حالت سے فائدہ اوٹھا کر یا اوسے دہوکا وفریب دیکر اپنے مفید کوئی کام یا معاہدہ کرایا ہے۔ کیونکہ عام طور پر عدالت ہاے انصاف بخیال مصلحت ایک جانب اس امر پر مائل نہین ہین کہ کسی ایسے شخص کی رعایت کرین جس نے دوسرے سے حالت نشہ مین کوئی معاہدہ کرایا اور اسی طرح دوسری جانب وسے اس امر پر مائل نہین ہین کہ کسی شراب خوار کو اوسکے افعال کے نتیجہ سے صرف اس بناء پر بری کرین کہ اوس نے نشہ کی حالت مین ایسا کیا۔ اس لیے عدالت انصاف فریقین کو اپنا چارہ کار قانونی حاصل کرنے کی ہدایت کریگی بشرطیکہ کسی فریب یا دہوکہ سے کام نہ لیا گیا ہو۔

شراب خواری کے متعلق مصنفان قانون نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ اگر کسی شخص نے نشہ کی حالت مین کوئی معاہدہ کیا گو اوس شخص نے اپنی خوشی سے بھی شراب پی ہو تو وہ معاہدہ کالعدم ہے کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا کہ رضامندی دینے کے وقت وہ غور و تامل کر سکے۔ . . . ایک مصنف اس امر پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یا تو نشہ بہت زیادہ ہوگا یا اوسط درجہ کا۔ اگر متوسط درجہ کا ہے یعنی اس قسم کا کہ اوسکی عقل اس درجہ زایل نہین ہوئی تھی کہ وہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس سے معاہدہ کرتا ہے اور کیا معاہدہ کرتا ہے تو وہ معاہدہ قابل پابندی ہوگا۔ لیکن اگر نشہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ شخص نشہ کی حالت مین ہے تو اوس شخص نے جس نے

اوس سے معاملہ کیا یا تو شخص مدہوش کو فریب دیا یا کم سے کم اوسکو فریب اپنی اس غلطی کیطرف منسوب کرنا چاہیے کہ اوس نے ایسے شخص سے جو حالت مدہوشی مین تھا کوئی معاملہ کیا۔ اسس فرق کو اسکاٹلینڈ کے قانون نے صحیح تسلیم کیا ہے کیونکہ وہان کے قانون کے بموجب کوئی شخص جو بالکل مدہوشی کی حالت مین ہے اور اسوجہہ سے اوسکی عقل معطل ہوگئی صحیح طور پر کوئی معاہدہ نہین کرسکتا۔ لیکن کم درجہ کا نشہ عقل پر صرف ایک پردہ ڈال دیتا ہے اور وہ معاہدون کے منسوخ ہونیکا سبب نہین ہوسکتا؛؛

سفیہ | قریب قریب اسکی ہمشکل اوس شخص کی حالت ہے جسکو مجنون نہین کہہ سکتے مگر دل کا ایسا کمزور ہے جو فریب و دہوکے مین آجاتا ہے یا ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص اصرار سے کچھہ کہے یا ناجایز دباؤ غت سے کام لے تو اوسکے کہنے کو نہین ٹال سکتا۔ ایسی حالت مین اس امر کی تلاشش بالکل غیر ضروری ہے کہ یہہ کمزوری کیونکر پیدا ہوئی یعنی بیماری کی وجہہ سے یا ضعیفی کی وجہہ سے یا بچپن سے پیدائشی ہے یا کسی خوف سے یا ہجوم مصیبت سے یا ہمیشہ متفکر رہنے سے۔ کسی نے خوب کہا کہ گو کسی شخص کی ناقابل معاملہ ہونیکا کوئی قطعی ثبوت نہ ہو لیکن اگر وہ کم سمجھ کا آدمی ہے اور اوسوقت تکلیف و مصیبت مین ہے یا مفلوج ہے اور دستاویز لکھے تو ایسی حالتون مین یہ نہین خیال کیا جاسکتا کہ وہ دستاویز لکھنے کے وقت اپنے پہلو مین ایسا دل رکھتا تھا جیسا کہ اس قسم کے معاملہ سمجھنے کے لیے ضرور تھا اور اسلیئے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اوسے آسانی سے فریب دیا گیا؛؛ صرف سفاہت ممنوع التصرف ہونیکا سبب نہین ہوسکتا[۱] اسلیئے ایک کمزور دل کے آدمی کے افعال صحیح و لایق پابندی ہین بشرطیکہ فریب دیا جانا نہ ثابت ہو۔

حریت | کسی معاہدہ کے جواز کے لیے حریت یعنی آزادی لازمی شرط ہے۔ مملوک ویسے ہی ممنوع التصرف ہے جیسے صغیر و مجنون۔ لیکن غلام و مجنون کی حالت مین صرف اس قدر فرق ہے کہ غلام کے افعال و تصرفات اوسکے آقا کی اجازت دینے پر جایز ہوجاتے ہین جیسے کہ نابالغ کا

---

[۱] کریم النساء بی بی بنام حسینی بی بی الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۲۰۶—

فعل اوسکے ولی کی اجازت دینے پر۔ لیکن مجنون کے افعال قطعی باطل وکالعدم ہین۔
چونکہ غلامی کا قاعدہ اوس نرم و ملایم شکل مین بھی جو شرع مین جایز رکھا گیا تھا ہندوستان مین رایج نہین ہے اسلیئے غلامی کے متعلق جملہ مسائل اب صرف ایک تاریخی دلچسپی رکھتے ہین جس سے پچھلے زمانہ کی طرز و عادات معلوم ہوسکتے ہین اور جو زمانہ موجودہ کی تہذیب و تمدن و رسول مقبول کے قوانین کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھنے کے باعث اب چراغ سحری ہو رہے ہین

اکراہ | غلامی سے جو نا قابلیت پیدا ہوتی ہے وہ غلام کی ذات کے ساتھ جب تک وہ غلام ہے ہمیشہ قایم رہیگی۔ قانون کی نظر مین غلام کی حالت صغیر کی حالت کی سی ہے۔ لیکن اختیار یا آزادی کا عارضی طور پر زایل ہونا۔ (یعنی جبر و اکراہ اگر کسی شخص کو اوسکی خواہش کے مطابق عمل کرنے سے مانع ہے) کوئی وجہ ممنوع التصرف ہونے کی نہین ہے۔ کیونکہ یہ زوال عارضی ہے اور اوسکے حقوق و ذاتی حیثیت پر بخلاف غلامی کے کچھ اثر نہین رکھتا۔ اسوجہ سے اگر کوئی معاہدہ جبر و اکراہ سے کیا گیا ہو تو وہ جایز ہے اگر بعد رفع ہونے جبر و اکراہ کے اوس شخص نے اوسے قایم رکھا۔ کتب فقہ مین ایک خاص باب اکراہ کے عنوان سے ہے اور اوسمین اوسکے متعلق تمام اصول بیان کئے گئے ہین گو بادی النظر مین اونمین سے بعض اصول انگریزی قانون متعلق جبر و دباؤ ناجایز سے کچھ کم درجہ کے معلوم ہوتے ہین لیکن بالعموم دونون کے اصول مشابہ ہین (دیکھو دفعہ ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ قانون معاہدہ) شرع کا یہ اصول کہ جب کسی آزاد و بالغ و عاقل شخص نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اوسے اکراہ کی بناء پر ناجایز قرار دینے کے لیے یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ جبر کرنے والا وہ ضرر پہونچا سکتا تھا جسکی وہ دہمکی دیتا تھا اور نیز یہ کہ وہ ضرر بھی جسکی دہمکی دیگئی تھی اس قسم کا ہو جسکا خوف ایک سمجھدار آدمی کے دل مین پیدا ہوسکتا ہے یہ اصول درحقیقت ایک انگریزی قاعدہ انصاف کو دوسرے پیرایہ مین بیان کرتا ہے وہ انگریزی قاعدہ انصاف یہ ہے کہ جبر اس قسم کا ہو کہ جس سے یہ قیاس ہوتا ہو کہ مکرہ (یعنی جس شخص پر جبر کیا گیا) نیک نیتی سے اوس جبر کے باعث

آزادانہ اپنی مرضی کے مطابق عمل نہ کر سکے کوئی حالت جس سے کسی شخص کی آزادی اس طرح پر
مغلوب ہو جاتی ہو جیسا کہ مذکور ہوا اور اس سے فریق ثانی کو ذیا کچھ فائدہ پہونچتا ہو تو اوس صورت
مین قاضی کو معاہدہ فسخ کرنا جائز ہے۔ انگریزی قانون مین بھی مثل شرع محمدی کے اکراہ صرف
اونہین صورتون سے متعلق نہین ہے جنمین درحقیقت کسی شخص کی آزادی کو نقصان پہونچایا
گیا ہو یا واقعی تہدید سے کام لیا گیا ہو۔ بلکہ اکراہ اون تمام صورتون سے متعلق ہے جنمین کوئی
شخص آزادانہ اپنی مرضی کے مواقف بوجہ نہایت خوف کے کوئی عمل نہ کر سکے۔ خواہ وہ خوف اپنی
ذات کے لیے ہو یا کسی اور شخص کی نسبت۔ اشد ضرورت۔ سخت مصیبت۔ متعاقدین کے باہمی
تعلق کی نوعیت کی نسبت غلط فہمی۔ دہوکا۔ اور ایک شخص کا دوسرے پر اثر۔ یہ سب
صورتین اکراہ مین داخل ہین۔ شرع محمدی مین کوئی قاعدہ اون اشخاص کی ذمہ داری کی نسبت
نہین بیان ہوا ہے جو ایسے ایسا رشتہ رکھتے ہون جنکی وجہ سے ایک کا دوسرے پر اعتبار ہو۔
لیکن ایسی صورتون مین عموماً انگریزی اصول برتا جاتا ہے۔ بمبئی ہائی کورٹ نے ایک مسلمان
پردہ نشین کی ہبہ کو باوجود یکہ ہبہ کرنے کی شرعی قابلیت اوسمین پائی جاتی تھی اس بنا پر کالعدم
قرار دیا کہ اسمین انگریزی قانون متعلق اعتباری رشتہ کے اصول کے خلاف ورزی ہوئی تھی[۵۱] اور
اوسی اصول کو حکام پریوی کونسل نے مقدمہ تاکردین تیواری بنام نواب سید علی حسین خان بحال رکھا[۵۲]

---

[۵۱] راجا بائی بنام محمد اسمٰعیل مدینہ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۳۷۔
[۵۲] اپیل ہائے ہند۔ در پریوی کونسل ۲۰ ضمیمہ صفحہ ۱۹۲۔

# فصل سوم شرائط ہبہ

## سید امیر علی جلد ۱ صفحہ ۴۸ و صفحات ما بعد

ہبہ کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ موہوب واہب کی ملکیت ہو ورنہ ہبہ باطل ہے۔
اس مسئلہ مین کہ اگر کوئی شخص قرض سے محیط ہے وہ ہبہ کر سکتا ہے مالکی و حنفی کے جواب مختلف
ہین لیکن نتیجہ دونون کا ایک ہے۔
مالکی مذہب کی روسے اگر کوئی شخص قرضہ مین مستغرق ہے تو وہ اپنی جائداد دوسرے کو مفت
دینے سے مجبور ہے۔ اسلیے اگر کسی ایسے شخص نے ہبہ کیا تو وہ ہبہ باطل ہے۔ لیکن مذہب
حنفی مین قرضہ مین مستغرق ہونا ہبہ کرنیکا مانع نہین ہے لیکن اگر قرض خواہون کی مضرت کے لیے
ہبہ کیا گیا ہے تو اونکے استغاثہ پر قاضی اوس ہبہ کو باطل قرار دیگا۔ یہ اصول انگریزی قانون کی
موافق ہے۔ کیونکہ اوسکی روسے بھی ایسا ہبہ یعنی جس سے قرض خواہون کو فریب دینا مقصود ہو صرف
قابل انفساخ ہے باطل نہین ہے۔ دفعہ ۵۳ قانون انتقال سے حنفی اصول کی تشریح ہوتی ہے۔
واہب کا صرف مقروض ہونا یا اوسکی مالی حالت کا ایسی پیچیدگیون مین پڑجانا جس سے وہ قرضہ کے
ادا کرنے کی ناقابل ہونا جوازی ہبہ کے لیے کافی وجہ نہین ہے اور نہ اس سے کوئی فریب ثابت
ہوتا ہے حالانکہ صرف فریب ہی کی بناء پر ہبہ منسوخ ہوسکتا ہے[۱]۔ لیکن یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ ہبہ
کرنے کے وقت واہب کے ذمہ قرض باقی تھا اور واہب گو درحقیقت دیوالیہ نہ تھا مگر قرضہ مین اسقدر

---

[۱] عظیم النسا بیگم بنام ڈاسلے مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۴۶۸ و فلٹن صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۵۴۔

ڈوبا ہوا تھا جس سے عدالت اس نتیجہ کے اخذ کرنے پر مجبور ہو کہ واہب کا مقصود اپنے قرض خواہون کو فریب دینا تھا[۵۱]- لیکن اگر جایداد موہوبہ کے علاوہ واہب کے پاس اسقدر اور جایداد ہو جس سے اوسکا قرض ادا ہو سکتا ہے تو اس صورت مین کوئی قیاس قرض خواہان کے فریب دہی کا نہ پیدا ہوگا- اگر ہبہ کرنے کے وقت واہب کسیکا مقروض نہ تھا تو شرع محمدی کے بموجب قرض خواہان مابعد کو ہبہ پر معترض ہونیکا حق نہین ہے- شرع محمدی کے مطابق اگر ہبہ کا کچھ بھی معاوضہ ہو خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیون نہ ہو تو اوس سے اوسکی نوعیت بدل جاتی ہے اس صورت مین پھر وہ ہبہ نہین باقی رہتا بلکہ ایک انتقال بمعاوضہ ہے جسمین حوالگی قبضہ ضروری نہین ہے- اس قسم کے انتقالات پر قرض خواہ کس حد تک حملہ کر سکتے ہین ہم بعد مین لکھینگے- اگر نیک نیتی سے ہبہ کر کے قبضہ دیدیا گیا ہے تو وہ بمقابلہ خریدار مابعد کے صحیح ہے- پریزیڈنسی ٹاونس کے علاوہ دیگر حصہ ہندوستان سے قانون ۲۷ ملکہ ایلیزیتھہ باب چہارم کا تعلق قبل نفاذ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ع کے کچھ نہ تھا- مگر دفعہ ۵۳- ایکٹ مذکور مین وہ اصول صحیح تسلیم ہوا ہے لیکن فقرہ (د) دفعہ ۲ ایکٹ مذکور کا صاف الفاظ مین کہتا ہے کہ "اس ایکٹ کے باب دوم کی کوئی عبارت شرع محمدی کے کسی قاعدہ پر کچھ اثر نہین رکھی گی"

کوئی منکوحہ عورت صرف نکاح کی وجہ سے زمانہ قیام نکاح مین انتقال کرنے سے ممنوع نہین ہے وہ اپنی جائداد کا انتظام جسطرح چاہے کر سکتی ہے[۵۲]-

جو ہبہ کہ مرض الموت مین کیا جاتا ہے اوسکی بابت مختلف مذہبون مین مختلف احکام ہین- امام مالک کے نزدیک ایسا ہبہ ناجائز ہے- جامع الشتات کے بموجب جو شیعون کی بہت مستند کتاب ہے- ہبہ

---

[۵۱] چندر مادہب داس بنام اسمعیل وغیرہ ویکلی رپورٹر جلد ۲۵ صفحہ ۱۱۹ و رام ٹونکر جی بنام بی بی زینت فلش صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۵۲-

[۵۲] لطیف النسا بنام راجو کہان ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۸۴-

جو ایسے مرض مین کیا گیا ہے جس سے واہب کا انتقال ہوا کل جائداد کی نسبت صحیح ہے۔ بشرطیکہ واہب کی حیات مین موہوب لہٗ کا قبضہ او سپر ہو گیا اور واہب اپنے ہوش و حواس مین تھا۔ یہ مسئلہ ذیل کے سوال و جواب سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

## سوال

چہ میفرمایند در این مسئلہ کہ ہر گاہ شخصے در مرض الموت ہبہ و بخشش نماید کل مال خود را بشخصے در حال صحت عقل آیا این ہبہ معتبر و صحیح است از اصل مال یا از ثلث و آیا در لزوم این موہبہ شرط است تصرف متہب در مال یا نہ بر فرض اشتراط آیا تصرف در بعض در حکم تصرف در کل است یا نہ و ہر گاہ واہب موہوب را بتصرف متہب بدہد و متہب اور او اطاق واہب در دولایہ گذاشتہ و کلید آن دولایہ را خود متہب بردارد آیا این را تصرف معتبر در شرع میگویند یا نہ و ہر گاہ واہب یورتے را بمتہب ہبہ نمودہ باشد و رفع موانع از تصرف متہب نمودہ باین معنی کہ متہب در آن یورت آمد و شد کند و واہب مانع او نشود لیکن واہب بجہت ناخوشی و بیماری در آن یورت خوابیدہ باشد آیا این را تصرف متہب میگیرند یا نہ۔

## جواب

بلے ہبہ صحیح است و اظہر است این کہ در تمام مال صحیح است و منحصر در ثلث نیست و تصرف و قبض در مطلق ہبہ شرط است و بدون آن لزومے ندارد و اگر قبل از اقباض بمیرد ہبہ باطل میشود مگر آنکہ متہب صغیر باشد و واہب ولی باشد کہ قبض ولی قبض صغیر است و ضرور بہ قبض علیحدہ نیست و قبض بعض در لزوم کل کافی نیست و در منقولات ہمان اخذ باید بخصوص باین نحو کہ در جائے مضبوط کند کافیست ہر چند در خانہ واہب باشد و ہم چنین در اقباض یورت تخلیہ باد و رفع مانع از تصرفات کافیست ہر گاہ بقصد اقباض بودہ و خوابیدن خود در آنجا مانع از تخلیہ نمیدانست و ظاہر اینست کہ ہر گاہ بگوید خانہ از تو و تصرف کن و بیاد بر لیکن من ہم چند روزے در اینجا ہستم چون بیمارم یا آنکہ در عرف و عادت مضائقہ از بودن آن در آن مکان نمی شدہ و میگفتہ اند کہ بتصرف او دادہ کافیست و شاید کہ این

از باب اقتباص صندوق باشد باوجود آنکہ متاع واصب درآن باشد۔

مرض الموت | حنفی مذہب مین اگر موت کے وقت یا مرض الموت مین ہبہ کیا تو تصرف اوسکے متروکہ کی ایک ثلث کی نسبت صحیح ہے۔ فتاوی عالمگیری مین مرض الموت کی یہ تعریف لکھی ہے فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ - مرض الموت کی پہچان مین مختلف کلام ہین۔ مگر فتوی کے واسطے یہ قول مختار ہے کہ اگر مرض ایسا ہے کہ اکثر اوس سے آدمی نہین بچتا ہے تو وہ مرض الموت ہے خواہ وہ بیمار بستر پر گر گیا ہو یا نہین مضمرات

فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ مرض الموت اوسکو کہتے ہین کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور یہ پہچان پسندیدہ ہے اور ہم اسکو لیتے ہین جوہرۃ النیرہ - ایک مریضہ نے اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کیا اور پہر مر گئی تو فقیہ ابو جعفر نے فرمایا کہ اگر ہبہ کے وقت وہ ایسی تہی کہ اپنی ضرورتون کیواسطے اوٹھتی بیٹہتی تھی اور بیرون گھر بغیر مدد کے لوٹ آتی تہی تو وہ بمنزلہ تندرست کے قرار دیجائیگی اور اوسکا ہبہ صحیح ہوگا - فتاوی قاضی خان -

اور لنجا و مفلوج و مسلول اگر مدت دراز تک بیمار رہین اور ہر دست موت کا خوف نہ ہو - تو ان لوگونکا ہبہ کل مال سے صحیح قرار دیا جائیگا - تبیین - اگر عورت کو دردزہ شروع ہوا تو اس حالت مین جو فعل اوس نے کیا وہ تہائی مال سے صحیح ہوگا پہر اگر وہ اس درد مین بچگئی تو جو کچھ اوس نے کیا ہے وہ کل مال سے صحیح ہوگا - جوہرۃ النیرہ -

اگر کسی عورت نے دردزہ مین اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کیا پھر بچہ پیدا ہوا اور وہ عورت حالت نفاس (یعنی وہ زمانہ جو بچہ پیدا ہونے کے بعد طہارت کے لیے معین ہے) مین مر گئی تو صحیح نہین ہے - سراجیہ - ایک عورت نے اپنے مرض الموت مین اپنا مہر شوہر کو ہبہ کیا اور اوسکا شوہر اوس سے پہلے مر گیا تو عورت کا اوسکے ترکہ و مہر پر کچھ دعوی نہین ہو سکتا کیونکہ جب تک خود اس مرض سے نہ مرے تب تک ابرا صحیح ہے - ہان جب وہ خود

مرگئی تو اوسکے وارث مہر کا دعویٰ کر سکتے ہین۔ تقیبہ ۵۱ مریض کے ہبہ کی دو حیثیت ہین۔ ایک باعتبار اوسکے نفاذ کے مثل وصیت کے ہے اور دوسری باعتبار جوالگی قبضہ مثل ہبہ کے وصیت مین موت کے بعد ملکیت منتقل ہوتی ہے مگر ہبہ مین فوراً۔ حنفی مذہب مین لفظ مرض الموت صرف اونہین بیماریون پر صادق نہین ہے۔ جس سے درحقیقت موت وقوع مین آگئے بلکہ اون بیماریون پر بھی بولا جاتا ہے۔ جس سے موت کا واقع ہونا بہت قرین قیاس ہو اور مریض کو اون سے موت کا خوف ہو۔ لیکن الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ تجویز کی ہے کہ جب مرض زیادہ مدت کا ہو اور اوس سے فوراً مرنیکا خوف نہ ہو تو مریض اپنی کل جائداد ہبہ کر سکتا ہے زیادہ مدت کا مرض وہ ہے جو ایکسال تک رہا ہو اور اوس سے فوراً مرنیکا خوف نہ ہو۔ ۵۲ مقدمہ لبی بی بنام ببن بی بی ہائیکورٹ ۵۳ نے یہ تجویز کی کہ بموجب شرع محمدی کے مریض کا ہبہ ناجایز نہین ہے اگر ہبہ کرنے کے وقت اوسکی بیماری زیادہ عرصہ کی ہے یعنی سال بھر ہو چکا ہے اور اوسکے ہوش و حواس بجا ہین اور فوراً مر جانیکا خوف نہین ہے۔ اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہبہ ناجایز نہین ہے اگر ہبہ کرنے کے وقت واہب کسی مرض مین سال بھر سے زیادہ بیمار رہا ہو اور اپنے ہوش و حواس مین ہو اور فوراً مرنیکا کوئی خوف نہ ہو گو ہبہ کرنے کے تہوڑے عرصہ کے بعد ہی وہ مر گیا لیکن اوسی بیماری سے مرا یا کسی اور وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا ان ہر دو مقدمات آخر الذکر کی تقلید بمقدمہ امیرن بی بی بنام مان بی بی ۵۴ کی گئی اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مہلک بیماری مین گرفتار ہو تو وہ اپنی کل جائداد کا ہبہ نہین کر سکتا اگر مرض کو

---

۵۱ بمقدمہ محمد وزیر خان بنام سید الطاف علی یہ تجویز ہوئی کہ وارث کے حق مین بحالت مرض الموت اگر ہبہ کیا جائے تو وہ ناجایز ہے کیونکہ ایسا ہبہ بمنزلہ وصیت کے ہے۔ ہفتہ وار ۱۸۸۲ع صفحہ ۳۲ ۵۲ الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۷۱۳۔ محمد گل شیر خان بنام مریم بیگم ۵۳ ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۶ صفحہ ۱۵۹۔ ۵۴ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۸ع صفحہ ۵۸۔

ایکسال نہ ہو چکا ہو۔ اگر ایسے مریض نے ہبہ کیا تو صرف بقدر ایک ثلث کے جایز ہوگا
بشرطیکہ موہوب لہٗ وارث نہ ہو۔ اگر وارث ہے تو بغیر اجازت دیگر ورثا کے ہبہ جایز نہ ہوگا[۵۱]
بمقدمہ غلام مصطفیٰ خان بنام ہرست[۵۲]۔ یہ تجویز ہوئی کہ شرع محمدی کے احکام جو ہبہ مرض الموت
سے متعلق ہین وہ ایسی ہبہ سے متعلق نہین ہین جو بعوض دین مہر کے کیا گیا ہو کیونکہ یہ تو درحقیقت
مثل بیع کے ہے۔ ہبہ کرنے کے لیے اگر کسی نے وکیل کیا تو اوسکے اختیارات وہی
ہونگے جو اوس شخص کے تھے جس نے وکیل مقرر کیا۔ عام طور پر شوہر اپنی زوجہ کا وکیل
نہین ہے۔

# فصل چہارم ہبہ

ہبہ کرنے کے وجوہات

ہبہ ایک عقد مشروع ہے کیونکہ آن حضرت نے فرمایا تَهَادَوْا وَتَحَابُّوا
یعنی باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دو تاکہ آپسمین محبت پیدا ہو۔ بخاری نے اس حدیث کو روایت
کیا ہے۔ ہدایہ۔ ہبہ کا اصول اسی حدیث پر مبنی ہے۔ ابتداءً (جیسا کہ اس حدیث سے
واضح ہوتا ہے) آپسمین محبت پیدا کرنے کے لئے ہبہ مشروع قرار پایا تھا مگر کچھ زمانہ بعد
محبت کو عملی طور پر ظاہر کرنے کے لئے اس اصول سے کام لیا گیا۔ یعنی جب ایک شخص کو
کسی سے محبت ہوتی ہے تو اوسکے حق مین ہبہ کرتا ہے اسطرح پر عمل کرنے کے
لیے مسلمانون کو بعض حالتو مین سخت ضرورت تھی کیونکہ اہل اسلام کے جملہ مذاہب مین
محجوب الارث کا مسئلہ صحیح مانا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کے دو لڑکے ہین اور ایک اونمین سے

[۵۱] محمد وزیر خان بنام سید الطاف علی الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۳۵۷ [۵۲] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۵۴۔

اپنے باپ کی حیات مین چند اولاد چھوڑکر فوت ہوگیا تو پوتون کو موجودگی اپنے چچا کے دادا کے ترکہ سے کچھ میراث نہ ملیگی۔ لڑکیوں کا حصہ شرعاً لڑکون سے کم ہے۔ سنی مذہب مین عصوبت کا بھی قاعدہ ہے۔ یعنی دختر کی اولاد بھائی کی اولاد ذکور کی موجودگی مین محجوب ہوتی ہے۔ ان صورتون مین اگر مورث کو اپنی محجوب اولاد کے ساتھ محبت ہے تو ہبہ کے ذریعہ سے اوسکے حرمان کو رفع کر سکتا ہے۔ صرف اسیقدر نہین بلکہ اگر وہ چاہے تو کسی خاص اولاد کو (خواہ وہ محجوب ہو یا نہ) اوسکے حصہ معین سے زیادہ دیسکتا ہے۔ چنانچہ اسکے متعلق فتاوی عالمگیری جلد سویم مین حسب ذیل لکھا ہے۔ صفحہ ۱۶۸۔

اگر کسی شخص نے اپنی صحت مین اپنی اولاد کو کوئی شے ہبہ کی اور اس ہبہ سے بعض کی تفضیل کا قصد کیا تو امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ اسمین کچھ ڈر نہین بشرطیکہ جسکی تفضیل منظور ہے اوسمین دین کی راہ سے کوئی فضیلت ہو و اگر سب برابر ہون تو مکروہ ہے۔ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ کچھ ڈر نہین ہے بشرطیکہ اوس سے ضرر رسانی مقصود نہ ہو و اگر ضرر رسانی مقصود ہو تو سب مین اوسکو برابر کرکے عطا کیا جائے اور اسی پر فتوی ہے فتاوی قاضی خان۔ اور یہی مختار ہے۔ یہ ظہیریہ مین ہے۔ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو کل مال حالت صحت مین ہبہ کر دیا تو حکم قضا مین جایز ہوگا لیکن وہ شخص اپنی اس حرکت سے گنہگار ہوگا۔ فتاوی قاضی خان۔ اگر اوسکی اولاد مین کوئی فاسق ہے تو اوسکو اوسکی خوراک سے زیادہ نہ دینا چاہیئے تاکہ معصیت کا مددگار نہ ثابت ہو۔ خزانۃ المفتین اگر کسی شخص کا لڑکا فاسق ہو۔ اور اوسنے چاہا کہ مین اپنا مال نیک راہ مین صرف کرون اور لڑکے کو میراث سے محروم کرون تو یہ امر اوس مال کو چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔ خلاصہ۔ اگر کوئی لڑکا علم مین مشغول ہے اور کچھ کماتا نہ ہو تو کچھ ڈر نہین کہ اوسکو دوسرے پر فضیلت دی جاے۔

# فتاوی عالمگیری

**شرائط ہبہ** ہبہ کی چند شرائط ہین جنمین سے بعض نفس رکن کی طرف راجع ہین وہ یہ ہین کہ ہبہ کرنا ایسی شے کے ساتھ معلق نہ ہو جسکے وجود و عدم کا خطرہ ہو جیسے زید کا گھر مین داخل ہونا یا خالد کا سفر سے واپس آنا۔ اور وہ کسی وقت کی طرف مضاف نہ ہو جیسے یہ کہا کہ مین نے تجھے آیندہ کل کو یہ شے ہبہ کیا۔ ہبہ مین رقبیٰ باطل ہے۔ مثلاً یون کہنا کہ یہ گھر تیرے لیے رقبیٰ ہے چونکہ یہ معنی ہین کہ اگر تو مر گیا تو میرا ہے و اگر مین مر گیا تو تیرا ہے پس ہر ایک دونون مین دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔

جو شرائط موہوب کی طرف راجع ہین وہ یہ ہین کہ شے موہوبہ ہبہ کے وقت موجود ہو مثلاً اگر زید نے وہ پھل ہبہ کیے جو اوس سال اوسکے درخت مین آوین یا جو اونٹنی اوس سال بچہ جنے وہ ہبہ کیا تو صحیح نہین ہے۔ اسیطرح اگر یون ہبہ کیا کہ جو کچھ اس بکری کے پیٹ مین ہے یا تھنون مین ہے یا جو آٹا ان گیہون مین ہے یا جو مسکہ اس دودھ مین ہے یا جو تیل ان تلون مین ہے یہ سب ناجائز ہے۔ گو ان چیزون کے پیدا ہونے کے وقت موہوب لہٗ کو قابض کر دیا ہو کیونکہ یہ چیزین فی الحال موجود نہین ہین پس محل حکم عقد نہین پایا گیا جواہر اخلاطی[ا] اگر کسی بکری کے بچہ کا تا وقت ہبہ کیا اور کاٹ کر موہوب لہٗ کو حوالہ کر دیا تو صحیح ہے۔ یہ بھی شرط ہے کہ شے موہوبہ کچھ قیمت رکھتی ہو پس ایسی چیز کا ہبہ جو اصلاً مال نہین جائز نہین ہے جیسے مردار اور خون و شور وغیرہ و نہ ایسی چیز کا ہبہ جائز ہے جو مال متقوم نہین جیسے شراب۔

**ہبہ کیونکر کیا جاتا ہے** ہدایہ مین ہے کہ ہبہ ایجاب و قبول و قبضہ سے صحیح ہوتا ہے ایجاب و قبول

---

[ا] دفعہ ۱۲۴ قانون انتقال اسی اصول پر مبنی معلوم ہوتا ہے گو اوسکا تعلق شرع سے نہین ہے۔

کی ضرورت تو اسوجہ سے ہے کہ یہ عقد ہے اور عقد کے لیے ایجاب وقبول شرط ہین اور قبضہ ثبوت ملکیت کے واسطے ضروری ہے[۵۱]۔ یعنی عقد ہبہ تو بدون قبضہ کے ہوجائیگا مگر موہوب لہٗ کو ملکیت صرف اوس صورت مین حاصل ہوگی جب اوسکا قبضہ بھی ہوجائے لیکن امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے موہوب لہٗ کی ملکیت ہوجاتی ہے جیسے بیع مین مشتری کو قبضہ سے پہلے ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔ ایسا ہی اختلاف صدقہ مین بھی ہے[۵۲]۔

شرع مین کوئی خاص ضابطہ ہبہ کرنیکا نہین ہے۔ ہبہ زبانی وتحریری دونون طرح سے ہوسکتا ہے۔

دفعہ ۱۲۳ قانون انتقال گو شرعی ہبہ سے متعلق نہین ہے لیکن ہندوستان مین اگر جائداد غیر منقولہ کا ہبہ بذریعہ تحریری دستاویز کے ہوگا تو اوس سے قانون اسٹامپ ورجسٹری متعلق کیے جائینگے ورنہ نہین[۵۳]۔ ہبہ کرنے کے لیے کسی مخصوص الفاظ کا استعمال کرنا ضرور نہین ہے۔ اگر قراین سے معلوم ہو کہ ہبہ کرنا مقصود ہے تو ایجاب وقبول کا اظہار الفاظ

[۵۱] نند اسنگھ بنام میر جعفر شاہ سیل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۵ [۵۲] حنفیون کی یہ دلیل ہے کہ ہبہ تو ایک احسان یعنی تبرع ہے اور قبضہ سے پہلے موہوب لہٗ کی ملکیت ثابت کرنے مین احسان کرنے والے کے ذمہ ایسی چیز لازم کرنا ہوتا ہے جسکا اوسنے ہنوز التزام نہین کیا یعنی سپرد کرنا۔ پس یہ ملکیت ثابت کرنا صحیح نہین ہے۔ اور یہ حکم بخلاف وصیت کے ہے کیونکہ وصیت مین ثبوت ملکیت کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے یعنی جب وصیت قبول کی تو موصی کے مرتے ہی ملکیت ثابت ہوجائیگی اگرچہ قبضہ نہ ہوا ہو[؟] احسان کرنے والی میت پر کوئی چیز لازم نہین کی گئی ہے۔ کیونکہ موت کی وجہ سے اوسمین یہ لیاقت ہی نہ رہی اور ابھی وارث کا حق متعلق ہی نہین ہوا۔ کیونکہ وارث کا حق تو وصیت کے بعد ہے تو وارث اس مال وصیت کا مالک نہین ہوا [۵۳] دیکھو دفعہ ۱۲۹۔ ایکٹ ۴ ۱۸۸۲ء دبادا صاحب بنام محمد مدراس جلد ۱۹ صفحہ ۳۴۳

کے ذریعے سے شرط نہین ہے۔ مثلاً اگر کسی فقیر کو کسی شخص نے کوئی چیز دی اور اوس نے لے لیا اور دونون مین سے کسی نے ایک لفظ زبان سے نہ کہا تو صحیح ہے (ردالمحتار) اور اصل ان مسائل مین یہ ہے کہ اگر ایسا لفظ کہا جس سے تملیک رقبہ یعنی عین شے کا مالک کر دینا ثابت ہوتا ہے تو ہبہ ہوگا اور جس سے منفعت شے کا مالک کرنا مقصود ہو تو عاریت ہوگی اور جس لفظ سے دونون کا احتمال پیدا ہوتا ہو اسمین نیت پر حکم ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بی بی کو دینار دئے اس غرض سے کہ اوس کے پہننے کیواسطے کپڑے بنوا دے مگر اوسنے اون دینارون کو کسی تجارت مین لگایا۔ تو جو منافع اوس تجارت مین ہوگا وہ اور کل دینار سب اوس عورت کی ملکیت ہوگی۔

فتاوی عالمگیری | کسی شخص نے اپنے داماد سے کہا کہ یہ زمین تیری ملک ہے تو جا کر اسمین زراعت کر پس اگر داماد نے اوسوقت کہا کہ مین نے قبول کیا تو زمین اوسکی ہو جائیگی و اگر داماد نے یون نہ کہا تو زمین اوسکی نہ ہوگی۔ ظہیریہ۔

اگر کسی مسلمان نے ایک جماعت سے کہا کہ یہ مال تمہارا ہے تو یہ ہبہ ہے۔ فتاوی قاضی خان

اگر کسی نابالغ کے باپ نے کوئی باغ لگایا اور کہا کہ مین نے اسے لڑکے کے واسطے کر دیا تو ہبہ ہے و اگر ہبہ کا ارادہ نہ کیا تو اوسکے قول کی تصدیق کی جائیگی۔

قبضہ | ہبہ کا حکم بدون قبضہ کے ثابت نہین ہوتا اسمین اجنبی و اولاد برابر ہین بشرطیکہ بالغ ہون۔ اور قبضہ ایسا ہونا چاہیے جو مالک کی اجازت سے ہو۔

اجازت کبھی صریحاً ہوتی ہے اور کبھی دلالتاً اگر بعد ہبہ کرنے کے قبضہ کرنے سے موہوب لہ کو منع کر دیا تو قبضہ صحیح نہ ہوگا خواہ مجلس ہبہ مین قبضہ کیا ہو یا بعد۔ اگر مالک نے اوسکو قبضہ کرنے کے لیے صریح اجازت نہ دی ہو اور نہ منع کیا ہو پس اگر موہوب لہ نے مجلس مین اوسپر قبضہ کر لیا تو استحساناً صحیح ہے نہ قیاساً۔ و اگر مجلس ہبہ سے جدا ہونے کے بعد قبضہ کیا ہے تو قیاساً

واستحاناً صحیح نہین ہے۔ مثلاً اگر شے موہوب مجلس مین موجود نہین ہے بلکہ غائب ہے اور موہوب لہٗ نے جاکراوسپر بلا اجازت واہب قبضہ کرلیا تو امام محمد کے نزدیک قابض ہوگیا اور امام ابویوسف سے دو روایت ہین ایک موافق و ایک خلاف۔

اگر زید نے عمرو سے مذاق مین کہا کہ یہ شے مجھے ہبہ کردے عمرو نے کہا کہ مین نے ہبہ کردی اور زید نے کہا کہ مین نے قبول کی اور عمرو نے سپرد کردی تو ہبہ جائز ہوگیا۔

اگر زید نے عمرو سے کہا کہ مین نے یہ غلام تجھے ہبہ کیا اور غلام حاضر ہے اور عمرو نے اوسپر قبضہ کرلیا تو یہ جائز ہے گو عمرو نے یہ نہ کہا ہو کہ مین نے قبول کیا۔ ملتقط اگر غلام موجود نہ ہو غائب ہو اور زید عمرو سے کہے کہ مین نے اپنا فلان غلام تجھے ہبہ کیا تو جاکر اوسپر قبضہ کرلے اور اوسنے جاکر قبضہ کرلیا تو جائز ہے اگرچہ یہ نہ کہا ہو کہ مین نے قبول کیا اور اسی کو ہم لیتے ہین۔ حاوی۔

اگر زید نے اپنا غلام عمرو کو ہبہ کیا اور غلام دونون کے سامنے موجود ہے۔ مگر زید نے یہ نہ کہا کہ تو اوسپر قبضہ کرلے۔ اور عمرو غلام کو چھوڑکر چلا گیا تو عمرو کو یہ اختیار نہین ہے کہ زید کی بلا اجازت غلام پر قبضہ کرلے۔ محیط۔

بمقدمہ نندا سنگھ بنام میر جعفر شاہ یہ[۵۱] تجویز ہوئی کہ ہبہ ایجاب و قبول سے ہوتا ہے مگر قبضہ اوسکی تکمیل کے لیے ضرور ہے۔ یہ امر تو مسلمہ ہے کہ اگر ہبہ کے بعد موہوب لہٗ کا قبضہ صراحتاً یا دلالتاً شے موہوب پر نہین ہوا تو ہبہ ناجائز ہے[۵۲]۔ اگر قبضہ کی نوعیت بدل جائے تو صرف واہب کے قبضہ مین شے موہوبہ کے رہنے سے ہبہ ناجائز نہ ہوگا۔ واہب بحیثیت امین کے شے موہوبہ پر قابض رہ سکتا ہے۔ اور اس سبب سے جواز ہبہ پر کچھ اثر نہین ہو سکتا ردالمحتار و مجمع الانہار۔

---

[۵۱] رپورٹ سیل صاحب جلد ۱ صفحہ ۵ [۵۲] کہجور النسا بنام روشن جہان کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

اسبط - ج اگر شے موہوبہ موہوب لہ کے قبضہ مین پہلے سے بحیثیت امین تھی تو بعد ہبہ پھر از سر نو قبضہ کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ . . . اگر کسی نابالغ کے حق مین باپ نے یا دیگر ولی نے ہبہ کیا ہے تو تبدیل قبضہ کی ضرورت نہین ہے اور باپ یا ولی کا قبضہ بعد ہبہ کے ایسا تصور کیا جائیگا کہ منجانب موہوب لہ کے وہ قبضہ ہے۔ بمقدمہ عبد الستار [illegible] بنام امیر النساء خاتون[51] مین پریوی کونسل نے یہی اصول قرار دیا ہے۔

عائشہ بی بی بنام قاضی بی بی

قبضہ کی نسبت بمقدمہ عائشہ بی بی بنام قاضی بی بی[52] بمبئی ہائیکورٹ کی تجویز بہت ہی عجیب ہے۔ اسلئے وہ ذیل نقل کیجاتی ہے۔ اس مقدمہ مین شوہر نے اپنی زوجہ کے حق مین اپنا مکان و چند کرایہ کے مکانات وغیرہ ہبہ کئے۔ شوہر نے کنجیان اپنی زوجہ کے حوالہ کردین اور مکان چھوڑ کر چند دنون کے واسطے دوسری جگہہ چلا گیا۔ اور اس کا مقصود یہ تھا کہ قبضہ کا ثبوت ہو لیکن بعدہ وہ پھر اسی مکان مین اپنی زوجہ کے ساتھ بقیہ عمر تک رہا۔ اپنی حیات مین شوہر نے اپنی زوجہ کی طرف سے مکانات کے کرایہ وصول کئے۔ شوہر کے ورثا نے منسوخی ہبہ کی نالش اس بنا پر دائر کی کہ ہبہ بوجہ نہونے قبضہ کے ناجائز ہے۔

سارجنٹ صاحب چیف جسٹس کی تجویز حسب ذیل ہے۔

درست شرع محمدی کے بموجب صحیح ہبہ کے لیے تین باتین ہونی چاہئین۔ ایجاب قبول۔ قبضہ مگر شرع محمدی کے مطابق جو خاص تعلقات شوہر و زوجہ مین ہوتے ہین اونکے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت مین بڑا فرق پڑے گا۔ میان بی بی کی جائداد ایک دوسرے سے بالکل علحدہ ہوتی ہے۔ اونمین سے ہر ایک کو شرع نے دوسرے کے حق مین بغرض ازدیاد محبت ہبہ

۵۱ اپیل ہائے ہند لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۸۷ و بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۶۷۔

۵۲ رپورٹ بمبئی ہائیکورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷۔

کرنے کی تحریص دلائی ہے۔ اور اس مسئلہ پر شرع اسقدر زور دیتی ہے کہ ایسی ہبہ سے (یعنی شوہر و زوجہ مین سے اگر ایک نے دوسرے کے حق مین کیا ہے) واہب رجوع نہین کرسکتا۔ گو بہت سی دوسری صورتون مین رجوع کرنا جائز ہے۔ زوجہ اپنے شوہر کے حق مین وہ مکان ہبہ کرسکتی ہے جسمین دونون رہتے ہین گو اوس مکان مین زوجہ کے اسباب رکھے ہون اور گو بعد ہبہ بھی دونون میان بی بی اوسی مکان مین رہتے ہون۔ اصولاً مجھے کوئی فرق نہین معلوم ہوتا کہ شوہر کو بھی ایسا اختیار کیون نہ ہونا چاہیئے کہ اپنی زوجہ کے حق مین وہ مکان ہبہ کردے جسمین وہ اپنی بی بی کے ساتھ رہتا ہو[۵۱] اور جسمین بعد ہبہ بھی دونون مثل سابق کے رہا کرین بشرطیکہ شوہر ہبہ کرنے سے ممنوع نہ ہو اور نیک نیتی سے ہبہ کرے نہ کہ اپنے قرض خواہون یا دوسرے اشخاص کے فریب دینے کی غرض سے۔

"صرف یہ دقت ہے کہ شرع کے اس مسئلہ کی تعمیل کیونکر ہو جسکی رو سے قبضہ کا دیاجانا ضروری ہے یعنی یہ کہ موہوب لہٗ کا تنہا قبضہ اوسپر ہوجائے۔ اگر شوہر جسکو ہبہ کرنیکا پورا اختیار ہے دستاویز ہبہ نامہ تحریر کرے اور اوسکی شرائط کے بموجب بذریعہ دینے کنجی وغیرہ کے مکان و دوسری جائداد پر برائے نام قبضہ دیدے اور نیز اس امر کے اظہار کی غرض سے کہ اوسنے یہ تمام عمل نیک نیتی سے کیے ہین گواہون کے مواجہ مین مکان چھوڑ دے تاکہ مکان و تمام چیزین جو مکان کے اندر ہین تنہا اوسکی زوجہ کے قبضہ مین آجائین تو اس حالت مین مین نہین خیال کرسکتا کہ ہبہ کے نفاذ کے لیے شوہر کو اور کیا کرنا چاہیئے تھا جو اوسکو اوسکے حقوق شوہری سے مستفید ہونے مین بھی کسی طرح بارج و مانع نہ ہو۔ اوس وقت زوجہ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ جائداد موہوبہ پر اپنا قبضہ کرکے اوسکو اپنی حفاظت مین

[۵۱] سید امیر علی لکھتے ہین فی الواقع ایسا ہی ہے چنانچہ اس مسئلہ کو صاف طور پر قاضی خان و ردالمختار نے لکھا ہے کہ شوہر بھی ایسا ہبہ کرسکتا ہے۔

رکھے اور خود اوسمین بدستور سابق رہے - لیکن شرع محمدی کے بموجب شوہر کو حق حاصل ہے بلکہ اوسپر فرض ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہے اگر اس وضاحت کے ساتھ نیت کا اظہار جیسا کہ اس ہبہ نامہ سے پایا جاتا ہے اور جسکی تعمیل ایسے غیر مشتبہ طریقہ سے گواہون کے مواجھہ مین کی گئی شرعی قبضہ کے لیئے کافی نہ قرار دیا جائے تو اس سے مسئلہ ہبہ مین ایسی شرط وقید کا اضافہ ہوتا ہے جو مجھے کسی شرعی کتب مین ابتک نہین پائی شوہر کو اپنی زوجہ کے حق مین عام طور پر ہبہ کرنیکا اختیار ہے لیکن اگر ہبہ زیر بحث ناجائز قرار دیا جائے تو یہ گویا اس کہنے کی برابر ہے کہ شوہر کسی حالت مین اپنی زوجہ کے حق مین وہ مکان ہبہ نہین کرسکتا جسمین وہ دونون ہبہ کے وقت رہتے ہین اور جسمین شوہر بعد ہبہ اپنی موت تک رہے - اگر ایسی شرط کا وجود شرع محمدی مین نہین ہے تو کوئی ایسا قانونی طریقہ ہونا چاہیے جس سے شوہر اپنی اس قسم کی جائداد ہبہ کرسکے - یہ امر کہ جب ایک بار قبضہ دیدیا گیا تو اوسکو مسلسل ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے تکمیل قبضہ کی لازمی شرط نہین ہے اور نہ اوسکا عدم تسلسل ناجوازی ہبہ کا سبب ہے - دیکھو مقدمہ جعفر خان بنام حبشی بی بی[له] جسکا حوالہ مورلی صاحب نے اپنی ڈائجسٹ مین ہبہ کے بیان مین صفحہ ۵۵ پر دیا ہے - شرعی قبضہ مشابہ اوس قبضہ کے ہے جو زمانہ سابق مین ولایت مین مروج تہا - یعنی آراضی پر قبضہ اوسکے کسی جزو پر قابض کردینے سے ہوجاتا تھا اور دروازہ پر قبضہ اوسکی زنجیر پر قابض کردینے سے - کوک صاحب نے لکھا ہے کہ اگر اراضی پر قابض کرنے کی نیت سے دستاویز حوالہ کردیجائے یا اگر واہب موہوب لہ سے کہے کہ مطابق شرط دستاویز کے زمین پر قبضہ کرو یا اس اراضی پر قابض رہو اور خدا تمکو مبارک کرے - تو ان الفاظ سے قبضہ مکمل ہوجاتا ہے "

" مدعا علیہ کی جانب سے تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ و ۳۵۳ کے دو فقرون پر اس غرض سے

---

[له] بنگال صدر دیوانی عدالت رپورٹ صفحہ ۱۲ -

استدلال کیا جاتا ہے کہ معاملات بیع مین مکانات مبیعہ کی کنجی حوالہ کردینا بمنزلہ پورے قبضہ دیدینے کے ہے اور یہ کہ قبضہ کے متعلق ہبہ مثل بیع کے متصور ہونا چاہیئے۔"

"جائداد غیر منقولہ پر مشتری کا قبضہ دینا بایع کے ایسے الفاظ بولنے پر موقوف ہے جسکا مفہوم یہ ہو کہ (مکان) خالی کردیا گیا ہے اور ساتھہی اوس مکان کی کنجی دیدیجائے" تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۹۔

"جو شے کہ ہبہ کی گئی ہے وہ بغیر قبضہ کے موہوب لہ کی ملکیت نہین ہوتی بخلاف بیع کے اور واہب کا یہ کہنا کہ اوسنے قبضہ دیدیا ہے۔ اظہار قبضہ کے لیے کافی ہے تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۳۴۔"

"مقدمہ حال مین ہبہ نامہ حوالہ کردیا گیا اور اسکے ساتھہی مکان و اسباب مکان متذکرہ ہبہ نامہ کی کنجیان بہی دیدی گئین۔ انہین مکانات مین وہ مکان بھی شامل ہے جسمین شوہر و زوجہ رہتے تھے۔"

"واہب نے ہبہ کو شرع کے مطابق تکمیل کرنے کی غرض سے اپنے ارادہ کو جن الفاظ مین ہبہ نامہ مین بیان کیا ہے اون سے زیادہ واضح و مضبوط الفاظ نہین ہوسکتے وہ الفاظ یہ ہین۔ مین نے اونکو (مکانات و جائداد کو) اپنے قبضہ سے نکال کر مسماۃ مذکورہ (اپنی زوجہ) کے قبضہ مین دیدئے جسکے حق مین ہبہ کیا ہے۔ اور ہبہ کے متعلق جملہ شرائط کی یعنی شے موہوب کو خالی کرکے موہوب لہ کے قبضہ مین دیدینا مین نے اور مسماۃ مذکورہ نے جسکے حق مین ہبہ ہوا ہے پوری تکمیل کردی۔ اور پھر آیندہ جائداد مذکور مین مجھے یا میرے وارثون کو کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔"

"میری رائے مین شوہر و زوجہ کا تعلق و شوہر کا قانونی حق کہ اپنی زوجہ کے ساتھہ رہے اور اوسکی جائداد کا انتظام کرے اوس قیاس کو باطل کرتا ہے جو اوس صورت مین پیدا ہوتا۔

جب فریقین مین کسی دوسری قسم کا تعلق ہوتا اور پہر بھی واہب اوسی مکان مین موہوب لہٗ کے ساتھ رہتا اوس حال کا کرایہ وصول کرتا جو مکان موہوب کے متعلق تھا۔ یہ امر بھی لائق لحاظ ہے کہ شوہر نے چند کرایہ دارون سے یہ بات کہی کہ وہ اپنی بی بی کی طرف سے جسکے حق مین ہبہ کیا ہے کرایہ وصول کرتا ہے"

"یہ مقدمہ قرضخواہون کی جانب سے نہیں ہے جسکے دعوی کو شکست دینے کے لیے ہبہ نامہ پیش کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ دعوی واہب کے قرابتدارون کی جانب سے ہے جو واہب کی قایم مقامی سے اوسی واہب کے عطیہ کو منسوخ کرانا چاہتے ہین"

| | |
|---|---|
| عظیم النسا بیگم مدعیہ بنام ڈلی فیٹ ڈنٹل مدعاعلیہ | یہی اصول بمقدمہ عظیم النسا بیگم بنام ڈیل[۵۱] بھی قرار پایا اس مقدمہ مین نواب کارناٹک نے اپنی بیگم عظیم النسا کے حق مین باغات و مکانات کا ہبہ کیا مگر خود بھی مثل سابق اوسی مکان مین رہتا تھا اور جائداد کا انتظام کرتا تھا |
| جعفر جنات بنام حبشی بیگم | بمقدمہ جعفر خان بنام حبشی بیگم[۵۲] یہ تجویز ہوئی کہ جب قبضہ کی حوالگی ایک بار عمل مین آگئی تو اوس قبضہ کو جاری رہنا ضرور نہیں۔ بمقدمہ ایمنہ بائی بنام ہاجرہ بائی[۵۳] یہ تجویز ہوئی کہ جب ہبہ منجانب شوہر بحق اوسکی زوجہ کے ہوا اور شوہر مثل سابق |

کرایہ وصول کرتا رہا ہو تو چونکہ شوہر کے ذمہ ضرورتاً یہ کام عاید ہوتا ہے وہ اپنی زوجہ کی جانب سے منتظم خیال کیا جائیگا بشرطیکہ خفیف سی شہادت بھی اس امر کی تائید مین ہو۔

بمقدمہ شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان[۵۴] مسٹر جسٹس ویسٹ نے حسب ذیل اپنی راے قبضہ کی نسبت ظاہر کی۔

نسبت قانون متعلقہ مقدمہ کے عدالتین ماتحت کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جب اراضی بہ قبضہ

---

۵۱ مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۷۵ ۵۲ سیل صاحب کی رپورٹ جلد ا صفحہ ۱۲ ۵۳ بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۲ ۵۴ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۴۶۔

آسامیان ہے تو ہبہ کی تکمیل کے لیے جو قبضہ اراضی مذکور پر واہب دیسکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ واہب آسامیون سے کہے کہ تم موہوب لہٗ سے رجوع کرو۔ ایسا قبضہ بموجب مقدمہ کھجور النسا بنام روشن جہان[۵۱] کافی ہوگا۔ حوالگی مکان کی نسبت اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب ایک شخص اوس مکان مین جو اوسکو دینے کے لیے تجویز ہوا ہے موجود ہے تو قابض سابق کے اس کہنے سے کہ ہمنے مکان حوالہ کر دیا وہ مکان اوس شخص کے قبضہ مین ہو جاتا ہے۔ وہ ایک حصہ پر قابض ہے اور چونکہ یہ قبضہ برضامندی فریقین قبضہ واقعی ہو گیا لہذا یہ قبضہ اوس کل حصہ کی نسبت موثر ہوگا جو اوس حصہ سے بالکل ملحق ہے جسپر وہ استحقاقاً قابض ہے گو اوس حصہ پر نہین جسپر ناجائز طور پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ جب دو شخص ایک ہی مکان مین موجود ہون تو بغیر کسی واقعی بیدخلی یا باضابطہ دخل کے ایک شخص صرف ارادہ و نیت کرنے سے اوس سے بیدخل ہو سکتا ہے اور دوسرے کو قابض کر سکتا ہے اور حتی الوسع ایک ایسے مالک کے ارادہ کو پورا کرنا چاہیے جس نے انتقال کرنے کی نیت کو صاف طور پر ظاہر کر دیا ہو" الف۔

| | |
|---|---|
| کالیداس مولک بنام کنھیالال پنڈت۔ | بمقدمہ کالیداس مولک بنام کنھیالال پنڈت[۵۲] گو فریقین ہندو تھے مگر حکام پریوی کونسل نے جو اصول معاملات ہبہ مین قبضہ کے متعلق قرار دیا ہے وہ ہبہ جات شرعی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ |

قبضہ کے نہ دینے سے ہبہ کے جواز و عدم جواز کی نسبت کیا اثر ہوگا حکام ممدوح اپنی رائے

[۵۱] کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ و ۱۹۷ [۵۲] کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۱ (الف) دیکھو الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۱۳۱۔ مگر مقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسن الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱ مین جلد ۳ کی نظیر سے فرق ظاہر کیا گیا و باوا صاحب بنام محمد مدارس جلد ۱۹ صفحہ ۲۳۶ مین یہ تجویز ہوئی کہ اگر واہب مکان موہوبہ مین بدستور سابق رہتا ہے تو ہبہ مکمل نہین ہوا ادر مستثنیات صرف او صورت مین ہین اگر شوہر نے زوجہ کو یا باپ نے نابالغ پسر کو یا ولی نے نابالغ کو ہبہ کیا ہے۔

حسب ذیل تحریر کرتے ہین - یہ واضح رہے کہ مقدمہ مذکور مین واہبہ جائداد موہوب پر بروقت ہبہ خود قابض نہ تھی اور اسلیے وہ موہوب لہا کو بھی قابض نہ کر سکتی تھی -

"اگر ہبہ کی تائید واہب کرتا ہے اور وہ شخص جو ہبہ کی نسبت نزاع کرتا ہے واہب و موہوب لہٗ دونون مین سے کسی کے ذریعہ سے دعویدار نہین ہے تو ہبہ صرف اس وجہ سی ناجایز نہ ہوگا کہ واہب نے اوسپر قبضہ نہین دیا - واگر موہوب لہٗ یا مشتری کو بموجب شرائط ہبہ یا بیع کے قبضہ حاصل کرنیکا اختیار ہے مگر قبضہ نہین دیا گیا ہے (جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ) تو کوئی وجہ نہین ہے کہ اس ہبہ یا بیع کے ذریعہ سے موہوب لہٗ یا مشتری قبضہ کیون نہ حاصل کر سکین گے بشرطیکہ وہ ہبہ یا بیع اس قسم کا نہ ہو جسکا نافذ کرنا خلاف مصلحت عام ہو" موہوب لہٗ کو جائداد موہوب پر قبضہ نہ دینا منسوخی ہبہ نامہ کی وجہ نہین ہے[۵۱]-

# فصل پنجم

## موہوب لہٗ و موہوب

موہوب لہٗ | سید امیر علی لکھتے ہین کہ ہبہ ہر شخص کے حق مین ہو سکتا ہے چاہے وہ کسی مذہب وعمر و جنس کا ہو لیکن حنفی مذہب کے مطابق ہبہ کے وقت اوس شخص کا قانوناً وجود ہونا ضرور ہے اسلیے ایسے شخص کے حق مین جو ہنوز پیدا نہین ہوا ہے اور نہ قانوناً اوسکا وجود مانا جائیگا ہبہ ناجائز ہے - لیکن حمل کے حق مین ہبہ جایز ہے بشرطیکہ ہبہ کے روز سے چھ[۶] مہینہ کے اندر بچہ پیدا ہو

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۴۶۵ - امراد بی بی بنام جان علی شاہ -

کیونکہ اس صورت مین یہ قیاس ہوتا ہے کہ بچہ حقیقت اپنی مان کے رحم مین ایک الگ وجود رکھتا ہے۔

مذہب شیعہ

لیکن شیعہ مذہب مین اسکے خلاف ہے کیونکہ اوس مذہب کے مطابق کسی ایسے شخص کے حق مین ہبہ ہو سکتا ہے جو ہنوز پیدا نہین ہوا۔ بشرطیکہ ہبہ کی ابتدا ایسے شخص سے کی گئی ہو جو موجود ہو۔ اگر زید کے حق مین اوسکی عمر بھر کے لیے ہبہ ہوا ہے تو حنفی مذہب کے بموجب ہبہ صحیح ہے و شرط باطل یعنی وہ ہبہ قطعی ہوگا۔ لیکن شیعہ مذہب کے مطابق شرط و ہبہ دونون صحیح ہونگے اور زید کے مرنے کے بعد جائداد موہوبہ واہب کو یا اوسکے ورثا کو ملیگی لیکن اگر ہبہ زید کے اور اوسکی اولاد کے حق مین نسلاً بعد نسلاً کیا گیا ہے تو حنفی و شیعہ دونون مذہب کے مطابق وہ ہبہ ہمیشہ کے لیے ان اشخاص کے واسطے ہوگا۔

موہوب

کوئی شے جو مملوک ہو سکتی ہے یا جسپر قبضہ ہو سکتا ہے یا جو خارج مین کوئی وجود رکھتی ہو یا حق ہو یعنی ہر ایسی شے جسپر مال کی تعریف صادق آتی ہو وہ ہبہ کی جا سکتی ہے۔ دعاوی لائقِ ارجاع نالش جو خارج مین کوئی وجود نہین رکھتے بلکہ صرف استحقاق ہین وے بھی مثل مادی جائداد کے ہبہ ہو سکتے ہین۔ کفایہ مین ہے کہ "قرضہ اس اعتبار سے کہ وہ کسی زمانہ مین ادا کیا جائیگا مال ہے کیونکہ اسپر زکواۃ واجب ہے۔ اور باعتبار اپنی حالت موجودہ کے ایک وصف ہے جو لائق اسقاط ہے اسلیے اگر یہ مدیون کو ہبہ کیا جائے یعنی اوسکے ذمہ سے دین ساقط کیا جائے تو قیاساً و استحساناً صحیح ہے و اگر مدیون کے سوائی دوسرے کو ہبہ کیا جائے تو یہ تملیک ہے (یعنی انتقال جائداد) اور استحساناً جائز ہے"۔

ملک عبد الغفور بنام مسماۃ ملکہ

اسلیے بمقدمہ عبد الغفور بنام مسماۃ ملکہ[۵۱] جو بحث کیگئی تھی اوسکی شرع مین کوئی بنیاد نہین بلکہ بخلاف اوسکے حنفی مذہب مین جیسا کہ کفایہ سے ظاہر ہوتا ہے صرف استحقاق بھی جو خارج مین کوئی وجود نہین رکھتے ہبہ ہو سکتے ہین۔ اور عرف یعنی

---

۵۱ کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۱۲۔

رسم ورواج نے اس مسئلہ کو صحیح تسلیم کرکے اوس سے مختلف طور سے کام لیا ہے
اور شرع نے عرف کو انفصال خصومات مین استحسان کی بنا پر بہت کچھ دخل دیا ہے
تاکہ تمدن و معاشرت کی ترقی مین قانون بہی اوسکی قدم بہ قدم ترقی کرتا رہے۔ اسی بنا ر
پر گورنمنٹ ٹیکو ریٹیز و حق مالکانہ وغیرہ کا ہبہ صحیح تسلیم کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے
موہوب لہٗ اول الذکر صورت مین صرف سود پانے کا مستحق ہوتا ہے، اور صورت
ثانی مین اپنے حصہ کے منافع پاتیکا۔ چنانچہ اسی اصول پر ایک حال کے مقدمہ مین
طے پایا ہے کہ اگر کوئی حقیقت جو بعلت بقایا مالگذاری قرق ہو گئی ہے اوسکا ہبہ
صحیح ہے کیونکہ ایسی قرقی سے حق ملکیت زائل نہین ہو جاتا۔[۵۱]

ہبہ جایداد بقبضہ کاشتکار | جو جائداد بقبضہ کاشتکار ہو اوسکا ہبہ جائز ہے۔ اس صورت مین
موہوب لہٗ کو کاشتکاران قابض یا پٹہ دارون سے صرف لگان وصول کرنے کا
حق حاصل ہوتا ہے۔ اور اوس سے موہوب لہٗ کو یہ اختیار نہین ہوتا کہ وہ جائداد موہوبہ
پر خاص یا واقعی قبضہ حاصل کرے کیونکہ اگر وہ واقعی قبضہ کا مجاز ہو تو اس سے
اوس معاہدہ اجارہ یا پٹہ کی تنسیخ لازم آتی ہے جو مابین واہب و پٹہ دار یا کاشتکار کے
سابق مین ہوا تھا۔ مگر کوئی قاعدہ یا قانون ایسا نہین ہے جو کسی شخص کو اس امر کی امتناع
کرے کہ جو حق اوسکو وصول لگان کا حاصل ہے وہ اوسکو دوسرے کے حق مین منتقل
یا ہبہ نکرے۔ فتاوی عالمگیری کی اس عبارت کی نسبت "اگر جایداد بقبضہ غاصب
یا مستاجر ہو تو اوسکا ہبہ بوجہ نہونے قبضہ کے ناجائز ہے" بہت غلط فہمی ہوئی
ہے۔ اس عبارت مین جو عدم جواز ہبہ کا حکم ہے وہ صرف اوس صورت سے متعلق
ہے جب جائداد کا قبضہ واقعی دینا مقصود ہو اور اس حکم مین وہ شکل داخل نہین ہے

[۵۱] انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ ۔ یا الہ آباد جلد ۲۱ صفحہ ۱۶۵

جبکہ صرف حق تحصیل لگان کا ہبہ کیا جائے۔

حنفی مذہب مین کفالت کے ساتھ قبضہ لازمی ہے۔ اسلئے جب جائداد مرتہن کے قبضہ مین ہے تو صرف راہن کا حق یعنی حق انفکاک کا ہبہ ہوسکتا ہے نہ کہ قبضہ واقعی کا کیونکہ قبضہ واقعی کا حق تو مرتہن کو حاصل ہے۔ اسیطرح جب جائداد غیر منقولہ کاشتکار یا پٹہ دار کے قبضہ مین ہے تو صرف حق تحصیل لگان کا ہبہ ہوسکتا ہے۔

محی الدین بنام منچیر شاہ

بمبئی ہائیکورٹ نے بمقدمہ محی الدین بنام منچیر شاہ[۵۱] یہ تجویز کی ہے کہ شرعاً جو جائداد بہ قبضہ مرتہن ہو وہ ہبہ نہین ہوسکتی۔ یہ راے شرع حنفی کی غلط فہمی پر مبنی ہے جسکی روسے رہن مین قبضہ لازمی ہے مالکی مذہب مین قبضہ لازمی نہین ہے لیکن حنفی مذہب کے صحیح اصول کی روسے صرف حق انفکاک کے ہبہ کرنے مین کوئی امر مانع نہین ہے[+]۔ بلکہ بخلاف اسکے حوالات کے متعلق جو قانون ہے اوسکی روسے ایک مدیون اپنی ذمہ داری کو دوسرے کی طرف منتقل کرسکتا ہے۔ اور چونکہ جائداد قرضہ کی ضمانت ہے تو موہوب لہٗ یا منتقل الیہ کو یہ اختیار ہے کہ قرضہ ادا کر کے جائداد کا انفکاک کرالے۔ لیکن اگر جائداد بہ قبضہ مرتہن نہین ہے جیسا کہ اس ملک مین اکثر ہوتا ہے اور اسپر صرف قرضہ کا بار ہے تو راہن پورے طور پر مجاز ہے کہ جس طرح چاہے اوسے منتقل کرے۔ لیکن اگر جائداد بہ قبضہ غاصب ہو تو شاید اوس سے قاعدہ مذکورہ بالا متعلق نہ ہو[۵۲]۔ اس قسم کی

---

۵۱ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۶۵۰ جسکی تقلید بمقدمہ مہر علی بنام تاج الدین بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶ مین ہوئی۔

۵۲ بمقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسین ہفتہ وار ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۶۶ والہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱ ۔ تجویز ہوئی کہ جب جائداد غیر منقولہ بہ قبضہ غاصب ہو اور واہب کا قبضہ کبھی اوسپر نہین تھا اور اسوجہ سے وہ موہوب لہٗ کو قابض نہ کرسکا تو ایسا ہبہ شرعاً ناجائز ہے۔ (بحوالہ چند نظائر) دیکھو مہر علی بنام تاج الدین بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶ ۔ + النوری بیگم بنام نظام الدین شاہ الہ آباد جلد ۲۱ صفحہ ۱۶۵۔

جائداد مین واہب کا صرف ایک نامکمل حق ہے یعنی یہ کہ حصول قبضہ کے لیئے نالش کا کرنا اور یہ ممکن ہے کہ قدیم زمانہ مین صرف اِرجاع نالش کی موہوم حق کے ہبہ کو ناجائز قرار دیا ہو لیکن اس امر کے خیال کرنے کی کوئی قوی وجہ نہین ہے کہ کیون کوئی شخص اپنی ایسی جائداد دوسرے کے حق مین ہبہ کرنے سے ممنوع کیا جائے - جسکا انصافاً درحقیقت وہ مالک ہے مگر اتفاق سے ایک شخص غاصب کے قبضہ مین ہے -

| محمد بخش خان بنام حسینی بی بی |
|---|

مقدمہ محمد بخش خان بنام حسینی بی بی[a] حکام پریوی کونسل نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب ہبہ رفاہ عام کے لیے ہے اور موہوب لہٗ کو اختیار دیا گیا ہے کہ اوسپر قابض ہو جائے اور بعدہٗ مین موہوب لہٗ کا قبضہ ہو گیا تو ہبہ صرف اسوجہ سے ناجائز نہ ہوگا کہ وقت ہبہ واہب کے قبضہ مین جائداد موہوبہ نہ تھی -

| محی الدین بنام پیر شاہ |
|---|

مقدمہ محی الدین بنام پیر شاہ[b] ہائیکورٹ بمبئی نے یہ تجویز کی ہے کہ کسی ایسی جائداد کا بیع جو بایع کے قبضہ مین نہ ہو صحیح ہے اسلیئے اوس جائداد کا ہبہ بالعوض جو قانوناً بیع کے مشابہ ہے بلا کسی حجت کے صحیح ہوگا -

| ملک عبد الغفور بنام مسماۃ ملکہ |
|---|

کلکتہ ہائی کورٹ نے بمقدمہ ملک عبد الغفور بنام مسماۃ ملکہ[c] یہ امر تجویز کیا ہے کہ جو جائداد پر قبضہ کاشتکار یا پٹہ دار ہو اوسکا ہبہ شرعاً صحیح ہے -

چیف جسٹس کی تجویز کا اقتباس ذیل مین ہے -

"۔۔۔ اس جائداد مین جو ہبہ کی گئی ہے چند زمینداریان و حصص زمینداریان داخل ہین جو مطابق دستور کے اسامیان و رعایا کو پٹہ پر دی گئی ہین - اور بہت سی جائداد لاخراج کہ وہ بھی آسامیون کو پٹہ پر دی گئی تہین اور چند حصص مالکانہ کچھ مالیت کے اور

---

[a] انڈین لا ریپورٹس جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۱ [b] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۶۵۰ [c] کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۱۲ جسکی تقلید بمقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسن الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱ مین ہوئی -

مختلف جائداد سکنی موقوعہ پٹنہ و دیگر مقامات مشتمل اوپر مکانات و سائبان و سڑک و باغات
وغیرہ۔

"کوئی شہادت قابل اطمینان بابتہ اس امر کے نہیں ہے کہ بوقت ہبہ جائداد آخر الذکر پر
کس طرح کا قبضہ تہا اور اوس سے کیونکر تمتع حاصل ہوتا تھا"

"مدعیان کے دلائل سے تین بڑے مسئلے پیدا ہوتے ہین۔
اول یہ کہ بموجب شرع محمدی کے اون اراضیات کا ہبہ نہین ہوسکتا جو واہب کے
قبضہ مین نہین ہین و نہ اشیائے غیر مادی کا جیسے کرایہ و حقوق مالکانہ اور مثل اسکے دوسرے
یہ کہ حصہ غیر منقسم کسی مکان یا زمینداری کا منشاء ہبہ نہین ہوسکتا۔ تیسرے یہ کہ وہ
ہبہ جو دو شخصون کے نام بلا تقسیم اور تفریق ماقبل کے کیا جاے ناجائز ہے۔
"ان امورات کے تجویز کرنے مین ہمکو یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ شرع محمدی
جسکی جانب ہماری توجہ نہایت قدیم و مستند کتابون مین مائل کی گئی ہے بہت صدیان
گذرین کہ بغداد و دیگر اسلامی ممالک مین ایسے وقت شایع کی گئی تہی جب کہ قوانین و سوسائٹی
کی حالت ہند کی مروجہ حالت قانون و سوسائٹی کے بالکل مختلف تھی۔ اور نیز یہ کہ اگرچہ ہم
اون مقدمات مین جو اہل اسلام کے درمیان ہوتے ہین قواعد شرع محمدی پر عمل کرنے
کی حتی الامکان کوشش کرتے ہین مگر اکثر اس امر کا تحقیق کرنا مشکل ہے کہ وہ قواعد دراصل
کیا ہین اور اس سے بہی زیادہ اون اختلافات کا موافق کرنا دشوار ہے جو شرع محمدی
مروجہ ہند کے بڑے شارحین مین پیدا ہوئے یعنی ابو حنیفہ اور اونکے دو شاگردون مین"
"ہمکو حتی الامکان اسبات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اون صحیح اصول کو جنپر قانون
مذکور مبنی تہا تحقیق کرین اور اونپر بلحاظ قواعد عدل و خوش ایمانی و نیز بلحاظ قوانین و حالت
سوسائٹی و دیگر حالات کے جو بالفعل اس ملک مین رائج ہین عمل کرین۔

"اس قدر تمہید کے بعد ہم خیال کرتے ہین کہ منجملہ دلائل مذکورہ کی اول دلیل اگرچہ اوسکی بحث مین کسی قدر وقت صرف ہوا ہے فوراً طے ہو سکتی ہے۔ بلکہ حقیقت مین ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طے ہو چکی ہے۔

"ہمکو کئی اسناد کا و منجملہ اونکے در المختار کتاب ہبہ صفحہ ۶۳۵ کا حوالہ دیا گیا جسمین درج ہی کہ کوئی ہبہ جائز نہین ہے تا وقتیکہ موہوب وقت ہبہ کے واہب کے قبضہ مین نہ ہو۔ مثلاً اگر زمین کسی غاصب (دخل بیجا کنندہ) یا پٹہ دار یا مرتہن کے قبضہ مین ہو تو وہ ہبہ نہین ہو سکتی کیونکہ اِن صورتون مین واہب اوس چیز پر جو وہ ہبہ کرنا چاہتا ہے قابض نہین ہے۔

"مگر ہم خیال کرتے ہین کہ یہ قاعدہ جو بلاشبہ چند کم وبیش مستند کتابون مین پایا جاتا ہی جہان تک کہ اوسکو اراضی سے تعلق ہے اونہین صورتون سے متعلق ہے یعنی کہ واہب اراضی مین حق مقابضت کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اور محض حق آیندہ واقع اراضی مذکور ہبہ نہین کرتا بلاشبہ واقعی قبضہ یا دخل بحز اوس شخص کے جو فی الوقت قابض ہو اور کوئی دوسرا منتقل نہین کر سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ اِن مسائل کی توضیح اوس قانون سے ہو جسکی نسبت ہمکو معلوم ہوا ہے کہ زمانہ سابق مین بغداد مین اوس اراضی کے متعلق جو پٹہ پر دیجاتی تھی رائج تھا اور ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پٹہ اجارہ جو اس ملک مین بالعموم اوس پٹہ ٹھیکداری کو کہتے ہین جو کاشت کی غرض سے رعیت کو دیا جاتا ہے بموجب قاعدہ بغداد کے خود اوس اراضی یا اوسکے منافع کے پٹہ سے مراد تھی اور یہ کہ مالک اراضی بعد اس قسم کے پٹہ دینے کے اپنے حق مابعد کو قانوناً اسطرح پر منتقل نہین کر سکتا تھا کہ منتقل الیہ کو اجارہ دار سے لگان وصول کرنیکا اختیار ہو جائے (دیکھو فتاوی عالمگیری جلد ۳ کتاب ہبہ صفحہ ۵۲۱)

"آیا اصلی معنی اِن اسناد کے یہی ہین بہت مشتبہ ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ اگر اس ملک مین اس قسم کا قانون ہو جائے تو ہبہ کے ذریعہ سے زمینداری اور دیگر حقوق زمینداری

کا انتقال قطعی ناممکن ہو جائے گا۔

(۶) اس ملک مین تقریباً ہمیشہ اراضیات کسی نہ کسی قسم کے پٹہ پر دیجاتی ہین اور اکثر انمین زمیندار و رعیت قابض کے چار پانچ قسم کی آسامیان ہوتی ہین۔ عام طور پر جو اس ملک مین قبضہ کہلاتا ہے وہ قبضہ خاص یا واقعی نہین ہوتا بلکہ لگان یا منافع کی تحصیل ہوتی ہے۔ اگر ایسی اراضیات جو پٹہ پر دی گئی ہین منشاء ہبہ نہین ہوسکتین تو ہزار ہا ہبہ زمینداریونکے جو یکے بعد دیگرے کیے گیے ہین ناجائز ہو جائینگے۔ اگر ہم شرع محمدی کی اس جدید تاویل سے اتفاق کرنے کی طرف مائل ہون (حالانکہ ہم نہین ہین) تو ہم خیال کرتے ہین کہ ہم جماعت اہل اسلام کو ایک بڑا نقصان پہونچائینگے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ انتقال جائداد کے معاملہ مین ایسے بے اختیار ہو جائینگے جسکا تجربہ اونکو اس ملک مین کبھی اس سے پیشتر نہین ہوا تھا۔ قانون کی یہ تاویل اون چند مقدمات کے بالکل خلاف ہوگی جو صدر دیوانی عدالت ہا نے (بمشورہ قاضیان) اور نیز عدالت ہذا نے فیصل کئے ہین (دیکھو رپورٹہا ئے منتخب جلد ایک صفحات ۵۵ و ۱۲۲ و ۱۵۵۔ رپورٹ و نظائر ہائی کورٹ بمبئی جلد ایک صفحہ ۷۵ او ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۸۸ و ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۸) اور تاویل مذکور صریحاً خلاف مقدمہ امیر النسا بنام عبید النسا(۱) ہے جسکو حکام والا پریوی کونسل نے فیصل کیا ہے۔

(۷) اوس مقدمہ مین بڑی زمینداریون کا ہبہ جائز قرار دیا گیا تھا اگرچہ یہ ظاہر ہے جیساکہ عام طور پر ایسی جائدادون مین ہوتا ہے اونمین بھی ہر قسم کے حقوق و حق کاشت وغیرہ داخل تھے۔ اوسوقت کوئی عذر ہبہ کی بابت اس بنا پر نہین پیش کیا گیا تھا جیساکہ اسوقت کیا جاتا ہے اور حقیقت مین جہان تک ہمکو معلوم ہے یہ عذر اول ہی مرتبہ پیش کیا جاتا ہے

(۱) ویکلی رپورٹر جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۸ یا اپیل ہائے ہند جلد ۲ صفحہ ۸۷۔

اسیطرح پر حق مالکانہ کی نسبت ہمکو کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ اس قسم کے حقوق مثل
لگان واوسی قسم کی دیگر جائداد غیر مادی کی طرح کیون نہین ہبہ کیے جاسکتے - ہم ابھی
تجویز کر چکے ہین کہ حقوق مالیہ بابت حق وصول لگان داخل ہے اسطرح پر منتقل ہوسکتے
ہین - اور یہ امر ظاہر ہے کہ قرضہ جات ونوٹ ہاے سرکاری ودیگر حقوق نالش جس سے
فریق مستحق کو گورنمنٹ یا دیگر اشخاص سے وصول زر کا اختیار ہوتا ہے منتقل بذریعہ ہبہ ہوسکتے ہین
"حق مالکانہ گورنمنٹ سے اوس منافع کے وصول کرنیکا حق ہے جو مالک کو کسی
حقیت مالگذارین اپنے حصہ کی بابت یافتنی ہے جب کہ اوسکی جائداد لو بعد انکار
اداے مالگذاری مشخصہ گورنمنٹ یا کسی دوسری وجہ سے گورنمنٹ نے اپنے خاص
قبضہ مین لے لی ہو یا کسی دوسرے شخص کو دیدی ہو جو مشخصہ مالگذاری کے ادا کرنے پر
رضامند ہو - اصولاً ہمارے نزدیک حق مالکانہ وحق وصول لگان یا اوس حصہ منافع مین
جو سرکاری نوٹ پر واجب الادا ہوتا ہے کوئی فرق نہین کیا جاسکتا -
"دلائل دوم وسوم جنکی نسبت مدعیان کی جانب سے حجت کی گئی ہے شرع محمدی
کے مسئلہ مشاع سے تعلق رکھتے ہین - یہ استدلال کیا گیا ہے - نمبر ۱ - کہ کسی جائداد کے
حصہ غیر منقسم کا ہبہ بوجہ مشاع یا اختلاط منجانب واہب ناجائز ہے - نمبر ۲ - یہ کہ جائداد کو دو موہوب لہما
کے نام ہبہ کرنا بلا اسکے کہ اونکے حصص جدا وتقسیم کردیے جاوین بوجہ خلط منجانب
موہوب لہما کے ناقص ہے -
"لیکن یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ ایسی جائداد سے متعلق ہے جو قابل تقسیم ہو -
دیکھو ہدایہ جلد ۳ کتاب ہبہ صفحہ ۲۵۳ - کتاب مذکور مین یہ قاعدہ درج ہے کہ وہ ایسی شے کا
ہبہ جو قابل تقسیم ہو جائز نہین ہے تاوقتیکہ اوسکی تقسیم وتفریق نہ کیجاے - نیز دیکھو شرع محمدی
مولفہ بیلی صاحب طبع دوم صفحہ ۵۲۰ وفتاوی عالمگیری کتاب ہبہ صفحہ ۵۱۳ و شرع محمدی

مولفہ میگناٹن صاحب صفحہ ۲۰۱ " لہذا یہ قاعدہ صرف ایسی جائداد کے ہبہ سے متعلق ہے جو قابل تقسیم ہو اور حقوق مابعد وحق مالکانہ یا دیگر حقوق نالش قابل تقسیم نہین ہین -

" یہ کہا جاتا ہے کہ خاص وجہ اس قاعدہ کی جو صرف ہبہ سے متعلق ہے دبیع سے نہین یہ ہے کہ کسی شخص کے ورثا ایسی ہبہ سے محفوظ ہین جو با بطال اونکے حقوق کے کیجاءین - چند کتابون کا ہمکو حوالہ دیا گیا جس سے اس راے کی تائید ہوتی ہے اور غالباً اس قاعدہ کی یہ بہی وجہ ہے کہ دائنان مدیونان کے فریبی ہبہ سے محفوظ ہین کیونکہ ہبہ کی نیک نیتی کے امتحان کرنیکا یہ مشہور طریقہ ہے کہ آیا موہوب لہٗ کو شے موہوبہ پر قبضہ دیا گیا یا نہین - ہمارے سامنے اس امر پر بہت زور سے بحث کی گئی ہے کہ مشاع کے قاعدہ کے بموجب وہ ہبہ جو اس مقدمہ مین مدعاعلیہم کے نام ہوا ہے قطعی ناجایز ہے کیونکہ ہبہ اراضیات کا تھا اور آراضیات کی تقسیم نہین کی گئی اور بغرض اسکے کہ یہ ہبہ جہان تک کہ اوسکو زمینداری سے تعلق ہے بوجہ اسکے کہ زمینداری پٹہ پر دی گئی ہے جائز ہوتا ہم وہ نسبت جائداد سکنی وباغات وسائبان وغیرہ کے ناجائز ہوگا کیونکہ یہ ثابت نہین کیا گیا کہ یہ چیزین پٹہ پر دی گئی تہین اور اسوجہ سے ناقابل تقسیم تہین -

" مگر ہم خیال کرتے ہین کہ یہ عذر جائداد متنازعہ کے کسی جزو کی نسبت صحیح نہین ہے -

" زمینداریون کی نسبت جیسا کہ ہم اوپر لکہہ چکے ہین اونمین واہب کا ایک حق مابعد تہا اور جو شے کہ واہب نے بذریعہ ہبہ منتقل کی وہ صرف وہی حق مابعد تہا جسکے ذریعہ سے موہوب لہما کو استحقاق وصول لگان ومنافع کا حاصل ہوا - شہادت مدعاعلیہم سے (جو نسبت اس امر کے ایسی صاف ہے کہ جج عدالت ماتحت نے یہ خواہش کی تہی کہ اول دوگواہون سے زیادہ کی شہادت قلمبند نہ کیجاے) ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ کنیز فاطمہ کی حیات مین وہ اور ملکہ علحدہ علحدہ لگان وصول کرتی تہین اور یہ کہ ہبہ ہونے کے بعد ہی فوراً قبضہ موہوب لہما کو اوس طرح پر

دیدیا گیا جسکے سوا اور کسی دوسرے طریقہ پر قبضہ نہین دیا جا سکتا تھا[51]

امت النسا بنام نورالدین حسن خان

مقدمہ امت النسا بنام نورالدین حسن خان[52] شوہر مدعیہ نے مدعیہ کے حق مین ایک ہبہ نامہ لکہا جسکی رو سے چالیس ہزار روپیہ سالانہ جاگیر کے منافع سے مدعیہ کو دیا گیا - بمبئی ہائی کورٹ نے تجویز کی کہ یہ ہبہ نا جائز ہے کیونکہ ایسی شے جو آیندہ حاصل کی جاسے شرعاً ہبہ نہین ہو سکتی گو اوس شے کے حاصل کرنے کے وسائل واہب کے اختیار مین ہون بلکہ شے موہوبہ کا وجود وقت ہبہ کے ہونا شرعاً ضرور ہے -

# فصل ششم مشاع و اوسکے متعلق احکام

فتاوی عالمگیری - جو چیز واہب کے حوزہ تصرف مین اوسکے املاک وحقوق سے فارغ ہو یعنی اوسکی ملکیت وحق اوس سے متعلق نہ ہے اور جو شے غیر منقسم کہ اگر تقسیم کیجائے تو بعد تقسیم کے اوس سے اوس جنس کا انتفاع جو تقسیم سے پہلے حاصل تھا حاصل نہین رہتا جیسے مختصر مکان یا مختصر حمام تو اوسکا ہبہ صحیح ہے - لیکن جو شے غیر منقسم کہ تقسیم کیجاتی ہے اور بعد تقسیم وقبل تقسیم کے اوس سے انتفاع حاصل کیا جاتا ہے اوسکا ہبہ مشاع صحیح نہین ہے - (کافی) اور یہ شرط ہے کہ شے موہوب قبضہ کے وقت نہ ہبہ کے وقت تقسیم کر کے علیحدہ

۵۱ اس مقدمہ کی تقلید الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک حال کے مقدمہ مین یعنی مقدمہ انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ہفتہ وار ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ مین کی ہے -

۵۲ انڈین لا رپورٹ بمبئی جلد ۲۲ صفحہ ۴۸۹ -

کر دی گئی ہو۔ مثلاً اگر زید نے نصف حصہ مکان غیر منقسم ہبہ کیا اور ہنوز سپرد نکیا تھا کہ باقی نصف بھی ہبہ کرکے کل مکان سپرد کر دیا تو جائز ہے۔ ظہیر یہ مین ہے۔ اور اگر نصف مکان کسیکو ہبہ کرکے سپرد کر دیا اور پہر بقیہ نصف ہبہ کرکے سپرد کیا تو جائز نہین ہے اور دونو فاسد ہین۔ نہایہ

مشاع کے متعلق سید امیر علی صفحہ ۶۹ پر لکھتے ہین "مشاع کے مسئلہ پر ہمارے ملک کی عدالتون مین آئے دن بحث ہوا کرتی ہے۔ اور چونکہ یہ مسئلہ بہت مشکل و اہم ہے اسلئے اسکے معنی اور وہ قانونی اصول جو اسکے متعلق ہین کسیقدر وضاحت سے بیان کرنا ضروری

"جب کسی جائداد مین ایک سے زیادہ اشخاص مشترک و غیر منقسم حق رکھتے ہین تو اوسے مشاع کہتے ہین۔ مشاع شیوع سے مشتق ہوا ہے جسکے معنی خلط سے ہین۔ جب کوئی خاص جائداد چند اشخاص کی مشترکہ و غیر منقسم ملکیت ہو تو اونمین سے کوئی یہ نہین کہہ سکتا کہ اوسکا حق اوس جائداد کے کسی مخصوص حصہ مین ہے۔ اگر شرکائین سے کسی نے اس قسم کی جائداد مین اپنا حصہ ہبہ کر دیا تو بقیہ شرکا مین اوس جائداد سے تمتع حاصل کرنے مین جھگڑا ہونیکا احتمال ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہبہ مشاع کا امتناع حنفی مذہب کے بڑے مقننین بالخصوص امام ابو حنیفہ کے زیادہ تر اس خوف پر مبنی ہے کہ اوسکے باعث شے موہوب سے انتفاع حاصل کرنے مین نزاعات پیدا ہونگی۔

اس مسئلہ مین ابو حنیفہ اور اونکے دو شاگردون مین بہت اختلاف ہے۔ لیکن عام طور پر شاگردون کی راے مسلمانون کی ترقی مین ہارج نہین ہے۔ بلکہ اوسکی ضروریات کے لیے بمقابلہ ابو حنیفہ کی راے کے زیادہ تر مناسب ہے۔"

اپنی اس راے کی تائید مین سید امیر علی فتاوی عالمگیری سے ذیل کے مسئلہ بیان کرتے ہین۔ جنکو ہم فتاوی مذکور سے نقل کرتے ہین۔ فتاوی عالمگیری جلد ۳ حصہ ۲ صفحہ ۱۳۷۔

لایق تقسیم چیز مین غیر منقسم دو یا زیادہ آدمیون کو ہبہ کرنا صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور

امام (ابو حنیفہ) کے نزدیک فاسد ہے باطل نہین ہے حتی کہ قبضہ ہو جانے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ صدر الشہید[۵۱] نے ذکر کیا ہے کہ اگر لایق تقسیم چیز دو آدمیون کو ہبہ کی گئی حتی کہ یہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ٹھیرا اور ہر اوسپر قبضہ کر لیا تو ملک فاسد ثابت ہو گی اور اسی پر فتوی ہے۔ عنایہ۔ اور موہوب لہٗ کی ملکیت سوائے قبضہ کے اور کسی طرح پر نہین ثابت ہوتی۔ فصول عمادیہ۔ اگر طرفین سے شیوع ہو اور شے لایق تقسیم ہے تو بالاجماع جواز ہبہ کا مانع ہے۔ و اگر موہوب لہٗ کی طرف سے شیوع ہو تو امام اعظم کے نزدیک جواز ہبہ کا مانع ہے۔ گو صاحبین کے قول کے مطابق مانع نہین ہے۔ ذخیرہ۔ اگر دو شخصون کو ہبہ کیا اور وہ دونون فقیر ہون تو مثل صدقہ کے بالاجماع جائز ہے اور اگر دونون غنی ہون اور ہر ایک کو نصف ہبہ کیا یا مبہم کہدیا کہ مین نے تم دونون کو ہبہ کیا یا ایک کی دوسرے پر تفضیل کی کہ اسکے واسطے دو تہائی اور دوسرے کے واسطے ایک تہائی تو امام اعظم کے نزدیک تینون صورتون مین صحیح نہین ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ تینون صورتون مین جائز ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تفضیل کی صورت مین جائز نہین ہے اور باقی دو صورتون مین جائز ہے ۔۔۔ اگر دو شخصون نے ایک شخص کو ایک مکان ہبہ کیا تو بالاجماع صحیح ہے و اگر ایک شخص نے دو شخصون کو دو غلامونکا آدھا یا مختلف کپڑونکا آدھا یا دس مختلف کپڑونکا نصف ہبہ کر دیا تو جائز ہے۔ ایسے ہی مختلف چارپایون مین یہی حکم ہے و اگر ایک ہی قسم مین ایسا واقع ہوا تو جائز نہین ہے مگر جب تقسیم کر کے علحدہ کر دیا جائے تو جائز ہے محیط۔ اگر کسی دیوار یا خاص راستہ یا حمام مین سے اپنا حصہ ہبہ کیا اور بیان کر دیا اور موہوب لہٗ کو اوسپر قبضہ کرا دیا تو جائز ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مکان معہ تمام حدود و حقوق کے تقسیم کر کے و اپنے تعلقات سے فارغ کر کے دوسرے کو ہبہ کیا اور موہوب لہٗ نے مالک کی اجازت سے

---

۵۱ خراسان کے بہت بڑے فقیہ جو تیرہوین صدی مین ہوئے۔

اوسپر قبضہ کر لیا لیکن مکان کی آمد و رفت کا راستہ اوسکے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے تو یہ جائز ہے۔ جواہر اخلاطی۔ اگر ایسا مکان ہبہ کیا جسمین واہب کا اسباب ہے اور مکان سپرد کر دیا یا معہ اسباب کے مکان سپرد کر دیا تو صحیح نہین ہے اور حیلہ اس باب مین یہ ہے کہ پہلے وہ اسباب موہوب لہٗ کو ودیعت دیکر اوسپر قبضہ کرا دی پھر وہ مکان سپرد کر دے۔ واگر فقط اسباب بدون مکان کے ہبہ کیا اور اسباب پر قبضہ دیدیا تو صحیح ہے۔ واگر مکان و اسباب دونون ہبہ کر کے دونون پر قبضہ دیدیا تو ہبہ دونون مین صحیح ہے۔ واگر سپرد کرنے مین تفریق کر دی مثلاً دونون مین سے ایک کو ہبہ کر کے سپرد کیا پھر دوسرے کو ہبہ کر کے سپرد کیا پس اگر مکان کا ہبہ مقدم رکھا تو مکان کا ہبہ صحیح نہ ہوگا اور اسباب کا ہبہ صحیح ہوگا۔ واگر اسباب کا ہبہ مقدم رکھا تو دونون کا ہبہ صحیح ہوگا۔ اگر زمین بدون کھیتی کے یا کھیتی بدون زمین کے یا درخت بدون پھل کے یا پھل بدون درخت کے ہبہ کیا اور قبضہ دیدیا تو دونون صورتون مین ہبہ صحیح نہین ہے کیونکہ دونون مین سے ہر ایک دوسرے سے مثل ایک جزو کے دوسرے جزو سے اتصال رکھتا ہے پس یہ ہبہ مثل ہبہ مشاع قرار پایا جو محتمل قسمت ہے۔ واگر دونون مین سے ہر ایک کو علحدہ ہبہ کیا مثلاً زمین کو ہبہ کیا پھر کھیتی کو ہبہ کیا یا کھیتی کو ہبہ کیا پھر زمین کو ہبہ کیا پس اگر سپرد کرنے مین دونون کو ایکبارگی سپرد کیا تو دونون کا ہبہ جائز ہے واگر سپرد کرنے مین تفریق کی تو دونون کا ہبہ جائز نہین ہے خواہ دونون مین سے کسیکو مقدم رکھا ہو۔ سراج الوہاج

شاغل کا ہبہ جائز ہے مشغول کا ہبہ جائز نہین ہے۔ مثلاً اگر ایسی بوری ہبہ کی جسمین اناج ہے تو جائز نہین ہے۔ واگر اناج جو کسی بوری مین ہے ہبہ کیا تو جائز ہے۔ اگر ایسا چوپایہ ہبہ کیا جسپر بوجھ لدا ہے تو جائز نہین ہے واگر بوجھ جو چوپایہ پر ہے ہبہ کیا اور

بوجھ معہ چوپایہ کے سپرد کیا تو جائز ہے۔ اگر پانی جو گلاس مین ہے ہبہ کیا تو جائز ہے
و اگر گلاس بدون پانی کے ہبہ کیا تو جائز نہین ہے۔ اگر جورو نے اپنا گھر جسمین شوہر سنکے
ساتھ رہتی ہے اپنے شوہر کو ہبہ کیا اور رہی تو جائز ہے۔ اگر کسی زمین کی کھیتی یا درخت کا
پھل یا مکان کی عمارت ہبہ کیا اور موہوب لہ کو کھیتی کاٹ لینے یا پھل توڑ لینے یا عمارت
توڑ لینے کا حکم دیا اور (موہوب لہ نے) اوس نے ایسا ہی کیا تو استحسانًا ہبہ جائز ہے
اور یون قرار دیا جائیگا کہ گویا اوسنے بعد کھیتی وغیرہ کاٹ لینے کے ہبہ کیا و اگر اوس نے
قبضہ کی اجازت نہ دی اور موہوب لہ نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔ کافی۔

شے موہوب مین واہب کے سوا کسی اور کی ملک کا اشتغال

اگر شے موہوب کا سواے واہب کے کسی دوسرے کی ملک کے
ساتھ اشتغال ہو تو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ امر ہبہ پورا ہونیکا
مانع نہین ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر زید نے اپنا مکان عمرو کو مستعار دیا پھر عمرو نے خالد کا
اسباب غصب کر کے اوس مکان مین رکھا پھر زید نے عمرو کو وہ مکان ہبہ کر دیا تو جائز ہے
اسیطرح اگر خود زید نے کوئی مال خالد کا غصب کر کے مکان مین رکھا پھر عمرو کو ہبہ کیا
تو جائز ہے۔ گو وہ مکان ایسی شے کے ساتھ مشغول تھا جو ہبہ نہین ہوا ہے کیونکہ وہ
مکان ملک واہب کے ساتھ جو ہبہ پورا کرنے کی مانع ہوتی ہے مشغول نہین ہے
فصول عمادیہ۔

اگر شے موہوبہ کے کسی جزو پر استحقاق ثابت ہو تو کل ہبہ ناجائز ہوتا ہے

اگر کوئی مکان معہ اسباب کے ہبہ کیا اور سپرد کر دیا پھر اسباب پر کسی
شخص نے استحقاق ثابت کیا تو مکان کا ہبہ صحیح رہا۔ کافی۔ و اگر
مکان کسی شخص کو ہبہ کیا اور اوسنے قبضہ کر لیا پھر کچھ مکان استحقاق
مین لے لیا گیا تو ہبہ باطل ہو گیا۔ ینابیع۔ و اگر کوئی زمین معہ اوسکی کھیتی کے ہبہ کر کے سپرد کر دیا یا کوئی نخل
معہ اوسکے پھل کے ہبہ کر کے سپرد کر دیا پھر کھیتی و ثمر مین بدون زمین و نخل کے استحقاق ثابت ہوا تو زمین و نخل کا ہبہ بھی باطل

ہے۔ محیط۔ واگر کوئی زمین اور اوسکی کھیتی ہبہ کی اور کاٹ کر سپرد کی پھر دونون مین
سے ایک مین استحقاق ثابت ہوا تو دوسرے کا ہبہ باطل ہوجائیگا۔ محیط سرخسی۔
دو شریکون مین سے اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ مین نے نفع مین سے اپنا حصہ
تجھکو ہبہ کر دیا تو مشایخ نے فرمایا اگر وہ مال بعینہ قایم ہو تو ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ ہبہ غیر منقسم
ایسی شے کا ہے جو لائق تقسیم ہے واگر شریک نے مال تلف کر دیا ہے تو صحیح ہے کیونکہ
ایسی حالت مین یہ اسقاط حق ہے۔ ظہیریہ۔

قبض الکامل۔ امیر علی صفحہ ۷۳۔ مسائل مذکورہ بالا سے اوس زمانہ کی سوسائٹی کی حالت
کا پتہ چلتا ہے جس زمانہ مین کہ وے شایع کیے گئے تھے اور نیز یہ کہ ابتداءً یہ مسائل کس
قسم کی اشیاء سے متعلق تھے۔ علمائے متاخرین نے اِن اصول کی تعبیر سختی سے
نہین کی ہے۔ اس اصول کو ملحوظ رکھکر کہ قبضہ سے ہبہ فاسد مین ملک ثابت ہوجاتی ہے
مصنف مجمع الانہار قبض الکامل کی تعریف حسب ذیل کرتا ہے۔

"وہ جائداد کے منقولہ و غیر منقولہ ہونے کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے
یعنی نوعیت جائداد کی مطابق قبضہ کی نوعیت بھی ہوتی ہے۔ مثلاً صرف مکان کی کنجی لے
لینا بمنزلہ قبضہ مکان کے ہے۔"

اگر کسی شخص نے اپنا مکان دو شخصون کو ہبہ کیا تو مطابق ابو حنیفہ کے قول کے ہبہ جائز
نہین ہے۔ ایسے ہی اون تمام چیزونکا ہبہ ناجائز ہے جو لائق تقسیم ہین۔ مگر امام موصوف کے
دونون شاگردون کے نزدیک ہبہ صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر واہب نے
موہوب لہم کے حصص کی صراحت بھی کر دی ہو تو ہبہ صحیح نہین ہے۔ لیکن جس مسئلہ پر
عام طور پر اتفاق ہے وہ اسکے بالکل خلاف ہے۔ فتاوی قاضی خان مین ہے
کہ اگر کسی شخص نے اپنا نصف مکان ایک شخص کو ہبہ کیا اور

دوسرا نصف دوسرے کو اور دونون کو ساتھ ہی سپرد کر دیا تو ہبہ صحیح ہے۔ لیکن اگر
ایک کو پہلے سپرد کیا اور دوسرے کو بعد مین تو ہبہ صحیح نہین ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے
نزدیک دونون صورتون مین صحیح نہ ہوگا"

ہبہ بالمشاع باطل نہین ہے بلکہ فاسد ہے اور قبضہ سے اِس نقص کی اصلاح ہوجاتی ہے۔
مجمع الانہار مین ہے کہ "یعقوب پاشا کا قول ہے کہ اگر کوئی لائق تقسیم شے دو شخصون کو
ہبہ کی جائے تو ہبہ فاسد ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل نہین ہے اور اگر
موہوب لہم نے قبضہ کر لیا تو اونکی ملکیت ثابت ہوگئی اور اسی پر فتوی ہے" یہہ قول
صدر الشہید کے قول کے بالکل موافق ہے۔

ردالمختار مین لکھا ہے کہ "دُرر مین فصولین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہبہ فاسد مین قبضہ سے
ملکیت ثابت ہوتی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ اور ایسے ہی بزازیہ مین ہے۔ اور عمادیہ مین
صرف اس قدر اختلاف ہے کہ وہ صحیح کہتا ہے لیکن فتوی کا لفظ صحیح سے زیادہ مضبوط ہے"
لیکن ہبہ کی تکمیل کے لئے واقعی قبضہ ضروری نہین معلوم ہوتا یا کم سے کم مشاع کے نقص
کے رفع کرنے کے لیے یہ ضروری نہین ہے فقہا کے نزدیک صرف قبضہ کی اجازت
دینا کافی ہے۔

**قبضہ کی اجازت** "حمادیہ مین جامع الفتاوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کھیتی جو زمین مین ہے
یا پھل جو درختون پر ہے یا نیام جسمین خنجر ہے یا عمارت یا دینار جو دوسرے پر قرض ہے یا کوئی
کیلی شے ہبہ کیا اور موہوب لہٗ کو اجازت دیدی کہ تو کھیتی کاٹ لے یا پھل توڑ لے یا نیام
لے لے اور عمارت و دینار پر تو قبضہ کرلے یا چیز کو تول لے اور موہوب لہٗ نے ایسا کیا تو
استحساناً ہبہ صحیح ہے" اور پھر "اگر واہب نے خود یا اپنے نائب کی معرفت تقسیم کیا یا واہب نے
موہوب لہٗ کو اپنے شریک سے تقسیم کرنے کی اجازت دی تو اس سے ہبہ کامل ہوگیا۔ اگر

کسی شخص کے حق مین ہبہ کیا گیا اور اوسنے دو شخصون کو اپنی طرفسے قبضہ لینے کے لیے مقرر کیا اور دونون نے قبضہ لیا تو جایز ہے - جیسا کہ قاضی خان مین لکھا ہے ؎

مشاع کا مسئلہ زمینداری سے متعلق نہین ہے

عربی کتابون مین جو مثالین مشاع کی پائی جاتی ہین اونسے بآسانی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے - کہ مشاع کا مسئلہ صرف چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی یا مکانات سے متعلق ہے اور فقہاء کا یہ مقصود نہین معلوم ہوتا کہ یہ مسئلہ بڑی بڑی زمینداریان و تعلقہ جات کے حصص سے متعلق کیا جائے جس زمانہ مین کہ حنفیون مین یہ مسئلہ جاری ہوا اوسوقت کی کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوس زمانہ مین ایسی بڑی بڑی زمینداریان نہ تہین جیسا کہ فی زماننا ہمارے ملک مین ہین - فارس کا قدیم زمینداری قاعدہ عرب کے فتوحات سے زایل ہو گیا اور دہقان جو کہ ساسانیون کے زمانہ مین زمیندار ہوتے تھے وہ معمولی کاشتکار رہ گئے - حکومت عرب کے زمانہ مین ملک فارس کی زمین کچھ تو اون عربون مین تقسیم کر دی گئی جنہون نے اپنا وطن ترک کرکے وہان کی سکونت اختیار کی اور کچھ پرانے باشندون کے ہاتھ مین تہوڑا تہوڑا کرکے رہنے دیگئی تا کہ حکومت کے خلاف بغاوت کرنیکا حوصلہ نہ پیدا ہو جس زمانہ مین کہ حنفی شرع کی بنیاد پڑی اور بڑے بڑے امام و فقیہ ہوئے اوسوقت سوسائٹی کی یہی حالت تہی -

اسلئے مشاع کا مسئلہ بظاہر اسباب ایسی بڑی زمینداریون سے متعلق نہین ہو سکتا جنکا وجود زمانہ مابعد مین ہوا - بمقدمہ عبید النسا بنام امیر النسا[ط] حکام پریوی کونسل نے اس اعتراض پر بحث کی ہے کہ آیا مسئلہ عدم جواز ہبہ بالمشاع زمینداری کے ایسے حصص سے جو علحدہ علحدہ مالگذار سرکار ہین متعلق ہے یا نہین - حکام موصوف تحریر کرتے ہین -

عبید النسا بنام امیر النسا

" ہائی کورٹ مین ایک قانونی عذر نسبت جواز ہبہ اس بناء پر کیا گیا

ط ۵ لا رپورٹ اپیل ہاے ہند جلد ۲ صفحہ ۸۷ و بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۶۷ - د خلاصہ نظائر ۲۰۶۷ -

کہ ہبہ مشاع یا جائداد لائق تقسیم کے غیر تقسیم حصہ کا ہبہ شرعاً ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ اول مرتبہ
ہائیکورٹ مین پیش ہوا اور ہمارے سامنے بھی اوسپر بحث ہوئی ہے۔ یہ امر تو روشن
ہے کہ اس قسم کا ایک قاعدہ چند اشیاء موہوبہ کی نسبت شرع محمدی مین پایا جاتا ہے ہدایہ
مین اس قاعدہ کی دو وجہین لکھی ہین۔ اول یہ کہ ہبہ مین قبضہ شرط ہے و لائق تقسیم شے
مین کسی غیر معین حصہ پر قبضہ کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے شرط کی تعمیل نہین ہوسکتی۔ ثانیاً اس
سے واہب کے ذمہ ایسی چیز لازم کرنی ہوتی ہے جسکا اوسنے التزام نہین کیا یعنی تقسیم کا
کرنا دیکھو ہدایہ کتاب ہبہ صفحہ ۲۹۳ کتاب مین ایسی غیر منقسم شے کی جو ہبہ نہین ہوسکتین
مثالین درج ہین۔ مثلاً پھل جو درخت سے اور فصل جو زمین سے علحدہ نہین کی گئی ہے
یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی چیزون پر جب تک کہ وے اپنی اصل سے ملحق ہین علحدہ
قبضہ نہین دیا جاسکتا اور واہب و موہوب کے درمیان جھگڑا ہوگا جسکی شرع اجازت
نہین دیتی۔ مقدمہ حال مین شے موہوب خاص زمینداری کے معین حصے ہین۔ اور
اونکے حقوق کی نوعیت انگریزی گورنمنٹ کے قانون مین درج ہے۔ ہائی کورٹ نے
یہ تجویز کی کہ شرعی قاعدہ اس قسم کی جائداد سے متعلق نہین ہے کیونکہ حصص زمینداری
مالگذاری کے اغراض کے لیے علحدہ حقیت مین۔ ہر ایک حصہ کا نمبر کلکٹر کے دفتر مین
الگ الگ درج ہے۔ اور ہر ایک حصہ علحدہ اپنی مشخصہ مالگذاری سرکار کو ادا کرنے کا
ذمہ وار ہے اور مالک اپنا مخصوص حصہ لگان کا رعیت سے وصول کرتا ہے اور اوسی
معین حصہ کا وہ مستحق ہے اوس سے زیادہ کا نہین۔

وہ حکام پریوی کونسل کے نزدیک ہائی کورٹ کی یہ تجویز صحیح ہے۔ جس اصول پر کہ یہ قاعدہ
مبنی ہے وہ ہماری رائے مین اس خاص قسم کی جائداد یعنی حصص زمینداری سے متعلق
نہین ہے کیونکہ یہ باعتبار اپنی نوعیت کے علحدہ حقیت ہین اور اونکا علحدہ اور مخصوص

مناقض ہے - مسٹر لیتھ یہ حجت کرتے ہین کہ چونکہ اراضی غیر منقسم ہے اور مالکان حصص تقسیم کرانے کے مستحق ہین اسلئے جائداد مشاع ہے - گو یہ حق (یعنی حق تقسیم) اونکو حاصل ہے مگر بلحاظ اوس خاص قانون کے جو ایسے حصص سے متعلق ہے - ہماری راے مین زمینداری کے یہ حصص قبل تقسیم اراضی کے بھی فی نفسہ علحدہ حقیقت ہین - اور اون سے علحدہ علحدہ تمتع حاصل ہو سکتا ہے - کیونکہ اوسکا مخصوص لگان ایک دوسرے سے الگ ہے اور اسلئے اون سے مشاع کا قاعدہ متعلق نہین ہے"

یہی اصول بمقدمہ شیخ ممتاز احمد بنام زبیدہ جان[۵۱] و سجاد احمد خان بنام قادری بیگم[۵۲] مین بھی قرار پایا۔

ناقابل تقسیم جائداد کی ہبہ مشاع کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ مقدار معلوم ہو یا مخصوص کی گئی ہو[۵۳] کیونکہ اگر حصہ معلوم نہین ہے تو جہالت کی وجہ سے نزاع پیدا ہونگے اسلئے ہبہ ناجائز ہوگا۔

**جعفر خان بنام حسینی بی بی** مقدمہ جعفر خان بنام حسینی بی بی[۵۴] مین صدر دیوانی نے یہ تجویز کی کہ مشترکہ جائداد کے کسی حصہ کے ہبہ کے جواز کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ حصہ بتلا دیا گیا ہو اور حصہ موہوبہ کے حدود و مقدار ظاہر کی گئی ہو - مگر یہ امر تسلیم کرنا چاہیئے کہ ابتدائے صدر دیوانی نے پرانے مقدمات مین مشاع کے عذر پر ایک ایسی حد تک عمل کیا تھا جو شاید شرعاً صحیح نہ تھا[۵۵] لیکن ہائی کورٹ کلکتہ والہ آباد نے اپنے حال کے مقدمات مین اس مسئلہ کو وسیع

---

۵۱ الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۰ ۵۲ الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۱ ۵۳ مدراس رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۱۵
۵۴ رپورٹ سیل صاحب جلد ۱ صفحہ ۱۲ ۵۵ میر عبدالکریم بنام سماۃ محمد النسا بیگم سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۴۴ و سید شاہ باسط علی بنام سید شاہ امام الدین رپورٹ سیل صاحب جلد ۳ صفحہ ۱۷۶ و سماۃ خانم جان بنام سماۃ جیون بی بی رپورٹ سیل صاحب جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ -

نظر سے دیکھا ہے اور اونکی راے اون اصول کے مطابق ہے جو موخر زمانہ کی کتابون مثل مجمع الانہار و ردالمختار کے درج ہین۔

**جیون بخش بنام امتیاز بیگم** بمقدمہ جیون بخش بنام امتیاز بیگم[۵۱] الہ آباد ہائی کورٹ نے تجویز کی کہ کسی زمینداری کے ایک معین حصہ کا ہبہ مشاع کی بنا پر ناجائز نہین ہے کیونکہ اس قسم کا حصہ ایک علیحدہ حقیت ہے۔ یہ راے حنفی فقہا کے قول سے بہت بڑہی ہوئی ہے۔ مگر غالباً شرع محمدی کے صحیح مفہوم کے خلاف نہین ہے۔[۵۲]

**قاسم حسین بنام شریف النسا** ۔ بمقدمہ قاسم حسین بنام شریف النسا[۵۳] واہبہ نے اپنا مکان و بارہوان حصہ معافی قاسم حسین و ناظم حسین کے حق مین ہبہ کر کے یہ شرط کی۔ کہ میری حیات مین آمدنی جائداد پر میرا اختیار رہیگا بعد میری وفات کے نامبردگان بحصہ مساوی اوسکے قطعی مالک ہونگے اور اوسکی آمدنی کو اپنے ضروری اخراجات مین صرف کرینگے لیکن اونکو اختیار نہ ہوگا کہ جائداد کو کبھی منتقل کرین یا اوسپر مواخذہ قایم کرین۔ . . .،، واہبہ کے ورثا مین سے ایک نے نالش کی اور منسوخی ہبہ نامہ کی دو وجہین پیش کین اول یہ کہ یہ وصیت نامہ ہے اور بغیر رضامندی جملہ ورثاء کے دو ثلث جائداد کی نسبت ناجائز ہے دوم مشاع ہونے کے باعث ہبہ ناجائز ہے حکام نے حسب ذیل تجویز کی۔

اولڈفیلڈ صاحب جسٹس وہ دستاویز کی رو سے معافی مین واہبہ کا حصہ مدعا علیہم کی طرف منتقل ہوا اور وے مالک قرار پاتے ہین مگر واہبہ نے اپنی حیات تک آمدنی اپنے لیے رکھی ہے۔ مخصوص حصص کا ہبہ شرع محمدی کے مطابق قابل اعتراض نہین ہے اور یہ ہبہ کسی اور طور پر بوجہ اسکے کہ واہبہ نے منافع اپنے لئے رکھ لیا تھا کالعدم نہین ہے

---

۵۱ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۹۳ ۵۲ حفیضہ بی بی بنام صحیب النسا الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۱۳

۵۳ الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۲۸۵۔

نہ تو اس بناء پر کہ قبضہ مقتضیہ شرع محمدی جائداد موہوبہ پر نہین دیا گیا ورنہ اسوجہہ سے کہ شرط مذکور کے باعث ہبہ ناجائز ہے۔ پریوی کونسل سے بمقدمہ نواب احمد علیخان بنام محمدی بیگم[۵۱] یہ تجویز ہوئی کہ اگرچہ انتقال حقوق قانونی سے شرع محمدی کے اوس حکم کی تعمیل ہوتی ہے جو قبضہ سے بہ معنی شرعی واصطلاحی متعلق ہے۔ تاہم صرف حقوق ہی کا انتقال کافی نہین ہے جبکہ ملکیت انتفاعی کے منتقل کرنے کی نیت بہ زمانہ حال یا آیندہ نہ ہو لیکن جس صورت مین واہب نے بموجب شرع محمدی واقعی انتقال جائداد کا اپنی حیات مین کر دیا ہو۔ اور اصل جائداد یا اوسکا کچھ حصہ اپنے قبضہ مین نہ رکہا بلکہ محض یہ شرط کی کہ اپنی حیات تک وہ منافع لیتا رہیگا تو بموجب شرع محمدی کے یہ مکمل ہبہ ہوگا۔ حکام عالی مقام پریوی کونسل تحریر فرماتے ہین ”متن ہدایہ مین ظاہرا یہی مسئلہ مندرج ہے اور باطل قرار پایا ہے۔ کیونکہ جس چیز کا واپس دینا قرار پایا ہے وہ وہی شے نہین ہے بلکہ ایک مختلف شے ہے دیکھو ہدایہ جلد ۳ فصل ہبہ کتاب ۳۰ صفحہ ۲۹۴ جہان یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شے موہوبہ مین اشتراک ملکیت کی وجہہ سے ہبہ ناجائز ہوجاتا ہے جواب یہ ہے کہ واہب کی شراکت ایک ایسی شے مین نہ ہے جو ہبہ نہین ہوئی ہے یعنی واہب کل ناقابل تقسیم شے کی منفعت مین شریک ہے کیونکہ واہب کا ہبہ اصل شے سے متعلق ہے نہ کہ اوسکے منافع سے“ مقدمہ مذکورہ بالا مین شی موہوبہ گورنمنٹ پر امیسری نوٹ تھا جسکا سود واہب نے خود لینا شرط کیا تھا۔ حکام ممدوح بعدہٗ تحریر کرتے ہین ”اور اگر وہ قرارداد جسکی روسے پدر کی حیات تک سود لینا شرط کیا گیا ایک مبطل شرط سمجھی جاسے یعنی موہوب لہٗ کی جملہ حق تمتع کا مبطل ہے تو اس صورت مین شرع محمدی کی روسے شرط ناجائز قرار دیجائیگی نہ کہ ہبہ (ہدایہ جلد ۳ فصل ہبہ کتاب ۳۰ صفحہ ۳۰۷) ”محض جائداد کی آمدنی اپنے لئے شرط

[۵۱] اپیل ہاے ہند مولفہ مورصاحب جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۱ لغایت ۔

کرنے سے ہبہ ناجائز نہ ہوگا اور جج ماتحت کی تجویز اس امر مین غلط ہے ۔ دستاویز مین ایک شرط نسبت امتناع انتقال ہے مگر اوسکی وجہہ سے بھی ہبہ ناجائز نہ ہوگا ۔

" اپیلانٹون کا اعتراض نسبت تجویز زینہ و دروازہ و پاخانہ کے بھی صحیح ہے یہ جزو ہبہ کا اسوجہہ سے ناجائز قرار دیا گیا ہے کہ اشیاے مذکور غیر منقسم ہین ۔

" اس کے متعلق ہدایہ فصل ہبہ کتاب ۳۰ باب اول مین حسب ذیل ہے " لایق تقسیم شے کے ایک جزو کا ہبہ صحیح نہین ہے ۔ الا اوس صورت مین کہ وہ جزو واہب کی جائداد سے تقسیم و علحدہ کر دیا جائے مگر ہبہ جزو شے ناقابل تقسیم کا جائز ہے " معلوم ہوتا ہے کہ اشیاے مذکورہ بالا ( یعنی زینہ و دروازہ و پاخانہ ) مکانات کے جملہ رہنے والون مین مشترک ہین حالانکہ مکانات اور صحن کرکے تقسیم ہو چکے ہین اور وہ اشیا ناقابل تقسیم ہین اور واہبہ نے اپنے تمام حقوق واقع اشیاء مذکورہ موہوب لہم کو دے دیا ہے پس اسوجہہ سے ہبہ ناجائز نہین ہے یہ بات صریحاً لغو ہے کہ ایک مکان کی نسبت تو ہبہ جائز رکہا جاے اور آمد و رفت کے جملہ وسائل کی نسبت ہبہ ناجائز قرار دیا جائے "

اگر کوئی جائداد مشترکاً دو شخصون کو ہبہ کی اور اونکو آپس مین تقسیم کر لینے کی اجازت دیدی گئی ہے یا اونہون نے شے موہوبہ پر قبضہ کر لیا تو ہبہ جائز ہے ۔ لیکن قدیم زمانہ مین ایسی ہبہ کی صحت کی نسبت شبہہ تہا جب منجملہ موہوب لہما کے ایک نابالغ ہو دوسرا بالغ ۔ ردالمختار مین ہے کہ وہ ہمارے چند مشایخ کی راے مین اگر ہبہ ایک صغیر و بالغ کے حق مین بلا تفریق اونکے حصہ کے جائداد مشاع مین کیا جاے تو ہبہ ناجائز ہے ۔ اور چونکہ صغیر خود قبضہ نہین لے سکتا اسلئے ہبہ کی تکمیل نہین ہو سکتی ۔ یہ بہی لکہا ہے کہ " ہمارے بعض مشایخ کہتے ہین کہ اگر ہبہ صغیر و بالغ کے حق مین ہوا اور وہ صغیر بالغ کی پرورش مین ہے یا دو لڑکو نکے حق مین ہو جسمین سے ایک صغیر ہے دوسرا بالغ تو ہبہ صحیح نہین ہے " جس وجہہ سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے وہ بالکل رکیک ہے گو اوسکی تقلید الہ آباد ہائی کورٹ نے

بمقدمہ نظام الدین بنام زبیدہ بی بی[۱] کی ہے۔ شرع حنفی نے جب بعد مین ترقی کی تو اس قاعدہ کی سختی کو ناپسند کیا کیونکہ اس سے بچنے کے حیلے کتابون مین لکھے ہین۔

"لیکن اگر صغیر و بالغ کے حق مین ہبہ کیا جائے اور صغیر بالغ کی زیر پرورش ہے یا دو پسرون کے حق مین جسمین سے ایک صغیر دوسرا بالغ ہے تو ہبہ ناجائز ہے کیونکہ نابالغ کی طرف سے اوسکا ولی قبضہ نہین لے سکتا"، لیکن ردالمختار مین یہ بھی لکھا ہے۔

حیلہ جواز — ایک حیلہ ہے جس سے صغیر و بالغ کے حق مین ہبہ صحیح ہوگا۔ کل شے موہوبہ بالغ کے حوالہ کردی جائے۔ اور پھر وہ دونون کے حق مین ہبہ کردیجائے۔ اس صورت مین بالغ موہوب لہ صغیر کا امین ہوگا۔ اور چونکہ پیشتر سے جائداد موہوبہ اوسکے قبضہ مین بحیثیت امین ہے تو شیوع کی بناء پر نابالغ کی ہبہ پر اعتراض نہین ہوسکتا"

بزازیہ مین لکھا ہے کہ مکان کا نصف حصہ صحت کے ساتھ اسطرح پر ہبہ ہوسکتا ہے کہ اول واہب اوسکو بہ قیمت فروخت کرے اور پھر مشتری سے قیمت نہ لے۔

جس شیوع سے ہبہ ناجائز ہوتا ہے وہ وہ ہے جو وقت ہبہ موجود ہو اور جو شرعاً باعث ناجوازی ہو۔ اگر شیوع بعد مین لاحق ہوا ہے تو وہ باعث ناجوازی نہ ہوگا۔

# فصل ہفتم ثبوت حوالگی قبضہ

واہب کا باضابطہ و صالح اقرار کہ اوسنے تکمیل ہبہ کے لئے شرعاً جن باتون کی ضرورت تھی اونکی تعمیل کردی ہے حوالگی قبضہ کا معقول ثبوت ہے بمقدمہ شیخ محمد ممتاز احمد بنام زبیدہ جان[۲]

[۱] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ و خلاصہ نظائر ۲۶۷ء [۲] الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۰

حکام پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ دستاویز ہبہ مین واہب کا یہ اقرار کہ قبضہ دیدیا گیا ہے واہب کے ورثار پر لائق پابندی ہے - الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک حال کے مقدمہ مین نظیر مذکور کی تقلید کر کے یہ تجویز کی کہ ہبہ نامہ مین واہب کا یہ اقرار کہ اوسنے جائداد موہوبہ پر موہوب لہٗ کو قابض کرا دیا بمقابلہ ورثار واہب کے اقبال کا اثر رکھے گا - اور موہوب لہٗ کو ہبہ نامہ کا حوالہ کرنا جسکی بنار پر اوسنے داخل خارج کرایا بمنزلہ قبضہ کے متصور ہوگا[۵۱] نظائر مذکورہ کے اصول کے لحاظ سے مغل شاہ بنام محمد صاحب[۵۲] کا فیصلہ مشکل سے صحیح کہا جاسکتا ہے - شرع حنفی کے بموجب ایک شخص اپنا حصہ اپنے شریک کو ہبہ کر سکتا ہے اور ایسی ہبہ پر حوالگی قبضہ دشاع کی بنار پر کوئی اعتراض نہین ہوسکتا[۵۳] -

## تحلیل

تحلیل

تحلیل کے لغوی معنے حلال کرنے کے ہین - چونکہ شیوع کی بنار پر بہت سی ہبہ ناجائز ہوجاتی ہین اور موہوب لہٗ اون سے مستفید نہین ہوسکتا اسلیئے شرع مین فقہار نے تحلیل کا قاعدہ قرار دیا اور اصطلاحی معنی اسکے یہ ہین کہ واہب شے موہوبہ کا استعمال موہوب لہٗ کے واسطے حلال کردے - امثال ذیل سے اسکے معنی بخوبی مفہوم ہوتے ہین -

عالمگیری صفحہ ۱۵۲ - اگر زید نے عمرو سے کہا کہ جو کچھ تو میرا مال کھائے وہ تجھے حلال ہے تو اوسکو حلال ہے کہ کھاوے ولیکن اگر اتفاق کی علامتین موجود ہون تو ایسا نہ ہوگا -

---

۵۱ سجاد احمد خان بنام قادری بیگم الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۱ و نیز دیکھو ابراہیم علی خان بنام امۃ الزہرہ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۲۶۷ و حفیظہ بی بی بنام صحیب النسا بی بی الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۱۳ ۵۲ بمبئی جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۷
۵۳ لا رپورٹ اپیل ہائے ہند جلد ۱۶ ضمیمہ صفحہ ۸۱ محمد بخش خان بنام حسینی بی بی د فیصلہ پریوی کونسل یا کلکتہ جلد ۱۵ صفحہ ۶۸۴ و آمنہ بی بی بنام زلیخہ بی بی ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۳۷ یا خلاصہ نظائر ۳۶۷ -

اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ جسنے میرا مال کہایا وہ حلت مین رہا تو فتوی اسپر ہے کہ مخاطب کو حلال ہے۔ سراجیہ۔

اگر مالک درخت نے کہا کہ جسنے اس درخت سے کہایا وہ حلت مین رہا تو اوس سے غنی و فقیر کو کہانے مین کچھہ ڈر نہین ہے اور یہی مختار ہے۔ فتاوی عنابیہ

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مجھے ہر حق سے جو تیرا مجھپر ہے حلال کر دے یعنی بری کر دے اور اوس نے ایسا ہی کیا پس اگر صاحب حق اپنے حق سے واقف تہا تو وہ شخص حکم و دیانت دونون طرح سے بری ہوجائیگا اور اگر واقف نہ تہا تو حکم (قانون) کی راہ سے وہ بالاجماع بری ہوجاے گا اور دیانتاً امام ابو یوسف کے نزدیک بری ہوگا اور اسی پر فتوی ہے۔ خلاصہ۔

زید نے عمر کی کوئی چیز اپنے مال مین ملادی اور غالب گمان اوسکا یہ ہے کہ اوسکا جدا کر کے ممیز کرلینا ممکن نہین ہے پس اوسکے مالک سے حلت کی درخواست کی اوس نے اوسکو حلال کر دیا پہر اوس شخص نے وہ چیز پائی اور پہچان لی یعنی ممیز ہوگئی تو مالک کو واپس کر دے۔ قینیہ۔

ایک شخص نے کہا کہ مین نے فلان شخص کے واسطے اپنے مال مین سے کہالینا مباح کر دیا حالانکہ وہ فلان شخص اس قول سے واقف نہین تو اوسکو کہالینا حلال نہ ہوگا محیط سرخسی و اگر دوسرے شخص نے ناواقفی مین اوسکا مال لے لیا تو اوسنے حرام مال لیا اور جب تک اجازت یا اباحت سے آگاہ نہ ہو اوسپر حلال نہ ہوگا۔ زید نے عمرو سے کہا کہ جو تو میرا مال کہاوے تجھے حلال ہے یا لے لے یا عطا کر دے تو عمرو کو اوسکا مال کہالینا حلال ہے اور لے لینا یا عطا کرنا حلال نہین ہے۔ سراج الوہاج۔

اگر کسی شخص نے ختنہ کی دعوت کی اور لوگون نے ہدیہ بہیجے اور لڑکے کے سامنے رکہے پس خواہ ہدیہ دینے والے نے یہ کہا ہو کہ یہ لڑکے کے واسطے ہے یا نہ کہا ہو اگر وہ ہدیہ ایسا ہوگا کہ جو لڑکے کے لائق ہے مثل کپڑے یا گیند وغیرہ کے تو وہ لڑکے کے واسطے ہوگا کیونکہ

ایسے چیزین لڑکی کی ملک مین دینے کی عادت ہے واگر لڑکے کے لائق نہ ہو پس اگر باپ کے عزیزون یا دوستون مین سے کسی نے بھیجا ہے تو وہ باپ کا ہے واگر مان کے عزیزون یا دوستون نے بھیجا ہے تو وہ مان کا ہے کیونکہ باپ کی صورت مین باپ کا و مان کی صورت مین مان کا مالک کرنا معروف ہے پس ایسے مقام پر عرف وعادت پر اعتماد کیا جاتا ہے حتی کہ اگر کسی مقام پر اس عرف وعادت کے سوا کوئی دوسرا رواج ہو تو اوس پر اعتماد کیا جائے گا۔

## فصل ہشتم - مشاع و قبضہ شیعہ اصول کے مطابق

سید امیر علی لکھتے ہین - شیعون مین ہبہ بالمشاع جائز ہے [۱] شرائع مین ہے کہ وداہب پر قبضہ اس طور پر ہونا چاہیئے جیسے بیع مین یعنی صرف جدا کرنے سے یا واہب کے تخلیہ کرنے سے جیساکہ شرع حنفی مین مذکور ہوا ہے قبضہ کی نوعیت [illegible] کے مختلف ہوا کرتی ہے اور یہی بات علامہ نے اپنی تحریر الاحکام مین لکھی ہے - اگر جائداد موہوبہ غیر منقولہ ہے تو ضابطہ کا قبضہ دینا کافی ہے گو واقعی قبضہ نہ دیا گیا ہو - لیکن اگر جائداد موہوبہ منقولہ ہے تو بلحاظ اوسکے نوعیت کے قبضہ واقعی دینا ضرور ہے قبضہ کرنے کی اجازت دینی بمنزلہ حوالگی قبضہ کے ہے -

شیعہ مذہب مین اس امر مین کوئی اختلاف نہین ہے کہ اگر کوئی شے دو شخصون کو مشترکاً دیجائے اور اونھون نے مشترکہ قبضہ حاصل کر لیا تو اونمین سے ہر ایک اپنے خاص

[۱] مرزا قاسم علی بنام مرزا محمد حسن سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۱۲ -

حصہ کا مالک ہو جاتا ہے اسیطرح اگر اونمین سے صرف ایک نے ہبہ قبول کر کے
قبضہ کر لیا اور دوسرا لینے سے انکار کرتا ہے تو قبول کرنے والے کے حق مین ہبہ صحیح ہے
مثل حنفی مذہب کے شیعہ مذہب مین بھی صحت ہبہ کے لیے موہوب لہٗ کا قبول کرنا ضروری ہے
شرایع مین ہے کہ ہبہ کے معاہدہ مین ایجاب قبول و قبضہ کی ضرورت ہے "
قبضہ یا تو واقعی ہو گا یا معنوی - ایجاب واہب کی اس خواہش یا نیت کا اظہار ہے کہ وہ اپنی
کوئی جائداد موہوب لہٗ کو ہبہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس عقد کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضرور
ہے کہ واہب بالغ و عاقل ہو اور اپنے مال مین تصرف کر سکتا ہو - یعنی اپنے افعال کے
نتایج سمجھتا ہو اور مجبور نہ ہو -

**قرضہ سے بری کرنا** قرض خواہ کا اپنے مدیون کو قرض سے بری کرنا بمنزلہ اسکے ہے کہ اوسنے
قرض ہبہ کیا اور ایسا کرنا مذہب حنفی و شیعہ دونون مین جائز ہے - لیکن اوس وقت یہ خیال
کر کے کہ قرض جو صرف ایک استحقاق نالش ہے اوسپر قبضہ واقعی کیونکر کیا جائے گا مصنف
شرایعہ و چند دیگر مقننان مذہب شیعہ یہ کہتے ہین کہ قرض یعنی استحقاق وصول قرض کسی
تیسرے شخص کے حق مین منتقل نہین ہو سکتا - مگر دیگر مقننان نے اور بالخصوص شیخ
(مصنف مبسوط) نے اسکے خلاف راے ظاہر کی ہے اور اسمین کچھ شبہ نہین ہے
کہ صحیح قیاس کے اور اوس عمل درآمد کے لحاظ سے جو شیعہ لوگون مین کئی صدیون سے استحقاق
نالش کی منتقل کرنیکے بارہ مین رائج ہے قرض خواہ یعنی داین اپنے قرض کو یعنی اوس حق کو جو دوسرے شخص کی
ذمہ داری پر مبنی ہے صحیح طور پر بلا کسی معاوضہ کے دوسرے شخص کے حق مین منتقل کر سکتا ہے
یا بالفاظ دیگر ہبہ کر سکتا ہے - بمقدمہ نواب امجد علی بنام محمدی بیگم[۵۱] پرامیسری نوٹ ہبہ ہوا تھا
اگر غور سے دیکھا جائے تو نوٹونکا ہبہ کرنا در حقیقت روپیون کے سود کے وصول کرنے کا

---

[۵۱] اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۷ -

حق ہبہ کرنا تھا اور نوٹ بمنزلہ ضمانت کے تھے - گو اوس مقدمہ کے فریق شیعہ تھے لیکن
یہ بحث نہین کی گئی کہ ہبہ اسوجہ سے ناجائز تھا کہ اوس سے بتدریج وقتاً فوقتاً واہب الادا
سود کے وصول آیندہ کا حق دیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا استحقاق نالش کا منتقل کرنا بھی
مذہب شیعہ مین اسیطرح صحیح ہے جیسا کہ مذہب حنفی مین -

[قرضہ سے بری کرنا] مصنف شرایع اور اوسکے شاگردون کے نزدیک اگر داین قرض
ابرا کرے تو مدیون کا قبول کرنا ضرور نہین ہے لیکن زمانہ کے ساتھ ترقی کرنے والی
جماعت جنمین شیخ وابن زہرہ و شیخ مرتضی وغیرہ شامل ہین اِن تینون کے یہ کہتے ہین
کہ صحت ابرا کے لیے مدیون کا قبول کرنا ضرور ہے اور یہ رائے اصول انصاف سے
زیادہ موافق معلوم ہوتی ہے ابرا یعنی بری کرنا تو صرف داین کی اس نیت کا اظہار ہے
کہ وہ اپنے قرض کا مطالبہ مدیون سے نہین کرنا چاہتا تھا - لیکن اسطرح برئیت کے
اظہار کرنے کا کو یہ اثر ہے کہ بعد مین داین اپنے قرض کو بجبر نہ وصول کر سکے - لیکن اوسکا
یہ اثر نہین ہو سکتا کہ مدیون اپنے داین کو قرض ادا کرنے سے ممنوع کیا گیا ہے - ایک
انگریزی مصنف (پالک صاحب صفحہ ۳) نے ذمہ داری کی یہ تعریف کی ہے کہ درمیان
دو شخصون کے اوس رشتہ یا تعلق کو کہتے ہین جسکے باعث اون مین سے ایک کو
دوسرے کے افعال پر تحکم کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ اوس سے کہہ سکتا ہے
کہ فلان کام کر یا اوس سے باز رہ - یہی تعریف عربی لفظ عقد پر صادق آتی ہے - عقد کا
مفہوم وہ رشتہ یا تعلق ہے جسکے باعث ایک شخص کو اگر دوسرے کے اوپر کوئی حق حاصل
ہوتا ہے تو اوسکے ساتھ ہی شخص اول الذکر کے فائدہ کے لئے کوئی ذمہ داری شخص آخر الذکر
کے اوپر نا حق ہوتی ہے - اسی اصول پر حنفی فقہا کا یہ قول ہے کہ قرضدار کو قرض ہبہ کرنا
بدون قرضدار کے قبول کرنے کے تمام ہوجاتا ہے لیکن اگر مدیون انکار کرے تو وہ بالکل

بے سود ہے ۔ یہ مسئلہ جہان تک اصل مدیون سے متعلق ہے صحیح ہے ۔ لیکن اگر ضامن کے حق مین قرض ہبہ کیا جاے تو تا وقتیکہ وہ اسے قبول نہ کرے صحیح نہ ہوگا گو اوسکے انکار کرنے سے وہ منسوخ ہوجاتا ہے ۔ اگر دائین اصل مدیون کو قرض سے بری کرے تو وہ اور اوسکا ضامن دونون بری ہوجاتے ہین لیکن اگر وہ ابرا کو منظور نہ کرے تو بری نہ ہوگا ۔

## فصل ششم نابالغ کے حق مین ہبہ

باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کے حق مین ہبہ کرے تو یہ ہبہ صرف عقد سے تمام ہوجاتا ہے خواہ وہ شے باپ کے پاس ہو یا اوسکے مستعدہ[۵۱] کے پاس ہو (فتاوی عالمگیری) اسکے متعلق سید امیر علی لکھتے ہین ۔ اس سے واضح ہوا کہ نابالغ کے حق مین اگر ہبہ کیا جائے تو صحت ہبہ کے لئے اوسکا قبضہ کرنا لازمی نہین ہے بشرطیکہ شے موہوبہ باپ کے قبضہ مین ہو یا ایسے شخص کے قبضہ مین جو باپ کا امین ہے ۔ کیونکہ باپ کا قبضہ عین قبضہ نابالغ کا ہے اور باپ کے امین کا قبضہ بمنزلہ قبضہ باپ کے ۔ اس اصول پر باپ اپنے نابالغ لڑکے کے حق مین ایسی غیر منقولہ جائداد جو بہ قبضہ کاشتکاران یا ٹھیکہ داران یا مرتہن کے ہو ہبہ کرسکتا ہے گو کاشتکار و ٹھیکہ دار و مرتہن کا قبضہ بحالہ قایم رہے ۔ صحت ہبہ کے لیے نابالغ کا قبول بھی ضروری نہین ہے ۔ اگر واہب نے ہبہ کرنے کی نیت ایکبار صاف طور پر ظاہر کردی تو ہبہ صحیح ہے گو وہ جائداد مثل سابق کے واہب کے قبضہ مین بعد ہبہ بھی رہے[۵۲] فتاوی عالمگیری اسیطرح اگر نابالغ کو اوسکی ماں نے ہبہ کیا اور وہ شے ماں کے پاس ہے اور باپ مرچکا ہے اور کوئی شخص اوسکا وصی نہین ہے تو بھی یہی حکم ہے ۔ اسیطرح اگر وہ شخص جو اوسکی پرورش

---

۵۱ یعنی وہ شخص جسکے پاس وہ شے ودیعت یا امانت ہے ۵۲ حسین بنام میر امداد جلد ۱۳ صفحہ ۲۰

کرے اوسکا بھی یہی حکم ہے - تبئین و کافی -

اگر ایک شخص نے کپڑا خریدا اور اوسکی کوئی چیز اپنے نابالغ لڑکے کے واسطے قطع کرائی تو یہ شخص بسبب قطع کرانے کے ہبہ کرنے والا ہو گیا اور قبل سلانے کے اوسکا سپرد کرنے والا ہوا اور اگر یہ کہا کہ مین نے یہ کپڑا اوسکے واسطے خریدا ہے تو اوسکی ملک ہو گیا اگر موہوب لہٗ قبضہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو تو قبضہ کا حق اوسکو حاصل ہوگا نابالغ یا مجنون شخص کی طرف سے قبضہ کا حق اوسکے ولی کو ہے - اوسکا ولی باپ ہوتا ہے یا باپ کا وصی پھر دادا پھر اوسکا وصی پھر قاضی یا جسکو قاضی مقرر کرے خواہ صغیر اوس شخص کی پرورش مین ہو یا نہ ہو -

سواے باپ و دادا کے باقی اہل قرابت مثل بھائی و چچا و مان وغیرہ کے استحساناً ہبہ پر قبضہ کر لینے کا اختیار رکھتے ہین بشرطیکہ نابالغ موہوب لہٗ اونکی پرورش مین ہو - اسیطرح اون لوگون کے وصی کو بھی استحساناً ہبہ پر قبضہ کا اختیار ہے بشرطیکہ صغیر اوسکی پرورش مین ہو - اسیطرح اگر کوئی اجنبی ہو اور نابالغ اوسکی پرورش مین ہو اور اوس اجنبی کے سواے نابالغ کا کوئی اور نہ ہو تو استحساناً اوسکا قبضہ بھی جائز ہے - اور ان سب مسائل مین خواہ نابالغ قبضہ سمجھتا ہو یا نہ ایکسان حکم ہے -

اگر کسی نے اپنی دختر کو سامان جہیز اوسکی صغر سنی مین دیا یا حالت بلوغ مین دیا اور سپرد کر دیا تو اوسی کا ہوگا - بشرطیکہ باپ یہ نہ کہے کہ عاریت دیا گیا ہے اور اس امر کا یعنی عاریت دینے کا بار ثبوت اوسکے ذمہ ہوگا - عرف و رواج کا بھی اس امر کے تصفیہ مین لحاظ کیا جاے گا - رد المختار -

اگر کسی عورت نے اپنا مہر جو اوسکے شوہر کے ذمہ ہے اپنے لڑکے کو ہبہ کیا اور اوسکے قبض و وصول کرنے پر لڑکے کو مسلط کر دیا تو جائز ہے اور جب لڑکا اوسپر قابض ہو تو اوسکا

مالک ہوجاے گا۔ فتاوی قاضی خان۔

سید امیر علی لکہتے ہین کہ اگر زوجہ صغیرہ کو ہبہ دیا گیا تو اوسکے شوہر کا قبضہ کرنا جایز ہی بشرطیکہ زوجہ کے باپ نے اوسے شوہر کے مکان پر بہیجدیا ہوا۔ شوہر کا قبضہ اوس صورت مین بہی جائز ہوگا اگر صغیرہ کا باپ زندہ ہو کیونکہ شوہر کے مکان پر بہیجدینے سے یہ پایا جاتا ہے کہ باپ نے اوسکے معاملات کا انصرام شوہر کے سپرد کردیا۔ لیکن اگر باپ نے اپنے گہر سے شوہر کے مکان پر نہین بہیجا ہے تو شوہر کا قبضہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ باپ صغیرہ کو معاملات کے انصرام کرنیسے دستکش نہین ہوا ہے۔ جب باپ زندہ موجود ہو تو مان کو قبضہ نہ کرنا چاہئے۔ لیکن اسکا یہ نتیجہ نہین ہے کہ اگر اوسنے یعنی مان نے قبضہ کرلیا تو ہبہ ناجائز ہوجائیگا گو بیلی صاحب کے بعض جملہ کے ترجمہ سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ اون جملون کے معنی صرف یہ ہین کہ باپ اپنے نابالغ لڑکے کے حقوق کا سب سے اچہا محافظ ہے۔ اگر باپ موجود ہے اور نابالغ کی طرف سے ہبہ قبول کرے تو یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہبہ سے نابالغ کا فائدہ ہے۔ اس بناء پر نابالغ کی طرف سے ہبہ قبول کرنے مین باپ سب پر مقدم ہے۔ لیکن جس وجہ پر کہ یہ قاعدہ مبنی ہے اوس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ اگر کوئی ہبہ بلاکسی ذمہ داری کے نابالغ کے حق مین کیا جاے تو مان کا قبضہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ گو مان خلاف مرضی باپ کے قبضہ کرتی ہو۔ اگر باپ یا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کے حق مین ہبہ کیا تو یہ ضرور نہین ہے کہ واہب شے موہوبہ مین سے اپنے کل حقوق منقطع کرے۔ مثلاً اگر کوئی مکان ہبہ کیا جاے تو واہب کے لیے ضرور نہین ہے کہ اوس مکان کی سکونت ترک کردے یا اگر اوس مکان مین واہب کا اسباب ہو تو اوسکو نکال لے[1] دحکام پریوی کونسل نے ایک مقدمہ[2] مین اس اصول

[1] واجد علی بنام عبد العلی ویکلی رپورٹر ۱۸۶۴ء صفحہ ۱۲ و خلاصہ نقشہ نمبر ۲ [illegible] [2] سید علیخان بنام محمدی بیگم

مورلیس ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ ضمیمہ صفحہ ۵۱۷۔

کو اون ہبہ جات سے بہی متعلق کیا ہے جو بالغ کے حق مین کئے گئے ہون۔

| | |
|---|---|
| ایک عورت نے جس نے ایک نابالغ کو متبنیٰ کیا تہا اوسکے حق مین ہبہ کیا مگر جائداد موہوبہ پر نہ تو وہ تمت ہبہ وفات واہبہ تک | مقدمہ محبوبی بی بنام فخرالدین حسن |

موہوب لہٗ کا قبضہ دیا بلکہ خود واہبہ بجانب موہوب لہٗ کے اوسپر قابض ہتی صدر دیوانی عدالت نے تجویز کی کہ ہبہ صحیح ہے گو نابالغ کا باپ زندہ تہا۔ اگر ایسی صغیرہ کے حق مین جو بعد شادی کے اپنے شوہر کے ساتہہ رہتی ہے ہبہ کیا گیا تو اوسپر خواہ شوہر یا باپ مین سے کسی نے قبضہ کیا ہو دونوں صورتوں مین صحیح ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ صغیرہ اپنے شوہر کے مکان پر بہیجی گئی ہو یا بعد اوسکے بلوغ کے شوہر کو قبضہ کرنا جائز نہین ہے۔ صغیرہ زوجہ کی ولایت شوہر کو اوسوقت حاصل ہے جب وہ اوسکے مکان پر آ گئے[۵۱]۔ اگر باپ زندہ یا موجود ہے مگر نابالغ چچا یا دادا یا مان کے اہتمام مین تعلیم پاتا ہے تو اشخاص آخر الذکر کا قبضہ کافی ہے۔ اگر نابالغ سن تمیز کو پہونچ گیا ہے تو اوسکو قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہے۔ نابالغ کی جائداد کا کوئی ہبہ نہین کر سکتا خواہ وہ ہبہ بالعوض ہی کیون نہ ہو۔

## فصل دہم ہبہ مین شرط لگانیکے بیان مین

سید امیر علی لکہتے ہین کہ ہبہ معلق بشرط یا ہبہ مین شرط لگانا دو مختلف چیزین ہین جن مین

---

۵۱ رپورٹ سین صاحب جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ ۵۲ بمعاملہ خدیجہ بی بی بنگال لا رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۵۱۷ یہ طے پایا کہ صغیرہ زوجہ کی ولایت شوہر کو نہین حاصل ہے لیکن خلاف قانون بہی نہین ہے دیکہو معاملہ مہین بی بی بنگال لا رپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰۔

بڑا فرق ہے ہبہ معلق بشرط اوس ہبہ کو کہتے ہین جسکا ہونا کسی امر اتفاقی کے وقوع پر موقوف ہو اور ایسا ہبہ جملہ مذاہب اسلام مین باطل ہے۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے مریض شوہر سے کہا کہ اگر تو اس مرض سے مرگیا تو میرا مہر تجھکو صدقہ ہے یا ہبہ ہے تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ ہبہ ایک خطرہ پر معلق ہے یعنی اوسکا ہونا و نہ ہونا دونون ممکن ہے[۵۱] مگر ایسی ہبہ کی نسبت جسمین شرائط ہون شیعہ و حنفی مین کچھ کچھ اختلاف ہے۔ ہبہ مین ایسی شرط لگائی جس سے شے موہوبہ مین کچھ کمی واقع ہو یا شے موہوبہ کے فوائد و استعمال

حنفی مذہب

کو محدود کیا گیا ہو حنفی مذہب کے بموجب باطل ہے (عالمگیری صفحہ ۱۷۷) مثلاً اگر کسی شخص کو ایک باندی اس شرط سے ہبہ کی کہ مجھے اوسکو واپس کر دے یا اوسکو آزاد کر دے یا کوئی گھر اوسکو اس شرط سے ہبہ کیا کہ اوسمین سے کچھ مجھے واپس دے یا کچھ اوسمین سے مجھے عوض دے تو ہبہ جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اور اصل اسمین یہ ہے کہ جو عقد ایسا ہو کہ اوسمین قبضہ شرط ہو تو اوسکو کوئی شرط فاسد نہین کرتی ہے جیسے ہبہ سراج الوہاج

شیعہ مذہب

مگر شیعہ مذہب مین اگر ہبہ مین کوئی شرط لگائی گئی ہو تو ہبہ و شرط دونون صحیح ہین۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ مین تمکو وہ قرضہ جو مجھے زید سے یافتنی ہے اس شرط پر ہبہ کرتا ہون کہ تم اوسکا سود عمرو کو دیا کرو۔ تو حنفی مذہب مین شرط باطل ہوگی اور ہبہ صحیح۔ شیعہ مذہب مین اگر ہبہ کسی شرط پر موقوف کیا گیا ہے تو کل ہبہ باطل ہوگا۔ لیکن اگر موقوف نہین کیا گیا ہے بلکہ ضمناً شرط ہبہ کے ساتھ لگائی گئی ہے تو ہبہ و شرط دونون صحیح ہونگے۔ مگر عرف مین یعنی عملی طور پر ان دونون صورتون مین یعنی ہبہ موقوف بشرط و ہبہ جسمین

---

۵۱ روشن جہان بنام عنایت حسین ویکلی رپورٹر جلد ۱۴ و لا رپورٹ اپیل ہائے ہند جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ و یوسف علی بنام کلکٹر تیرہ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۸ و چیکو نکٹی بنام احمد مدراس جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۶۔

ضمناً شرط ہے کچھ فرق نہین ہے - اسلئے دونون صورتون مین ہبہ و شرط دونون صحیح ہین - جیسا اوپر بیان ہوا - ہبہ معلق بشرط جملہ مذاہب مین باطل ہے لیکن اگر شرط ایسی ہو جس سے ہبہ فوراً وقوع پذیر ہو تو ہبہ صحیح ہے مثلاً اگر کسی نے ایک شخص سے کہا کہ اگر تو میرا مقروض ہے تو مین قرضہ سے تجھکو بری کرتا ہون یا یہ کہے کہ جب مین مرون تو تم قرضہ سے بری ہو (آخرالذکر وصیت ہوگی)

شیعہ مذہب — شیعہ مذہب مین ہر ایسا لفظ جس سے پوری ملکیت کا دیا جانا مفہوم ہو ہبہ ہے

حنفی مذہب — عمرہ یعنی کسی شخص کی حیات کے لیے کوئی شے دینا حنفی مذہب مین ہبہ ہے اور شرط باطل ہے مثلاً اگر کسی نے زید کی حیات کے لیے کوئی شے ہبہ کی اور بعدہٗ بکر کے لئے تو وہ شے کامل طور پر زید کے لیے ہبہ تصور کیجائیگی[۵۰] - کسی چیز کا صرف منافع دینا عاریت ہے جسکا یہ مفہوم ہے کہ موہوب لہٗ کو وہ شے پھر واپس کرنا چاہیئے -

عارضی عطیہ جات کے شیعہ مذہب مین باعتبار اونکی نوعیت کے مختلف نام ہین - اول حبس[۵۱] دوم العمرہ[۵۲] سوم السکنیٰ[۵۳] چہارم - الرقبیٰ[۵۴] ان مختلف اقسام کے عطیہ جات کرنے کے واسطے کوئی مخصوص الفاظ نہین ہین مثلاً اگر یہ کہا جاسے کہ مین نے فلان شخص کو فلان مکان یا آراضی اوسکی زندگی بھر کے لیے یا ایک معین زمانہ کے لیے دیا تو کافی ہے

۵۰ نظام الدین غلام بنام عبد الغفور بمبئی جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۴ -

۵۱ حبس جسکے لغوی معنی عین ملک کو روکنے کے ہین اصطلاح مین ایسے عطیہ کو کہتے ہین جو ایک مدت کے لیے ہو جب کوئی مالک اپنی کسی شے کا منافع یا استعمال دوسرے کو اس شرط سے مفت دے کہ مالک کا حق ملک اوسمین باقی ہے تو اوسے حبس کہتے ہین - اس عقد کی صحت کے لئے متعاقدین کی رضامندی اور قبضہ کا تبدل کافی ہے ۵۲ یعنی زندگی بھر کے لئے منافع کا دینا ۵۳ یعنی مکان مین سکونت کرنے کا اختیار ۵۴ معین زمانہ کے لئے منافع دینا -

مگر اسکتہ یعنی حق سکونت کا دینا واہب کے مرنے پر ختم ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسکے خلاف کوئی اور شرط نہ ہو۔ کسی جائداد کا منافع اگر عارضی طور پر ایک محدود زمانہ کے لیے عطا کیا گیا ہے تو یہ عطیہ اوس جائداد کے بیع ہونے کی وجہ سے قبل انقضاے میعاد معینہ ختم نہ ہوگا۔ بلکہ موہوب لۂ کو اختیار ہوگا کہ میعاد معینہ تک اوس پر قابض رہے " جملہ ایسی اشیار کا عمرٰ صحیح ہے جبکا وقف صحیح ہے اور عطیہ اوس شے کے بیع سے ناجائز یا باطل نہین ہو جاتا کیونکہ مشتری کو وہ جملہ شرایط جو بائع نے کیے تھے پورے کرنے پڑینگے "

جب کسی شخص کو عام شرائط کے ساتھ ایک مکان مین حق سکونت دیا گیا ہے تو وہ شخص معہ اپنے اہل وعیال کے اوس مکان مین رہ سکتا ہے مگر وہ شخص اپنے حق سکونت کو کسی دوسرے کے پاس منتقل کرنیکا مجاز نہین ہے۔ بشرطیکہ اسکے خلاف کوئی خاص شرط نہ ہو۔ اگر زید اور اوسکی اولاد کو کسی مکان مین حق سکونت دیا گیا ہو تو زید کی اولاد مین جب تک کوئی شخص زندہ رہے گا اوس مکان مین رہنے کا حق ہے اگر کوئی عطیہ کسی شخص اور اوسکے وامانذگان کے حق مین کیا گیا ہے تو موہوب لۂ اور اوسکے مرتے وقت جو اشخاص موجود ہونگے اون سب کی زندگی بھر کے لیے وہ عطیہ ہوگا اور موہوب لۂ کے خاندان کے آخر شخص کے مرنے کے بعد وہ عطیہ واہب یا اوسکے ورثار کو ملیگا۔

شرائع کا یہ جملہ کہ اگر زید اور اوسکے عقب کے حق مین کوئی عطیہ کیا گیا ہو تو وہ صرف زید کی زندگی بھر کے لیے ہوگا گویا لفظ عقب مذکور نہین ہوا تھا۔ صرف عمرٰ سے متعلق ہے مصنف شرایع کی راے مین لفظ عقب کا ذکر کرنا بمنزلہ ذکر کرنے اولاد کے نہین ہے اور اسلیے وہ عطیہ دائمی نہین ہے لیکن صاحب مبسوط کی راے مین اگر عطیہ زید کے لیے ہو اور بعدہٗ اوسکے عقب کے لیے تو یہ کامل ہبہ ہے۔ عمرٰ اور رقبہ ایک شخص کی حیات

کے لیے اور بعدہٗ اوسکے زماندگان کے لئے ایک محدود زمانہ تک صحیح ہے۔ ایسے ہی اگر چند اشخاص کی حیات کے لئے یکے بعد دیگرے عطیہ کیا جائے تو صحیح ہے۔

شیعہ قانون نسبت عطیہ جات عارضی و محدود

تمام عطیہ جات جو معین اشخاص کے حق مین بغیر تعین کسی مدت کے ہون واہب کی موت پر ختم ہوکر اوسکے متروکہ کا جزو ہو جاتے ہین اگر زید کے حق مین اسطرح پر عطیہ کیا جائے کہ اگر تم مجھسے پہلے مرو تو جائداد مجھے واپس ملے یا اگر مین تمسے پہلے مرون تو وہ تمہاری ہے" بعض کے نزدیک عمرہ ہے اگر واہب موہوب لہٗ سے پہلے مرے اور بعض کے نزدیک قطعی ہبہ ہے (بشرطیکہ کوئی اور شرط نہ ہو) اگر زید اور اوسکی اولاد کے حق مین نسلاً بعد نسلاً عطیہ ہو تو موہوب لہٗ اوسکا پورا مالک ہو جائیگا۔ اور اوسکے حق انتقال مین کوئی امر مانع نہ ہوگا[لہ] اگر کوئی شخص کوئی اراضی اس شرط پر دوسرے کو ہبہ کرے کہ موہوب لہٗ پیداوار اراضی واہب کو اوسکی پرورش کے لیے دیا کرے۔ اگر اراضی مین پیداوار ہوتی ہو تو ابوالقاسم کے نزدیک ہبہ صحیح ہے اور شرط باطل۔ لیکن اگر اراضی بنجر و ناقابل مزروعہ ہے تو ہبہ فاسد ہے۔ امامیہ مذہب مین ہبہ و شرط دونون صحیح ہونگے۔ بمقدمہ نواب امجد علیخان بنام محمدی بیگم[۵۲] حکام پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ اگر واہب نے کوئی جائداد ہبہ کی اور اوسکی پیداوار اپنے لیے شرط کی تو اصل جائداد کا ہبہ صحیح ہے۔

بادی النظر مین یہ فیصلہ حنفی فقیہ ابوالقاسم کے قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ شرع حنفی مین شرائط ہبہ کا باطل ہونا زیادہ تر عربی الفاظ کی خصوصیت پر منحصر ہے یہ قاعدہ کلیہ سمجھنا چاہیے کہ جب مکمل ہبہ کرنے کی نیت صاف و ظاہر ہے تو کوئی ایسی شرط جو ہبہ کے فوراً نفاذ پذیر ہوتے مین مخل ہو باطل

---

لہ تفصیر حسین بنام صغری بیگم الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۵۰۔ ۵۲ مور صاحب کی اپیل ہائے ہند جلد ۱۱ ضمیمہ ۷ ا۱۵۱

ہوگی - لیکن جس صورت مین کہ ہبہ کے فوراً پورے طور پر نافذ ہونے مین شرط مانع نہ ہو تو ہبہ و شرط دونون صحیح ہونگے اسیطرح اگر کسی نے اس شرط پر ہبہ کیا کہ موہوب لہٗ اوسکا قرضہ ادا کرے اور موہوب پر موہوب لہٗ کو قابض کرا دے تو شرط صحیح ہے اس معنی مین حکام پریوی کونسل کا فیصلہ شرع حنفی کے مطابق ہے -

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''جو موتی میرا کھویا گیا ہے وہ اگر تمکو پاوے تو تم لے لو'' تو امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ باطل ہے مگر امام زفر کے نزدیک صحیح ہے - فتاوی قاضی خان - حق قابل ارجاع نالش کا ہبہ صحیح ہے مثلاً اگر زید اوس جائداد کا مستحق ہو جو عمرو کے قبضہ مین ہے اور زید اوس جائداد یا استحقاق جائداد کو بکر کے حق مین ہبہ کر دے تو صحیح ہے - فتاوی قاضی خان - اگر ہبہ مین موہوب لہٗ کے واسطے خیار کی شرط ہے تو موہوب لہٗ کو ہبہ کرنے کے وقت اوسے قبول یا رد کرنا چاہیئے - اگر واہب نے ہبہ فسخ کرنے کا خیار اپنے لیے شرط کیا ہے تو ہبہ صحیح ہے اور خیار باطل - اگر واہب نے اپنے نابالغ لڑکے کے حق مین کوئی مکان ہبہ کیا مگر خود بھی اوسی مکان مین بلا کرایہ کے رہتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہبہ صحیح ہوگا - اسیطرح اوس صورت مین بھی ہبہ صحیح ہوگا اگر اوس مکان مین بلا کرایہ کے کوئی دوسرا شخص رہتا ہو - ان صورتون مین باپ کا قبضہ منجانب لڑکے کے متصور ہوگا - ایک شخص نے مکان خرید نے اور اوسپر قبضہ کرنے کے بعد دوسرے کو ہبہ کر دیا اور بعدہٗ کسی اور نے شفع کے ذریعہ سے نصف مکان لے لیا تو بقیہ نصف مکان کا ہبہ موہوب لہٗ کے حق مین ناجائز ہے یعنی موہوب لہٗ خواہ نصف مکان کو اپنے پاس رہنے دے یا اوسے واپس کرے - اگر کوئی شخص اپنے شریک سے یہ کہے کہ تجارت مین جو میرا حصہ ہے وہ میرے بالغ لڑکے کو دیدو اور اپنے لڑکے کو اوسکے لینے کی اجازت دی تو ہبہ صحیح ہے -

حق قابل ارجاع نالش کا ہبہ

# فصل یازدہم - ہبہ سے رجوع کرنیکے بیانمین

سید امیر علی لکھتے ہین کہ مختلف مذاہب مین ہبہ محض یا ہبہ بلا معاوضہ سے رجوع کرنے مین واہب کے اختیارات کی نسبت اختلاف ہے۔

شافعی و مالکی | مذہب شافعی و مالکی مین اوس ہبہ کے سوا جو والدین نے اپنی اولاد کے حق مین کیا ہے اور کسی دوسری ہبہ سے واہب رجوع نہین کرسکتا خواہ موہوب لہ کا شئے موہوب پر قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن یہ مسئلہ اوس صورت سے متعلق نہین ہے۔ جب ہبہ بالجبر وقوع مین آیا ہے یا بلا سمجھے بوجھے کیا گیا ہے لیکن والدین نے جو ہبہ اپنی اولاد کے حق مین کیا ہے اوس سے وہ رجوع کرسکتے ہین۔ اگر ہبہ صدقہ کی نیت سے کیا گیا ہے یعنی آخرت مین حصول ثواب کی نیت سے یا خوشنودی خدا کی غرض سے تو ہبہ سے رجوع نہین کرسکتے۔

مندرجہ ذیل صورتون مین والدین اوس ہبہ سے رجوع نہین کرسکتے جو اونہون نے اپنی اولاد کے حق مین کیا ہے۔

اول جب موہوب اپنی اصلی حالت پر قایم نہین ہے یا کلاً یا جزواً تلف ہوگیا ہے یا بیع یا کسی اور طرح پر منتقل ہوگیا ہے۔ اگر صرف نرخ بازار مین کمی بیشی ہونے کی وجہ سے موہوب کی قیمت کم یا زیادہ ہوگئی ہے تو یہ صورت اس حکم مین داخل نہین ہے۔

دویم اگر ہبہ کی وجہ سے موہوب لہ نے عقد نکاح قبول کیا ہو۔

سویم اگر موہوب لہ مرگیا اور موہوب وراثتاً اوسکے ورثا کو پہونچا۔

مذہب شیعہ | شیعہ مذہب مین دو اگر ہبہ والدین کے حق مین ہے اور اونہون نے ادسپر

قبضہ کر لیا ہے تو اسپر اتفاق ہے کہ اوس ہبہ سے رجوع نہین ہو سکتا اور نہ اوس صورت
مین رجوع ہو سکتا جب موہوب لہٗ واہب کا ذی رحم قرابت ہے آخر الذکر صورت مین کچھ
اختلاف ہے لیکن وہ صحیح نہین ہے ۔ نہ اوس ہبہ سے رجوع ہو سکتا ہے جو شوہر نے
اپنی زوجہ کے حق مین کیا ہے یا زوجہ نے اپنے شوہر کے حق مین اور تبدیلی قبضہ بھی
ہوگئی ہے۔ شیخ و دیگر مجتہدین کا قول ہے کہ شوہر و زوجہ معاملات ہبہ مین مثل دیگر ذی رحم
قرابت دارون کے تصور کئے جاتے ہین اور زوجیت کو مانع رجعت قرار دینے مین وے
حنفی مذہب کے موافق ہین۔ لیکن محقق جو اس امر کو مکروہ قرار دیتے ہین کہ شوہر اوس ہبہ
سے رجوع کرے جو اوسنے اپنی زوجہ کے حق مین کیا ہے یا زوجہ اوس ہبہ سے رجوع
کرے جو اوسنے اپنے شوہر کے حق مین کیا ہے اوسکو قطعاً ناجائز نہین کہتے۔ لیکن اس
امر پر خیال کرنے سے کہ شرایع مین امور اخلاقی کا کس قدر اثر قانونی جواز پر ہوتا ہے۔ میری
رائے مین محقق کا بھی وہی منشاء ہے جو شیخ کا ہے۔ اگر ہبہ کسی اجنبی شخص کے
حق مین کیا گیا ہے تو جب تک موہوب قایم ہے واہب اوس سے رجوع کر سکتا ہے
لیکن جب وہ تلف یا منتقل ہو جاوے تو اوس سے رجوع نہین ہو سکتا۔ اسیطرح اوس
ہبہ سے رجوع نہین ہو سکتا جسکے عوض مین کچھ لے لیا گیا ہے خواہ وہ کتنی ہی کم قیمت
شے کیون نہ ہو۔ موہوب لہٗ کے صرف موہوب کو استعمال مین لانے سے رجوع کرنے کا
حق ساقط نہین ہوتا بشرطیکہ اوس تصرف سے موہوب کی حیثیت مین زیادہ تبدیلی نہ واقع
ہوئی ہو۔ فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۵۶ - ہبہ سے رجوع کرنا سب حالتون مین مکروہ ہے
مگر تاہم صحیح ہے ہبہ چند طرح کا ہوتا ہے ایک اجنبی کو اور ایک ذی رحم کو جو محرم نہین
ہے اور ایک محرم کو جو ذی رحم نہین ہے اور ان سب صورتون مین سپرد کرنے سے پہلے
واہب کو رجوع کرنیکا حق حاصل ہے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب ہو اور اوسنے قبضہ کر لینے کی

اجازت دی ہو یا نہ دی ہو - اور بعد سپرد کرنے کے ذی رحم محرم سے واپس کرنے کا حق
نہین رکہتا اور ذی رحم محرم کے سوا سے دوسرون مین رجوع کر سکتا ہے - لیکن بعد سپرد
کرنے کے خود واہب رجوع نہین کر سکتا بلکہ حکم قاضی یا موہوب لہٗ کی رضامندی کا
محتاج ہوگا اور سپرد کرنے سے پہلے خود واہب رجوع کر سکتا ہے - مثلاً اگر چچازاد بہائی
کے حق مین ہبہ ہوا تو اوس سے رجوع ہو سکتا ہے کیونکہ وہ محرم نہین ہے اسیطرح زوجہ
کی مان کے حق مین اگر ہبہ ہو تو اوس سے بہی رجوع ہو سکتا ہے - کیونکہ گو وہ محرم ہے
مگر ذی رحم نہین ہے[۵۱] - اسمین کچھ اختلاف نہین ہے کہ اگر ہبہ سے رجوع کرنا بحکم قاضی واقع ہوا
تو یہ عقد ہبہ کا فسخ ہے - اور باہمی رضامندی سے رجوع کر لینے مین اختلاف ہی -
لیکن استاد کا زیادہ ترجحان اس طرف ہے کہ وہ عقد ہبہ بہی فسخ ہے - مثلاً اگر ایک
شخص نے دوسرے کو کچھ ہبہ کیا اور یہ دوسرا شخص ایک تیسرے کو وہی شے ہبہ کر کے
پہر رجوع کر کے لیلے تو اول واہب کو بہی رجوع کرنے کا حق ہو جاتا ہے لیکن اگر موہوب لہٗ
ثانی نے اوس شے کو اپنے واہب کو ہبہ کر دی تو اول واہب کو رجوع کرنیکا حق نہوگا
کیونکہ دوسرا رجوع بمنزلہ فسخ ہبہ کے ہے - اسلئے شے موہوبہ اپنی اصلی حالت
مین آجاتی ہے اور واہب اوسکا مالک ہو جاتا ہے اور اسمین از سر نو قبضہ کرنے کی

---

۵۱ عنایت حسین بنام خوب اللہ ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۴ وخلاصہ نظائر ۸۵-۳۶ - اس مقدمہ
مین مدعی نے اپنے رشتہ دار مدعا علیہا کے لگان کا ایک حصہ بذریعہ دستاویز اسوجہ سے معاف
کر دیا تھا کہ مدعا علیہا کے گہر مین ڈاکہ پڑا تہا - بعدہٗ مدعی نے اصل لگان دلا پانیکا دعویٰ کیا - تجویز ہوئی کہ ہبہ
معافی لگان کا ہر سال کے اختتام پر مکمل ہو گیا یعنی موہوب کی حوالگی وقوع مین آگئی اسلیئے شے ہبہ اس
سے رجوع ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت مین رجعت یا تو بحکم قاضی ہو سکتی ہے یا برضامندی
باہمی -

کوئی ضرورت نہین ہے کیونکہ قبضہ کا اعتبار ملک کے منتقل ہونے مین ہوتا ہے
نہ ملک قدیم کی طرف عود کرنے مین۔ رجوع کے بعد شے موہوبہ مثل امانت کے موہوب لہٗ
کے قبضہ مین متصور ہوگی حتی کہ اگر وہ ضایع ہوجاسے تو اوسکے لئے موہوب لہٗ ضامن
نہ ہوگا۔ لیکن اگر رجوع نہ تو بحکم قاضی ہے و نہ باہمی رضامندی کے ذریعہ سے لیکن
موہوب لہٗ نے واہب کو وہ شے ہبہ کردی اور واہب نے اوسے قبول کرلیا تو واہب
اوسوقت تک اوسکا مالک نہ ہوگا جب تک اوسپر قابض نہ ہوجاسے۔ جب واہب
نے قبضہ کرلیا تو موہوب لہٗ کا ہبہ کرنا بمنزلہ اسکے ہے کہ گویا حکم قاضی سے یا باہمی
رضامندی سے رجوع کیا گیا اور موہوب لہٗ کو اوس سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا۔ امام
ابویوسف سے مروی ہے کہ جب تک قاضی نے ہبہ کے فسخ کا حکم نہ دیا ہو اوسوقت
تک موہوب لہٗ کو ہبہ مین تصرف کرنا جائز ہے لیکن قاضی کے حکم کے بعد موہوب لہٗ کا
تصرف ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام محمد کی راے بہی اسکے موافق ہے۔ اگر قاضی
کے حکم کے بعد لیکن واہب کے قبضہ کرنے سے پہلے شے موہوبہ موہوب لہٗ کے قبضہ
مین تلف ہوجاسے تو موہوب لہٗ اوسکا ضامن نہین ہے بشرطیکہ واہب کے قبضہ طلب
کرنے پر پہر اوسکے دینے سے انکار نہ کیا گیا ہو۔ اگر ہبہ سے رجوع کرنے کے بعد لیکن
قاضی کے حکم سے پہلے موہوب لہٗ نے شے موہوب واہب کو دیدی اور وہ اوسپر
قبضہ کرلے تو یہ بمنزلہ اسکے ہے گویا رجعت بحکم قاضی ہوئی۔ اگر واہب اپنے حق رجعت
سے دست بردار ہوجائے تاہم وہ حق ساقط نہین ہوتا لیکن اگر ہبہ کے رجوع کرنے کے
حق سے کوئی چیز لیکر صلح کرلے تو صحیح ہے اور وہ شے اس ہبہ کا عوض ہو جائیگی اور
رجوع کرنیکا حق ساقط ہوجائے گا۔

فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱۔ الفاظ رجوع کے یہ ہین۔ مین نے ہبہ مین

رجوع کر لیا یا ہبہ واپس لے لیا یا ہبہ باطل کیا۔ اگر اوسنے ایسا کوئی لفظ نہ کہا لیکن ہبہ کو بیع یا رہن کیا یا غلام موہوب کو آزاد کیا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر کپڑے کو رنگایا یا طعام موہوب کو اپنے ذاتی طعام مین خلط کیا تو رجوع نہ ہوگا۔

شرطیہ رجعت بھی صحیح نہین ہے مثلاً اگر یہ کہا کہ جسوقت مینہ برسنا شروع ہو اوسیوقت مین نے ہبہ سے رجوع کیا تو صحیح نہین ہے۔

ایسے عوارض جو ہبہ سے رجوع کرنے کے مانع ہوتے ہین چند قسم کے ہین۔

موانعات رجعت

(۱) موہوب کا تلف ہوجانا کیونکہ اوسکی قیمت واپس نہین کر سکتا اسواسطے کہ قیمت پر عقد ہبہ نہین قرار پایا ہے۔

(۲) موہوب کا موہوب لہٗ کی ملک سے خارج ہونا خواہ بیع و ہبہ وغیرہ کسی سبب سے خارج ہوئی ہو اسیطرح موت بھی ہے کیونکہ وارث کو جو ملکیت ثابت ہوئی ہے وہ مورث کی ملکیت ثابتہ کے غیر ہے۔

(۳) واہب کی موت یعنی اگر واہب مرگیا تو اوسکے ورثا رجوع نہین کر سکتے کیونکہ حق رجعت تو واہب کا ذاتی حق ہے۔

(۴) موہوب مین زیادتی متصلہ[۵۱] کا ہونا خواہ وہ زیادتی موہوب لہٗ کے فعل سے ہوئی ہو یا اوسکے کسی فعل سے نہ ہو و خواہ زیادتی متولدہ ہو یا غیر متولدہ مثلاً شے موہوب ایک لاغر باندی تھی اور وہ فربہ ہوگئی یا گھر تھا کہ اوسمین عمارت بنوائی یا زمین تھی اوسمین درخت لگوائے۔ لیکن یہ زیادتی ایسی ہو جو جزو زمین ہوگئی ہو اسطرح پر کہ اگر زمین بیع کیجائے

[۵۱] زیادات متصلہ وہ زیادتی ہے جو نفس موہوب مین کسی ایسی شے کی زیادتی ہو جس سے قیمت بڑھ جاتی ہو جیسے (باندی مین) جمال (کپڑے مین) سلائی و رنگ وغیرہ و اگر فقط اوس شے کا نرخ بڑھ جاوے تو واہب کو رجوع کر لینے کا اختیار ہے اسیطرح اگر نفس موہوب مین زیادتی ہو مگر اوس سے قیمت مین زیادتی نہ ہوئی ہو تو بھی یہی حکم ہے

تو یہ زیادتی بھی بغیر ذکر کے داخل بیع متصور ہو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر - اسیطرح کپڑا موہوبہ کو کسی رنگ مین رنگانا یا اوسکو قطع کراکر قمیص سلانا یا جبہ تہا کہ اوس مین روئی بہرائی یا قبا بنوائی تو یہ سب صورتین رجوع سے مانع ہین - اگر موہوب لہٗ نے غلام موہوب کو لکہنا یا پڑہنا یا اور کوئی صنعت سکہلائی تو ہبہ رجوع کرنے سے مانع نہین ہے - کیونکہ یہ زیادتی نفس موہوب مین نہین ہے پس نرخ کے زیادہ مشابہ ہونے کی قرار دیجائیگی - بتیین - مگر مضمرات مین اسکے خلاف ہے اور یہی مختار ہے - عالمگیری صفحہ ۱۶۳ - اگر زیادتی منفصلہ ہو تو وہ رجوع کرنے سے مانع نہین ہے خواہ اصل موہوب سے متولد ہو جیسے بچہ اور دودہ وپہل وغیرہ یا اوس سے متولد نہو جیسے کمائی و کرایہ وغیرہ - اگر موہوب مین نقصان آیا ہو تو وہ رجوع کرنے سے مانع نہین اور موہوب لہٗ نقصان کا ضامن نہوگا -

(۵) ہبہ کا بالعوض ہونا -

(۶) موہوب کا اصلی ہئیت سے متغیر ہونا مثلاً گیہون تہے کہ اوسکو پسایا یا آٹا تہا کہ اوسکی روٹی پکائی -

(۷) زوجیت یعنی واہب وموہوب لہٗ کا باہم زن وشوہر ہونا حتی کہ اوس تعلق کے قیام کے زمانہ مین کوئی شئے ہبہ کی گئی ہو تو بعد منقطع ہونے زوجیت کے بہی واہب رجوع نہین کرسکتا لیکن اسکے برعکس حالت مین یہ مسئلہ نہین ہے یعنی اگر قبل نکاح کے کچہہ ہبہ دیا گیا ہو اور بعد مین نکاح ہو تو واہب رجوع کرسکتا ہے - زن وشوہر کے اختلاف مذہب سے رجعت کے مسئلہ مین کچہہ فرق نہین آتا یعنی اگر زوجہ کافرہ بہی ہو تاہم شوہر ہبہ سے رجوع نہین کرسکتا -

(۸) قرابت محرمیت خواہ قریب مسلمان ہو یا کافر قرابت کے محارم مین سے مثلاً باپ دادا وغیرہ وماں دادی ونانی وغیرہ و اولاد بیٹے وپوتے وغیرہ اگر ان لوگون کو

ہبہ کیا جاوے تو پہر رجوع نہین ہوسکتا - اس حکم مین پسر و دختر کی اولاد کا حال ایکسان ہے - اسیطرح بہائی و بہنین و چچا و پہوپی کا حکم یکسان ہے - لیکن جن لوگون کے ساتھ قرابت کے سواے کسی اور سبب سے محرمیت ہو تو ایسی محرمیت مانع رجعت نہین ہے جیسے رضاعی مان باپ و بہائی بہنین وغیرہ و دامادی کے رشتہ سے مان باپ وغیرہ و ربائب یعنی جورو کیساتھ جو غیر شوہر کی اولاد ہو و بہو و داماد وغیرہ کو اگر ہبہ کیا جائے تو رجوع کر سکتا ہے خزانۃ المفتیین

(۹) (امیر علی صفحہ ۲۳ ا) موہوب مین قدرتی طور پر اضافہ ہونا -

اگر واہب کو رجوع کرنیکا حق حاصل ہو تو اوسکو اختیار ہے کہ موہوب کے بعض یا کل مین رجوع کرے -

اگر کسی شخص نے اپنے بہائی و اجنبی کو غلام ہبہ کیا اور دونون نے اوسپر قبضہ کر لیا تو اجنبی کے حصہ مین رجوع کر سکتا ہے

اگر موہوب زمین مین موہوب لہ نے عمارت بنا کر زیادتی کی ہو تو بعد منہدم ہونے عمارت کے واہب کو رجوع کر لینے کا اختیار ہے -

و اگر مکان ہبہ کیا اور موہوب لہ نے عمارت ڈہادی تو واہب کو زمین واپس لینے کا اختیار رہتا یعنی اگر موہوب کا بعض حصہ تلف ہوا ہے تو تلف شدہ سے واپسی کا حق ساقط ہو گیا اور بقیہ جو موجود ہی اوسے واپس لے سکتا ہی - اگر مکان موہوبہ مین سے تہوڑا سا واپس لیا تو باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا -

اگر کسیکو ایک غلام ہبہ کیا اور وہ جوان ہو کر بڈہا ہو گیا - اور اوسوقت اوسکی قیمت اوس قیمت سے کم ہے جو ہبہ کرنے کے وقت تہی اور واہب نے رجوع کرنا چاہا تو نہین لے سکتا ہی کیونکہ جسوقت اسمین زیادتی ظاہر ہوئی اوسی وقت رجوع کرنیکا استحقاق باطل ہو گیا پہر اب استحقاق عود نہ کریگا - سراج الوہاج -

ہبہ مین رجوع کر لینے سے واہب کی جانب اوسکی قدیم ملکیت عود کرتی ہے - قدیم ملک عود کرنے سے مراد زمانہ مستقبل کے لیے ہے - نہ زمانہ ماضی کے واسطے مثلاً اگر کسی شخص نے مال زکوۃ سال گذرنے سے پہلے کسیکو ہبہ کر کے سپرد کر دیا اور پیچھے بعد سال کے ہبہ سے رجوع کر لیا تو واہب پر زمانہ ماضی کی زکوۃ واجب نہ ہوگی اسیطرح

اگر کوئی مکان دوسرے شخص کو ہبہ کرکے سپرد کر دیا پھر اوسکے پہلو مین دوسرا مکان فروخت ہوا پھر واہب نے اپنی ہبہ سے رجوع کر لیا تو واہب مکان موہبہ کو شفعہ مین نہین لے سکتا۔ ذخیرہ۔

اگر ایک درم ہبہ کیا پھر موہوب لہ سے قرض مانگا اور اوسنے وہ درم قرض دیدیا تو واہب کو کبھی رجوع کرنیکا اختیار نہ ہوگا۔ (کیونکہ حیثیت درم کی تبدیل ہو گئی۔ امیر علی صفحہ ۱۲۳)

اگر زید نے اپنا قرضہ جو عمرو پر تھا عمرو کو ہبہ کر دیا تو وہ ہبہ سے رجوع نہین کر سکتا۔ کیونکہ ابراء سے قرض بالکل ساقط ہو گیا پھر اب قرض کہان باقی رہا جس سے رجوع کیا جاوے۔

اگر دو شخصون نے ایک شخص کے حق مین کچھ ہبہ کیا تو دونون واہبون مین سے ایک اپنے حصہ سے بلا رضامندی دوسرے واہب کے رجوع کر سکتا ہے۔

صدقہ تبدیل قبضہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور پھر اوس سے رجوع نہین ہو سکتا۔ کیونکہ ایسی ہبہ سے جو صدقہ کی نیت سے دیا گیا ہے خوشنودی خدا کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ بات ہبہ کرنے سے حاصل ہو چکی۔ اگر کوئی شخص کسی غنی آدمی کو صدقہ کی نیت سے کچھ ہبہ کرے تو پھر اوس سے رجوع کرنا جائز نہین ہے کیونکہ بعض وقت غنی شخص کو صدقہ دینے کا مقصود بھی خوشنودی خدا منظور ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی محتاج کو کوئی چیز ہبہ دے اور لفظ صدقہ نہ کہا تو اوس ہبہ سے رجوع کرنا اوسکے لیے جائز نہین ہے۔

## فصل دوازدہم۔ ہبہ مین عوض لینے کے بیان مین

فتاوی عالمگیری۔ واضح ہو کہ عوض ہبہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ کہ عقد ہبہ کے بعد عوض

دیا گیا اور دوسرا وہ کہ عقد ہبہ مین شرط کیا گیا - اول الذکر قسم کیواسطے تین شرطین ہین -

**اوّل** - عوض کا ہبہ کے مقابلہ مین رکھنا یعنی تفویض ایسے لفظ سے کیجاوے جو مقابلہ پر دلالت کرتا ہو مثلاً کہے کہ یہ تیری ہبہ کا عوض ہے - یا تیری ہبہ کا بدل ہے یا تیری ہبہ کی جگہہ ہے - یا مین نے یہ چیز تیری ہبہ کے بدلے صدقہ دی یا ایسے اور الفاظ جو اوسکے قایم مقام ہون -

**دوم** - عوض موہوب کا ایک جزو نہ ہو - اگر موہوب لہ نے شے موہوب کا ایک جزو عوض دیا تو صحیح نہ ہوگا اور نہ وہ عوض ہوگا - لیکن اگر شے موہوب اپنی حالت سے ایسا تغیر پاگئی ہو جسکے باعث سے واہب کا رجوع کرنا ممنوع ہوگیا تو ایسی صورت مین اگر اوس شے مین سے کچھ عوض دے تو باقی سے عوض ہوجائیگی - یہ حکم اوسوقت ہے کہ ایک شے ہبہ کی ہو یا دو چیزین ایک ہی عقد مین ہبہ کی ہون اگر دو چیزین دو عقدون مین ہبہ کی ہون اور موہوب لہ نے ایک کو دوسرے کا عوض دیا تو اوسمین اختلاف ہے اور امام اعظم و امام محمد نے فرمایا کہ عوض ہوجائیگی - اگر ایک شے ہبہ کی اور دوسری صدقہ دی اور موہوب لہ نے صدقہ کو ہبہ کے عوض دیا تو بالاجماع عوض ہوجائیگی -

**سوم** - عوض کی چیز واہب کو مسلم پہونچ جائے - اور اگر نہ پہونچی مثلاً اوسکے ہاتھ سے استحقاق مین لیگئی تو عوض نہ ہوگی اور واہب کو رجوع کا اختیار ہوگا بشرطیکہ رجعت سے کوئی دوسرا امر مانع نہ ہو - اگر کچھ عوض استحقاق مین لیا گیا یا تلف ہوگیا تو باقی عوض پورے موہوب کا عوض ہوگا اور اگر چاہے تو اوسے واپس کردے اور اپنا ہبہ پورا واپس کرلے بشرطیکہ رجوع ہبہ سے کوئی اور امر مانع نہ ہو -

موہوب کا صحیح و سلامت ہونا تفویض کی شرط ہی حتی کہ اگر شے موہوب استحقاق مین لیگئی تو موہوب لہ کو اختیار ہوگا کہ اپنا عوض واپس کرے و اگر نصف موہوب استحقاق مین لیگئی

تو اوسکو نصف عوض پر واپس لینے کا اختیار ہوگا - بشرطیکہ شے موہوب محتمل قسمت ہو خواہ عوض مین نرخ کی رو سے کمی و زیادتی ہوگئی ہو - پس نقصان کی صورت مین اُسکو اختیار ہوگا کہ نصف عوض معہ نصف نقصان کے واپس کرے - اور اگر موہوب لہٗ چاہے کہ وہ باقی ماندہ موہوب واپس کرے اور پورا عوض پھیرے تو ایسا نہین کرسکتا -

عوض کی ماہیت مین اسطرح گفتگو کیجاتی ہے کہ جو عوض عقد ہبہ کے بعد ہو وہ ازسرنو ہبہ ہے[51] پس جس سے ہبہ صحیح ہوتا ہے اوس سے یہ بھی صحیح ہوتا ہے اور جس سے ہبہ باطل ہوتا ہے اُس سے یہ بھی باطل ہوتا ہے کسی امر مین مخالفت نہین ہے مگر صرف رجوع مین کہ ہبہ کی صورت مین واہب کو رجوع کرنیکا حق ہوتا ہے اور اس صورت مین حق نہین ہے - اگر موہوب لہٗ نے موہوب مین کوئی کھلا ہوا عیب پایا تو اوسکو یہ اختیار ہوگا کہ واپس کرکے عوض کو واپس لیلے اسی طرح واہب کو بھی یہ اختیار ہوگا کہ اگر اوسکے عوض مین کچھ عیب پایا تو اوسکو واپس کرکے ہبہ کو واپس لیلے پھر جب واہب نے عوض پر قبضہ کرلیا تو دونون مین سے کسیکو اختیار نہ ہوگا - کہ جس چیز کا اوسنے دوسرے کو مالک کردیا ہے اوسکو واپس لے خواہ واہب کو موہوب لہٗ نے خود عوض دیا ہو یا اوسکے حکم سے یا بدون حکم کسی اجنبی نے عوض دیا ہو - بدایع - جو شرطین ہبہ مین ہین وہ تمام عوض سے بھی متعلق ہین مثل قبضہ وغیرہ کے - عوض ہبہ بمعنی معاوضہ ابتداءً یا انتہاءً نہین ہوتا ہے پس شفیع کو اسمین شفع کا حق ثابت نہ ہوگا - اور نہ موہوب لہٗ کو بسبب عیب کے واپس کرنیکا اختیار ہوگا - محیط سرخسی -

**ہبہ بشرط العوض** دوسری قسم کے عوض مین یعنی ایسے عوض مین جو عقد ہبہ مین مشروط ہو ابتدا مین ایسی شرطین چاہیین جو ہبہ مین ہین حتی کہ ایسی غیر منقسم شے مین جو محتمل قسمت ہے

[51] دیکھو مقدمہ رحیم بخش بنام محمد حسین ہفتہ وار سنہ ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۶۶

صحیح نہ ہوگا - اور قبضہ سے پہلے ملک ثابت نہ ہوگی اور دونون مین سے ہر ایک کو سپرد کرنے سے انکار کرنیکا اختیار رہوگا - اور بعد باہمی قبضہ واقع ہونے کے اوس مین بیع کا حکم ثابت ہوگا - پس کیسیکو دونون مین یہ اختیار نہ رہیگا کہ جو چیز اوسکی تہی اوس کو واپس کرے اور شفیع ثابت ہوگا - اور دونون مین سے ہر ایک کو یہ اختیار رہوگا کہ اپنے مقبوضہ کو بسبب عیب کے واپس کردے - جس صدقہ مین عوض دینا شرط ہو وہ بمنزلہ ہبہ بشرط العوض کے ہے اور یہ جو مذکور ہوا دلیل استحسان کی ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ ہبہ بشرط العوض ابتدا و انتہا دونون راہ سے بیع ہو - فتاوی قاضی خان -

ایک گہر دو شخصون کو بشرط ہزار درم عوض کے ہبہ کیا تو بعد باہمی قبضہ کے اس ہبہ کا انقلاب بیع کی جانب ہوگا - یعنی ہبہ منقلب ہو کر بیع جائز ہوگا - قینیہ -

**ہبہ بالعوض ناقابل رجوع ہے** اگر کل ہبہ کے لیے عوض دیا خواہ عوض قلیل ہو یا کثیر ہو تو ہبہ سے رجوع کرنا ممنوع ہو جاتا ہے و اگر کچہ ہبہ کے لیے عوض دیا تو واہب کو اختیار ہوگا کہ جس قدر کا عوض اوسنے نہین لیا ہے اوس سے رجوع کرے اور جسکا عوض لیا ہے اوس قدر مین ہبہ سے رجوع نہین کرسکتا - شرح طحاوی -

اگر کسی اجنبی نے واہب کو عوض دیا تو جایز ہے خواہ موہوب لہ کے حکم سے ہو یا بلا حکم اور اس اجنبی کو یہ اختیار نہوگا کہ جس قدر اوس نے عوض دیا ہے وہ موہوب لہ سے واپس لے تاوقتیکہ موہوب لہ نے واپس دینے کی شرط نہ کی ہو - فتاوی قاضی خان -

اصل اس جنس کے مسائل مین یہ ہے - کہ جو حق ایسا ہو کہ حبس یعنی قید و ملازمہ[1] کے ساتھہ آدمی سے اوسکا مطالبہ کیا جاتا ہے اگر ایسے حق کی ادا کرنیکا حکم دے تو بدون ضمان کے شرط لگانے کے حکم دینے والے سے واپس لے سکتا ہے اور جو حق ایسا نہ ہو اگر اوسکے

[1] قید و ملازمہ کے ساتہہ یعنی حق مخصوص و معین ہو اور اوسکا دینا کسی شخص پر واجب ہو -

ادا کرنیکا حکم دے تو مامور کو بدون اشتراط ضمان کے واپس لینے کا اختیار حاصل ہوگا (ظہیریۂ)

اگر نابالغ کے والد نے نابالغ کے مال مین سے کچھ ہبہ کیا اور موہوب لۂ نے عوض دیدیا تو ہر ایک کو دونون مین سے اختیار ہے کہ اپنی چیز واپس کرلے اور ہبہ باطل ہے

اگر نابالغ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی اور باپ نے نابالغ کے مال سے اوسکا عوض دیا تو تفویض جائز نہین ہے اگرچہ یہ بشرط عوض ہے۔ وجہ ان دونون مسئلون کی ظاہر ہے کیونکہ باپ کو بجز چند خاص صورتون کے اپنے نابالغ لڑکے کی جائداد کو تصرف کرنا جائز نہین ہے۔

ایک مریض نے ہزار درم قیمت کی جائداد ایک صحیح آدمی کو ہبہ کیا اور اوسکے سوائے اوسکے پاس کچھ اور مال نہین ہے اور موہوب لۂ نے اوسکا عوض دیا اور مریض نے اوسپر قبضہ کرلیا پھر مریض مرگیا اور عوض اوسکے پاس موجود ہے پس اگر یہ عوض اوس مال موہوب کے دو تہائی قیمت کے برابر یا زیادہ ہے تو ہبہ تمام رہا اور اگر عوض کی قیمت ہبہ کی نصف ہو تو واہب کے وارث لوگ چھٹا حصہ ہبہ کا واپس لینگے۔ اگر عوض دینا اصل ہبہ مین شرط ہو تو موہوب لۂ کو اختیار ہوگا چاہے تمام ہبہ واپس کرے یا ہبہ کا چھٹا حصہ واپس دے اور باقی رہنے دے۔ کسی نصرانی نے کسی مسلمان کو کچھ ہبہ دیا اور مسلمان نے اوسکو کوئی حرام چیز مثل شراب یا سور کے عوض دیا تو یہ عوض نہ ہوگا۔ اور نصرانی کو اپنی ہبہ سے رجوع کرنیکا اختیار رہیگا۔ سید امیر علی کہتے ہین ہبہ بالعوض قانون کی نظر مین بیع ہے عقد بیع کے جواز کے لیے باہمی قبضہ کی ضرورت نہین ہے۔ اور جسطرح کہ معاہدہ بیع بالعموم منعقد ہوتا ہے اوس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو چیز ایک دوسرے کے مقابلہ مین دیگئی وہ موجود ہے اور ایک فریق کو دوسرے کے فریب سے نقصان کا احتمال نہین ہے مثلاً اگر معاہدہ بیع ان لفظون مین قرار پایا ہے کہ "مین نے یہ شے فلان شے کے عوض دی" تو اوسکا یہ مفہوم ہے کہ معاوضہ موجود ہے۔ اور معاہد لۂ قبل اپنی چیز دینے کے

معاوضہ کو لے لیگا - اسلئے ایسے عقد پر قانوناً بلحاظ شرط و نتیجہ کے بیع کی تعریف صادق آتی ہے - دیکھو غلام مصطفی بنام حرمت[۱۵] -

قبضہ غیر ضروری ہے

مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص نے ہبہ یہ کہکر کیا کہ مین نے اپنا کل مال بعوض اوس شے کے جو موہوب لہٗ نے مجھے دی ہے اوسے ہبہ کیا تو یہ ہبہ بالعوض کسی ایسی شے کے عوض نہین ہو مابعد دیجاویگی - بلکہ یہ عقد شرط و نتیجہ دونون معنی کر کے ایک انتقال باہمی ہے یعنی بیع ہے - اسصورت مین قبضہ ایک شرط لازمی نہین ہے -

ہبہ بشرط العوض

لیکن ہبہ بشرط العوض بالکل مختلف قسم کا عقد ہے - جسکے منعقد ہونے مین کسی شرط کا پایا جانا ضرور ہے - مثلاً "مین نے یہ شے تمکو اس شرط پر دی کہ تم مجھے فلان شے دو" اس مثال سے واضح ہے کہ اس عقد کا نفاذ قانوناً شرط کے پورے ہونے پر موقوف ہے - یعنی عوض کی حوالگی و سپردگی پر - اگر بغیر پورے ہونے شرط کے یہ عقد جائز رکھا جاے تو ممکن ہے کہ عوض بہر موہوب لہٗ کو نہ دیا جاے مگر بلحاظ نتیجہ کے اس قسم کے معاہدہ کی نسبت یہ کہہ سکتے ہین کہ بیع کے مشابہ ہے یعنی بعد باہمی قبضہ کے درحقیقت اس پر بیع کی تعریف صادق ہوتی ہے - مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مین نے اپنی تمام جائداد اس شرط پر ہبہ کی کہ موہوب لہٗ مجھے اس ہبہ کے عوض کوئی شے دے اور موہوب لہٗ نے اس شرط کو قبول کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض ہوگا - جب تک کہ شرط پوری نہ کیجاویگی اوسوقت تک واہب کو ہبہ سے رجوع کرنیکا حق ہے اسلیے حوالگی قبضہ ضروری ہے - لیکن جب شرط پوری ہوگئی تو یہ عقد بیع ہوجاتا ہے -

اسی وجہ سے شرح چلپی مین لکھا ہے کہ وہ ہبہ بشرط العوض بلحاظ شرط کے ہبہ ہے اور بلحاظ نتیجہ کے بیع - اِسکی صحت کے لیے قبضہ لازمی ہے اور ہبہ اوسوقت تک مکمل نہ کہا جائیگا

---

[۱۵] الہ آباد جلد ۲۳ صفحہ ۴۵۴ - ۸

تا وقتیکہ فریقین نے ایک دوسرے کو قبضہ نہ دیدیا ہو"

**ہبہ مین شرط لگانیکا نتیجہ** اگر ہبہ مین کوئی ایسی شرط لگی ہوئی ہے جسکا وقوع مین آنا بالکل ایک امر موہوم نہین ہے۔ بلکہ اوسے موہوب لہٗ پوری کرسکتا ہے یا کچھ دنون بعد وہ خود بخود پوری ہوجائیگی تو شرط و ہبہ دونون صحیح ہین۔ اسکی چند تمثیل شرح چلپی مین لکھی ہین۔ شارح چلپی لکھتا ہے کہ "امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو یہ کہکر کوئی چیز دے کہ یہ چیز تمھاری ہے اگر تمھاری پسند ہوا اور شخص مخاطب یہ کہے کہ مین اسے پسند کرتا ہون یا قبول کرتا ہون تو شرط صحیح ہے۔ ایسے ہی امام محمد سے مروی ہے کہ اگر درخت خرما مین پھل آنے شروع ہوئے اور مالک درخت کسی سے کہے کہ یہ خرما جب پک جائین تو تمھارے ہین یا کل تمھارے ہوجائینگے تو جائز ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ خرما تمھارے ہین اگر زید مکان مین داخل ہو تو صحیح نہین ہے۔

**ہبہ و ابرا مین خیار صحیح نہین ہے** اگر ہبہ اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ موہوب لہٗ کو تین روز تک منظور و نامنظور کرنے کا اختیار ہے تو اگر اوسنے قبل فراق یعنی جدائی کے اجازت دیدی تو جائز ہے و اگر جدا ہونے سے پیشتر منظور نہین کیا تو جائز نہین ہے۔ اگر ہبہ اس شرط سے کیا کہ واہب کو تین روز تک اختیار ہے تو ہبہ صحیح ہے اور خیار باطل کیونکہ ہبہ ایک عقد لازم ہے اور اوسمین خیار کی گنجایش نہین ہے۔ اسیطرح اگر کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ مین نے اپنے اوس حق سے جو تمپر ہے تمکو بری کیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ مجھے خیار باقی ہے تو ابرا جائز ہے اور خیار باطل۔

**ہبہ شرطیہ و ہبہ مین شرط لگانے مین فرق** اگر کوئی شخص جسکے ہزار درم کسی پر چاہتے ہین اپنے مدیون سے یہ کہے کہ "جب کل کا روز ہو تو یہ ہزار درم تمھارے ہین یا تم اوس سے بری ہو یا جب تمنے نصف روپیہ ادا کردیا تو بقیہ نصف سے تم بری ہو۔ یا بقیہ نصف

تمسک رد ہو گیا تو یہ باطل ہے۔

لیکن اگر وہ کہے کہ مین تمکو اس شرط سے بری کرتا ہون کہ تم اپنا غلام آزاد کر دو۔
اور وہ کہے کہ مین نے قبول کیا یا آنکہ غلام آزاد کر دیا تو وہ شخص قرض سے بری ہو جائیگا
ہمارے سب اصحاب نے فرمایا کہ اگر کچھ ہبہ کیا اور ہبہ مین کوئی شرط فاسد لگائی تو ہبہ
جائز ہو گا۔ اور شرط باطل ہو گی مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو کوئی شے ہبہ کی
اور یہ شرط لگائی کہ اوسکو فروخت نہ کرے یا ایک مہینہ کے بعد مجھے واپس کرے
تو ہبہ جائز ہے اور یہ شرطین باطل۔ اصل اسمین یہ ہے کہ جو عقد ایسا ہے کہ اوسمین
قبضہ شرط ہے تو اوسکو کوئی شرط فاسد نہین کرتی ہے جیسے ہبہ و رہن۔ سراج الوہاج۔
اگر کوئی عورت اپنا مہر کسی شرط پر ہبہ کرے اور شرط پوری نہ کیجائے تو ہبہ کالعدم
ہے مثلاً زوجہ نے شوہر کو مہر اس شرط پر بری کیا کہ وہ اوسکو حج کرائے یا اوسپر
ظلم نہ کرے یا اوسکے ہوتے کسی اور سے نکاح نہ کرے یا اوسکے والدین و دیگر اقربا
سے ملنے مین مانع نہ ہو اور یہ شرط پوری نہ کی گئی تو مہر بحالہ قایم رہیگا۔ ایک عورت نے
اپنے شوہر سے کہا کہ مین نے اپنا مہر چھوڑ دیا بشرطیکہ تو میرا امر میرے اختیار مین دے
یعنی جب چاہون تو اپنے تئین طلاق دیدون تو اوس عورت کا مہر بحالہ رہے گا جب تک
اپنے آپ کو طلاق نہ دے۔

## فصل سیزدہم۔ قرضدار کو قرضہ ہبہ کرنیکے بیان مین

فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۵۶ مین لکھا ہے کہ قرضدار کو قرضہ ہبہ کرنا قیاساً و استحساناً

جائز ہے اور قرضہ سوائے قرضدار کے دوسرے کو ہبہ کرنا استحساناً جائز ہے جب کہ
قرضہ وصول کرنیکا حکم اوسے دیدے - قرضدار کو قرضہ ہبہ کرنا یا بری کرنا بدون قرضدار کے
قبول کرنے کے تمام ہوجاتا ہے اور اگر قرضدار اوسکے ہبہ کرنے یا بری کرنے کو رد کردے
تو رد ہوجاتا ہے اسکو عامہ مشائخ نے ذکر کیا ہے - اور یہی مختار ہے - جواہر اخلاطی - اور
یہ حکم اوسوقت ہے کہ قرضہ بدل الصرف نہ ہو یعنی نقد نہ ہو - اگر بدل الصرف یعنی نقد ہو
اور قرض خواہ نے اوسکو ہبہ یا بری کیا تو اوسکے قبول کرنے پر موقوف رہیگا پس اگر
قبول کیا تو بری ہوگا اور نہ قبول کیا تو بری نہ ہوگا باقی تمام قرضون مین خواہ قبول کرے
یا نہ کرے بری ہوجاتا ہے ولیکن باقی تمام قرضون مین ہبہ یا بریت اوسکے رد کرنے
سے رد ہوجائیگی - یہ سب حکم اصل کا ہے یعنی اصل قرضدار کے متعلق -
اگر کفیل کو قرضہ ہبہ کیا تو بدون قبول کے تمام نہ ہوگا - اگر کفیل نے رد کیا تو رد ہوجائیگا
واگر کفیل کو بری کیا تو بدون قبول کے تمام ہوجائے گا - اور رد کرنے سے رد نہ ہوگا - (عبارت
مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ دونون صورتون مین فرق ہے - یعنی اول الذکر صورت مین
ہبہ کا تمام ہونا کفیل کے قبول پر منحصر ہے اور صورت ثانی مین کفیل کا قبول کرنا بری ہونے
کے لئے ضرور نہین ہے) اگر اصل قرضدار کو قرضہ ہبہ کیا یا اوسکو بری کیا اور وہ رد کرنے
سے پہلے مرگیا تو بری ہوگیا اسیطرح اگر مرگیا ہو اور پہر قرض خواہ نے اوسکو بری کیا
یا حلت مین کردیا تو جائز ہے پہر اگر وارث نے رد کردیا تو اوسکا رد کرنا موثر ہوگا اور مال کا
حکم ہوگا یعنی حکم کیا جائیگا کہ فلان میت اس قدر قرضدار ہے - یہ امام ابویوسف کا قول ہے
اور امام محمد نے فرمایا کہ اوسکا رد کرنا بےسود ہے اور برارت بحالہ رہیگی - ذخیرہ - اگر طالب
نے اصیل کو قرضہ سے بری کیا یا ہبہ کیا اور اوسنے قبول کیا تو اصیل وکفیل دونون
بری ہوجاینگے اور قبول نہ کیا تو بری نہ ہونگے - خلاصہ -

ایک شخص پر قرضہ ہے وہ اوسکے ادا کرنے سے پہلے مرگیا اور قرض خواہ نے قرضدار کے وارث کو قرضہ ہبہ کیا تو صحیح ہے خواہ ترکہ اوسکا مستغرق ہو یا نہ ہو۔ اور وارث نے اگر رد کیا تو رد ہو جائیگا بخلاف قول امام محمد کے۔ و اگر بعضے وارثون کو ہبہ کیا تو سبکو ہبہ ہوگا و اگر وارث کو ہی کیا تو بھی صحیح ہے۔

خزانہ مین لکھا ہے کہ دو عقد ایسے ہوتے ہین کہ اون مین مرجانا بمنزلہ قبول عقد کے قرار دیا جاتا ہے۔ ایک مدیون کو دین ہبہ کرنا اور دوسرا عقد وصیت۔ یعنی اگر مدیون و موصی لہٗ بدون قبول کے مرجائین تو ہبہ و وصیت واجب ہوگی۔

اگر ایک وارث نے اپنا حصۂ قرض مدیون کو تقسیم سے پہلے ہبہ کیا اور ترکہ مین نقود و عروض (یعنی نقد و اسباب) دونون ہین تو استحساناً مثل صلح کے صحیح ہے۔

اگر قرضہ صحیح طور پر مدیون کو ہبہ کیا گیا ہے تو وہ مستحق ہے کہ قرض خواہ سے وہ جائداد واپس کرے جو قرضہ مین مستغرق ہے[۵۱]۔ قرض خواہ نے قرضدار کو قرضہ ہبہ کیا اوسنے نہ قبول کیا و نہ رد کیا حتیٰ کہ دونون مجلس سے جدا ہوگیے پھر چند روز کے بعد اگر مدیون نے ہبہ رد کیا تو اسمین مشایخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہبہ رد نہ ہوگا۔

اگر قرضہ کے مالک دو شخص ہون اور ایک شریک نے اپنا حصہ مدیون کو ہبہ کیا

---

۵۱ ترجمہ فتاوی عالمگیری مین بحوالہ تاتارخانیہ اس مسئلہ کو اسطرح لکھا ہے کہ وہ اگر مدیون سے مال وصول کر لیا پھر اوس سے کہا کہ دادم کہ مرا بود و است بتو بخشیدم تو ہبہ صحیح ہے اور جب ہبہ صحیح ہوا تو مدیون کو اختیار ہے کہ جو کچھ اوسنے طالب کو دیا ہے اوس سے واپس کرے۔

اس مسئلہ کی عبارت بہت محفوظ نہین معلوم ہوتی کیونکہ صحت ہبہ کے لیے موہوب کا موجود ہونا ضرور ہے۔ لیکن جب قرض ادا ہو چکا تو اوسکا وجود باقی نہ رہا اسلیے پھر وہ قرض کیونکر ہبہ ہو سکتا ہے

متن مین یہ مسئلہ سید امیر علی کی انگریزی شرع محمدی سے لکھا گیا۔

توصحیح ہے واگر مطلقاً نصف دین ہبہ کیا تو چوتھائی مین ہبہ نافذ ہوگا اور چوتھائی مین موقوف رہیگا۔

ابرا معلق جس شے کے وجود و عدم کا خطرہ ہو اوسکی تعلیق باطل ہے۔ پس ایسا ابرار جسمین تعلیق بہ خطر ہے باطل ہے۔ لیکن اگر ابرا ایسی شرط پر معلق کیا گیا ہے جو فوراً پوری ہوجاتی ہے تو ابرا صحیح ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارے ذمہ کچھ قرض ہے تو مین تمکو اوس سے بری کرتا ہون تو یہ ابرا صحیح ہے۔ اگر اوس وقت کچھ قرض اوسکے ذمہ تھا اسیطرح اگر کوئی شخص کہے کہ جب مین مرجاؤن تو تم میرے قرضہ سے بری ہو تو یہ صحیح ہے۔ اور برات مثل وصیت کے اثر پذیر ہوگی۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ ذمہ داری سے بری کرنے مین قبضہ کی حوالگی ناممکن ہے اسلئے یہ حکم ہے کہ مدیون کو قرضہ ہبہ کرنا بدون اوسکے قبول کے تمام ہوجاتا ہے کیونکہ قرضہ سے بری کرنا بمنزلہ منسوخ کرنے قرضہ کے ہے۔ اسلیے موہوب لہ کا قبول کرنا و قبضہ کرنا ضرور نہین ہے۔

مدیون کے سوائے کسی دوسرے شخص کو قرضہ ہبہ کرنا ذیل کی صورتون مین صحیح ہے۔

اول یہ۔ کہ جب ہبہ بطور حوالات کے ہو یعنی موہوب لہ ادا ین کا وکیل کردیا جائے۔

دوم یہ۔ کہ جب اوسکی وصیت کیجائے۔

سوم یہ۔ کہ جب موہوب الہ کو قرضہ وصول کرنے پر مسلط کردے۔

اگر کسی شرط پر مدیون قرض سے بری کیا گیا ہے اور اوسنے وہ شرط پوری نہ کی تو قرض بحالہ قایم رہے گا مثلاً اگر کسی عورت نے اپنا مہر شوہر کو اس شرط پر معاف کیا کہ وہ دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور شوہر نے اس شرط کو قبول کیا مگر پھر دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو زوجہ اول کا مہر اوسکے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ اگر مدیون کو قرض سے بری

کیا اور اوسنے برائت قبول کرلی تو پھر وہ برارت منسوخ نہین ہوسکتی۔

# باب الوقف

## فصل اوّل

### تمہید

شرع محمدی سید امیر علی جلد ا صفحہ ۱۵۲ - شرع محمدی مین وقف کا قانون نہایت اہم و ضروری ہے۔ ابتداء زمانہ اسلام سے مسلمانون مین وقف کا قاعدہ جاری ہے - جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے دو جب حضرت عمر علیہ السلام خلیفہ دویم نے اپنے حصہ خیبر کو جسکا نام تمغ تھا صدقہ کرنا چاہا تو رسول مقبول سے دریافت کیا کہ سب سے بہتر طریقہ حصول ثواب کا اسکے صدقہ کرنے مین کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اوسکی اصل کو

---

(۱) واقف - وقف کرنے والا۔

(۲) موقوف یا وقف - جو چیز وقف کی گئی جمع اوقاف -

(۳) موقوف علیہم - وہ لوگ جنپر وقف واقع ہوا۔

(۴) جہت وقف - جس راہ پر وقف ہوا ہے مثلاً فقرا و مساکین کے لئے -

(۵) قیم - وہ شخص جو وقف پر متولی ہو۔

(۶) وقف کے لغوی معنی روکنا ہے۔

صدقہ کرو کہ وہ بیع و میراث و ہبہ نہ ہو سکے اور اوسکی منفعت کو اپنی اولاد و اقارب و مسکینون پر خدا کی راہ مین صرف کرو۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) مصنف فتح القدیر جو سنیون مین بہت ہی مستند کتاب ہے لکھتا ہے کہ وقف کی قاعدہ کی ابتدا خود رسول مقبول کی ذات سے ہوئی ہے۔ رسول مقبول نے علاوہ اوس حکم کے جو حضرت عمر علیہ السلام کو دیا تھا یہ بھی فرمایا ہے کہ انسان کے جملہ افعال اوسکی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتے ہین۔ مگر عمل صالح ہمیشہ قایم رہتا ہے کیونکہ بعد موت کے بھی اسکا ثواب جاری رہتا ہے۔ اِن ارشادات کی تعمیل مین رسول مقبول کی حیات سے لیکر ابتدائے چند صدیون تک وقف کا بہت رواج تھا۔ مصنف نے چند مثالین وقف کی ذکر کی ہین جنمین سے چند اوسوقت تک موجود تہین جب مصنف اپنی کتاب کی تالیف مین مشغول تہا۔ وہ مثالین یہ ہین۔

(۱) خود رسول مقبول نے ایک قطعہ اراضی جو خیبر مین آپکو ملی تہی مسافرون کے لیے وقف کر دیا تھا۔

(۲) حضرت عمر علیہ السلام نے تمغ کو اپنی اولاد و اقربا و مسکینون پر وقف کیا جیسا اوپر مذکور ہوا۔

(۳) زبیر ابن عوام نے جو آنحضرت کے بہتیجے تہے اپنی لڑکی کے لئے وقف کیا تہا۔

(۴) حضرت ابوبکر علیہ السلام خلیفہ اول نے اپنی اولاد کے لئے وقف کیا۔

(۵) سعد ابن ابی وقاص فاتح فارس نے اپنی زمین مملوکہ واقع ملک مدینہ و مصر کو اپنی اولاد کے حق مین وقف کیا جو ہنوز قایم ہے۔

(۶) عثمان بن ارقم مخزومی نے دارالاسلام کو اپنی اولاد کے لئے وقف کیا جو صفا (نزدیک مکہ) مین واقع تھا اور جسمین رسول مقبول دعوۃ اسلام کرتے تہے اور جس جگہہ بہت لوگون نے جن مین حضرت عمر علیہ السلام بہی شامل تہے مشرف باسلام ہوئے۔

(۷) بیہقی نے اپنی کتاب خلافت مین بہ روایت ابوبکر عبید اللہ بن زبیر الحمیدی بیان کیا ہے کہ خلیفہ حضرت ابوبکر علیہ السلام کا ایک مکان مکہ مین تہا جسکو اونہون نے اپنی اولاد کے حق مین وقف کیا تہا اور جو اب بہی موجود ہے۔

(۸) حضرت عثمان علیہ السلام خلیفہ ثالث نے اپنی زمین اپنی اولاد کے لیے وقف کی تھی اور وہ وقف ابتک موجود ہے۔ فتح القدیر۔

یہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایت سے جامع ترمذی مین منقول ہے۔

بموجب ارشاد کے حضرت عمر علیہ السلام نے اوس جائداد کو وقف کردی جو کئی صدی تک اوسی حالت مین قایم رہی۔ حتی کہ وہ زمین غیر مزروعہ ہو گئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وقف کا قاعدہ مسلمانون کے مذہبی زندگی و تمدنی کفایت شعاری دونون پر حاوی ہے۔

**تعریف وقف** عالمگیری مین ہے کہ امام اعظم کے نزدیک شرع مین وقف مال عین کو ملک واقف پر حبس کرنے اور اوسکی منفعت کو فقرا یا اور کسی کار خیر کے واسطے صدقہ کرنے کو کہتے ہین اور یہ صدقہ مثل عاریت کے ہوگا پس یہ لازم نہ ہوگا اور وقف کنندہ کو اختیار ہوگا کہ وقف سے رجوع کرے اور مال موقوفہ کو فروخت کرے۔ وقف صرف دو طریقون سے لازم ہوتا ہے اول آنکہ قاضی اوسکے لازم ہونیکا حکم دے۔ دویم یہ کہ مثل وصیت کے وقف صرف تہائی مال ہو۔ قاضی کے حکم سے وقف لازم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وقف کرنیوالا متولی کو مال وقف سپرد کرے پھر یہ حجت کرے کہ وقف لازم نہین ہوا وقف سے رجوع کرے پس قاضی اوسکے لازم ہونیکا حکم دے۔ امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک شرع مین وقف یہ ہے کہ مال عین کو ملک اللہ تعالے پر اسطرح پر حبس کرے کہ اس مال عین کی منفعت بندون کی طرف عود کرتی رہے پس صاحبین کے نزدیک وقف لازم ہوجاتا ہے اور پھر نہ وہ فروخت ہو سکتا ہے اور نہ میراث[1] صاحبین مین بھی باہم اختلاف ہے

---

[1] امام اعظم اور صاحبین نے اپنے قول کی تائید مین جو دلائل بیان کئے ہین اونپر غور کرکے علما نے یہ قرار دیا ہے کہ صاحبین کے دلائل زیادہ قوی ہین۔ مترجم ہدایہ صفحہ ۴۳ مین یہ لکھتا ہے۔ شیخ الاسلام نے شرح مبسوط مین کہا کہ امام ابو حنیفہ کی دلیل منقول مین کوئی حجت نہین اور شیخ ابن الہمام نے کہا کہ حق اس مقام پر یہی ہے کہ صاحبین و عامہ علما کے قول کو ترجیح ہے یعنی وقف لازم ہوجاتا ہے کیونکہ

امام ابویوسف کے نزدیک واقف کی ملکیت مال موقوفہ مین فقط قول سے زائل ہوجاتی ہے اور یہی امام شافعی و مالک و احمد کا قول ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے اور مشائخ بلخ اسی پر ہین اور اسی پر فتوی ہے۔ فتح القدیر۔

امام محمد کا قول ہے کہ بعد وقف کرنے کے اگر اوسکا متولی مقرر کرکے شئے موقوفہ اوسکے سپرد نہ کی گئی تو واقف کی ملک زائل نہ ہوگی۔

امام ابویوسف کے نزدیک مشاع کا وقف صحیح ہے لیکن امام محمد کے نزدیک صحیح نہین ہے جب امام اعظم کے قول کے موافق بعد حکم قاضی کے و امام ابویوسف کے موافق بمجرد وقف کرنے سے و امام محمد کے موافق وقف کرنے و متولی کے سپرد کرنے کے بعد عین وقفی وقف کرنے والے کی ملک سے خارج ہوگئی تو جسپر وقف کی گئی ہے اوسکی ملک مین داخل نہ ہوجائیگی۔ وقف کے رکن وہی مخصوص الفاظ ہین جو وقف پر دلالت کرین۔ درالمختار جلد ۲ صفحہ ۵۶۵ مین لکھا ہے۔ وقف کے رکن وہی الفاظ مخصوصہ ہین مثلاً یون کہنا کہ میری یہ زمین مساکین پر صدقہ موقوفہ دایمی ہے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ مثلاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) اس باب مین احادیث کثرت سے ہین و صحابہ و تابعین و اونکے مابعد اُمتیون کا عمل بھی اسی پر چلا آتا ہے۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ امام اعظم و صاحبین کے قول کو بیان کرکے مترجم درالمختار صفحہ ۵۱۶ پر لکھتا ہے کہ ان قولونمین اگر کسیکو ترجیح ہوسکتی ہے تو باعتبار دلیل کے ہوسکتی ہے خصاف نے درباب لزوم وقف صاحبین کے مذہب کے واسطے رسول مقبول و اصحاب کے اوقاف سے بکثرت استدلال کیا ہے۔ امام ابویوسف ابتداءً امام اعظم کے قول کو صحیح مانتے تھے لیکن جب خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اور مدینہ طیبہ اور اوسکے نواح مین اصحاب کرام کے اوقاف کو ملاحظہ کیا تو امام اعظم کے قول سے رجوع کرکے لزوم وقف کا فتوی دیا اس حکایت کو سید امیر علی نے بھی اپنے ضمیمہ مین لکھا ہے۔

یون کہنا کہ یہ زمین خدا کے واسطے وقف ہے یا علی الوجہ الخیر یا علی وجہ البر وقف ہے و امام ابو یوسف کے نزدیک فقط لفظ وقف کفایت کرتا ہے یعنی اگر صرف یہ کہا کہ یہ زمین وقف ہے و مساکین یا کسی دوسرے کار خیر کا ذکر نہ کیا و نہ یہہ قید لگائی کہ دائمی وقف ہے تاہم وقف صحیح ہوگا۔

صدر الشہید نے کہا کہ بسبب عرف کے ہم اسی قول پر فتوی دیتے ہین

اور سبب وقف خواہش تقرب بجناب باری ہے۔

حکم وقف صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ وقف کا مال عین واقف کی ملک سے خارج ہوکر اللہ تعالی کے ملک حقیقی مین داخل ہوتا ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ وقف کا مال عین وقف کنندہ کی ملک پر اسطرح محبوس ہو کہ ایک ملک سے دوسری ملک مین منتقل نہ ہوسکے۔

## فصل دویم شرایط متعلق واقف

اول یہ کہ وقف کنندہ عاقل ہو یعنی یہ سمجھتا ہو کہ وقف کا مقصود کیا ہے اور بالغ ہو پس طفل و مجنون کا وقف صحیح نہین ہے۔ وقف کنندہ آزاد ہو۔ یعنی کسیکا غلام نہ ہو۔ سید امیر علی لکھتے ہین کہ تمام مذاہب مین یہ شرطین لازمی خیال کی گئین ہین۔ شرایع مین ہے کہ واقف بالغ و عاقل ہو اور مجبور نہ ہو ہر شخص جو عاقل و بالغ ہے وقف کرسکتا ہے لیکن جن وجوہات سے ہبہ ناجائز ہوجاتا ہے اون سے وقف بھی ناجائز ہوجاتا ہے۔ مثلاً۔ اکراہ۔ فریب۔ یا واقف کا مضمون دستاویز

نہ سمجھنا۔[۵۱]

**وقف کے لیے مسلمان ہونا ضرور نہین**

واقف کا مسلمان ہونا شرط نہین ہے - ہر مذہب وملت کا آدمی وقف کرسکتا ہے لیکن مصرف وقف واقف کے مذہب و مسلمانون کی شرع مین ممنوع نہ ہو - چونکہ وقف کا اصل مقصود تقرب الہی وخوشنودی خدا کا حاصل کرنا ہے - اسلئے اگر اوسکا مصرف شرع اسلام و واقف کے مذہب کی رو سے گناہ ہے تو وقف صحیح نہین ہے - اسی وجہ سے کوئی مسلمان کسی بت کے لیے یا ایسے معبد کے لیے جو اسلام کے عقائد کی رو سے داخل گناہ ہے کوئی مال وقف نہین کرسکتا اسیطرح کسی غیر مسلم کا وقف مسلمانون کے معبد کے لیے صحیح نہ ہوگا - لیکن ان دونون صورتون مین واقف کی موت کے بعد اوسکے وارثون کی رضامندی سے وقف صحیح ہوجائے گا فتاوی عالمگیری مین یہ اصول اسطرح بیان کیا گیاہی - اگر کسی ذمی نے اپنا مکان مسلمانون کیواسطے مسجد کردیا اور مثل مسلمانونکی مسجد کے اوسکی عمارت بنائی اور مسلمانونکو اوسمین نماز پڑہنے کی اجازت دی اور اونہون نے نماز پڑہی بعد کو ذمی مرگیا تو یہ مکان اوسکے وارثون کیواسطے میراث ہوگا اسپر کل اماموں کا اتفاق ہے اگر کسی ذمی نے اپنا مکان آتش خانہ یا بیعہ کردیا اور یہ اپنی صحت مین کیا پہر مرگیا تو یہ اوسکے وارثون کی میراث ہوجائیگا

**موقوف کا واقف کی ملک ہونا چاہیئے**

عالمگیری مین ہے یہ بھی شرط ہے کہ وقف کرنے کے وقت وقف کرنے والے کی ملک ہوحتی کہ اگر کسی نے کوئی اراضی غصب کرکے

---

[۵۱] اصغر علی بنام دلروس بانو بیگم جلد۳ کلکتہ صفحہ ۳۲۴ - انگریزی و ۲۲۴ - اُردو - حکام پریوی کونسل نے تجویز کی کہ "عدالت پر لازم ہے کہ جب نسبت انتقال جائداد منجانب عورت پردہ نشین کے تجویز کرے تو اسبات کا اطمینان کرے کہ معاملہ کی توضیح اُس سے کی گئی تہی اور مسماۃ جانتی تہی کہ وہ کیا کرتی ہے" اس مقدمہ کا حوالہ بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام اڈوکیٹ جنرل بمبئی جلد۶ صفحہ ۴۲ مین دیا گیا - و نیز دیکھو بہاری لال بنام حبیبہ بی بی الہ آباد جلد۸ صفحہ ۲۶۷ -

وقف کیا پہر اوسکے مالک سے اوسکو خرید ا اور ثمن ویدیا یا جو دیا ہے۔ اوسپر مالک سے صلح کرلی تو یہ اراضی وقف نہ ہوگی۔ اگر زید نے عمرو کی اراضی کسی کار خیر مین جو بیان کر دیا ہے وقف کر دی پہر اوس زمین کا مالک ہوگیا تو وقف جائز نہ ہوا اور اگر مالک نے اجازت ویدی تو ہمارے نزدیک وقف ہو گیا یہ فتاوی قاضی خان مین ہے۔ اگر زید نے عمرو کے واسطے ایک اراضی کی وصیت کی اور عمرو نے اوسکو فی الحال وقف کر دیا بعدۂ زید مرا تو یہ زمین وقف نہ ہوئی۔ یہ فتح القدیر مین ہے۔ اگر کسی نے زمین خریدی بدین شرط کہ بائع کو بیع مین خیار ہے پہر اوسکو وقف کر دیا پہر بائع نے بیع کو پورا کر دیا اور اجازت دیدی تو وقف جائز نہ ہوا۔ یہ بحر الرائق مین ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو اراضی ہبہ کی اور موہوب لہ نے ہبہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اوسکو وقف کر دیا پہر اوسپر قبضہ کیا تو وقف صحیح نہین فتح القدیر مین ہے۔ اگر مال وقف مین کسی نے اپنا حق ثابت کیا تو وقف باطل ہے اور اگر مشتری کے وقف کرنے کے بعد اراضی و مکان موقوفہ کو شفیع نے شفعہ کرکے لے لیا تو وقف باطل ہوگیا۔ اگر مسلمان مرتد ہوگیا تو اوسکا وقف باطل ہوگا اور یہ مال میراث ہوجائیگا خواہ وہ اپنی ردت پر قتل کیا گیا ہو یا مر گیا یا اسلام مین لوٹ آیا ہان اگر اوس نے اسلام کی طرف عود کرنے کے بعد دوبارہ وقف کیا تو جائز ہوگا جیسے امام خصاف نے اخیر کتاب مین توضیح کی ہے۔ مرتدہ عورت کا وقف صحیح ہے اسواسطے کہ وہ قتل نہین کیجاتی۔

**موقوف مین کسی غیر کا حق** وقف کے واسطے یہ شرط نہین ہے کہ جس مال کو وقف کرنا منظور ہو اوسمین کسی غیر کا حق متعلق نہ ہو مثلاً اگر زمین رہن ہے یا کسی میعاد معین کیلیے اجارہ پر ہے تو قبل فک الرھن کرانے کے و قبل منقضی ہونے میعاد اجارہ کے اوس زمین کو وقف کر دیا وقف لازم ہوگا اور وقف کی وجہ سے وہ زمین رہن سے خارج نہ ہوگی و نہ اوسکا اجارہ باطل ہوگا بلکہ بعد فک الرہن کرانے کے و بعد گذرنے میعاد اجارہ کے وہ زمین جہات وقف مین داخل

ہوگی۔ اگر رہن فک کرانے سے پہلے راہن مرگیا اور اس قدر مال چھوڑا جس سے رہن فک ہوسکے تو زمین فک الرہن کرائی جائیگی۔ اور وقف لازم ہوگا و اگر اوس قدر مال نہ چھوڑا تو زمین فروخت کی جائیگی اور وقف باطل کیا جائیگا۔

**مقروض وقف کرسکتا ہے یا نہیں۔**

یہ بھی شرط ہے کہ وقف کرنے والا بہ سبب سفاہت یا قرضہ کے مجور نہ ہو یعنی ممنوع از تصرف نہ ہو امام خصاف نے اسیطرح مطلقاً بیان کیا ہے۔ اگر سفاہت کی وجہ سے مجور[۱] ہونے کی حالت مین اپنے اوپر وقف کیا پھر ایسی جہت پر وقف کیا جو منقطع نہین ہوتی یعنی خیر برابر جاری ہے تو چاہیئے کہ امام ابویوسف کے نزدیک صحیح ہووے اور یہی محققین کے نزدیک صحیح ہے اگر کسی حاکم نے اوسکے صحیح ہونیکا حکم دیدیا تو کل اماموں کے نزدیک صحیح ہوگا یہ فتح القدیر مین ہے۔

درالمختار مین ہے کہ "راہن مفلس کا اور اُس مریض کا جو قرضہ مین مستغرق ہو وقف کرنا باطل ہے۔ علامہ طحطاوی اپنی شرح درالمختار مین لکھتے ہین "اگر مریض مرض الموت نے درحالیکہ وہ قرض مین مستغرق ہے وقف کیا تو فقہاء کے نزدیک ایسا وقف منسوخ کیا جائیگا اور جائداد کو فروخت کرکے قرض ادا کیا جائیگا۔ لیکن اگر وقف حالت صحت مین کیا گیا قبل اسکے کہ قاضی نے اوسے مجور قرار دیا ہے تو یہ لازم ہوگا گو قرضہ واقف کی جائداد کو محیط ہی

---

[۱] مجور قرار دئیے جانے کی کارروائی مشابہ اوس کارروائی کے ہے جسمین کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جاتا ہے اگر کسی شخص کا قرض خواہ یا اوسکے عزیز و اقارب قاضی سے اس امر کی شکایت کرین کہ وہ شخص مسرف ہے اور کاروبار کرنے کی لیاقت نہین رکھتا اور یہ شکایت قاضی کے نزدیک ثابت ہوئی تو قاضی اوس شخص کو مجور قرار دیگا یعنی آیندہ وہ شخص قرض لینے اور جملہ اقسام کے کاروبار کرنے سے ممنوع کیا جائےگا اور اوسکی جائداد و تجارت کے انتظام کے واسطے قاضی کسی شخص کو مقرر کریگا۔

کیون نہ ہو اور استحساناً ایسے وقف کو منسوخ نہین کر سکتے - ایسے ہی فتح القدیر مین بھی مذکور ہے - دفعہ ۵۳ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء سے شرع محمدی کے احکام مین کچھ تغیر و تبدل نہین ہوا - (دیکھو دفعہ ۲ فقرہ (د)) اسلیے اگر کوئی شخص جو دیوالیہ نہین ہے اپنی کوئی جائداد وقف کرے تو اوسکے قرض خواہان مابعد کو یہ حق نہین ہے کہ اوس وقف پر معترض ہون - اور نہ جائداد مذکور کے خریدار مابعد کو وقف کے منسوخ کرانے کا حق ہے - کیونکہ جب جائداد ایک بار وقف ہو گئی تو پھر وہ واقف کی ملکیت سے خارج ہو گئی اور اوسکو جائداد پر قرض لینے کا یا اوسکو فروخت کرنے کا کچھ اختیار نہین ہے جیسے ایک اجنبی شخص کو نہین ہے -

**وقف بحالت مرض الموت** سید امیر علی لکھتے ہین اگر کسی نے مرض الموت مین وقف کیا تو وہ مثل وصیت کے متصور ہو کر واقف کے ترکہ کے ایک ثلث تک صحیح ہو گا - لیکن اگر وقف کرنے کے بعد مریض کو اوس مرض سے صحت ہو گئی تو کل وقف صحیح ہو گا رد المختار مین ہے کہ ”مریض کا وقف مثل مریض کے ہبہ کے ہے یعنی واقف کی جائداد کے ایک ثلث کی بابت وہ وقف صحیح ہو گا - لیکن اگر وارث لوگ اجازت دیدین تو کل وقف صحیح ہو گا - واگر بعض وارث اجازت دین تو اونکے حصہ کی بابتہ وقف صحیح ہو گا“

**وقف بالوصیت** اگر کسی شخص نے وقف بالوصیت کیا یعنی ایسا وقف جسکا نفاذ واقف کے مرنے کے بعد موقوف رکھا گیا ہے تو وہ بھی واقف کے ترکہ مین صرف ایک تہائی تک جائز ہو گا لیکن اگر وارثون نے اجازت دیدی تو کل وقف صحیح ہو گا -

واقف کسی حالت مین اپنے وقف کو منسوخ نہین کر سکتا - لیکن وقف بالوصیت مین واقف کو اختیار ہے کہ اپنی موت سے پہلے اوسے منسوخ کر دے -

# فصل سوئم موقوف علیہم یا مصرف خیر

سید امیر علی نے موقوف علیہم کو مصرف خیر کے مضمون کو اسطرح شروع کیا اس فصل مین جس مضمون کا ذکر کیا جائے گا وہ قانون وقف کا سب سے اہم بالشان مسئلہ ہے۔

اہل اسلام کے نزدیک قانون یعنی شریعت و مذہب مرادف الفاظ ہین اور باہم ایسے مخلوط ہین کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا بالکل غیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر جو امر کہ قانوناً یا شرعاً جائز ہے وہ داخل ثواب ہے اور جو امر کہ داخل ثواب ہے وہ قانوناً جائز ہے۔

مسلمانون کے جملہ مختلف مذاہب اسپر متفق ہین کہ وقف کسی خاص شخص یا اشخاص کے حق مین یا کسی مصرف خیر کے واسطے کیا جا سکتا ہے۔ حتی کہ ایسے اولاد کے فائدہ کے واسطے بھی ہو سکتا ہے جو ہنوز پیدا نہین ہوئی ہے۔ اگر وہ شخص یا مصرف جسکے لیے وقف کیا گیا ہے وقف کرنے کے وقت موجود نہ ہو تو وقف مسکینون کے لیے ہوگا جو تمام وقف کے آخری مصرف ہین۔ بشرطیکہ کوئی اور دوسرا مصرف نہ بیان کیا گیا ہو الفاظ خیر و بر و احسان وغیرہ کا شرعی مفہوم اوس سے کہین زیادہ ہے جو اب تک تسلیم کیا گیا ہے۔ ان الفاظ مین وہ تمام نیک و مذہبی اغراض شامل ہین جو مذہب اسلام و شرع اسلام مین خیر و ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے کسی کام کے کار خیر و ثواب ہونیکا معیار یہ ہے کہ اوس سے خوشنودی خدا حاصل ہو۔ تمام وجہ الخیر جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو یا اونسے قربت خدا حاصل ہو شرعاً مصرف وقف ہو سکتا ہے۔

خود اپنی ذات یا اپنی اولاد یا اپنے عزیز و اقارب کی پرورش کا انتظام کرنا ویسے ہی کار خیر

و ثواب ہے جیسا کہ ساکین وغیرہ کے لیے وقف کرنا - یہ اصول مذہب اسلام و تعلیم
رسول پر مبنی ہے - شرع محمدی مین دوسرا امر لایق غور یہ ہے کہ تمام وقف خواہ کسی غرض
کے لیے کیا گیا ہو درحقیقت بندگان خدا کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے - شرع اسلام کا
اصلی موضوع بندگان خدا کی حاجت روائی اور اونکو فائدہ پہونچانا ہے - مسجد کے لئے
وقف ہوتا ہے لیکن مسجد کی غرض یہ ہے کہ بندگان خدا اوسمین عبادت کرین - وقف مدرسہ
کے لئے ہوتا ہے جسکا مقصود طلبا کو علم پڑہانا ہے خانقاہ کے لئے وقف ہوتا ہے
جسکی غرض یہ ہوتی ہے کہ مخصوص قسم کے انسان اوسمین خدا کی پرستش کرین - اس سے
ثابت ہوا کہ وقف کا مصرف فی الحقیقت بندگان خدا کو روحانی و مذہبی و اخلاقی و دنیوی
فائدہ پہونچانا ہے - رسول مقبول کے اس مختصر مگر بامعنی جملہ کا کہ "مال عین کو ملک
اللہ تعالی اپر اسطرح حبس کرو کہ اس مال عین کی منفعت بندون کیطرف عود کرتی رہے"
یہی معنی ہین - وقف چاہے کسی غرض کے لیے کیا گیا ہو اوسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ مال عین
تو اللہ تعالی کی ملک مین حبس کیا جاتا ہے اور صرف اوسکی منفعت بندگان خدا کے فائدہ
مین صرف ہوتی ہے - مولویون نے بمقدمہ محمد صادق بنام محمد علی[۹۱] وغیرہ لفظ وقف
کی جو تعریف یہ لکھی تھی کہ "کسی مال مین اپنے حق ملکیت سے دست برداری کرکے اوسکو
خدا کی راہ مین اسطرح دینا تاکہ انسان کو اوس سے فائدہ پہونچے" اون مولویون کی طبعزاد
تعریف نہ تھی بلکہ شرع محمدی کے موافق تھی اور اس تعریف کو اون تشریحات کے ساتھ
پڑہنی چاہیے جو کتب فقہ مین درج ہین -
وقف "مخصوص بعبادت خدا" کا وجود مذہب اسلام مین کہین نہین پایا جاتا - اور یہ ایک
بے معنی جملہ ہے - انسان کی حاجت روائی و بندگان خدا کو فائدہ پہونچانا (منجملہ عبادات)

---

۹۱ سیل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۷ -

خدا کی بہت بڑی عبادت ہے تمام چیزین جو خدا کی راہ مین وقف کیجاتی ہین اون سے درحقیقت انسان کی بہبودی مقصود ہوتی ہے اور تمام وقف جو بندگان خدا کے فائدہ کے لیے کیا جاتا ہے وہ خدا کی عبادت ہے۔ ہر قسم کا کار ثواب خدا کی عبادت مین داخل ہے اپنے والدین کی یا اپنی اولاد کی یا اپنے محتاج عزیز و اقارب کی پرورش کرنی یہ سب داخل عبادت ہین۔ وقف کا مقصود قربت خدا ہے۔ نماز حصول قربت و عبادت کی ایک شکل ہے۔ اس مضمون کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ اسلیے بیان کیا گیا تاکہ اوس سے ظاہر ہو کہ ذی علم حکام بمبئی نے بمقدمہ عبد الغنی قاسم بنام حسن میان رحمت اللہ[۵۱] یہ تجویز کی کہ وہ صحیح وقف ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ وقف مخصوص لعبادت خدا ہو" اس جملہ کا مفہوم مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے اگر یہ رائے صحیح ہے تو امام باڑہ کا وقف خانقاہ کا وقف اور درگاہ کا وقف سب ناجائز ہین۔

## فصل چہارم اپنی ذات و اولاد پر وقف کرنا

فتاوی عالمگیری۔ اگر کسی نے کہا کہ میری یہ اراضی میری ذات پر وقف ہے تو قول مختار کے موافق یہ وقف جائز ہے۔ و اگر کہا کہ مین نے وقف کیا اپنی ذات پر بعد اپنے فلان پر پھر بعد اوسکے فقیرون پر تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے و اگر کہا کہ میری اراضی وقف ہے فلان پر و بعد اسکے مجھپر یا کہا کہ مجھپر و فلان پر یا کہا کہ میرے غلام و فلان پر تو مختار یہ ہے کہ صحیح ہے۔

[۵۱] ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۱۰ بمبئی صفحہ ۱۰۔

درالمختار میں "امام ابویوسف کے نزدیک یہ جائز ہے کہ واقف اپنی ذات کے لیے آمدنی وقف اور اوسکی ولایت کو مقرر کرے اور اسی پر فتویٰ ہے"

ہدایہ۔ قدوری نے فرمایا کہ اگر وقف کرنے والے نے حاصلات وقف کو اپنی ذات کے واسطے رکھا یا ولایت وقف اپنے واسطے رکھی تو امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے

دلیل امام محمد | وقول محمد پر قیاس کرنے سے نکلتا ہے کہ امر اول یعنی حاصلات کا اپنے لیے شرط کرنا نہیں جائز ہے اور یہی قول ہلال رازی و امام شافعی کا ہے خواہ کُل حاصلات کی شرط کی یا بعض کی اسمین کچھ فرق نہیں۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف ایک احسان بطور مالک کر دینے کے بعوض حصول تقرب بجناب آلہی ہے تو اسمین بعض یا کل حاصلات کا اپنی ذات کے واسطے شرط کرنا وقف کو باطل کریگا کیونکہ یہ ایسا ہو گیا جیسے فقیر کو کچھ مال بطور صدقہ اس شرط پر دیا کہ اسمین سے کچھ میرے واسطے ہے یا جیسے کوئی مسجد اس شرط سے بنائی کہ اوسکا کوئی حصہ اوسکی ذات کے لیے ہے (حالانکہ یہ دونوں باطل ہین) تو وقف بھی باطل ہوگا۔

دلیل امام ابویوسف | امام ابویوسف کی دلیل وہ حدیث ہے کہ آنحضرت اپنے صدقہ مین سے یعنی وقف مین سے کہاتے تھے حالانکہ وقف سے کہانا حلال نہین مگر شرط کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ شرط کر لینا صحیح ہے۔ اور اس دلیل سے کہ وقف کے معنی تقرب کے طور پر اپنی ملکیت زائل کر کے اللہ تعالیٰ کی ملک مین دینا ہے۔ پس جب اوسنے بعض یا کُل حاصلات اپنی ذات کے لیے شرط کی تو جو چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہو گئی تھی وہ اپنی ذات کے واسطے شرط کی اور یہ نہین کہ اپنے ملک کو اپنے واسطے کر لیا اور اللہ کی مملوک چیز کو اپنے لیے شرط کرنا صحیح ہے۔ جیسے کوئی سرائے وسقایہ بنائے یا قبرستان بنائے اور یہ شرط کی کہ اس سرائے مین خود بھی اوترے گا یا اوس سقایہ سے خود بھی پانی پیئے گا یا اس مقبرہ مین

اپنا مردہ دفن کرے گا تو یہ سب جائز ہے۔ اور اس دلیل سے کہ اوسکا مقصود تقرب ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی یہ بات حاصل ہے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ آدمی کا اپنی ذات پر خرچ کرنا یا اپنی زوجہ و اولاد و خادم پر صرف کرنا اوسکے واسطے صدقہ ہے۔

درمختار و مواہب کی عبارت یہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنے ولد اور اپنی نسل اور اپنے عقب کے وقف مین۔ اسصورت مین آمدنی وقف کی اپنی ذات کے واسطے اپنی حیات مین ٹھرایا پھر اسیطرح درجہ بدرجہ تو یہ صحیح ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

فتاوی عالمگیری۔ اگر واقف نے کہا کہ صدقہ موقوفہ خدا کے واسطے ہے اور جب تک مین زندہ ہون اوسکا غلہ مجھپر جاری رکھا جاوے اور اوس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو جائز ہے اور جب وہ مر جائیگا تو اوسکی آمدنی فقیرون پر صرف ہوگی۔ و اگر کہا کہ میری یہ اراضی صدقہ موقوفہ ہے کہ جب تک مین زندہ ہون اوسکی آمدنی مجھپر جاری رہیگی پھر بعد میرے موت کے میرے فرزند اور میرے فرزند کے فرزند اور اونکی نسل پر جب تک اونکی نسل رہے جاری رہیگی پھر جب یہ سب گذر جائین تو یہ مساکین پر صدقہ ہوگی تو یہ بھی جائز ہے۔ ایک نے فقیرون پر وقف کیا اور یہ شرط کی کہ وقف کنندہ کو اختیار ہے کہ جب تک زندہ ہے خود کھائے و کھلائے پھر جب مر جاے تو اوسکے فرزند کی ہو اور اسیطرح اوسکے فرزند کے فرزند کیواسطے جب تک نسل باقی رہے تو یہ شرط جائز ہے۔ اور اسکو شیخ شمس الائمہ حلوائی و صدر حسام الدین نے لیا ہے سراجیہ۔ اور اگر یہ شرط کی کہ مجھے اختیار ہے کہ اسمین سے اپنی ذات پر اور اپنے فرزند پر خرچ کرون اور اسکی آمدنی سے اپنا قرضہ ادا کرون پھر جب مجھے حادثہ موت پیش آوے تو اسکی آمدنی واسطے فلان بن فلان کے اور اوسکے فرزند و اوسکی نسل و اوسکے عقب کے ہوگی یا جو اوسنے فلان مذکور کے واسطے شرط کیا ہے وہ پہلے بیان کیا ہے اور جو اپنی

واسطے شرط کیا ہے وہ پیچھے بیان کیا تو امام خصاف نے فرمایا کہ یہ اسکی شرط پر جائز ہے اور تقدیم تاخیر بھی بنا بر قول امام ابو یوسف کے یکسان ہین۔ سید امیر علی نے اپنی شرع محمدی مین بہت سی مستند کتابون سے جستہ جستہ فقرہ امام ابو یوسف کے قول کی تائید مین نقل کیے ہین جن سب کا ترجمہ کرنا خالی از طوالت نہین۔

| ٹریوڈم جان بی بی بنام عبد اللہ حجام۔ |
| --- |

بمقدمہ ڈی اوڈم جان بی بی بنام عبد اللہ حجام[ف۱] حکام نے یہ تجویز کی کہ مسلمان حنفی المذہب مین امام ابو یوسف کا قول مثل قانون تسلیم کیا گیا ہے شیعہ و شافعی المذہب حنفیون سے اس امر مین اختلاف رکھتے ہین۔ حنفیون کے صحیح و مسلمہ اصول کے مطابق واقف اپنی تمام عمر کے لیے جائداد موقوفہ کا کل محاصل اپنی ذات خاص کے فائدہ کے واسطے مخصوص کرسکتا ہے۔ لیکن شیعہ و امام شافعی کے نزدیک واقف اگر متولی ہے تو صرف اوسی قدر حق الخدمت پائیگا جو متولی کو ملیگا امام محمد کا قول بھی ایسے ہی ہے جیسے شیعہ و شافعی کا یعنی اونکے نزدیک واقف کو حق نہین کہ کل حاصلات وقف کو اپنی تمام عمر کے لیے اپنے فائدہ مین صرف کرے۔" لیکن اپنی اولاد کے واسطے وقف کرنے کے جواز مین کسی قسم کا کوئی اختلاف نہین ہے جملہ مختلف المذاہب اور فقہا اوسکے جواز کو تسلیم کرتے ہین جیسا کہ اسناد مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ مختلف مذاہب یا امام ابو یوسف و یا امام محمد کے نزدیک اگرچہ اختلاف ہے تو اس امر مین ہے کہ واقف اپنی ذات کے واسطے وقف کی آمدنی مخصوص کرسکتا ہے یا نہین۔

فتاوی عالمگیری۔ اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میرے اس فرزند پر جو پیدا ہو حالانکہ اوسوقت اوسکا کوئی فرزند موجود نہین ہے تو یہ وقف صحیح ہے پھر جب حاصلات آئینگی تو فقیرون کو تقسیم کیجائیگی اور پھر اگر بعد مین اوسکے فرزند پیدا ہوا تو اوسکے بعد جو حاصلات آئیگی وہ اوسکے فرزند کو ملا کریگی جب تک وہ زندہ رہے پھر جب

[ف۱] قلٹن صاحب کی رپورٹ صفحہ ۳۴۵۔

اوسکا کوئی فرزند باقی نہ رہے گا تو وقف کی حاصلات فقیرون پر تقسیم ہوا کرے گی
فتاوی قاضی خان۔
واگر کہا کہ مین نے اپنی اولاد پر وقف کیا تو اوس مین مذکر و مونث و خنثی سب داخل ہونگے
واگر پسران پر وقف کیا ہے تو اوسمین خنثی داخل نہونگے واگر دختران پر وقف کیا
ہے تو اوسمین بہی خنثی داخل نہ ہونگے اسواسطے کہ ہم نہین جانتے کہ یہ خنثی لڑکا ہے
یا لڑکی واگر لڑکے و لڑکیون پر وقف کیا تو خنثی داخل ہوجائینگے۔ سراج الوہاج۔
پہر جہان اولاد کے واسطے استحقاق ثابت ہو وہان وہی اولاد داخل ہون گی جنکا
نسب اس وقف کنندہ سے معروف ہے اور جنکا معروف نہین ہے اور صرف وقف
کنندہ کے قول سے معلوم ہوا ہے وہ استحقاق مین اون لوگون کے ساتھ داخل نہ ہوگا۔

استحقاق کس وقت ثابت ہوتا ہے

مشایخ نے اوس دن کی شناخت مین کہ جس روز آمدنی مین استحقاق
واجب ہوتا ہے اختلاف کیا ہے شیخ ہلال نے بیان کیا ہے
کہ یہ وہ روز ہے جس روز حاصلات ایسی ہو گئی جسکی کچھ قیمت ہے اور یہ شرط نہین ہے
کہ خرچہ سے زائد کچھ قیمت ہوا ور بعض نے فرمایا کہ یہ وہ روز ہے جس روز اوسکی قیمت ہوگئی
مگر اس حیثیت سے کہ خرچ و خراج وغیرہ مثل قرضہ کے جو غلہ پر واجب ہوا ہے ان سب کو
محسوب کرکے اسکی قیمت ہووے۔ محیط سرخسی۔ اور اسکو متاخرین مشایخ بخارا نے
اختیار کیا ہے۔ حاوی۔ اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میری کانٹری واندہی اولاد پر
صدقہ ہے تو وقف ایسی ہی اولاد کے لیے ہوگا دوسرون کے واسطے نہ ہوگا اور اوس وقت
کے کانٹرے واندہے کا اعتبار کیا جائیگا جو وقف کے دن تھے وہ حاصلات آنے
کے دن کا نٹرا و اندہا ہونا شرط نہین ہے واگر کہا کہ میری یہ زمین اولاد صغیر پر صدقہ موقوفہ
ہے تو صدقہ خاصۃً اولاد صغیرہ کے واسطے ہوگا اور استحقاق کے واسطے وہ معتبر ہوگا جو

وقف کے دن صغیر تھا اور یہ شرط نہین کہ غلہ حاصل ہونے کے وقت بہی نابالغ ہو۔ ظہیریہ۔ اگرکسی نے کہا کہ میری یہ زمین میری اوس اولاد پر صدقہ موقوفہ ہے جو بصرہ مین سکونت پذیر ہے تو آمدنی اونہین کو ملیگی جو ساکن بصرہ ہون دوسرون کو نہ ملیگی اور بصرہ کی سکونت غلہ حاصل ہونے کے روز معتبر ہوگی۔ فتاوی قاضی خان۔ حاصل یہ ہے کہ اگر استحقاق ایسی صفت سے مشروط ہو جو زایل ہوجاتی ہے اور پہر عود کرسکتی ہے تو اوس صفت کا حاصلات وقف کے آنے کے دن ثابت ہونا استحقاق کے لیے شرط ہے۔ محیط۔ اگر کہا کہ جو شخص میری اولاد مین سے مسلمان ہوجائے۔ یا جو شخص نکاح کرے اوسپر وقف ہے تو وہ شخص داخل ہوگا جو وقف کے بعد مسلمان ہووے یا نکاح کرے اور وہ داخل نہ ہونگے جو وقف کے وقت مسلمان تہے یا اونکا نکاح ہوگیا تھا۔ اگر وارثان زید پر وقف کیا اور زید ہنوز زندہ ہے تو اوسکے وارثون کو کچھ نہ ملیگا اور کل آمدنی فقیرون کے واسطے ہوگی پہر اگر زید مرگیا تو آمدنی اوسکے وارثون کے درمیان اونکی تعداد پر تقسیم کیجائیگی۔ عورت و مرد سب مساوی پائینگے پہر اگر ان مین سے بعض مرگئے تو اونکا حصہ ساقط ہوجائیگا اور جو لوگ آمدنی حاصل ہونے کے وقت موجود ہون اونہین مین تقسیم ہوگا۔ و اگر ان مین سے ایک ہی باقی رہے گا تو نصف اوسکا ہوگا اور باقی نصف فقیرونکا۔ حاوی۔

وقف ہلال مین مذکور ہے کہ اگرکسی نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور وقف مین ذکر کیا کہ یہ وقف ہے میری حیات مین اور بعد میری وفات کے تو اوسکا بعد میری وفات کے کہنا کچھ موجب فساد نہ ہوگا اور یہی اصح ہے اور یہ نہ ہوگا کہ اس قول سے یہ وقف وارثون کے واسطے وصیت ہونا قرار دیا جائے بلکہ اسپر محمول ہوگا کہ اوس نے تابید یعنی ہمیشہ ایسا رکہنے کا قصد کیا ہے۔

مرض الموت کا وقف

سید امیر لکھتے ہین۔ اگر مرض الموت کے مریض نے اپنے ولد و ولد کے ولد کے لیے ہمیشہ کے واسطے جب تک اوسکی نسل مین کوئی شخص زندہ رہے اپنی زمین وقف کی تو یہ وقف وارثون کے حق مین صحیح نہ ہوگا لیکن ابوحنیفہ وابویوسف وزفرحمن کے نزدیک غیر وارثون کے حق مین ایک ثلث کی نسبت یہ وقف صحیح ہوگا کیونکہ مریض کا وقف مثل وصیت کے ہے اسیلیے اگر وہ ایک ثلث سے برآمد ہوتا ہے تو غیر وارثون کے واسطے صحیح ہوگا۔

اگر دو یا زیادہ اشخاص کے حق مین وقف ہے تو اون لوگون کو یہ حق نہین ہے کہ جائداد موقوفہ کو اپنے درمیان مطابق اوس حصہ کی جو اونکو حاصل مین تھا تقسیم کرلین۔ لیکن متولی کو اختیار ہے کہ واقف کی شرائط کے بموجب زمین وقف کی کاشت کرنے یا مکان وقف کے قبضہ کی نسبت جو مناسب خیال کرے انتظام کرے۔

## فصل پنجم اپنی ذات واولاد پر وقف کرنا

سید امیر علی جلد ا صفحہ ۲۳۶ لغایتہ ۲۵۶۔ اپنی ذات و اولاد کے لیے وقف کرنے کے متعلق اس قدر صاف وصریح سند کی موجودگی مین یہ امر بہت تعجب خیز ہے کہ اس ملک کی عدالت ہائے دیوانی نے اسکے بالکل خلاف راے قایم کی ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے اس مسئلہ کے متعلق سب سے آخری فیصلہ مین یعنی بمقدمہ راسمایا دہر چودہری بنام ابوالفتح محمد اسحاق [۵۱] یہ تجویز کی ،، اور

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۸ صفحہ ۱۷۰ و اُردو صفحہ ۳۹۹۔ اس سے بمقدمہ میر محمد اسرائیل خان بنام شاشنی چرن گھوس کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۱۲ مین اختلاف کیا گیا۔ آخر الذکر مقدمہ مین امیر علی صاحب جسٹس نے باتفاق اپنے ہم جلیس کے یہ تجویز کی کہ وقف مین مذہبی وخیراتی اغراض کی تعبیر شرع محمدی کے مطابق ہونی چاہیے۔

امر کہ وقف کسی اتفاق غیر معین پر منحصر نہ ہونا چاہیئے مثلاً امکاناً معدوم ہو جانا خاندان واقف
کا زمانہ حال مین ہائیکورٹ مدراس نے مقدمہ پاتھوکٹی بنام اناتھالاکٹی[51] صحیح طور پر قرار پایا ہے"
یہ تنظیم رائے حکام کے ہم کہتے ہین کہ یہ رائے شرع محمدی کی غلط فہمی پر مبنی ہے - یہ صحیح ہے
کہ اگر وقف مین کسی شرط کے تعلیق کی گئی ہے تو وہ وقف ناجایز ہے - اس قسم کی
تعلیق کی مثالین کتب فقہ مین کثرت سے موجود ہین - مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر
میرا لڑکا کل آئے یا میرا جہاز بصرہ سے آیندہ جمعہ کے روز آئے تو یہ میرا مکان وقف
ہے" تو اس صورت مین وقف مین ایک شرط کی تعلیق کی گئی ہے جو ممکن ہے کہ واقع
ہو یا نہ ہو یعنی یہ ممکن ہے کہ لڑکا کل آئے یا نہ آئے یا جہاز جمعہ کو آئے یا نہ آئے ان
صورتون مین تاوقتیکہ وہ شرط جسکے ساتھ وقف مشروط کیا گیا ہے نہ پائی جائے وقف
بالکل بے اثر رکھا گیا ہے - لیکن چونکہ شرط کا وقوع مین آنا بالکل غیر یقینی ہے اس لیے
ایسے وقف کو ناجایز قرار دیا گیا ہے کیونکہ منجملہ شرایط وقف کے ایک یہ بھی ہے
کہ اسکا نفاذ فوراً ایسے مصرف مین کیا جائے جو شرعاً داخل گناہ نہین ہے یا اگر وقف
بذریعہ وصیت کیا گیا ہے تو اوسکا نفاذ واقف کی موت کے بعد ہی ہونا چاہیئے - جب
وقف مین شرط کی تعلیق کا (جسکو اتفاق غیر معین پر منحصر ہونا مترجمان انڈین لا رپورٹ
نے ترجمہ کیا ہے) وہ مفہوم ہے جو اوپر بیان ہوا تو یہ بات سمجھنی مشکل ہے کہ اس قاعدہ کو
اپنی اولاد کے حق مین وقف کرنے سے کیا تعلق ہے - اپنی اولاد یا نسل پر بلکہ خود اپنی ذات
پر خرچ کرنا سبب قربت الہی ہے - فقرا یا مساکین کا ذکر کرنا امام محمد کے نزدیک بغرض جواز
وقف ضرور نہین ہے بلکہ اوس وقف مین دایمی وصف پیدا کرنے کے واسطے ضرور ہے
کیونکہ انسان فانی ہے اور وقف کا دایمی ہونا لازم ہے - امام محمد کے نزدیک یہ شرط

[51] مدراس جلد ۱۳ صفحہ ۶۶

لازمی ہے کہ یا تو فقرا صاف طور پر بیان کیے گئے ہون یا لفظ صدقہ سے ضمناً ایسا مفہوم ہوتا ہو۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک خواہ لفظ مساکین و فقرا بیان کیا گیا ہو یا نہ و خواہ لفظ صدقہ استعمال ہوا ہو یا نہ۔ صرف لفظ وقف سے ہمیشگی مفہوم ہوتی ہے اور اس وجہ سے تاوقتیکہ کوئی دوسرا مصرف نہ بیان ہو واقف کے خاندان کے معدوم ہونے پر وقف کی آمدنی مساکین پر صرف کیجائیگی اور اسی قول پر فتوی ہے۔ لہذا جواز وقف مین کوئی گفتگو نہین ہے۔ فقرا کے ذکر کرنے سے فی نفسہ وقف کے جواز مین کمی بیشی نہین ہوتی اس سے صرف ہمیشگی کی صفت پیدا کرنی منظور ہوتی ہے جو شرعاً ضروری خیال کی گئی ہے۔ ہائی کورٹ نے مقدمہ مذکورہ بالا مین جو اسے ظاہر کی ہے اوس سے صاف پایا جاتا ہے کہ شرع مین وقف کے متعلق کا جو مفہوم ہے وہ صحیح طور پر نہین سمجھا گیا اور دوسرے یہ خیال کیا گیا ہے کہ اخیر مین جو مساکین پر وقف کیا گیا ہے وہی اصلی وقف ہے۔ اس تجویز کے پڑھنے سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ الفاظ مذہبی و خیراتی کے متعلق کرنے مین سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ ریان صاحب چیف جسٹس کی تجویز بمقدمہ دیوی جان بی بی بنام عبداللہ حجام کو حوالہ دیتے وقت ذوی علم حکام تحریر کرتے ہین کہ وہ اس تجویز سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلجات مقدمات عبدالغنی بنام حسن میان رحمت اللہ[۵۱] و محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق[۵۲] مین اس امر کی تجویز کرنے مین حد سے زیادہ تجاوز کیا گیا کہ وقف جائز شرع سے محض و تنہا اغراض مذہبی و خیراتی کے لیے ہونا چاہیئے لیکن تجویز مذکور سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ فیصلجات مذکور مین یہ تجویز غلطی سے کی گئی کہ اغراض اولین و اصلی اوس قسم کی ہونی چاہیئے" اور بعد اوس کے لکھتے ہین "کہ وہ تمام مقدمات جن میں استفام آخر الذکر یعنی کل یا جزو حاصلات وقف

[۵۱] بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۱۲ [۵۲] کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۴۴۷۔

کو واقف کے خاندان پر صرف کرنا) منظور کیا گیا تہا ایسے مقدمات تہے جنمین اقل درجہ
ظاہری و اصلی غرض وقف کی مذہبی یا خیراتی تھی،، ان دونون فقرون مین الفاظ مذہبی،
و خیراتی، کے متعلق کرنے مین صریحاً غلطی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اپنے انگریزی
معنون مین استعمال کیے گیے ہین اور اون معنون مین نہین جنکے لیے شرع مین یہ الفاظ
موضوع ہوئے ہین۔ ان الفاظ کو مسٹر ہملٹن نے اپنے ہدایہ کے ترجمہ مین غلط طور پر
استعمال کیے ہین حالانکہ شرع محمدی مین ان کا کہین وجود تک بھی نہین ہے شرع محمدی
مین ثواب کا ہر کام وقف کا جائز مصرف ہے۔ مذہب حنفی مین جسکے مطابق ذی علم
حکام اس مقدمہ کی تجویز کرنے مین مشغول تہے یہ بات صاف طور پر بیان ہوئی ہے
کہ خود اپنی ذات پر کچھہ خرچ کرنا کار ثواب ہے۔ اور اپنی اولاد و اقربا کے معاش کے لیے
کچھہ مقرر کیا تو اسکے کار ثواب ہونے مین جملہ فقہاء مختلف مذاہب مین کسی قسم کا
اختلاف نہین ہے۔ اس قسم کا کفاف شرع و دین اسلام کی رو سے ایسے ہی مذہبی
و خیراتی اغراض مین داخل ہے جیسا کہ مساکین کے لیے وقف کرنا۔ لفظ خیراتی، صرف
اونہین اغراض مین محدود کرنا جیسا انگریزی زبان مین سمجھا جاتا ہے غلطی ہے۔ یہ خیال
کہ بمقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبد الصمد حجام ،، چونکہ منافع کی شرط خود واقف اور
بعض ایسے اشخاص کے حق مین تہی جو اوسوقت موجود تہے،، اور اس وجہ سے وقف کے
جواز کا باعث ہوا کتب شرعی محولہ مولویون کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شرع محمدی کو غور
سے پڑہنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر وقف ایسے اشخاص کے حق مین کیا جائے
جو موجود ہین اور جو ہنوز پیدا بہی نہین ہوئے ہین تو اس سے جواز وقف پر کچھہ اثر نہین پڑتا۔
اس تجویز مین ایک اور فقرہ لایق غور ہے وہ یہ ہے ،، ہم باور نہین کر سکتے کہ مصنفان
شرع محمدی کا یہ منشا رہا کہ خدا تعالی کے وقف کے حیلہ کے پردہ مین مالکان جائداد کو

یہ موقع حاصل ہو کہ وہ جائداد کو اپنے استعمال مین لائین اور اوسکو ہمیشہ کے لیے اپنے
و اپنی اولاد کے واینون سے بچا دین اور ادن انتقالات کو مسترد کردین جنکی بابتہ اونھون
نے پورا معاوضہ پایا ہے ؟ ہم بہ نہایت ادب و تعظیم سے کہتے ہین کہ اس جملہ کا
اصل مفہوم سمجھنا مشکل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی وقف کی نوعیت
و شرعی نتایج کے سمجھنے مین غلط فہمی ہوئی ہے۔ شرع محمدی مین اپنی یا اپنی اولاد
یا اپنے اقربا کی پرورش کا انتظام کرنا داخل ثواب ہے اور وقف کا صحیح مصرف ہے
لفظ حیلہ جب انتقال کے ساتھ استعمال ہوتا ہے خواہ وہ انتقال بذریعہ بیع ہو یا ہبہ ہو
یا وقف ہو تو ہماری سمجھ مین اسکے یہ معنی ہوتے ہین کہ گو ظاہر مین انتقال ہوا ہے
مگر درحقیقت منتقل کنندہ نے اپنے حق ملکیت کو منتقل نہین کیا ہے۔ فرضی ہبہ کے
یہ معنی ہین کہ گو واہب نے اپنی جائداد کا ہبہ کیا مگر باوجود اسکے وہ اپنی جائداد کا مالک
ہے۔ اگر اس قسم کے ہبہ مین حوالگی بھی وقوع مین آئی ہو تو وہ مخفی طور پر واہب کا
امین ہے۔ اسیطرح نمایشی بیع یا نمایشی وقف مین بایع یا واقف اپنی حق ملکیت
کو زائل نہین کرتا۔ یعنی باوجود اس نمایشی بیع یا نمایشی وقف کے بایع و واقف پھر بھی
اوسکا مالک ہے۔ الفاظ فرضی یا نمایشی یا حیلتاً کا تعلق اسلامی وقف سے تقریباً
غیر ممکن ہے کیونکہ جب وقف ایکبار عمل مین آگیا تو اوس سے واقف کی ملکیت
کلیتاً زائل ہو جاتی ہے اور جائداد موقوفہ خدا کی معنوی ملک مین داخل ہو جاتی ہے
اگر وقف کرنے کے وقت واقف مقروض ہے تو اوس صورت مین وقف کا کیا نتیجہ ہوگا
اسکے لیے شرع نے الگ قواعد مقرر کیے ہین لیکن وقف کرنے کے وقت واقف
مقروض نہین ہے یا اوسکے پاس اور جائداد ہے جس سے قرضہ ادا ہو سکتا ہے تو
اس صورت مین قرضخواہون کو کوئی حق نہین ہے کہ جایداد موقوفہ سے اپنا قرض وصول

کرین کیونکہ وہ جائداد اب اوسکے مدیون کی ملکیت مین نہین رہی اگر اوسکا مدیون جائداد
موقوفہ کے محاصل مین کوئی حق رکھتا ہے تو اوس حق سے مدیون کی حیات تک
اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے - اسیطرح اگر واقف کی اولاد کو محاصل وقف مین
وقف نامہ کی روسے کچھہ حق حاصل ہے اور وہ مقروض ہین تو ویسے ہی کیا جائے گا
جیسے خود واقف کے ساتھہ - لیکن نہ تو خود واقف و نہ اوسکے وارثون کو یہ اختیار
ومنصب ہے کہ جائداد موقوفہ پر کوئی بار عاید کرین یا اوسکا کوئی جزو منتقل کرین خواہ
بعوض معاوضہ یا کسی اور طریق پر - اور شرایط وقف نامہ کے خلاف کسی اور طریق
پر جائداد موقوفہ کے ساتھہ عمل کرنا داخل خیانت ہے - اسمین شبہہ نہین کہ ہائیکورٹ
نے جو راے اس مقدمہ مین قایم کی ہے اوسکی تائید کسی قدر پریوی کونسل کی
نظیر مقدمہ محمد احسن اللہ چودہری بنام امرچند کندو[15] سے ہوتی ہے - لیکن اس
مقدمہ مین حکام عالی مقام پریوی کونسل نے کوئی عام اصول قرار دینے سے انکار
کیا - بلاشک حکام موصوف کے روبرو بحث مین کہا گیا تھا کہ اصل امر تصفیہ طلب
یہ تھا کہ "دستاویز وقف کی غرض اولین خیراتی تھی یا آنکہ اونکا اصلی مقصود اپنے
اہل خاندان کی پرورش کا انتظام کرنا تھا" لیکن حکام موصوف نے اپنے فیصلہ
مین نہایت دوراندیشی سے فرمایا کہ "حکام عالی مقام مقدمہ ہذا مین یہ کوشش
نہین کرتے ہین کہ کوئی ٹھیک تعریف اس امر کی کرین کہ وقف جائز کس طرح پر ہوتا ہے

[15] کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۸ - اسکی تقلید مقدمات بیکانی میان بنام شک لال
پودار کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶ و میر محمد اسرائیل خان بنام ساشتی چرن گھوس کلکتہ جلد ۱۹
صفحہ ۴۱۲ و عبد الغفور بنام نظام الدین بمبئی جلد ۱۷ صفحہ ۱ و مرتضی بی بی بنام جمن بی بی
الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۱ مین ہوئی -

یا یہ تجویز کرین کہ عطیہ کرنے والا کس حد تک اپنے اہل خاندان کی پرورش کے لیے
عطیہ کو ایسی شرط سے مشروط کر سکتا ہے جس سے عطیہ کی نوعیت بطور ہبہ خیراتی کے
زائل نہ ہو"

حکام عالی مقام نے جو الفاظ اپنی تجویز مین استعمال کیے ہین شاید اوسکی وہ تعبیر
ہوسکتی ہے جو تعبیر اس ملک کی دیوانی عدالتین اب کر رہی ہین - لیکن اوس مقدمہ کے
واقعات کسی قدر عجیب تھے - جس سے خواہ مخواہ انگریزی مقننان کے دلون مین شبہہ
پیدا ہوسکتا تھا - اوس مقدمہ کی دستاویز وقف کے فقرہ (۸) کی رو سے متولی کو یہ اختیار
دیا گیا تھا کہ اپنی مرضی سے وہ اپنی تنخواہ مین اضافہ کرسکتا ہے - اس قسم کا اختیار دینا
درحقیقت لایق اعتراض تھا اور شاید ناجائز تھا - لیکن وقف نامہ مین ناجائز شرط کے
ہونے سے بموجب شرع محمدی کے وقف سرے سے باطل نہین ہوسکتا بلکہ خود وہ شرط
باطل ہوتی ہے - گمان غالب یہ ہے کہ اگر صحیح اسناد حکام پریوی کونسل کے روبرو پیش
کیجاتین تو حکام موصوف اس مقدمہ مین بالکل دوسری رائے قایم کرتے - کیونکہ
وے تحریر فرماتے ہین "بخلاف اسکے حکام ممدوح کو کسی سند کا حوالہ بہ ثبوت اس
امر کے نہین دیا گیا اور نہ حکام ممدوح کو ملسکتی ہے کہ مطابق شرع محمدی کے عطیہ بطور
وقف صحیح کے اوس صورت مین بھی جائز ہوتا ہے جب زیادہ تر حصہ جائداد موقوفہ کا کسی
نہ کسی زمانہ مین خیراتی اغراض کے لیے مخصوص نہ کیا گیا ہو" اس قسم کے وقف کے
(یعنی جب زیادہ تر حصہ جائداد موقوفہ کا خیراتی اغراض کے لیے مخصوص نہ کیا گیا ہو) جواز ثابت
کرنے کے لیے معلوم ہوتا ہے کہ کسی سند کا حوالہ نہین دیا گیا حالانکہ ایسا وقف بلاکسی اختلاف
کے شرع محمدی کے مطابق صحیح ہے - کسی عربی کتاب کا حوالہ نہین دیا گیا اور مقدمہ کی بحث
ہائی کورٹ کلکتہ و پریوی کونسل دونون عدالتون مین اس کلیتاً غلط خیال کی بنا پر کی گئی کہ وقف

کے صحیح وجائز ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ جایداد موقوفہ زیادہ تر ایسے خیراتی اغراض
کے لیے مخصوص کی گئی ہو جو مفہوم خیراتی اغراض کا انگریزی قانون مین ہے - لفظ خیرات
ذزیادہ صحیح ترجمہ صدقہ ہے ) کا جو مفہوم شرع محمدی مین ہے وہ نہین بیان کیا گیا اور نہ یہہ
دکھلایا گیا کہ بموجب شرع اسلام کے اپنے خاندان کی پرورش کا انتظام کرنا سب سے
بڑی خیرات ہے اور کسی جایداد کو اپنی اولاد کی پرورش کے لیے "حبس کرنا" ردالمختار کے
بموجب "خیراتی اغراض کے لیے فی الحقیقت ویسے ہی وقف کرنا ہے گویا کہ وقف
کی ابتدا محتاجون ہی سے کی گئی " نہ اون کتابون کے حوالہ سے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے
یہ بات دکھلائی گئی کہ اگر صاف الفاظ مین وقف کیا گیا ہے اور یہ نہ کہا گیا کہ ابتدائی مصرف
یا مصارف کے منقطع ہونے کے بعد یہ وقف محتاجون کیلئے ہے - تو اس سے جواز وقف پر کچھ اثر نہین
پڑتا کیونکہ شرع نے اس بات کو مان لیا ہو کہ وقف کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ وہ فقرا و ساکین کیطرف عود کرتا ہی - نہ یہہ دکھلایا
گیا کہ ایسی اولاد کیلئے وقف کرنا جائز ہے جو ہنوز پیدا نہین ہوئی ہے نہ یہ دکھلایا گیا کہ اگر وہ ابتداے مصرف
یا غرض جسکے لیے وقف کیا گیا ہے باقی نہ رہے یا کسی وجہ سے ناجائز ہو گئی تو جایداد
موقوفہ پھر واقف کی ملکیت مین واپس نہین آتی نہ اوسکے وارثون کو ملتی ہے بلکہ اوسکا
منافع پھر دوسرے مصرف مین جسکو واقف نے بتلایا ہو صرف کیا جائیگا و اگر کوئی اور
مصرف نہین بتلایا گیا ہے تو محتاج و مسکین پر صرف کیا جائیگا - مثلاً اگر وقف زید کی
اولاد کے لیے کیا گیا اور زید کے کوئی اولاد نہین ہے تو وقف کی آمدنی مساکین و فقرا کو
دیجائیگی جب تک کہ زید کے لڑکا نہین ہے اور جب زید کے اولاد ہوئی تو آمدنی وقف
کی اون اولاد کو ملیگی - یا مثلاً واقف نے اگر کہا کہ وقف زید کے لیے ہے اوسکے بعد عمر کے لیے
اور اگر وہ نہ ہو تو مساکین کے لیے - اس صورت مین اگر وقف کا نفاذ زید کے حق مین کسی وجہ
سے نہین ہو سکتا یعنی یہ کہ اگر وہ مر گیا یا وہ حربی ہے تو اس وجہ سے وقف باطل نہ ہوگا بلکہ

اوسکی آمدنی عمر کو ملیگی اور بعدہ مساکین کو دیجاویگی۔

| منظر الحق بنام ہیراج دیتارے مہاپتر |
|---|

بمقدمہ منظر الحق بنام ہیراج دیتارے مہاپتر[۵۱] کیمپ صاحب جسٹس نے اپنی رائے اون اخراجات کے متعلق جو جایداد موقوفہ پر قایم کی گئی تھی حسب ذیل بیان کی ہے۔

"ہماری یہ رائے ہے کہ بموجب شرع محمدی کے وقف اوس صورت مین باطل نہین ہوجاتا جب جایداد کی آمدنی پر چند ایسی رقوم کا محض مطالبہ قایم کیا جائے جو کچھ عرصہ مین اس وجہ سے بالفعل زائل ہوجائے گا کہ وہ صرف ایک خاندان پر اور خاص اغراض کے لیے محدود ہے اور خاندان و اغراض مذکور کے نہ ہونے کی حالت مین جایداد کی کل آمدنی وقف کے اصل اغراض کے لیے مخصوص رہجائیگی۔ یہ جایز ہے کہ کوئی شخص اس طرح پر وقف کرے کہ اوسکی حاصلات سے وہ خود اپنی حیات مین متمتع ہو اور بعد اپنے مرنے کے فقرا و مساکین پر صرف کرنے کی ہدایت کرے۔ اصل مقصود شرع محمدی کا یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کا محاصل ایسے مصرف کے لیے وقف کیا جاے جسکا وجود ہمیشہ قایم رہے"۔

یہ رائے شرع محمدی کے اصول کے مطابق ہے۔ کیونکہ اوسصورت مین بھی جب وقف صرف فقرا و مساکین کے لیے کیا گیا ہو تو بموجب شرع محمدی کے واقف کو اسبات کا اختیار ہے کہ خواہ کل یا ایک جزو آمدنی وقف کو اپنے قرضہ کی ادایگی کے لیے مخصوص کرے یا محاصل وقف پر اپنی حسب خواہ کسی رقم کے ادا کرنے کا مطالبہ قایم کرے خواہ ایک معینہ زمانہ کے لیے یا ایک یا چند اشخاص کی حیات تک جنکی موت کے بعد پھر کوئی مطالبہ محاصل وقف پر نہ رہیگا۔ بلکہ وہ کلیتاً فقرا و مساکین کے حق کا ہوگا۔ اسطرح پر

۵۱ ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۶۔

خیال کرنے سے مسٹر جسٹس کیمپ کی راے مسلمانون کے حنفی اصول کے مطابق ہی
اور اس فیصلہ پر اس رائے کی تائید مین استدلال نہین کیا جا سکتا کہ اگر واقف اپنے
خاندان کے لیے وقف کرے تو شرع محمدی کے بموجب ایسا وقف ناجائز ہے۔ اگر
اس تجویز کا یہ نتیجہ ہے جیسا کہ بعض وقت گمان کیا گیا ہے کہ اپنے خاندان کے حق مین
وقف کرنا صحیح نہین ہے تو اسکی نسبت جو کچھہ کہا جا سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اوس
صورت مین یہ تجویز بالکل اوس قانون کے خلاف ہے جس قانون کے مطابق عدالت
کو معدلت گستری کرنی چاہیئے تھی۔

**محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق** محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق[51] کا مقدمہ جیسا کہ ہمنے اوپر کہنے کی
جرأت کی ہے شرع محمدی کے بالکل خلاف فیصل ہوا ہے
دست آویز وقف کا ضروری حصہ حسب ذیل تھا۔
مین نے بحقیت اپنی نواسی جمیلہ خاتون عرف دہوی بی بی اور اوسکی اولاد اور اوسکی اولاد کی
اولاد کے حق مین جب تک اوسکی نسل مین کوئی باقی رہے وقف کیا اور جب اونمین کوئی
نہ رہے تو فقرا و مساکین کے حق مین۔
ظاہر ہے کہ یہ وقف شرع محمدی کے بموجب بالکل صحیح ہے۔ لیکن ذی علم ججون نے سب
ذیل تجویز کی وہ ہمارے روبرو لفظ وقف کی اصلی مفہوم کی نسبت بہت کچھ بحث کی گئی
ہے اسمین شک نہین کہ بیلی صاحب و دیگر مصنفان شرع محمدی مثل میگناٹن و ہملٹن صاحب
نے اس امر مین اختلاف ظاہر کیا ہے۔ لیکن ابو حنیفہ کی کتاب ہدایہ سے جو بہت
بڑی مستند کتاب ہے اور خود ابو حنیفہ بلاشبہ سنی المذہب تھے جس مذہب کے پیرو غلام
شرف کے اہل خاندان ہین اور ابو حنیفہ کے شاگردون کے اقوال سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے

[51] کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۴۴۷۔

کہ اسناد کا پایہ اوس راے کے حق مین مبت زیادہ جھکا ہوا ہے جو بمبئی ہائی کورٹ نے بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین مرزا رحمت اللہ قایم کی تھی یعنی "وقف کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ جائداد کا وقف صرف خدا کی پرستش کے لیے یا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے کیا جائے"

"ابو حنیفہ ہدایہ جلد ۲ مین بلا شبہہ لکھتے ہین کہ وقف خیراتی اغراض کے لیے ہونا چاہیے۔ اس مقدمہ مین ظاہر ہے کہ بدرالنسا کے حق مین جو وقف ہے وہ خیراتی وقف کی نوعیت کا نہین ہے۔ وہ از قسم تملیک بحق دختر ہے یعنی ایک ایسی جائداد کی تملیک ہے جو قابل وراثت تھی اور جو بدرالنسا کی اولاد کو بہ تعین حصص دی گئی تھی۔ الفاظ صاف ہین۔ ہر دختر کو ۴ر دیا گیا۔ اور وقف نامہ کے الفاظ مین چار چار آنہ حصہ چارون کے واسطے وقف کیا گیا۔ اگر وقف مین اصولاً خیرات داخل ہے اور اگر آخری مصرف جایداد کا یعنی مصرف وقف کا ایسی شے کا ہونا ضرور ہے جو کبھی معدوم نہ ہو اور وہ تمام اغراض مذہبی و خیراتی قسم کے ہون تو اس عطیہ مین یہ شرائط نہین پائی جاتین۔ اسلیے چار آنہ حصہ کا وقف جسکی بابت یہ اپیل ہے ناجائز ہے اور شرعاً اسے وقف نہین کہہ سکتے" مگر اس بحث مین جو ہمارے روبرو پیش ہوئی ہے فی الجملہ زور ہے کہ اون عطیہ جات کو جو کسی شخص نے اپنی اور اپنی اولاد کے حق مین کئے ہون اکثر مفسرین شرع محمدی نے بطور عطیہ جات جائز کے وقف کے نام سے تصور کیا ہے مگر اس قسم کی تملیکات شرع محمدی مین صدقہ کہلاتی ہے اور بظاہر جب اسے میلی صاحب کے حسب کوئی شخص اپنی اولاد کے حق مین جائداد عطا کرے تو لفظ صدقہ کا استعمال ہونا ضرور ہے۔ مگر ہمکو واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ دستاویز مورخہ یکم مہادون ۱۲۴۸ء مین استعمال

---

۵ ؎ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳ -

نہین ہوا ہے مزید برآن اگر یہ امر فرض ہی کیا جاے کہ شرع محمدی کے بموجب
اس قسم کے عطیہ جات وتملیک ہو سکتی ہین تاہم ہمکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عطیہ
حال وقف کے اصول سے خارج ہے۔ حسب تصریح مقدمہ عبد الغنی قاسم بنام حسن
میان رحمت اللہ اصول تملیک اس حدیث پر مبنی ہے ''جو شخص کہ اپنے اوپر صرف
کرتا ہے وہ گویا خیرات دیتا ہے'' مگر یہ اصول ہملٹن صاحب کے نوٹ کے بموجب
صرف اوس صورت مین صحیح ہے[۵۱] جس صورت مین کوئی شخص اپنی کل جائداد کا عطیہ
کرکے اپنے تئین محتاج کردے تو اوسکی نسبت خیرات ایسی ہی ہوگی (جبکہ اوس نے
محاصل سے ضرورتاً اپنی مدد معاش کے واسطے کافی مقدار رکھلی ہو) جیسے کہ کسی
دوسرے محتاج کے واسطے۔ پس حسب قول پیغمبر کے اگر کوئی شخص اپنی جائداد اپنے یا
اپنی اولاد کے حق مین وقف کرے تو اوسکے جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ واقف اپنے
آپ کو نہایت محتاجی کی حالت مین کردے۔ مقدمہ حال مین یہ صاف ہے اور
طرفین نے اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ کہ ہبہ کنندہ کے پاس علاوہ اوس جائداد کے جو
اس دستاویز مین مندرج ہے اور جائداد بھی ہے پس یہ نہین کہا جا سکتا ہے کہ بدر النسا
نے یہ جائداد بطور مفلس کے پائی پس دونون طرح سے ہمکو واضح ہوتا ہے کہ یہ عطیہ
ایک ربع حصہ یعنی ۴ر حصہ کا وقف جائز نہین ہو سکتا'' ہم نہایت ادب سے
کہتے ہین کہ اس تجویز مین چند باتین غلط فرض کرلی گئین ہین۔ اول یہ بات فرض
کرلی گئی ہے کہ بیلی صاحب و دیگر مولفان شرع محمدی مثل میگناٹن وہملٹن کے درمیان
اختلاف ہے۔ میگناٹن نے شرع محمدی پر کوئی مفصل کتاب لکھنے کا کبھی دعوی نہین
کیا۔ اونہون نے صرف چند عام اور ابتدائی اصول اکھٹا کردیے ہین جسکا کچھ حصہ

---

[۵۱] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۱۔

یا تو کلیتاً غلط ثابت ہوا یا نامکمل پایا گیا ہے۔ مسٹر ہملٹن نے عربی ہدایہ کو فارسی ترجمہ سے انگریزی مین صرف ترجمہ کر دیا ہے۔ اور اکثر ضروری فقرون کو ترک کیا ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ ہدایہ کو ابو حنیفہ کی تصنیف خیال کی گئی ہے اور حال یہ ہے کہ ابو حنیفہ اس کتاب کے لکھے جانے سے پانچسو برس پہلے مر چکے تھے۔

پھر اس راے کی تائید مین کہ "وقف جائز ہونے کے لیے جائداد صرف پرستش خدا یا اغراض مذہبی یا خیراتی کے لیے عطا ہونی چاہیئے" کوئی سند نہین پائی جاتی۔ صاحب ہدایہ نے اپنی اولاد کے حق مین وقف کرنے کے مضمون پر کچھ بحث نہین کی ہے کیونکہ اس امر مین امام ابو یوسف و امام محمد مختلف الراے نہین تھے۔ اور یہی سبب ہے کہ مصنف مذکور نے اس امر کو مسلمہ تسلیم کر کے رسول مقبول کی سند سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اگر واقف نے ابتداً اپنے لئے کوئی حق جائداد وقف مین مخصوص کر لیا ہے تو وقف صحیح ہے۔ مترجم۔ یعنی ہملٹن صاحب کے نوٹ کی تقویت پر اس اصول کے معنی غلط قایم کیے گیے ہین اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ اوس شخص کو یعنی واقف کو اپنے تئین بالکل مفلس بنا لینا ضرور ہے۔ متن ہدایہ در رسول مقبول کی حدیث پر ہملٹن صاحب کی یہ شرح ہے جس شرح کو کبھی کسی مسلمان مقنن نے صحیح نہین مانا۔ رسول مقبول نے فرمایا ہے کہ "خود اپنی ذات پر صرف کرنا صدقہ ہے" (جو بموجب انگریزی ترجمہ کے ایک فعل خیراتی ہے" ہونا چاہیے) عام اس سے کہ اوس نے اپنی کل جائداد وقف کر دی ہے یا صرف ایک جزو وقف کی آمدنی کو کلیتاً یا جزواً اپنے لیے مخصوص کرنا کار ثواب و تقرب الٰہی ہے۔ خود اپنے حق مین وقف کے جائز رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ایک کار خیر ہے۔ یعنی خود اپنی ذات کی پرورش کا ذریعہ مہیا کرنا داخل ثواب ہے۔ مشرق مین مال و دولت کی بے ثباتی پر نظر رکھکر یہ حکم دیا گیا کہ جب کوئی شخص خدا کی

حفاظت مین انسان کے فائدہ کے واسطے اپنی جائداد سپرد کرے تو وہ خود تنہا یا بشمول اورون کے اوس جائداد کے منافع سے جسکا مین خدا بے فائدہ اوٹھا سکتا ہے - ذی علم ججون نے یہہ بھی خیال کیا کہ اگر اپنی اولاد کے واسطے کوئی ایسا انتظام ہوسکتا ہے تو وہ صرف اوسی صورت مین جب لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہو یہ راے مسلم الثبوت اصول شرع محمدی کے خلاف ہے - و نیز یہ راے کہ اولاد کے حق مین اگر وقف ہے تو اوسکی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ واقف اسنے آپ کو بالکل محتاج و مفلس کرلے - مستند کتابون کے بالکل خلاف ہے

وہ وقف تین صورت پر ہے - اول فقیرون کے واسطے - دوم - مالدارون یعنی اغنیا کے واسطے اور بعدہٗ فقیرون کے واسطے - سوم - یا اوسمین دونون فریق یعنی اغنیا و فقیر دونون برابر ہین جیسے مسافرخانہ و خانقاہ و قبرستان و آبدارخانہ و مسجد و پل وغیرہ کہ ان چیزون کے وقف مین فقیر و غنی سب برابر ہین [۵۱] بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی [۵۱] مین کچھ بحث ہی نہین ہوئی اور ذی علم ججون نے مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام رحمت اللہ خان کی تقلید کرکے اوس مقدمہ کو فیصل کردیا - اس مقدمہ مین شرع محمدی کے اصول کے بالکل خلاف یہ تجویز کی گئی کہ دو تجارتی کمپنیون کے حصص کا وقف ناجائز ہے -

| لچھمی پت بنام امیر عالم |
|---|

اون دو ذی علم ججون مین سے جنہون نے محمد حمیداللہ خان بنام بدرالنسا خاتون [۵۲] کا مقدمہ فیصل کیا ایک جج کو لچھمی پت سنگھ بنام امیر عالم [۵۳] مین کسی قدر مشکل مسئلہ تجویز کرنا پڑا اور مقدمہ آخرالذکر کی تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ جج صاحب موصوف نے اپنی سابق راے کو کسی قدر ترمیم کردیا - لچھمی پت سنگھ کے مقدمہ کے

[۵۱] کلکتہ لارپورٹ جلد ۹ صفحہ ۴۷ [۵۲] کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۴۷ [۵۳] کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۶ -

وقف نامہ مین یہ شرائط تہین کہ واقف کا قرضہ ادا کیا جاوے - ایک مسجد کا خرچ ضروری دیا جائے - اور اوسکے مورثون کی قبرون پر فاتحہ پڑہا جاوے اور بقیہ واقف کی اولاد پر خرچ کیا جاوے - جو فرق اس مقدمہ مین و مقدمہ محمد حمید اللہ خان مین بیان کیا گیا ہے وہ فی الواقع کوئی فرق نہین ہے - اصل مین وقف اولاد کے لیے تہا جسمین مسجد وغیرہ کے اخراجات بہی داخل تہے مگر تاہم وقف جایز خیال کیا گیا - یہ خیال کیا گیا کہ مسجد وغیرہ کے اخراجات کے باعث اولاد کے حق مین جو انتظام کیا گیا تہا وہ بہی جائز ہوگیا -

امرت لال بنام شیخ محمد ابراہیم وغیرہ

ان تینون مقدمات پر مسٹر جسٹس فیران نے بمقدمہ امرت لال بنام شیخ محمد ابراہیم وغیرہ[۵۱] نہایت لیاقت سے بحث کی ہے ذی علم جج نے بہت مناسب کیا "محمد حمید خان بنام لطف الحق[۵۲] و فاطمہ بی بی بنام عارف اسمعیل جی[۵۳] کی سند اس امر سے نہایت ضعیف ہوجاتی ہے کہ اون حکام نے جنہون نے ان مقدمات کو فیصل کیا اوس امر کو جو غایت درجہ صرف ایک اظہار راے مقدمہ عبد الغنی بنام حسین میان رحمت اللہ[۵۴] مین ہے بطور فیصلہ کے تصور کیا - اور اوس اشتباہ سے جو اون مقدمات پر عدالت نے بمقدمہ لچھمی پت سکھہ بنام امیر عالم[۵۵] ظاہر کیا ہے جسمین ایک حاکم منجملہ اون حکام کے جنہون نے اول الذکر مقدمہ کو فیصل کیا تہا اجلاس فرماتے تہے - مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی[۵۶] کا حوالہ ان مین سے کسی مقدمہ مین نہین دیا گیا" مقدمہ عبد الغنی قاسم بنام حسین

۵۱ بمبئی جلد ۱ صفحہ ۴۹۹ - ۵۲ کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۴۴۷ ۵۳ کلکتہ لا رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۴۲۷ ۵۴ ہائی کورٹ رپورٹ بمبئی جلد ۱۰ صفحہ ۷ ۵۵ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۶ ۵۶ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ -

میان رحمت اللہؒ کی نسبت اب ہم کچھ لکھنا چاہتے ہین - نہ تو اس مقدمہ مین و نہ کلکتہ ہائی کورٹ کے مقدمات مین جسمین اسکی پیروی کی گئی ہے چیف جسٹس کی تجویز بمقدمہ ڈیو ڈم جان بی بی بنام عبد اللہ باریر[۲] کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے - کوئی اصلی سند یعنی عربی کتاب بحث مین پیش نہین کی گئی - بحث مین کثرت سے ایسے قیاسات پر استدلال کیا گیا تھا جو دوسرے ملک و قوم کے قانون پر مبنی ستھے لیکن شرع محمدی کے اون اصول کا جو فقہ کی مستند کتابون سے ماخوذ ہین یا ماخوذ ہو سکتے تھے بحث مین ذکر تک ہی نہین آیا - ذی علم ججون نے پریوی کونسل کی نظیر بمقدمہ جیون داس بنام شاہ کبیر الدین احمد[۳] سے (جس نظیر کو مسئلہ زیر بحث سے کچھ بھی تعلق نہ تھا) حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا "اس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی ہے کہ اغراض مذہبی یا خیراتی کے لیے وقف کرنے کے واسطے بموجب شرع محمدی کے یہ ضرور نہین ہے کہ لفظ وقف کا استعمال کیا جائے اگر عطیہ کی نوعیت عام سے ایسا وقف مفہوم ہوسکتا ہو - ہماری دانست مین عکس اس مسئلہ کا ٹھیک ہے یعنی یہ کہ وقف ثابت ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ عطیہ یا وقف مذہبی یا خیراتی کامون کے لیے ہو اور یہ کافی نہین کہ محض لفظ وقف کا دستاویز عطیہ مین مندرج ہو اگر اسکے خلاف تجویز کیجائے تو اوس سے ہر شخص محض ایک لفظ کے کہنے سے ہر قسم کا استمرار پیدا کرسکے گا" اس سے زیادہ دہوکہ دینے والی دلیل مشکل سے خیال مین آسکتی ہے اس دلیل سے جو نتیجہ ذی علم ججون نے مستنبط کیا ہے وہ شرع محمدی کے سب سے اہم جزو کو منسوخ کیے دیتا ہے - یہ کہا جاتا ہے کہ وقف کے متعلق جو یہ تمام عذرا بیان

---

[۱] ہائی کورٹ رپورٹ بمبئی جلد ۱۰ صفحہ ۵۲ [۲] یہ فیصلہ کلیتاً آیندہ لکھا جائیگا [۳] ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۳ یا اپیل ہائے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ -

واقع ہوئی ہین اون سب کا الزام ہدایہ پر ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسٹر ہملٹن نے اصل کتاب سے جو عربی زبان مین ہے ہدایہ کا ترجمہ نہین کیا۔ صاحب موصوف کی درخواست پر کلکتہ کے مولویون نے عربی ہدایہ کا ترجمہ فارسی زبان مین کیا۔ اور اوسمین جا بجا اپنی طرف سے چند فقرات بہی داخل کر دیے جسکا اصل مقصد غالباً مصنف کے مفہوم کو زیادہ واضح کرنا تہا مگر اوسکا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ مثل ہے کہ بد سے بدتر ہو گیا۔ اکثر ضروری فقرات ترک کر دے گئے ہین جسکے باعث ترجمہ کی وقعت بالکل کہوئی گئی اسی کتاب پر جو ترجمہ کے نام سے موسوم ہے تمام فیصلہ جات کا دار مدار ہے مسٹر ہملٹن کے ترجمہ وحاشیہ کی نسبت مسٹر بیل بیلی جنہون نے فتاوی عالمگیری کا لفظی ترجمہ کیا ہے یہ کہتے ہین "مسٹر ہملٹن نے بلا ضرورت لفظ وقف کے قانونی مفہوم کو ثواب وخیرات کے اغراض کے لیے ہبہ کرنے سے مقید کیا ہے"

جو معنی ثواب وخیرات کے انگریزی مقننون کے نزدیک ہین اوسپر خیال کر کے کوئی شخص جسنے شرع محمدی کو غور سے پڑہا ہے ایک لحظہ کے لیے بہی شک نہین کر سکتا کہ مسٹر بیلی کا قول بہت صحیح ہے۔ اگر تعمق کی نظر سے دیکہا جائے تو ہدایہ و دیگر کتب شرع محمدی مین کچہ بہی اختلاف نہین ہے ہدایہ مین وقف کا مضمون بہت اختصار سے لکہا گیا ہے اور اپنی اولاد ونسل پر وقف کرنے کی بابت اوسمین کچہ بحث بہی نہین کی گئی ہے۔ جسکی وجہ ہم اوپر بیان کر چکے ہین۔ لیکن دوسری شرحون مین مثل فتح القدیر وغایۃ البیان وغیرہ کے اس مضمون پر پورے طور پر بحث کی گئی ہے۔

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل[۱۵] ویسٹ صاحب جسٹس صحیح تحریر فرماتے ہین

[۱۵] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ - بمقدمہ جگت مولی چودہرانی بنام رمضانی بی بی کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۵۳۳ - مین بہی غلطی ہوئی یعنی یہ کہ آخری مصرف بصراحت مذکور ہونا چاہیے اسکی تقلید امرت لال کالیداس بنام شیخ حسین بمبئی جلد ۱۱ صفحہ ۴۹۲ مین ہوئی

"اگر یہ شرط پائی جاسے کہ وقف کا آخری مصرف کوئی دایمی کار خیر ہے تو وہ اس وجہ سے باطل نہ ہوگا کہ واقف نے اپنی اولاد و اونکی اولاد کے حق مین کسی درمیانی زمانہ کی بابتہ جائداد کی تملیک کی ہے" یہ مسئلہ متفق علیہ ہے - لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف لفظ وقف کے استعمال سے شرعاً یہ امر تسلیم ہوگا کہ وقف کا آخری مصرف دایمی و مستقل ہے - بعدہٗ ذی علم جج تحریر کرتے ہین "جو حق ان لوگون کو (یعنی اولاد کو) یکے بعد دیگرے حاصل ہوگا ممکن ہے کہ قانون انگلستان کے مفہوم کے مطابق استمراری ہو مگر شرع محمدی کے بموجب اوسکی تملیک ناجائز نہ ہوگی بشرطیکہ اخیر مصرف خیر کی صراحت بوضاحت کردی گئی ہو" یہ شرط صرف امام محمد کے قول کے مطابق ضروری ہے نہ کہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق - معلوم ہوتا ہے کہ ذی علم جج نے دونون امامون کے اختلاف پر خیال نہین کیا و نہ اس امر کا لحاظ کیا کہ تمام حنفی دنیا مین امام ابو یوسف کا قول صحیح قانون تسلیم کیا گیا ہے - تاہم یہ تجویز اپنی تائید مین ایک سند رکھتی ہے بخلاف اِسکے دیگر مقدمات تو بالکل شرع کے اصول کے خلاف ہین - انگریزی قانون کے قاعدہ امانت و تملیک سے شرعی وقف کے مفہوم سمجھنے مین کچھ بھی مدد نہین ملسکتی - شرع محمدی مین وقف کی بنیاد رسول مقبول کی احادیث پر ہے جنپر صحابہ و تابعین کا عمل درآمد رہا ہے - انگریزی قانون مین استمراری حقیت ممنوع ہے - شرع مین دایمی ہونے کی صفت بلا کسی اختلاف کے وقف کے لیے لازمی ہے - اپنی اولاد و نسل کے لیے وقف کرنا مسلمانون کے شرع مین کار خیر و ثواب ہے - لیکن چونکہ ہر شخص کی اولاد و نسل کسی نہ کسی وقت معدوم ہوجائیگی اسیلیے دوام پیدا کرنے کے لیے شرع مین ضرورت ہے تاکہ وقف دایمی مصرف کی طرف عود کرے - حنفی مذہب کے صحیح اصول کے مطابق اوسکے ذکر کرنے کی ضرورت نہین ہے - کیونکہ اگر کسی ایسے مصرف کا ذکر نہین ہوا ہے

تو واقف کی نسل کے منقطع ہونے کے بعد شرع خود اوس فروگذاشت کی تصحیح اسطرح پر کردے گی کہ وقف محتاج و مساکین کے لیے ہے۔

جو کچھہ اوپر مذکور ہوا اوس سے بخوبی واضح ہوگا کہ شرعی مفہوم وقف کا کیا ہے۔ اور نیز یہہ کہ اس ملک کی عدالتون مین اسکے متعلق فیصلے ایکسان نہین ہین۔ بعض مقدمات مین شرع محمدی کی پابندی ایک حد تک کی گئی ہے اور بعض دیگر مقدمات مین کسی قدر اوسکے خلاف تجویز ہوئی ہے چند مقدمات کا ذکر اوپر آگیا ہے۔ لیکن اگر کسیکو زیادہ شوق ہو تو کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس کامل کا فیصلہ بمقدمہ بیکانی میان بنام سکھلال[1] پڑہے۔ اسوقت تک جس قدر نظائر وقف کے متعلق ہو چکے ہین وہ سب ذی علم بارسٹرون کی بحث مین ملسکتے ہین و نیز اونپر جو محققانہ جرح و قدح کی گئی ہے وہ سب اسکے پڑہنے سے معلوم ہوجائیگی۔

کسی خاص مضمون پر مختلف نظائر ہونے کی وجہہ سے جو دقتین عوام کو وعدالتون کو پیش آتی ہین وہ ظاہر ہے۔ اس خیال سے حکام عالی مقام پریوی کونسل کی تجویز بمقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق بنام راسمایا دہر چودہری[2] تسکین بخش ہے گو شاید یہ فیصلہ کلیتاً وقف متعارف کے مفہوم کے مطابق نہ کہا جائیگا۔ اس فیصلہ مین تین امور مختتم طور پر طے کردے گئے ہین۔

اول۔ اگر وقف صرف خاندان کی ترقی کی غرض سے کیا گیا ہے اور کار خیر مین (جیسا کہ عرف مین سمجہا جاتا ہے) اوسکا زیادہ تر حصہ فوراً صرف نہ کیا جاسکے تو وقف ناجائز ہے۔

دوم۔ اپنی اولاد کو اگر وقف کی آمدنی سے کچہہ حصہ دیا تو اس وجہہ سے وقف ناجائز

---

[1] جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶ [2] کلکتہ جلد ۲۲ صفحہ ۶۱۹۔

نہیں ہے۔

سوم۔ مقدمات وقف و دیگر اسلامی انتقالات سے شرع محمدی متعلق ہے۔

اس فیصلہ کا ضروری حصہ ذیل مین نقل کیا جاتا ہے۔

اس مقدمہ کے وقف نامہ کے مضمون سے یہ بات ثابت کر کے کہ واقف کا اصلی مقصود اپنے خاندان کی عظمت اور اہل خاندان کی پرورش تہی " اور اوسمین مذہب کا کچہہ ذکر نہین ہے بجز اِسکے کہ جب خدا سے یہ دعا مانگی گئی ہے کہ خاندان کا نام ہمیشہ قایم رہے اور اونکی جائداد محفوظ رہے " حکام عالی مقام حسب ذیل تحریر کرتے ہین

"معلوم ہوتا ہے کہ ہائی کورٹ مین ذی علم ایڈوکیٹ جنرل نے منجانب مدعیان یہ حجت کی کہ واہب اگر اپنی اولاد کے حق مین کوئی عطیہ کرے اور اوسمین محتاجون کا ذکر بہی نہ ہو تو وہ مثل وقف کے قائم رکہا جا سکتا ہے اور نیز یہ کہ شرع محمدی کی منشاء کے موافق اپنے خاندان پر دوامی تملیک بنام نہاد مذہبی امانت کے کیجا سکتی ہے بمقدمہ محمد احسان اللہ چودہری بنام امرچند کیدہ[۵۱] بورڈ ہذا نے فرمایا " حکام ممدوح کو کسی ایسی سند کا حوالہ نہین دیا گیا اور نہ حکام ممدوح کو کوئی ایسی سند ملتی ہے کہ شرع محمدی کے مطابق عطیہ مثل وقف کے صحیح ہے بجز اسکے کہ جائداد کا زیادہ تر حصہ کسی نہ کسی وقت خیراتی اغراض کے لیے وقف ہو " بورڈ موصوف نے کلکتہ ہائی کورٹ کا فیصلہ بحال رکہا جس نے یہ تجویز کی ہے کہ جائداد کا تہوڑا سا حصہ خیراتی اغراض کے لیے بخوبی وقف تہا لیکن جائداد مذکور کے جزو کثیر کی نسبت عطیہ مذکور باوجود بعض عبارات مشعر وقف کے دراصل خاندان کے حق مین ہبہ دوامی کے سواے کچہہ نہین تہا اور بوجہ مذکور وہ خلاف شرع محمدی کے تہا۔ فیصلہ مذکور کے اصول کا حوالہ بمقدمہ عبد الغفور بنام نظام الدین[۵۲]

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۸ [۵۲] بمبئی جلد ۱۷ صفحہ ۱۔

دیا گیا اور پسند کیا گیا اوس بحث کا جو ہائی کورٹ مین کی گئی یہ کافی جواب ہے۔

"لیکن حکام عالی مقام اب یہ نہین کہہ سکتے کہ حکام موصوف کو کسی ایسی سند کا حوالہ نہین دیا گیا جو اس راے کے خلاف ہو کیونکہ مسٹر پرنسن نے حکام ممدوح کو دو ایسے مقدمات کا حوالہ دیا جسمین ذی علم جج مسٹر امیر علی نے کلکتہ ہائی کورٹ مین بڑی محنت کے ساتھ تجویزین لکھی تہین۔ تجاویز مذکور اوس راے کے موافق ہین جو اونہون نے اپنے ٹیگور لا لکچرسس مین ظاہر کی تہین و اگر حکام عالی مقام نے اونکو صحیح طور پر سمجہا ہے تو اون سے پورے طور پر ایڈووکیٹ جنرل کی حجت کی تائید ہوتی ہے۔ مقدمات مذکورین سے ایک مقدمہ محمد اسرائیل خان بنام شستی چرن گہوش[۵۱] ہے اس مقدمہ مین بعض عطیہ ایسے تہے جو فوراً مساکین کے حق مین نفاذ پذیر ہو گئے تہے اور وقف بحال رکہا گیا اور اوسکا پہر کوئی مزید اپیل نہین ہوا۔ دوسرا مقدمہ بیکانی میان بنام سکہہ لال پوددار[۵۲] ہے جسمین مساکین کے لیے کوئی عطیہ اوسوقت تک نہین ہی جب تک کہ واقف کے خاندان مین کوئی زندہ رہے۔ اس مقدمہ کی سماعت اجلاس کامل پانچ حکام مین ہوئی۔ حکام موصوف نے یہ تجویز کی کہ دستاویز مذکور ناجائز تہی صرف امیر علی صاحب جسٹس نے اختلاف کیا۔" "ہم حکام عالی مقام کی راے مین اس ذی علم مقنن کی راے ایسے اقوال پر مبنی ہے جو اصول ذہنی تہے اور ایسی اسناد پر جو ناکافی طور پر بیان کئے گئے ہین" بعدہٗ حکام عالی مقام نے عثمان بن ارقم مخزومی کے دار الاسلام کے وقف کی نسبت جسکا حوالہ مسٹر امیر علی نے اپنی تجویز مین بصفحہ ۱۴۰ کلکتہ جلد ۲۰ دیا ہے یہ کہکر کہ وقف کے مفصل حالات نہین معلوم ہو سکتے اسلیے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ مقدمہ حال کے متعلق بھی ہے یا نہین تحریر فرماتے ہین۔

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۱۲ [۵۲] کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶۔

(۲) اون احکام اخلاقی کی نسبت جو شرع محمدی کے اصل اصول بیان کیئے گئے ہین حکام عالی مقام یہ امر فراموش نہین کرتے کہ اہل اسلام کے مختلف فرقون مین شرع اور مذہب باہم بہت زیادہ مخلوط ہین - لیکن حکام ممدوح نے اثناء بحث مین دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے اگر کوئی شخص آنے والی نسلون کے حق مین جو ہنوز پیدا نہین ہوئی ہین ہبہ محض کرے یعنی ناقابل انتقال حقوق حین حیاتی ہبہ کے ذریعہ سے دے تو ایسا ہبہ بموجب عام قانون اسلام کے (اقل درجہ جیسا کہ ہند مین معلوم ہے) ممنوع ہے اور کیا یہ متصور کرنا چاہیئے کہ وہی انتقالات جو ہبہ کے معمولی الفاظ مین کیئے جائین تو ناجائز ہین لیکن اوس صورت مین جائز ہو جاتے ہین اگر یہ کہا جاوے کہ خدا کی راہ مین یا مساکین پر وقف ہے -

ان سوالات کا کوئی جواب نہین دیا گیا و نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی اور نہ حکام عالی مقام کو اسکا کوئی جواب معلوم ہوتا ہے - یہ سچ ہے کہ واقف کا قطعی حق ملکیت کم ہو کر صرف حق حین حیاتی رہجاتا ہے - یعنی وقف نامہ کی روسے وہ صرف متولی یا مہتمم تصور کیا جاتا ہے - لیکن وہ تمام عمر متولی رہتا ہے اور اوسکو اختیار ہے کہ محاصل وقف جس طرح چاہے صرف کرے اور اوس سے کوئی شخص حساب طلب نہین کرسکتا حق ملکیت مین اس قدر تبدیلی کرنی خاندان مین مداومت قایم کرنے کی نیت کے بالکل موافق ہے اور بلاشک ایسے ارادہ کی فوراً تکمیل کے لیئے ضروری ہے " بیکافی میان (کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶) کے مقدمہ مین جسکی بحث و تجاویز مین بہت محنت صرف ہوئی ہے چند اشتباہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آیا اس قسم کے مقدمات کا فیصلہ بموجب شرع محمدی کے ہونا چاہیئے یا نہین - اور کنایتاً یہ بھی کہا گیا ہے کہ احسان اللہ چودہری (کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۸) کے فیصلہ نے شرع محمدی کو خارج کرکے بجاے اوسکے

انگلستان کا قانون قائم کیا ہے۔ اسمین کچہہ شبہہ نہین ہے کہ مخصوص اسلامی انتقالات شرع محمدی کے تابع ہین۔ حکام عالی مقام نے اپنی کل لیاقت اوس شرع محمدی کے تحقیق و متعلق کرنے کی کوشش مین صرف کی جس سے ہندوستان کے لوگ واقف ہین اور جسپر وہان عمل ہوتا ہے۔ لیکن حکام ممدوح کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ شرع مذکور قطعی طور پر پیغمبر کے احکام اخلاق کے موافق ہے اور اگر ایسا ہے تو حکام ممدوح کے نزدیک اون احکام کے متعلق کرنے مین مبالغہ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ احکام اخلاقی اپنے مناسب موقع پر بہت عمدہ ہون۔ جہان تک حکام ممدوح کو معلوم ہے یہ ممکن ہے اور نیز ذی علم جج بھی لکھتے ہین کہ وقف کے قاعدہ و دستور پر اون احکام کا بہت کچہہ اثر ہوا ہے لیکن اوس بڑے واضع قانون[۵۱] کے حق مین یہ خیال کرنا ناانصافی ہوگی کہ اون اقوال مین اونہون نے ایسے وقف کی ستایش کی ہے جن مین واقف نے اپنا حق کلیتاً قایم رکہا ہے۔ جن مین واقف ایک ہاتھ سے اوس چیز کو واپس لیتا ہے جسکو بظاہر وہ دوسرے ہاتھ سے دیتا ہے۔ جو وقف کہ محاصل کے جمع کرنے اور خاندانی جائداد کے ترقی دینے کا مرکز بنایا جائے جسمین وہ اشخاص جو متولی کے نام سے موصوف ہون حساب دینے سے بالکل بری کئے گئے ہین۔ جس وقف کا یہ منشا ہے کہ قرض خواہون کے مطالبہ کا کچہہ خیال نہ کرکے واقف اور اوسکے اہل خاندان اوسکو اپنے تصرف مین لائین اور جسمین دوسرون کو خالی الفاظ کے سوا عملی طور پر فائدہ پہونچانا مقصود نہ ہو۔ بعدہٗ حکام ممدوح فرماتے ہین دو نظائر محولہ پر غور کرنے کے بعد حکام ممدوح کی رائے مین اسناد کا پلہ اپیلانٹ کے خلاف بہت جہکا ہوا ہے۔ بعض نظائر مین اس حد تک تجویز ہوئی ہے کہ صحت وقف کے لیے یہ ضرور ہے

---

[۵۱] یعنی رسول عربی (محمد صلعم)

کہ جائداد تنہا مذہبی اغراض کے لیے وقف کیجاسے لیکن اس امر مین بورڈ ہذا نے احسان اللہ چودہری (کلکتہ جلد ۷ صفحہ ۴۹۸) کے مقدمہ مین مسٹر جسٹس کیمپ کی اس رائے کو اختیار کیا ہے کہ واقف کا جائداد موقوفہ سے اپنے اہل خاندان کی پرورش کا انتظام کرنا اغراض وقف کا منافی نہین ہے لیکن حکام ممدوح نے یہ فرمایا کہ اپیلانٹ کی حجت کی تائید مسٹر امیر علی کی تجویز بمقدمہ بیکا فی میان[۵۱] وویسٹ صاحب کی تجویز بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل[۵۲] وفیران صاحب کی تجویز بمقدمہ امرت لال کالیداس بنام شیخ حسین[۵۳] سے ہوتی ہی تحریر فرماتے ہین۔ دو حکام ممدوح ان نتائج کو نہین قبول کر سکتے۔ نتائج مذکور مین الفاظ کو اصلی غرض پر وعرض کو جوہر پر ترجیح دی گئی ہے۔ حکام ممدوح کی راے مین کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ صحیح فیصلہ کیا ہے کہ اس مقدمہ مین فقراء کے حق مین فی الحقیقت وقف نہین ہے وقف دو طرح سے نمایشی ہوسکتا ہے یعنی بسبب قلیل التعداد ہونے کے یا بسبب غیر معین وبعید ہونے کے۔ اگر کوئی شخص ایک کرور روپیہ وقف کرے اور اوسمین سے صرف دس روپیہ محتاجون کو دینے کی شرط ہو تو وقف کے نمایشی ہونے مین کچھہ کلام نہین ہوسکتا ایسا وقف بھی جسمین فقرا کو اوس وقت تک ایک روپیہ پانے کا حق نہ ہو جب تک واقف کے خاندان کا ایک متنفس بھی زندہ رہے بدرجہ مساوی نمایشی ہے۔ ممکن ہے کہ صدہا سال تک مستحق نہ ہون ممکن ہے کہ اوس وقت تک مستحق نہ ہون جب تک کہ جائداد وقف مقدمہ بازی و بداعمالی یا آفت ارضی یا سماوی کے نقصانات سے کلیتاً تلف نہ ہوجاوے اور یقیناً اوس وقت تک مستحق نہین ہین جب تک کہ اون اشخاص مین سے ایک شخص بھی روے زمین پر زندہ رہے

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶ [۵۲] بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ [۵۳] بمبئی جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۲ -

جنکی بہ عزت و آبرو پرورش کا خیال فی الواقع واقف کو تہا۔ حکام عالی مقام کو اتفاق ہے۔ کہ اوس وقف نامہ پر پارسائی کا رنگ جمانے کے لیے اسمین مساکین کا ذکر کیا گیا ہے اور نیز اس وجہ سے تا کہ یہ انتظامات جنکا مقصود صرف خاندان کی عظمت تھی جائز ہو جائین۔

## فصل ششم۔ پڑوسیونکو وقف کرنیکے بیان مین

فتاوی عالمگیری مین لکہا ہے۔ اگر اسنے پڑوسیون پر وقف کیا تو قیاس یہ ہے کہ انہین لوگون پر صرف ہو جو اوسکے ملاصق ہون اور استحسانًا تمام اون لوگون کو ملیگا جو محلہ کی مسجد مین جمع ہوتے ہین اور یہی مختار ہے۔ امام اعظم کے ظاہر مذہب مین ہے کہ شرط فقط سکونت ہے چاہے رہنے والا اپنی ملک کے مکان مین رہتا ہے یا مالک مکان نہ ہو اور یہی صحیح ہے۔ اگر رہنے والا مالک کے سوا کوئی اور ہو یعنی خود مالک نہ رہتا ہو تو مکان مین رہنے والے کا استحقاق وقف مین ہے۔ اور اس وقف مین پڑوسی داخل ہوگا خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو یا مونث ہو آزاد ہو یا مکاتب ہو یا صغیر ہو یا کبیر ہو۔ اور مالِ وقف ان سب پر مساوی تقسیم ہوگا وقف کنندہ کی اولاد اور اوسکا باپ دادا اور زوجہ اس وقف مین داخل ہونگے لیکن اوسکے بہائی و چچا و مامون داخل نہ ہونگے۔ واضح ہو کہ تقسیم غلہ کے وقت جو شخص پڑوسی ہو وہی پڑوسی اعتبار کیا جائیگا پس اگر محلہ کے چند اشخاص محلہ چہوڑ کر دوسری جگہ مستقل طور پر چلے گئے اور بجائے اونکے دوسرے اشخاص آباد ہوگئے۔ حالانکہ جب وہ آباد ہوئے تو غلہ طیار ہو چکا تھا مگر ہنوز کاٹا نہین گیا

تہا تو یہ لوگ اوس غلہ کے مستحق ہونگے - فتاوی قاضی خان -
اگر وقف کرنے کے وقت واقف اپنے مکان مین کسی خاص محلہ مین رہتا تھا
لیکن بعد کو اوس محلہ کو چھوڑ کر دوسرے مکان مین کرایہ رہنے لگا اور وہین مرا تو وقف کا
غلہ اوس مکان کے پڑوسیون کو ملیگا جسمین وہ بعد کو اوٹھکر چلا گیا اور وہین مرا - محیط
اگر پڑوسیون پر وقف کرنے کے بعد وقف کرنے والا مکہ معظمہ کو چلا گیا اور وہین مرا تو دیکھا
جاے گا کہ اگر اوس نے مکہ معظمہ مین مستقل سکونت اختیار کر لی تہی تو وقف کی آمدنی
مکہ مین اوسکے پڑوسیون کے واسطے ہوگی واگر وہ حج یا عمرہ ادا کرنے کے واسطے نکلا تہا
تو غلہ اوسکے شہر والون کے پڑوسیون کے لیے ہوگا - ظہیریہ -
اگر وقف کرنے والے کے دو مکان ہین جنمین سے ایک مین وہ خود رہتا ہے اور
دوسرا کرایہ پر چلتا ہے تو وقف کی آمدنی اوس مکان کے پڑوسیون پر صرف ہوگی
جسمین وہ رہتا ہے - واگر دونون مکانون مین سے ہر ایک مین اوسکی ایک ایک
زوجہ رہتی ہے تو وقف کی آمدنی اون دونون مکانون کے پڑوسیون کو ملیگی - چاہے
وقف کرنے والا ان دونون مکانون مین سے کسی مین مرا ہو اور خواہ ان دونون مکانون
مین سے ایک کوفہ مین ہو و دوسرا بصرہ مین -
ایک عورت کسی مکان مین رہا کرتی تھی اور اوس نے پڑوسیون پر کچہہ وقف کیا پہر اوس نے
کسی مرد سے نکاح کر لیا اور شوہر کے مکان مین چلی گئی اور وہین اوسکا انتقال ہوا تو
وقف کے مستحق شوہر کے پڑوسی ہونگے اور اسیطرح اگر مرد نے کسی عورت سے
نکاح کیا حالانکہ اپنے پڑوسیون پر وقف کر چکا ہے پھر اوس نے اپنی زوجہ کے یہان
سکونت اختیار کی تو اوسکا پڑوس منتقل ہوگیا - ظہیریہ - اور بعض مشائخ نے فرمایا
کہ اگر اوسکا اسباب پہلے گہر مین ہے تو اوسی گہر کے پڑوسی غلہ کے مستحق ہونگے - محیط -

اگر پڑوسی فقیرون پر وقف کیا تو بیوہ عورتین اس استحقاق مین داخل ہونگی اگر پڑوسی ہین
اور شوہر والیان نہ داخل ہونگی۔

## فصل ہفتم۔ وقف کیونکر کیا جاتا ہے

سید امیر علی لکھتے ہین وقف کرنے کے لیے شرعاً کوئی مخصوص الفاظ استعمال کرنے کی
ضرورت نہین ہے۔ شرع صرف واقف کی نیت کا لحاظ کرتی ہے۔ اگر وقف کرنے کی
نیت ہے تو خواہ کسی زبان مین یا کسی پیرایہ مین اوسکا اظہار ہوا ہو وہ وقف شرعاً
صحیح ہے۔ وقف زبانی و تحریری دونون طرح کیا جا سکتا ہے[۵۱] جب وقف لفظ وقف یا
اسکے ہم معنی کسی دوسرے لفظ سے کیا گیا ہے تو شرعاً صحیح وقف کے لیے جو باتین
ہونی چاہئین مثل استمرار وغیرہ وہ سب اسکے ساتھ قیاس کئے جائینگے۔ نیت دریافت
کرنے کی ضرورت صرف اوس حالت مین ہوتی ہے جب وقف کرنے کے وقت
صاف و صریح الفاظ نہ استعمال کیے گئے ہون۔ لیکن جب وقف کرنے کی نیت ظاہر
ہے یا مضمون دستاویز یا واقف کے طریق عمل یا اوس مصرف پر خیال کرنے سے
جسکے حق مین عطیہ کیا جاتا ہے یا گرد و پیش کے حالات سے نیت و ارادہ دریافت
ہو سکے تو اس سے صحیح وقف قائم ہو جاتا ہے۔ گو لفظ وقف استعمال نہ کیا گیا ہو۔
بمقدمہ پیرن بنام عبد الکریم[۵۲] جن الفاظ سے وقف تجویز ہوا تھا یہ تھے "دسوائی موضع
کٹ درا کہ مختص برائے خرچ خانقاہ منہا کردہ متعلق سجادہ نشین گردانیدیم" اس مقدمہ

۵۱ شیونراین سنگھ بنام علی بخش شاہ ہائیڈ صاحب جلد ۲ صفحہ ۴۱۵ ۵۲ کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۲۔

پریوی کونسل کی ایک نظیر کی تقلید ہوئی ہے یعنی جیون داس بنام شاہ کبیر الدین[۵۱] کی آخر الذکر مقدمہ مین حبس فرمان کے ذریعہ سے وقف پیدا ہوا تھا اوسمین لفظ وقف مذکور نہ تھا بلکہ عطیہ "انعام التمغہ مدد معاش" کے لیے دیا گیا تھا۔ مدعاعلیہ کی جانب سے یہ حجت ہوئی کہ الفاظ مذکورسے نا قابل انتقال وقف نہین قایم ہوا۔ حکام عالی مقام پریوی کونسل نے حسب ذیل تجویز کی "صدر دیوانی عدالت نے بمقدمہ مسماۃ قادرہ بنام شاہ کبیر الدین[۵۲] مولویون کی رائے کے مطابق یہ تجویز کی کہ گو فرمان شاہی مین الفاظ انعام و التمغہ مستعمل ہوئے ہین اور اون اشخاص کے نام مندرج ہین جنکے عرضی پر عطیہ دیا گیا تاہم اوس عرضی کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عطیہ کار خیر کے قیام کے لیے دیا گیا تھا اور اشخاص مذکور اوسکے مالک نہین قرار دیے گیے۔ نیز یہ کہ درحقیقت خانقاہ موہوب لہ تھا اور اشخاص مذکور صرف اوسکے متولیان تھے اور یہ کہ متولی کو انتقال کرنیکا حق نہین تھا اس لیے شاہ کبیر الدین نے جو اسکا ہبہ کیا یا کسی دوسرے طور پر منتقل کیا وہ سب انتقال ناجائز تھا"

بعدہٗ حکام ممدوح نے تحریر فرمایا "یہ فیصلہ ہدایہ کتاب الوقف (۲۵) کے موافق ہے۔ دیکھو ترجمہ ہملٹن صاحب جلد ۲ صفحہ ۳۳۴۔ اسمین لکھا ہے کہ وقف کے اصلی معنے حبس کے ہین یعنی روک لینا و شرع مین حبس کے معنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہین کہ مال عین کو وقف کرنے والا اپنی ملک پر روکے[۵۳] اور اوسکی منفعت کو صدقہ دے جیسے عاریت ہوتی ہے۔ اور صاحبین کے یعنی امام موصوف کے دو شاگردون کے نزدیک وقف کے معنی مال عین کو اللہ تعالے کی ملک پر اسطرح پر روکنا ہے کہ مال مذکور وقف کرنیوالے کی

---

[۵۱] اپیل ہائے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۲ صفحہ ۳۹۸ [۵۲] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ [۵۳] یعنی واقف کا حق ملک اوسمین قایم رہے۔

ملکیت سے خارج ہوکر اللہ تعالیٰ کی ملک مین اس طور سے داخل ہو جاوے کہ اوسکی
منفعت بندون کی طرف عود کرتی رہے - پس وقف لازم ہوگا اور فروخت نہین ہوسکتا
و نہ ہبہ و میراث ہو سکتا ہے" بعدہ صفحہ ۴۴۳ مین حکام ممدوح نے یہ تجویز کی وہ بموجب
شرع محمدی کے مذہبی و خیراتی وقف کرنے کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ وقف
کا لفظ دستاویز مین مستعمل ہو اگر دستاویز کی کل عبارت سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہو کہ اس
سے وقف کرنا مقصود تھا تو یہ کافی ہے"

فتاوی عالمگیری مین ہے - اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ یا صدقہ محبوسہ
ہے اور یہ نہ کہا کہ ہمیشہ کے واسطے تو تمام علما کے نزدیک جو وقف جائز رکھتے ہین
وقف ہو جائیگا اسواسطے کہ صدقہ ہمیشہ کے لیے ہوا کرتا ہے و بعض کے نزدیک جائز
نہ ہوگا کہ اسمین ہمیشگی کا ذکر نہین آیا - لیکن اگر یہ کہا کہ میری یہ اراضی مساکین کے لیے
صدقہ موقوفہ ہے تو بالاجماع وقف ہو جائیگا اسواسطے کہ مساکین کا ذکر بھی تابید کا ذکر
ہے - اگر صدقہ کا لفظ نہ کہا لیکن وقف کا لفظ ذکر کیا اور کہا میری زمین وقف ہے
یا مین نے اپنی یہ زمین وقف کر دی یا میری یہ زمین موقوفہ ہے تو امام ابو یوسف کے
نزدیک فقیرون پر وقف ہو جائیگی - و اگر لفظ فقیرون کا کہا گیا مثلاً یہ کہا کہ میری یہ زمین
فقیرون کے لیے وقف ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک و نیز دیگر علما کے نزدیک
وقف صحیح ہے اسواسطے کہ فقیرون کے کہنے سے احتمال جاتا رہا - اگر کہا میری یہ زمین
برائے سبیل ہے پس اگر ایسے شہر مین ہو جہان کے لوگون مین یہ لفظ وقف کے
واسطے متعارف ہے تو زمین مذکور وقف ہو جائیگی و اگر وہان کے لوگون مین یہ لفظ
متعارف بمعنی وقف نہ ہو تو اوس سے اوسکی مراد دریافت کیجائیگی پس اگر اوس نے
وقف کا ارادہ کیا ہو تو وقف ہو جائیگی و اگر اوس نے صدقہ کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی

تو نذر ہو گی پس یہ زمین یا اوسکا ثمن صدقہ کر دیا جائیگا۔ اگر کسی نے کہا کہ میرا یہ مکان بعد میری موت کے فلان مسجد کی سبیل ہے تو وقف صحیح ہے بشرطیکہ تہائی ترکہ سے برآمد ہو اور اوس نے مسجد کو معین کر دیا ہو ورنہ نہین۔ اگر کسی نے کہا کہ میرے اس مکان کی آمدنی سے ہر مہینہ مین دس درم کی روٹیان خرید کر مساکین کو بانٹا دیا کرو تو مکان مذکور وقف ہو جائیگا۔ اگر کسی نے کہا کہ مین نے اپنی اس چہار دیواری والے باغ کے انگور کے پہلون کو وقف کر دیا خواہ اوس وقت اوسمین پہل تہے یا نہ تہے تو باغ مذکور وقف ہو جائیگا اسیطرح اگر اوس نے کہا کہ مین نے اوسکے حاصلات وقف قرار دئے تو وقف ہو جاے گا۔ یہ فتح القدیر مین ہے۔

بمقدمہ محمد حمید اسد خان بنام لطف الحق[۵۱] یہ تجویز ہوئی کہ اگر وقف اپنی ذات یا اولاد پر مقصود ہے تو ضرور ہے کہ لفظ صدقہ کا استعمال کیا جاے ورنہ وقف صحیح نہ ہوگا۔ مگر اس راے کی تائید مین کوئی سند نہین پائی جاتی۔

سید امیر علی صفحہ ۱۶۲۔ علامہ طحطاوی اپنی شرح در المختار مین لکھتے ہین "ابو یوسف کے نزدیک صرف لفظ وقف یا موقوفہ کا استعمال کرنا کافی ہے اور صدر الشہید نے لکھا ہے کہ بسبب عرف کے ہم لوگ اسی پر فتوی دیتے ہین۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ مشایخ بلخ ابو یوسف کے قول کے مطابق فتوی دیتے ہین۔ وقف کا اگر کوئی مصرف نہین بیان کیا گیا اور نہ یہ کہا گیا کہ یہ دوامی ہے تو اوس صورت مین بہی وقف جائز ہے" امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک منجملہ شرایط وقف کے یہ بہی ہے کہ وقف اخیر مین ایسی جہت کے لیے ہو جو کبھی منقطع نہ ہو اگر واقف نے اسکا ذکر نہ کیا تو امامان موصوف کے نزدیک وقف صحیح نہ ہوگا۔ لیکن امام ابو یوسف کہتے ہین کہ اسکا ذکر کرنا ضرور نہین ہے بلکہ اگر

[۵۱] کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۹۴۔

ایسی جہت بیان ہوئی ہے جو منقطع ہو جاتی ہے تو بہی وقف صحیح ہے اور بعد منقطع ہونے اوس جہت کے وقف فقیرون کے لیے ہو جائیگا گو اون فقیرون کو بیان نہ کیا ہو۔ پس اس شرط کا بیان ہونا ازروے دلالت ثابت ہے فتاوی عالمگیری مین ہے کہ "وقف مین یہ بہی شرط ہے کہ تابید یعنی استمرار ہو اور یہ شرط بالاجماع سب کے نزدیک ہے۔ لیکن اسکا بیان کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک شرط نہین اور یہی صحیح ہے

**وقف کا دایمی ہونا شرط ہے** اگر کسی نے اپنا مکان ایک روز یا ایک مہینہ یا کسی وقت معلوم کے لیے وقف کیا اور کچہہ نہ کہا تو وقف جائز ہے اور ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ لیکن اگر اوس نے یہ کہا کہ میری یہ زمین ایک مہینہ کے لیے وقف ہے پہر بعد اوسکے وقف باطل ہوگا تو وقف ابتدا ہی سے باطل ہوگا یہ فتاوی قاضی خان مین ہے"

**وقف مثل اعتاق کے ہی** امام ابو یوسف کا قول ہے کہ واقف اگر کہے کہ مین نے فلان جائداد وقف کردی تو معاً اوسکے کہنے کے وقف ہو جائیگا کیونکہ وقف مثل اعتاق کے ہے یعنی مثل غلام آزاد کرنے کے[۱۵]۔

[۱۵] اسکے معنی یہ ہین کہ جب کسی شخص نے اپنا غلام آزاد کیا تو پہر وہ اوس قول سے رجوع نہین کر سکتا اور نہ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اوسکی نیت آزاد کرنیکی نہ تہی۔ جب ایک شخص نے کہا کہ "مین نے یہ غلام آزاد کیا" تو معاً اوسکے کہنے کے وہ غلام شرعاً آزاد ہو جائیگا اور پہر وہ شخص خود یا اوسکے ورثا ریا اوسکے قرض خواہ غلام مذکور کی آزادی کی نسبت کوئی عذر نہین کر سکتے۔ نیت و ارادہ سے کوئی سوال نہین پیدا ہوتا کیونکہ بمجرد قول کے قانوناً غلام آزاد ہو جائیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک وقف کی حالت بالکل بعینہ اعتاق کی ہے۔ اور بمجرد اسکے کہ کسی شخص نے اپنی جائداد وقف کرنیکو کہا کہ وقف ہو گیا۔ اور پہر وہ جائداد واقف کی ملک سے خارج ہو گئی اور وہ یہ نہین کہہ سکتا کہ اوس نے صحیح طور پر وقف کرنیکی نیت نہ کی تہی۔ اسیطرح اوسکے ورثا ریا قرض خواہ یہ نہین کہہ سکتے کہ وقف فرضی تہا یعنی وقف کرنے کیوقت واقف فی الحقیقت وقف کرتا نہین چاہتا تہا۔ مگر عدالتون کا میلان امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے قول کی طرف زیادہ ہے یعنی یہ کہ وقف ایسی جہت کے لیے ہو جو کبہی منقطع نہ ہو۔ (کار خیر و ثواب کے لیے) اور واقف کو بصراحت اوسے ذکر کرنا چاہیے۔ محمد غلام بنام عبد الغفور بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۴ و نیز دیگر فیصلجات جو اس کتاب مین درج ہین۔

وقف کا متولی کو سپرد کرنا ضرور ہے یا نہیں

سید امیر علی لکھتے ہین کہ لزوم وقف کے واسطے یہ ضرور نہین ہی کہ واقف جائداد کو فی الواقع کسی متولی کے سپرد کرے۔ جیسے ہبہ مین حوالگی قبضہ ضروری ہے ویسے وقف مین نہین۔ مجرد واقف کے قول سے جائداد وقف ہوجاتی ہے اور اوسکے بعد سے واقف اوس جائداد کا صرف امین رہتا ہے۔ وہ خود اپنا امین ہوسکتا ہے یعنی وہ اپنی حیات مین جائداد موقوفہ کی آمدنی اپنے فائدہ کیلئے مخصوص کرسکتا ہی گو شرعاً واقف کو ایسا کرنیکا اختیار ہی یعنی یہ کہ اپنے فائدہ کیلئے کل یا بعض آمدنی جائداد موقوفہ کو اپنے لیے مخصوص کرے تاہم وہ جائداد اوسکی ہاتھ مین مثل امانت کے ہی۔ نہ تو وہ اسے بیع کرسکتا ہی نہ رہن کرسکتا ہے وہ نہ اسپر کوئی مواخذہ عائد کرسکتا ہی و نہ اسے کسیطرح پرکم قیمت کرسکتا ہے واگر وہ ان باتون مین سے کوئی بات کرے تو اون اشخاص کو جنکو جائداد وقف مین بعد واقف کے کوئی حق ہے یہ حق بھی حاصل ہے کہ اوسکے ہاتھ سے جائداد لیکر کسی متولی کے سپرد کرین یا خود جائداد وقف کا محاصل وصول کرین و بعد منہائے اخراجات ضروری کی جو بچ رہے واقف کے حوالہ کرین۔ گو عین وقفی کو واقف کی ملک سے خارج کرنے کے لیے امام محمد کے نزدیک یہ ضرور ہے کہ جائداد وقف کسی متولی کے سپرد کیجائے اور واقف کی دوسری جائداد سے تقسیم ہوکر علیحدہ ہوگئی ہو (یعنی وقف مشاع نہو) لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف قول سے ملک زایل ہوجائیگی کیونکہ یہ بمنزلہ اعتاق کے ہے یعنی بمنزلہ غلام آزاد کرنے کے۔ خلاصہ مین ہے کہ مشایخ بلخ ابو یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہین۔ وصدر الشہید نے کہا ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور فتح القدیر مین ہے کہ امام ابو یوسف کی رائے صحیح مانی گئی ہے اور مشایخ بلخ اسی پر فتوی دیتے ہین۔ لیکن مشایخ بخارا امام محمد کے قول پر فتوی دیتے ہین۔ اور شرح وقایہ و شرح ملا خسرو یعنی دار الاحکام مین ہے کہ فتوی ابو یوسف کے قول پر ہے۔

اس سوال پر کہ وقف کے جواز کے لیے متولی کو جائداد موقوفہ سپرد کرنا ضرور ہے یا نہین۔

**ڈیوڈوم جان بی بی بنام عبداللہ باربر۔** بمقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ باربر جسکو سپریم کورٹ نے فیصل کیا تھا۔ ریان صاحب چیف جسٹس نے بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہ تجویز بہت اہم ہے اسلیئے ہم اوسکو پوری نقل کیے دیتے ہین

"اس مقدمہ کے واقعات کو جو سماعت کے وقت ثابت ہوئی ہین بیان کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ فریقین مین امر متنازعہ اب صرف یہ ہے کہ دستاویز مورخہ یکم مارچ ۱۸۳۲ء کی صحیح تعبیر کیا ہے منجانب ٹھیکہ دہندہ مدعی کے یہ حجت کیجاتی ہے کہ دستاویز مذکور صرف ایک دستاویز ہبہ ہے جو مرض الموت مین لکھی گئی ہے اور اسلیئے اس دستاویز کے ذریعہ سے صرف ایک ثلث جائداد منتقل ہو سکتی ہے اور بقیہ دو ثلث جائداد متنازعہ مدعی کے قایم مقامون کو ملنی چاہیئے۔ اور یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ وقف قایم کرنے کے لیے اس دستاویز مین چند باتون کی کمی ہے جنکا ہونا بموجب شرع محمدی کے ضرور ہے۔

اولاً یہ کہا جاتا ہے کہ مذہبی اغراض کے لیے وقف کرنے والا شرع محمدی کے مطابق کوئی حصہ جائداد موقوفہ کا اپنے فائدہ کے لیے اپنی حیات تک مخصوص نہین کر سکتا جیساکہ اس دستاویز کا منشا ہے۔ ثانیاً جواز وقف کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ جائداد متولی کے سپرد کی گئی ہو لیکن اس مقدمہ مین اس قسم کی کوئی حوالگی عمل مین نہین آئی بلکہ وقف کنندہ نے خود اپنے آپ کو اپنی حیات مین اسکا متولی قرار دیا ہے۔

ثالثاً یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک عورت جو اس مقدمہ مین واقف اور اپنی حیات تک متولی ہے شرع محمدی کے بموجب متولی نہین ہو سکتی ہے۔

## مدعا علیہ کی جانب سے یہ بحث کیجاتی ہے

اولاً یہ دستاویز وقف نامہ ہے نہ وصیت نامہ۔

ثانیاً اس دستاویز کی رو سے کل جائداد واقف کی ملک سے زائل ہوگئی اور بموجب شرع محمدی
کے یہ جائز وقف ہے یعنی خدا کی بابت مین یہ جائداد دی گئی ہے اور اسی لیے تجویز
عدالت ماتحت بحال رہنی چاہیئے۔
اول سوال کی نسبت یعنی دستاویز وقف نامہ ہے یا وصیت نامہ۔ عدالت کو کچھ بھی شبہہ
نہین ہے مولویون نے دستاویز کی نوعیت کی نسبت جو راے دی ہے وہ بہت
صحیح ہے وے کہتے ہین کہ یہ کاغذ دستاویز وقف ہے۔ کیونکہ خود واقفہ کہتی ہے
کہ اوس نے وہ کچھ زمین اپنی زندگی مین وقف کی ہے " اور پھر آخر مین لکھتی ہے وہ کچھ
چند کلمے بطور دستاویز وقف کے لکھے گئے ہین تاکہ جب کبھی ضرورت پیش آئے تو سند
رہے۔ مولوی کہتے ہین کہ اگر مسماۃ نے یہ کہا ہوتا کہ یہ وقف میری زندگی کے بعد وقوع مین
آئے گا تو یہ وصیت ہو جاتی یا اگر یہ وقف ایسی بیماری کی حالت مین کیا گیا ہوتا جس بیماری
سے وہ بالآخر مر گئی۔
یہ امر بھی ویسے ہی صاف اور بلا حجت ہے کہ عورت متولی ہو سکتی ہے۔ اس امر کے
ثبوت کے لیے اسناد کے حوالہ دینے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ مسٹر میکناٹن کی
کتاب صفحہ ۳۴۳ کے نوٹ مین گدی نشین و متولی کا فرق بیان کیا گیا ہے اوسی
مقام پر صاحب موصوف لکھتے ہین کہ عورت متولی ہو سکتی ہے اور اوس عہدہ کی خدمات
نائب کی معرفت انجام دلا سکتی ہے۔ مسماۃ حیاتی خانم بنام مسماۃ کلثوم خانم[۵۱] کے مقدمہ
مین یہ تجویز ہوئی ہے کہ تمام اسناد سے یہ ثابت ہے کہ عورت متولی ہو سکتی ہے دیکھو
فتاوی عالمگیری۔
دو بقیہ دو سوال جسکی بابت بحث ہوئی ہے یعنی یہ کہ واقف و متولی ایک ہی شخص ہے

[۵۱] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۸۵

اور ثانیاً یہ کہ واقف نے جائداد موقوفہ کا ایک حصہ اپنی حیات مین اپنے فائدہ کے
لیے مخصوص رکھا ہے زیادہ مشکل اور مشتبہ ہین - ہدایہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے
کہ ان دونون مسئلون مین بڑے بڑے آئمہ کے درمیان اختلاف ہے - جس کتاب کا
مین حوالہ دیتا ہون وہ میری راے مین اوس وقعت سے بہت زیادہ کی مستحق ہے جو
مسٹر اڈوکیٹ جنرل اوسکو دینا چاہتے ہین - مسٹر ہملٹن نے اس کتاب کی تمہید مین
جو سترہوین صدی کی اخیر مین تالیف ہوئی ہے بیان کر دیا ہے کہ شرع محمدی مین اس
کتاب کا کیا پایہ ہے اس کتاب مین ابو حنیفہ یا اونکے بڑے شاگردون کی راے کو
وقعت دی گئی ہے - اون شاگردون مین سے سب سے زیادہ ممتاز دو شاگرد ہین یعنی
ابو یوسف و محمد - اور ہدایہ مین اونہین کے اختلاف آرا کی نسبت مین نے حوالہ دیا ہے
جسکے باعث یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ دستاویز بموجب شرع محمدی کے صحیح
وقف نامہ ہے یا نہین -

دو ایسا وقف جسمین واقف نے اپنی حیات مین اپنے لیے کچھ مخصوص کیا ہو محمد کے
نزدیک ناجائز ہے اور اونکے نزدیک جائداد موقوفہ کو متولی کے سپرد و حوالہ کرنا بھی لازمی ہے
ابو یوسف ان دونون امور مین محمد سے اختلاف کرتے ہین - اپنے مولویون کے ذریعہ سے
جو واقفیت ہمکو حاصل کرنی ممکن تھی اوسکے حاصل کرنے اور جملہ اسناد کو ملاحظہ کرنے کے
بعد ہماری یہ راے ہے کہ ان دونون باتون مین ابو یوسف کی راے کو قانون مروجہ
خیال کرنا چاہیئے جسکی تائید حال کی اسناد سے ہوتی ہے - مترجم ہدایہ کا (جسکی ایک
حد تک سند مانی جاسکتی ہے ) رجحان ابو یوسف کی راے کی طرف پایا جاتا ہے جیسا کہ
اوسکے نوٹ سے جو صفحہ ۱۵۳ پر ہے ظاہر ہوتا ہے - اور اس امر کے متعلق کہ متولی
کے حوالگی جواز ہبہ (یعنی وقف) کے لیے لازمی شرط ہے یا نہین (دو ہدایہ مین ابو یوسف کا قول مرجح قرار دیا گیا ہے)

متن ترجمہ میں یہ لکھا ہے کہ ابو یوسف کی رائے بالعموم صحیح تسلیم کی گئی ہے - لیکن ہم نے اپنے مولویون کو یہ ہدایت کی ہی ان دونوں امور پر اپنی رائے بحوالہ اسناد کے تحریر کرین - اور اسناد کی نسبت خواہ چھپی ہون یا قلمی - ہمنے مترجمون کو حکم دیا ہے کہ انگریزی زبان مین ترجمہ کرین - گو مولویون نے اپنے جواب کو حنیفہ کے دو ذی علم شاگردون کے اختلاف رائے سے شروع کیا ہے مگر جن اسناد کا اونہون نے حوالہ دیا ہے اون سے ہمکو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین عُلما کے نزدیک اس معاملہ مین ابو یوسف کی رائے زیادہ صحیح قانون ہے -

"چند اسناد مطبوعہ ہین اور منجملہ اونکے خاصکر ایک جو ابو یوسف کے قول کی تائید مین ہے اوسکی نسبت مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہین ہے کہ شرع محمدی مین بہت مستند کتاب ہے وہ کتاب فتاوی عالمگیری ہے - جو کہ شرع محمدی مین فتاوی درایون کا مجموعہ ہے جسکو خاندان مغلیہ کے سلطان اورنگ زیب کے حکم سے شیخ نویان و دیگر عالمون نے جمع کیا تھا - مین خیال کرتا ہون کہ سترہوین صدی کے اخیر مین یہ تالیف ہوئی تھی اور بلا شبہہ اس زمانہ کے مروجہ شرع محمدی مین بہت مستند کتاب ہے"

"عدالت کے مولویون سے سوالات ذیل کی نسبت استصواب رائے کی گئی تھی

اول - آیا بموجب شرع محمدی کے وقف خیراتی اغراض کے لیے جائز ہے یا نہین جبکہ واقف نے اپنی حیات مین اپنے واسطے کچھ لگان و منافع مخصوص کیا ہو -

دوم - آیا وقف کے جواز کے لیے یہ لازمی شرط ہے - کہ جائداد موقوفہ مثل ہبہ کے دوسرے کے حوالہ کیجائے -

سوم - آیا واقف اپنے کو شرعاً متولی قرار دیسکتا ہے یا نہین -

چہارم - آیا عورت کا متولی ہونا جائز ہے یا نہین -

پنجم - آیا دستاویز متنازعہ وقف نامہ ہے یا وصیت نامہ۔

سوالات مذکورہ بالا کی نسبت مولویان نے حسب ذیل جواب دیے اور وہ باضابطہ شامل مثل کیے گئے۔

اول - ایسے وقف کی نسبت جسمین واقف نے جائداد موقوفہ کے محاصل یا منافع کا ایک جزو خود اپنی پرورش کے لیے مخصوص کیا ہو ابو یوسف و محمد کے درمیان اختلاف راے ہے - ابو یوسف اس فعل کو جائز کہتے ہین و محمد ناجائز - عالمون کے فتوؤن مین ابو یوسف کی راے قایم رکھی گئی ہے - جیسا کہ شرح وقایہ کی شرح یعنی چلپی و فتاویٰ عالمگیری و قاضی خان و کافی مین ہے -

دوم - ابو یوسف کے نزدیک مال غیر منقول جو وقف کیا گیا ہے اوسکو متولی کے حوالہ کرنا ضرور نہین ہے - اس امر مین محمد کی راے اونکے خلاف ہے لیکن عمل درآمد ابو یوسف کی راے پر ہے جیسا کہ مونیہ - فتح القدیر - سراج الوہاج و ہدایہ سے ثابت ہوتا ہے -

سوم - واقف کے لیے جائز ہے کہ خود متولی ہو اور جائداد موقوفہ کے کسی جزو کے محاصل کو اپنے فائدہ یا اپنی اولاد کے فائدہ کے لیے مخصوص کرے جیسا کہ ہدایہ و قاضی خان و عالمگیری مین ہے -

چہارم - عورت کے لیے جائز ہے کہ متولی ہو جیسا کہ فتاوی عالمگیری و دوسری فتاوی و کتابون مین ہے -

پنجم - دستاویز وقف نامہ ہے - اس کاغذ کے مضمون سے ہماری یہ راے ہے کہ وقف نامہ ہے نہ کہ وصیت نامہ کیونکہ خود وقف کرنے والی تحریر کرتی ہے کہ "اوس نے چند اراضی اپنی زندگی مین وقف کی ہے" اور دستاویز کے اخیر مین لکھتی ہے "اسلیے یہ چند سطر بطور وقف نامہ کے لکھدیا" یہ دستاویز وصیت نامہ ہوجاتی اگر اوس نے

یہ لکھا ہوتا کہ وقف اوسکی موت کے بعد وقوع مین آئیگا یا ایسے مرض مین لکھا ہوتا جس مرض سے بالاخر اوسکا انتقال ہوا۔

ان صورتون مین اس دستاویز سے قانون وصیت متعلق کیا جاتا۔

اسناد ذیل کا مولویون نے حوالہ دیا۔

**اول**۔ عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۵۹۵ سطر ۱۰ لغایتہ ۱۲ "جب کسی اراضی کا یا اور کسی جائداد کا وقف کیا جائے اور وقف کرنے والا اوسکا کل محاصل اپنے لیے یا صرف اوسکا ایک جزو اپنی حیات مین مخصوص کرے اور اپنے مرنے کے بعد مساکین کے لیے تو اوسکی بابتہ ابویوسف کہتے ہین کہ "یہ وقف صحیح ہے" اور مشائخ بلخ نے (توران کا ایک شہر) ابویوسف کی اس رائے کے موافق فتوی دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے تاکہ لوگون کو وقف کرنے کی ترغیب ہو۔ مطبوعہ چلپی شرح وقایہ کی شرح صفحہ ۲۴۵ سطر ۲۷ لغایتہ ۲۸۔

ابویوسف کے نزدیک واقف کو جائز ہے کہ کل محاصل اپنی ذات پر خرچ کرے اور خود آپ متولی بنے لیکن محمد کی رائے مین صحیح نہین ہے۔ صدرالشہید نے کہا کہ فتوی ابویوسف کے قول پر ہے۔

قلمی نسخہ کافی صفحہ ۵۶۸ سطر ۵ و ۶۔

واقف اگر اپنی ذات پر محاصل وقف خرچ کرے تو ابویوسف کے نزدیک ایسا کرنا صحیح ہے و مشائخ بلخ اسی پر ہین۔ اور فتوی بھی اسی قول پر ہے۔

قاضی خان مطبوعہ صفحہ ۲۵۱ سطر ۲ لغایتہ ۵۔

ہلال کے نزدیک یہ صحیح نہین ہے کہ وقف کرنے کے وقت واقف یہ شرط کرے کہ وہ محاصل وقف کو اپنی زندگی مین اپنے اوپر صرف کریگا۔ لیکن ابویوسف کے نزدیک ایسا کرنا صحیح ہے مشائخ بلخ نے ابویوسف کی رائے کی تقلید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ وقف

اور شرط دونون صحیح ہین اور صدر الشہید نے کہا کہ ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے۔

دوم۔ قاضی خان مطبوعہ صفحہ ۲۱۲ سطر ۲ و ۳۔

"ابو یوسف کے نزدیک متولی کے حوالہ کرنا ضرور نہین ہے اسلئے واقف متولی ہونیکا حق رکھتا ہے گو اوس نے صاف طور پر تولیت اپنے واسطے مخصوص نہ کی ہو۔ و شایخ بلخ نے ابو یوسف کی راے کی پیروی کی ہے۔

عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۴۵۵ سطر ۱۳ و ۱۴۔

اگر کسی نے کہا کہ "مین نے یہ جائداد وقف کردی" تو بمجرد اس قول کے واقف کی ملک جائداد سے زایل ہو جاتی ہے۔ یہ امام ابو یوسف و امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل کے نزدیک ہے۔ واکثر علما و مشایخ بلخ کی راے اسی کے موافق ہے اور منیہ مین لکھا ہے کہ فتوی اسی قول پر ہے۔ اور ایسے ہی فتح القدیر و سراج الوہاج مین لکھا ہے کہ فتوی اسی قول پر ہے۔

سوم۔ سوال نمبر سوم سے بھی اسناد مذکورہ بالا متعلق ہین۔

چہارم۔ عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۵۰۴ سطر ۱۵۔

اس "امر مین مرد و عورت برابر ہین"

پنجم۔ عالمگیری صفحہ ۵۵۴ سطر ۶ و ۷۔

"اگر واقف کی موت کے بعد وقف کا وقوع مین آنا ملتوی رکھا گیا ہے یعنی اگر اوس نے یہ کہا کہ "میری موت پر میرا مکان فلان شخص کے لیے وقف ہے" اور پھر واقف مر جاے تو وقف صرف ایک ثلث کی نسبت صحیح ہے۔

اوسی کتاب کی سطر ۹ و ۱۰۔

اگر اوس شخص نے حالت مرض مین جس سے وہ بالآخر مر گیا وقف کو اپنی موت پر معلق

کیا تو اِس صورت مین قاعدہ مذکورہ بالا متعلق نہ ہوگا[۵۱]

وقف مجہول نہ ہو — فتاوی عالمگیری مین ہے کہ یہ بھی شرط ہے کہ مال موقوفہ مجہول نہ ہو پس اگر اپنی اراضی کو وقف کیا مگر اوسکو بیان نہ کیا تو وقف باطل ہے۔ اگر کسی مکان مین اپنا حصہ وقف کیا مگر اپنے سہام نہ بیان کئے تو استحساناً جایز ہے۔

وقف کسی شرط پر معلق نہ ہو — یہ بھی شرط ہے کہ وقف منجز ہو یعنی کسی شرط پر معلق نہ ہو مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میرا لڑکا آگیا تو میرا یہ مکان سکینون کے لیے صدقہ موقوفہ ہے پھر اوسکا لڑکا آگیا تو وقف نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر یہ کہا کہ کل کا روز آئے تو میری زمین صدقہ موقوفہ ہے یا اگر یہ کہا کہ تو چاہے یا پسند کرے تو میری زمین وقف ہے تو یہ وقف باطل ہے۔ لیکن اگر کسی نے کہا کہ یہ مکان اگر میری ملک ہے تو صدقہ موقوفہ ہے پس اگر اس کلام کے وقت مکان اوسکی ملک تھا تو وقف صحیح ہے کیونکہ موجودہ شرط سے معلق کرنے مین درحقیقت کوئی تعلیق نہین ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر مین اِس مرض سے مر گیا تو مین اپنی یہ زمین ضرور وقف کر گیا تو یہ وقف صحیح نہین ہے خواہ مرے یا اچھا ہو جائے واگر کہا کہ اگر مین اس مرض سے مر گیا تو تم اس زمین کو وقف کر دو تو یہ جائز ہے۔ دونون صورتون مین جو فرق ہے ظاہر ہے۔ یعنی اخیر صورت مین وقف کے واسطے وکیل کیا اور وکیل کی فعل کو اپنی موت پر مشروط کیا۔

یہ بھی شرط ہے کہ وقف کے ساتھ اوسکے بیع کرنے کی شرط اور زر ثمن کو اپنی ضروریات مین

---

[۵۱] لیکن حال کے ایک فیصلہ مین لزوم وقف کی نسبت الہ آباد ہائی کورٹ نے امام محمد کے قول کو مرجح قرار دیا ہے یعنی یہ کہ واقف کو چاہیے کہ جائداد وقف کسی متولی کے سپرد کرے واگر خود واقف اوسپر قابض رہا ہو تو وقف لازم نہ ہوگا۔ محمد عزیز الدین احمد خان بنام لیگل ریممبرنسر ممالک مغربی و شمالی ہفتہ وار ۹۳ء صفحہ ۱۰۹ و الہ آباد جلد ۱۵ صفحہ ۳۲۱۔

صرف کرنیکا ذکر نہ کرے واگر ایسا کیا تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

وقف بشرط خیار — سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر واقف نے وقف مین اپنے لیے خیار کی شرط کی ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف و شرط دونون صحیح ہین بشرطیکہ خیار کے لیے کوئی وقت معین ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مین اپنا مکان وقف کرتا ہون لیکن مجھے خیار حاصل ہے کہ تین روز مین اس وقف کو باطل کردونگا۔ اگر خیار پر تین روز تک عمل نہین کیا تو بعد تین روز کے وقف قطعاً صحیح ہوگیا۔ لیکن اگر خیار کا وقت غیر معین و مجہول ہے تو وقف باطل ہے۔

فقیہ ابو جعفر فرماتے ہین کہ وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ ہلال و امام محمد فرماتے ہین کہ خیار کی شرط سے وقف باطل ہوجاتا ہے۔ لیکن یوسف ابن خالد کہتے ہین کہ تمام صورتون مین وقف صحیح ہوگا اور صرف شرط باطل ہوگی۔ اور اسی پر اجماع معلوم ہوتا ہے فتاوی قاضی خان۔

اگر کوئی شخص کسی خاص زمانہ کے لیے وقف کرے مثلاً ایک دن یا ایک مہینہ کے لیے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو یہ وقف ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ فلان خاص مہینہ کے لیے مین نے وقف کیا اور بعدہٗ وہ باطل ہوگا تو اس صورت مین وقف ابتدا ہی سے باطل ہے۔

دوسرے کی ملکیت وقف کرنا — حنفی مذہب مین اگر دوسرے شخص کی جائداد وقف کی اور پھر اصل مالک اوسکی اجازت دیدے تو وقف صحیح ہے لیکن مذہب شافعی مین ایسا نہین ہے۔

منشی چیزونکا وقف — گو شرعاً منشی چیزونکا وقف ناجائز ہے مگر شرع مین کوئی بات ایسی نہین ہے جس سے تاڑ و کھجور کے درختون کا وقف ممنوع ہو۔ محمد ضیاء الحق بنام بسنت وغیرہ [۵۱]

[۵۱] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۴۷۔

# فصل ہشتم جسکا وقف جائز ہی وجسکا نہین جائز ہی

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ عقار مثل اراضی و مکانات و دوکانات کا وقف جائز ہے اور اسیطرح منقولات مین سے جو اس عقار کی تبعیت مین ہون اونکا وقف بھی بالتبع جائز ہوگا۔ مثلاً کسی اراضی کے ساتھ کارکن غلام و بیل و آلات کاشت وقف کیے تو سب وقف ہوجاینگے۔

**مال منقول کا وقف** مال منقول کے وقف (یعنی جب کسی عقار کی تبعیت مین وقف نہو بلکہ خود اوسی کا وقف مقصود بالذات ہو) مین دو صورتین ہین ایک یہ کہ جسکے وقف کا رواج نہین جیسے کپڑا وغیرہ تو ہمارے نزدیک اونکا وقف جائز نہین ہے۔ واگر اوس کا وقف متعارف ہے جیسے آلہ و بیسولا و جنازے کے کپڑے و دوسری ضروری چیزین مثل ظروف و دیگچی واسطے غسل میت کے تو امام ابو یوسف نے فرمایا یہ نہین جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا جائز ہے اور ائمہ مشائخ جن مین امام سرخسی بھی ہین امام محمد کے قول کی طرف گیے ہین اور اونہین کے قول پر فتوی ہے۔ اگر مصحف یعنی کلام مجید کو اہل مسجد پر وقف کیا کہ اسکو پڑہا کرے یا حفظ کرے تو جائز ہے واگر مسجد پر وقف کیا تو بھی جائز ہے (بالاجماع) کتابون کے وقف مین اختلاف ہے اور فقیہ ابو اللیث نے اسکو جائز کہا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ یہ فتاوی قاضی خان مین ہے۔

ایک شخص نے ایک گاے اس شرط پر وقف کی کہ اوس کا دودہ وگھی مسافرون کو دیا جاے پس اگر ایسے مقام پر ہو جہان کے لوگون مین متعارف ہے تو جائز ہوگا جیسے سقایہ کا پانی جائز ہوتا ہے یہ ظہیریہ مین ہے۔

درمختار جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ - اسیطرح اوس مال منقول کا جسمین لوگون کا عمل جاری ہوگیا ہے یعنی جن منقول کا وقف کرنا مسلمین مین جاری ہوگیا ہو اوس کا وقف بالذات بھی صحیح ہے جیسے کلہاڑی وبسولہ وغیرہ -

سیدامیر علی لکھتے ہین - منہہ الغفار مین ہے کہ ہمارے زمانہ مین روم یعنی ٹرکی مین درم ودینار کے وقف کرنیکا رواج ہے اور اسیلیے درم ودینار کا وقف امام محمد کے قول مین داخل ہے - کیونکہ امام موصوف فرماتے ہین کہ تمام چیزین جنکی ضرورت کاروبار مین پڑتی ہے اونکا وقف صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے[۵۱] - فتح القدیر مین ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک ایسے مال منقولہ کا وقف جو معمولاً انسان کے استعمال مین رہتے ہین صحیح ہے امام شافعی فرماتے ہین کہ تمام چیزین جنکی بیع جائز ہے اور جو اپنی اصلی حالت مین اپنے منافع سے یا کسی دوسرے طریق پر وقتاً فوقتاً مرمت کرنے سے قایم رہ سکتی ہین اونکا وقف جائز ہے اور یہی قول امام مالک وامام احمد بن حنبل کا ہے . . . زیورات وقف ہو سکتے ہین کیونکہ حضرت حفصہ دختر حضرت عمرؓ نے اپنے زیورات وقف کردیے تھے اور زیورات وقف کرنے کا رواج تھا - ہدایہ مین ہے کہ امام محمد نے کہا کہ گھوڑے وہتیارون کا حبس جائز ہے یعنی اونکو وقف کرنا جائز ہے اور مشایخ کے قول کے مطابق امام ابو یوسف بھی اونکے ساتھ ہین اور یہ حکم استحساناً ہے . . . وامام محمد سے روایت ہے کہ جن منقولات مین عمل جاری ہے اونکا وقف بھی جائز ہے جیسے کلہاڑی وبسولا وآرا وتابوت معہ اپنے کپڑے وپتیلیان ودیگین ومصحف مجید - وامام ابو یوسف کے نزدیک یہ نہین جائز ہے یعنی خلاف قیاس ہی اور قیاس جب ہی ترک کیا جاتا ہے جب نص وارد ہوا ور نص صرف گھوڑے وہتیار مین

[۵۱] منہہ الغفار وتنویر الابصار ایک شخص کی تصنیف سے ہے یعنی شیخ شمس الدین بن عبداللہ الغازی کے درالمختار تنویر الابصار کی شرح ہے ورد المختار درالمختار کی شرح ہے -

وارد ہے۔ سید امیر لکھتے ہین کہ سنیون کے اصول کے مطابق مال منقولہ کا وقف بشمول درم و دینار یعنی زر نقد کے صحیح ہونا غایتہ البیان و دیگر کتب سے ثابت ہوتا ہے ان اصول کی بناء پر حنفی شرع مین گورنمنٹ سیکوریٹیز و حصص کمپنی وڈبنیچر و دیگر اسٹاک کا وقف جائز و صحیح ہے دو قدیم حنفی علما دین سے ایک یا دو نے چند قسم کے مال منقولہ کے وقف کی صحت کی نسبت جو اشتباہ ظاہر کیا ہے (حالانکہ چند مال منقولہ کا وقف اونکے نزدیک بھی صحیح ہے) وہ اوس زمانہ کی سوسائٹی کی ابتدائی وغیر منتظم حالت کا نتیجہ ہے اور اوس شبہہ کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ وقف کی صحت کے لئے الذکا دائمی ہونا شرط ہے اور مال منقولہ کے وقف مین عام طور پر یہ شرط نہین پائی جاتی۔ لیکن جب زمانہ مابعد مین مسلمانون کی فتوحات زیادہ ہوئین اور تجارت کو بہت وسعت ہوئی تو اس ضرورت کو ہر شخص نے تسلیم کرلیا کہ تمام چیزین جنکی ضرورت روزانہ کاروبار مین پڑتی ہے یا جن چیزون کا وقف کرنا کسی خاص مقام مین رائج ہے اونکا وقف صحیح ہے۔ ہر محقق کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ عرف و رواج پر خیال کرنا شرع محمدی مین بہت اہم ہے۔ مثل استحسان کے عرف پر خیال کرنا بھی ترقی کی روح ہے۔ اسکے ذریعہ سے مسلمانون کے لیے آیندہ ترقی کرنیکا راستہ بہت وسیع ہوجاتا ہے"

**جائداد مرہونہ کا وقف** اگر وقف کے وقت جائداد موقوفہ رہن ہوتا ہم وقف صحیح ہے۔ یہ وقف تابع رہن کے رہیگا اگر رہن کرنے کے بعد واقف جائداد مرہونہ کو وقف کرے اور کافی ترکہ چھوڑکر مرے تو اوسکے ورثا پر واجب ہے کہ اوس ترکہ سے رہن کا انفکاک کرائین تاکہ وقف پر سے رہن کا بار جاتا رہے۔ لیکن اگر کوئی ترکہ واقف نے نہین چھوڑا تو مرتہن جائداد کو بعلت زر رہن نیلام کرا سکتا ہے اور وقف باطل ہوجاے گا لیکن فاضل زر ثمن جو ورثا واقف کو بلا وہ وقف کا تابع ہے[۱۵] فتاوی عالمگیری مین ہے کہ واقعات مین مذکور ہے

(۱۵) ماجرہ بیگم بنام خواجہ حسین علیخان بنگال لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ یا ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۸۔

کہ ہلال بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقف مین ذکر فرمایا ہے کہ اگر کسی نے فقط عمارت کو بدون اصل کے وقف کیا تو نہین جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔

درالمختار صفحہ [illegible] مین ہے کہ اگر کسی شخص نے زمین پر عمارت بنائی پھر اوس عمارت کو بلا اوس زمین کے جسپر وہ تعمیر ہوئی ہے وقف کیا اگر وہ زمین کسی کی ملکیت ہے یعنی وقف نہین ہے تو اکثرون کے نزدیک وقف صحیح نہین اور دوسرا قول یہ ہے کہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قاری ہدایہ[۱] سے عمارت واشجار کو بدون زمین کے وقف کی نسبت سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ اوسکے صحیح ہونے پر فتویٰ ہے اور اسیکو ترجیح دی شارح وہبانیہ نے اور مصنف نے اپنی شرح مین اسیکو ثابت رکھا ہے اس دلیل سے کہ عمارت واشجار مال منقول ہین اور اوس کے وقف مین عرف جاری ہے تو اسکا فتویٰ دینا متعین ہو گیا۔

فتاویٰ عالمگیری مین ہے کہ اگر موقوفہ زمین مین کسی نے عمارت بنائی اور اوسکو اوسی جہت پر وقف کیا جس جہت پر وہ زمین وقف ہے تو اوسکی تبعیت مین اوس کا وقف بھی بلا خلاف جائز ہوگا اور اگر کسی دوسری جہت پر وقف کیا تو اوسکے جواز مین اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ جائز نہ ہوگا۔ واگر کوئی درخت لگایا پھر اوسے وقف کر دیا پس اگر درخت زمین موقوفہ مین نہین ہے اور اوس درخت کو معہ اوسکے موضع زمین کے وقف کیا یا جس قدر زمین مین اوسکا قیام ہے تو زمین کی تبعیت مین بحکم اتصال یہ درخت بھی وقف ہو جائیگا واگر درخت کو بدون اصل زمین کے وقف کیا تو صحیح نہین ہے۔ واگر درخت وقف کی زمین مین ہے اور درخت کو اوسی جہت پر وقف کیا جس جہت پر زمین وقف ہے تو جائز ہے جیسے عمارت مین جائز ہے

[۱] قاری ہدایہ کا نام سراج الدین ہے وہ شاگرد ہین اکمل کے و اوستاد ہین فتح القدیر کے چونکہ ہدایہ کو اونہون نے اپنے اوستاد سے اٹھارہ بار پڑہا تہا۔ اسلئے ملقب بہ قاری ہدایہ ہو گئے۔

واگر کسی نے دوسرے کی زمین پر عمارت بنا کر وقف کیا تو ویسے ہی اختلاف ہے جیسا عمارت مین مذکور ہوا - یہ ظہیریہ مین ہے -
سید امیر علی لکھتے ہین کہ عمارت کو بدون اصل کے وقف کرنے مین علماے متقدمین کے
درمیان اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف آسانی سے رفع ہو سکتا ہے اگر اوس اصول کو
جو ایسے وقف سے متعلق ہے صحیح طور پر سمجھا جائے - علامہ قاسم کے نزدیک ایسا وقف
صحیح نہین ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے اس امر مین محمد و ہلال ابن یحییٰ
بصری کے قول پر فتویٰ دیا ہے - لیکن ردالمختار مین ہے "ذخیرہ کے حوالہ سے بحرالرائق
مین لکھا ہے کہ جس جگہہ عمارت کو بلا اوس زمین کے جسپر اوسکی تعمیر ہوئی ہے وقف کرنے کا
رواج ہے وہان صرف عمارت کو بلا زمین کے وقف کرنا صحیح ہے لیکن جہان ایسا
رواج نہین ہے وہان تنہا عمارت کا وقف صحیح نہ ہوگا"
مصنف ردالمختار لکھتا ہے "جس جگہہ مال منقولہ کے وقف کرنیکا رواج ہے وہان مال منقولہ
کا وقف کرنا صحیح ہے - اسلیے عمارت کا وقف بلا زمین کے بھی صحیح ہے بشرطیکہ ایسا رواج
ہو - اور یہ قول ان لوگون کی راے کے خلاف نہین ہے جو اس قسم کے وقف کے
عدم جواز کے قائل ہین - کیونکہ جواز و عدم جواز کا مسئلہ تو خاص اوس مقام کے رواج کی بناء پر
طے ہوگا جس جگہہ کہ وقف کیا گیا ہے - اگر اوس مقام کے باشندے اس قسم کے وقف
کرنے کے عادی ہین تو شرع اونکے جواز کا حکم دیگی"
اب اس زمانہ مین اگر عمارت بلا زمین کے وقف کی گئی تو وقف صحیح سمجھا جاتا ہے اور اسی پر
فتویٰ ہے - جوہرۃ النیرہ -
فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے اپنی زمین وقف کی تو اس زمین مین جو عمارات و
درختان خرما و دیگر اشجار ہونگے وہ سب داخل وقف ہونگے - خصاف نے بیان کیا ہے
کہ درختون کے وقف کرنے مین جو پھل اونپر اوسوقت موجود ہین وہ داخل وقف نہین ہوتے

اور یہی اکثر مشایخ کا قول ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ مین نے اپنی یہ زمین معہ اوسکے حقوق
و تمام اوس چیز کے جو اوسمین یا اوس سے ہے صدقہ موقوفہ وقف کی اور وقف کے روز
اوس اراضی کے درختون مین پہل موجود ہین تو ہلال رحمۃ نے فرمایا کہ استحساناً اس پر لازم ہے
کہ اون پہلون کو فقیرون و مسکینون پر صدقہ کردے نہ بطور وقف کے بلکہ بطور نذر کے پہر
اسکے بعد جو پہل اسمین پیدا ہونگے وہ اپنے وجوہ پر صرف کیے جاینگے جنکو اوس نے
وقف مین بیان کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان مین ہے۔

مشاع عالمگیری جلد۲ صفحہ ۹۴۸ - مشاع سے یہ مراد ہے کہ وقف کل جائداد موقوفہ مین پہیلا
ہو وکسی حصہ مین منقسم و متعین نہ ہو۔ اور واضح ہو کہ محتمل قسمت یا لفظ قابل تقسیم سے یہ مراد ہے
کہ بعد تقسیم کے اوس سے وہی فایدہ ہو سکے جو قبل تقسیم کے حاصل تہا و غیر قابل تقسیم سے
یہ مراد ہے کہ بعد تقسیم کے وہ فایدہ نہ حاصل ہو سکے جو قبل تقسیم کے حاصل تھا۔

جو چیز غیر قابل تقسیم ہے اگر اوسکا کوئی غیر منقسمہ حصہ وقف کیا اور اس وجہ سے وقف اوس
تمام شے مین شایع ہے تو یہ وقف بلا اختلاف کے جائز ہے مثلاً نصف حمام وقف کیا تو یہ
وقف جائز ہے۔ ظہیریہ۔ جو چیز قابل تقسیم ہے اوسمین وقف مشاع امام محمد کے نزدیک
جائز نہین ہے اور اسی کو مشایخ بخارا نے صحیح مانا ہے سراجیہ۔ لیکن امام ابویوسف کے
نزدیک ایسا وقف جائز ہے اور متاخرین مشایخ نے اسپر فتویٰ دیا ہے اور یہی مختار ہے
اور دونون امامون کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر مقسوم کو مسجد یا مقبرہ کر دینا مطلقاً جائز نہین
ہے خواہ ایسی چیز ہو جو قابل تقسیم ہو یا ناقابل تقسیم ہو[۵۱] - فتح القدیر۔

---

[۵۱] دونون امامون کی راے وقف مشاع مین معہ اونکے دلایل کے ہدایہ جلد۲ صفحہ ۶۴۴ مین حسب ذیل
درج ہے وہ وقف مشاع امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ بٹوارہ تو اوسپر قبضہ ہونیکا متمم ہے اور امام
ابویوسف کے نزدیک جب وقف کے لیے قبضہ شرط نہین ہے تو قبضہ کا تتمہ بھی شرط نہین۔ و امام محمد

بنا بر قول امام محمد اگر ایک اراضی دو شخصون مین مشترک ہے پس دونون نے اوسکو صدقہ
موقوفہ خواہ مسکینون پر یا جس راہ خیر پر وقف جائز ہے اونہین کسی راہ پر وقف کر دیا اور
دونون نے اوسکو قیم کے سپرد کر دیا تو جائز ہے اسواسطے کہ امام محمد کے نزدیک وہ

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ ۔ کے نزدیک وقف مشاع جائز نہین کیونکہ اونکے نزدیک قبضہ شرط ہے
توجس چیز کے قبضہ پورا ہو وہ بھی شرط ہے۔ اور یہ اختلاف ایسی جائداد مین ہے جو قابل قسمت ہے اور
جو چیز ناقابل تقسیم ہو تو اوسکا وقف امام محمد کے نزدیک باوجود مشاع ہونے کے بھی صحیح ہے کیونکہ امام محمد ایسے
وقف کو ایسے ہبہ وصدقہ پر قیاس کرتے ہین جو سپرد کر دیا گیا ہو پھر امام ابو یوسف نے مسجد و مقبرہ کو مستثنی
کیا ہے یعنی اگر کسی زمین مشترک کو جو ناقابل تقسیم ہے مسجد یا مقبرہ کے واسطے وقف کیا تو امام ابو یوسف
کے نزدیک بھی نہین جائز ہے اسلیے کہ شرکت باقی رہنے سے خالصاً للہ تعالی ہونے سے مانع ہے
اور اس لیے کہ مسجد و مقبرہ کی نسبت باری باری نفع اوٹھانے کا معاہدہ کرنا نہایت قبیح ہے مثلاً
ایک سال اسمین مردے دفن کیے جائین اور دوسرے سال اسمین زراعت کیجاے یا ایک سال
اسمین نماز پڑہی جاوے اور دوسرے وقت وہ اصطبل بنایا جاوے۔ ناقابل تقسیم زمین کو مسجد
و مقبرہ کے علاوہ دوسرے اغراض کے لیے وقف کرنے مین کوئی دقت نہین ہے کیونکہ یہ ممکن ہے
کہ کرایہ یا اجارہ یا زراعت وغیرہ سے اوسکے حاصلات لیکر تقسیم کر لیے جائین۔ اگر ایک شخص نے ایک
قطعہ زمین کل وقف کیا پھر ثابت ہوا کہ اوسکے جزو مین کوئی دوسرا مستحق ہے تو امام محمد کے نزدیک بقیہ جزو کا وقف
بھی باطل ہوگا کیونکہ ثابت ہوا کہ وقف کے وقت شیوع تھا جیسے ہبہ مین ہوتا ہے یعنی ہبہ مشاع ہو تو وہ باطل
ہوتا ہے اگر وقت ہبہ کے اوسمین شیوع ہے بخلاف اسکے اگر ہبہ کیوقت شیوع نہ ہو بلکہ بعد کو شیوع کو طاری ہو جائے
تو ہبہ باطل نہین ہوتا جیسے کل ہبہ کیا پھر ہبہ کرنیوالے نے کسی جزو مین رجوع کر لیا یا مریض نے حالت
مرض مین ہبہ یا وقف کیا اور وارث نے بعد فوت مریض کے دوثلث پھیر لیا اور اوسکی ترکہ مین سواے اسکے کچھہ نہین ہے تو ہبہ
یا وقف باطل نہ ہوگا۔ اگر وہ جزو جسمین استحقاق ثابت ہوا ہو کوئی جزو معین ہے جو باقی سے ممیز ہے تو باقی کا وقف باطل نہوگا کیونکہ یہ درحقیقت

غیر معین جزو

شیوع جواز وقف کا مانع ہے جو قبضہ کے وقت ہو یا عقد کے وقت ہو اور صورت
مفروضہ مین شیوع کسی وقت نہین پایا گیا کیونکہ دونون نے ساتھ ہی وقف کیا اور
ساتھ ہی قیم کی سپرد کیا - فتاوی قاضی خان -

اگر اپنے مکان یا زمین سے ہزار گز وقف کیا تو امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے
پس تمام مکان یا زمین ناپی جائیگی پس اگر ہزار گز یا کم نکلا تو وہ سب وقف ہوگا اور اگر زیادہ
تو بقدر ہزار گز کے وقف ہوگا -

اگر کسی نے کہا کہ مین نے اپنا حصہ اس مکان مین وقف کیا اور وہ مکان کا تہائی حصہ
ہے پھر بعد کو اوسکا حصہ مکان مین نصف یا دو ثلث نکلا تو یہ سب وقف ہوگا۔ فتاوی قاضی خان

اگر کسی نے اپنی وصیت مین لکھا کہ مین نے اپنی جائداد کا ایک ثلث یعنی ہزار درم فلان
شخص کے لیے چھوڑا اور بعد کو معلوم ہوا کہ ایک ثلث جائداد چار ہزار درم مالیت کی ہے
تو کل چار ہزار درم موصی لہ کو ملین گے - یہ شکل بیع کے خلاف ہے کیونکہ مشتری کو صرف
وہی رقم ملیگی جو نامزد کی گئی ہے - سید امیر علی جلد ا صفحہ ۲۱۳ -

اگر چند قطعہ زمین و مکانات دو شخصون مین مشترک ہین اور ایک نے اپنا حصہ وقف کیا
اور چاہا کہ اپنے شریک سے اس طرح تقسیم کرائے کہ اوسکا کل حصہ ایک زمین یا مکان
مین مجتمع کرے تو امام ابویوسف و شیخ ہلال رحہ کے نزدیک جائز ہے - ظہیریہ -

اگر دو شخصون مین ایک زمین مشترک ہے اور ایک نے اپنا حصہ وقف کر دیا ہے تو
امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے پھر اگر وقف کرنے والے نے اپنے شریک سے
بٹوارہ کیا اور بٹوارہ مین کسی قدر درم محدود و معلوم داخل کیا - (جیسا کہ تقسیم مین حصون کے
برابر کرنے کے لیے اکثر ہوتا ہے) تو اوسمین دو صورتین ہین - اگر وقف کرنے والے نے
زمین کا ایک ٹکڑا معہ اون درمون کے لیا تو نہین جائز ہے اسواسطے کہ جائداد موقوفہ مین

سے ایک جزو کا وہ بیچنے والا ہوا اور یہ فاسد ہے - اگر وقف کرنے والے نے درم دئے ہین تو جائز ہے اسواسطے کہ گویا اوس نے حصہ موقوفہ لیا - اور ایک ٹکڑا اراضی کا اپنے شریک کے حصہ سے بعوض درمون کے خرید کیا پس یہ جائز ہے پھر جو حصہ واقف کا ہی وہ وقف ہوگا اور جو اوس نے بعوض درم خریدا ہے وہ اوس کی ملک ہوگا - فتاوی قاضی خان -

# فصل نہم - وقف عام

وقف عام سے میری مراد وہ وقف ہے جس سے غنی و فقیر یعنی تمام لوگ بلا کسی قید کے فائدہ اوٹھانے کے مستحق ہین کیونکہ اونکی ضرورت ہر شخص کو ہے - اور یہ وقف منجملہ اون تین قسمون کے ہی جسکو صاحب درمختار نے بیان کیا ہے تیسری قسم ہے اور جسکی مثال سید امیر علی حسب ذیل بیان کرتے ہین - (۱) مسجد و عیدگاہ (۲) امام باڑہ (۳) روضہ و درگاہ (۴) خانقاہ (۵) کاروان سراے و مسافر خانہ (۶) مدرسہ و مکاتب یعنی کالج و اسکول (۷) اسپتال و ڈسپنسری (۸) آبدار و نہر و سڑک و پل وغیرہ (۹) رباط (۱۰) قبرستان - گو باعتبار اپنی نوعیت کے ان چیزون کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے اور اس لیئے اس سے فائدہ اوٹھانے کے سب مستحق ہین مگر واقف کو یہ اختیار ہے کہ تنہا مساکین و فقرا کے استعمال کے لیے ان چیزون کو وقف کرے اوس صورت مین صرف وہی اشخاص اوس سے فائدہ حاصل کرینگے - مثلاً اگر کوئی مدرسہ یا اسپتال خاص مساکین کے لیے مخصوص ہے تو اوس سے وہی لوگ نفع حاصل کرینگے -

## مسجد واوسکے متعلقات

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے مسجد بنائی تو اوسکی ملکیت اوس سے زایل نہ ہوجائیگی تاوقتیکہ اوسکو اپنی ملک سے مع راستہ کے الگ نہ کردے اور اُسمین نماز پڑہنے کی عام اجازت نہ دے - اپنی ملکیت سے الگ کرنا اس وجہ سے واجب ہے کہ اوس سے خالص اللہ تعالی کے واسطے ہوجائے واذن نماز اس وجہ سے ضروری ہے کہ امام ابو حنیفہ وامام محمد کے نزدیک اوسکی تسلیم بہی ضروری ہے اور مسجد کی تسلیم یعنی سپردگی اسطرح پر متحقق ہوتی ہے کہ بنانے والے کی اجازت سے اوسمین جماعت کے ساتھ نماز پڑہی جائے - وامام ابو حنیفہ سے اسمین دو روائتین ہین ایک وہ جو حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ اوسکی اجازت سے اسمین دو زیادہ شخصون کی جماعت سے نماز پڑہنی شرط ہے جیسا کہ امام محمد کا قول ہے اور صحیح حسن بن زیاد ہی کی روایت ہے - فتاوی قاضی خان تسلیم کے متعلق ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۶۵۳ مین یہ عبارت ہے - اسمین یعنی مسجد مین نماز پڑہنے کی یہ وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ وامام محمد کے نزدیک سپرد کرنا ضرور ہے اور سپردگی مین شرط یہ ہے کہ اپنی قسم کی یعنی جس قسم کی سپردگی جس شے کے لائق ہے وہ پائی جائے اور مسجد کی صورت مین سپرد کرنا یہی ہے کہ اوسمین نماز پڑہی جائے - یا اس وجہ سے کہ جب قبضہ کرنا متعذر ہے تو مقصود کو قبضہ کا قایم مقام کیا گیا اور مقصود نماز ہے پہر جب ایک شخص نے اوسمین نماز پڑہ لی تو امام ابو حنیفہ سے ایک روایت مین ہے کہ یہی کافی ہے اور ایسا ہی امام محمد سے مروی ہے - کیونکہ کل جنس کا فعل متعذر ہے یعنی تمام نمازیون کا نماز پڑہ لینا محال ہے تو جنس کا ادنی درجہ یعنی ایک شخص کا نماز پڑہ لینا کافی ہوگا - وامام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اوسمین جماعت کے ساتھ نماز شرط ہے کیونکہ غالبًا مسجد

اسی واسطے بنائی گئی -

فتاوی عالمگیری مین ہے - کہ یہ بھی شرط ہے کہ اسمین نماز اذان واقامت کے ساتھ باجہر ہو یعنی چھپ کر نہ ہو حتی کہ اوسمین ایک جماعت نے بدون اذان واقامت کے خفیہ بغیر جہر کے جماعت کی نماز پڑہ لی تو وہ امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک مسجد نہو جائیگی محیط وکفایہ اگر ایک شخص نے ایک ہی شخص کو موذن وامام مقرر کردیا اور اوس نے اذان دی اور اقامت کہی اور تنہا نماز پڑہ لی تو وہ بالاتفاق مسجد ہوجائیگی - کفایہ وہدایہ وفتح القدیر -

قاضی خان مین ہے کہ اگر صرف ایک ہی شخص نے اذان واقامت سے مسجد مین نماز پڑہی تو یہ مسجد کی پوری سپردگی ہوگئی - اگر ایک شخص نے بھی کسی مسجد مین نماز پڑہی تو اس سے بالاتفاق وہ ایسی مسجد عام کے حکم مین داخل ہوجائیگی جو عبادت خدا کے لیے وقف کی گئی ہے - کیونکہ مسجد تو صرف خدا کی ملک ہے جس سے عامۂ مسلمین کا ایک حق متعلق ہوتا ہے - اور صرف ایک ہی شخص خدا وبندون کی طرف سے وکیل ہوکر اس حق کو ثابت کرسکتا ہے - امام ابو یوسف کے نزدیک جواز وقف کے لیے خواہ مسجد ہو یا کوئی اور شے سپردگی لازم نہین ہے - اس لیے اگر کسی شخص نے کوئی مسجد بنائی اور عام طور پر لوگون کو اسمین نماز پڑہنے کی اجازت دی تو یہ وقف ہوگئی اور اسی قول پر ہم فتوی دیتے ہین[۵] - ہدایہ مین ہے کہ "ابو یوسف نے فرمایا کہ جب اوس نے یعنی بانی مسجد نے یہ کہا کہ مین نے اسکو مسجد کردیا - اوسکی ملکیت زایل ہوگئی کیونکہ سپرد کرنا ابو یوسف کے نزدیک شرط نہین اور بندہ کی ملک ساقط کرنا اونکے نزدیک وقف ہے تو بندہ کے حق ساقط ہونے کے ساتھ ہی وہ خالص اللہ تعالے کے واسطے ہوجائیگی اور یہ صورت مثل اعتاق کے ہوگئی جسکا ذکر سابق مین ہوچکا"

[۵] سید امیر علی جلد ۱ صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳ بحوالہ قاضی خان -

عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے اپنے درمیانی احاطہ یا مکان کو مسجد کیا اور لوگون کو اوسمین داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدی پس اگر اوسکے ساتھ راستہ مشروط کر دیا تو وہ بالاتفاق مسجد ہو جائیگی و اگر راستہ شرط نکیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسجد نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک مسجد ہو جائیگی اور راستہ بدون شرط کے اسکا حق ہو جائیگا۔

اگر اسکا دروازہ بڑے راستہ کی طرف جدا کرکے بنادیا تو وہ مسجد ہو جائیگی ایسا ہی قاضی خان ذکر کیا۔ تاتارخانیہ

سید امیر علی لکھتے ہین اس لیے اگر کسی شخص نے اپنے مکان کے اندر کوئی مسجد بنائی تو یہ مسجد مسجد عام نہ ہوگی اور نہ اوس سے وقف عام کے قواعد متعلق ہونگے تا وقتیکہ اوسمین ایک بار غیرون کو داخل ہونے و نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ اجازت صریح طور پر دیجائے مگر یہ ضرور ہے کہ اس مسجد کو مسجد عام کے حکم مین داخل کرنے کے لیے صراحتاً یا دلالتاً عام لوگون کو نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہو۔ گو عوام الناس کو کسی شخص کی ذاتی مسجد مین کوئی حق نہین ہوتا۔ تاہم اس پر وقف کا اطلاق پورے طور پر ہوتا ہے جسکی وجہ سے وارثان بانیِ مسجد کی ملکیت اس سے بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ جس جگہ ایکبار نماز پڑھی گئی تو اوسکو وقف ثابت کرنے کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ واقف کے وہ الفاظ ثابت کیے جائین جنکے ذریعہ سے وقف قایم کیا گیا ہے۔ مجرد نماز کا پڑھنا صحیح و جائز وقف ہونے پر ضمناً دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی زمین کسی مسجد کی عمارت کی مرمت پر وقف ہو تو جائز ہے فتاوی قاضی خان۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر کسی شخص نے کوئی مسجد بنائی مگر اوسکا متولی کسیکو مقرر نہین کیا تو اوس مسجد کی تولیت بانیِ مسجد کو حاصل ہے۔

**مکان کے کسی خاص کمرہ مین نماز پڑھنے کے متعلق احکام**

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اہل اسلام اپنے مکان مسکونہ مین نماز پڑھنے یا مراسم محرم ادا کرنے کے لیے کوئی کمرہ مخصوص کر دیتے

ہین۔ ایسا کمرہ داخل وقف نہین ہے اور نہ اوس سے ملکیت زائل ہوتی ہے ... شرع مین ایسا وقف جائز نہین ہے کہ مکان مسکونہ کا ایک جزو تو وقف ہوا اور دوسرا جزو واقف کے قبضہ و ملک مین ہو۔ مثلاً کسی مکان کے بالاخانہ یا حصہ زیرین کو مسجد کرنا جائز نہین ہے لیکن اوس صورت مین کہ کثرت آبادی کے باعث اوس مقام پر ایسا کرنا معمول ہو۔ امام ابویوسف وامام محمد دونون کے نزدیک بغداد وری مین اسطح پر مسجد بنانا جائز تہا۔ کیونکہ اوس زمانہ مین ان مقامات کی کثرت آبادی کی وجہ سے ایسا رواج ہوگیا تہا۔ لیکن عبارت مذکورہ بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کسی شخص کو اپنے مکان مسکونہ کے کسی خاص حصہ یا کمرہ مین نماز پڑہنے یا دیگر مراسم مذہبی کے ادا کرنے کی ممانعت ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ تا وقتیکہ چند شرایط پوری نہ ہون اوسوقت تک وہ کمرہ یا حصہ مکان مالک مکان کے ملک مین داخل رہیگا منجملہ اون شرایط کے سب سے زیادہ لایق توجہ شرط یہ ہے کہ جو حصہ مکان کا وقف کیا گیا ہے وہ بقیہ حصہ مکان سے پورے طور پر علحدہ ہوسکتا ہو اور جب ایسا ہوسکتا ہو تو وقف صحیح ہے لیکن جب کل مکان مسجد یا مدرسہ یا امام باڑہ کے لیے وقف ہو اور صرف اوسکا ایک جزو وقف کے خاص اغراض مین مستعمل ہے اور بقیہ حصہ مین یا تو ملازمان وقف رہتے ہین یا وقف کے فائدہ کے لئے دوسرون کو کرایہ پر دیا جاتا ہے تو یہ وقف جائز ہے۔ صرف اس امر سے کہ مکان کے ایک جزو مین واقف بحیثیت متولی کے رہتا ہے وقف کے جواز پر کچھ اثر نہین رکہتا۔ مسجد و مقبرہ ہمیشہ اس طرح پر بنائے جاتے ہین کہ اوسکے حصہ زیرین یا بیرونی کو دوکاندار کرایہ پر لے سکین اور اسطرح سے جو کرایہ حاصل ہو اوسے مسجد و مقبرہ مین صرف کرین۔ اکثر حالتون مین ان دوکانون کے سوا اور کوئی دوسری شے مسجد و مقبرہ پر وقف نہین ہوتی۔ ان دوکانون کے باعث

جیساکہ بعض وقت خیال کیا گیا ہے وقف کے جواز پر کچھہ اثر نہین ہوتا۔
جب مکان کا کوئی حصہ خادم کی سکونت کے لیے دیا گیا ہو تو خادم کو یہ اختیار نہین ہے
کہ وہ دوسرے کو کرایہ پر دے۔ خود خادم جب تک مسجد کی خدمت کرنا پسند کرین
اوس مکان یا کمرہ مین رہ سکتے ہین۔ لیکن وہ اس امر کے مجاز نہین ہین کہ اون کمرون
کو بلا اجازت متولی کے کرایہ پر یا کسی اور طرح پر دوسرون کو دین۔ چنانچہ رد المختار
مین ہے ”جس طرح مسجد یا مدرسہ کا خادم اپنا وظیفہ دوسرے کو نہین دیسکتا
اسیطرح پر وہ اپنے رہنے کا کمرہ بھی نہین دیسکتا۔“
کالج اسکول و اسپتال وغیرہ کا حکم بھی مثل مسجد و دیگر مذہبی اوقاف کے ہے۔ انگریزی
خیال کے مطابق تو یہ چیزین دنیوی اغراض کے لیے وقف کیجا سکتی ہین مگر شرع
مین اسکا کوئی اعتبار نہین رکھا گیا ہے اور ان سب کی نسبت ایکسان حکم ہے۔

ایک منہدمہ مسجد کی قیمت سے دوسری مسجد تعمیر ہو سکتی ہے

قینیہ مین ہے کہ اگر کوئی مسجد یا حوض خراب ہو گیا اور لوگ اوس سے
بے پروا ہو گئے ہین تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسکو بیچکر اوسکی
قیمت دوسری مسجد یا حوض مین لگائے۔ اور اوسیمین یہ بھی لکھا ہے اگر دو منہدم مسجدین
ہین اور کسیکو یہ نہین معلوم کہ اون کا وقف کرنے والا کون ہے تو قاضی کو اختیار ہے
کہ ایک کو بیچکر اوسکی قیمت دوسری مسجد کی تعمیر مین صرف کرے لیکن اگر واقف کا نام
معلوم ہے اور اوسکے وارث ہون تو یہ لوگ خود اجازت دے سکتے ہین۔
خانیہ (فتاوی قاضی خان) مین ہے ”کہ اگر کوئی مسجد منہدم ہو گئی ہے اور اوس جگہہ کے
لوگ اسکی کچھہ پروا نہین کرتے تو معاملہ قاضی کے روبرو پیش کیا جاسے تا کہ وہ اوسکو بیچکر
اوسکی قیمت دوسری مسجد مین لگانے کا حکم دے۔
”جب کہ وقف (یعنی عمارت وقف) منہدم ہو گیا اور کوئی آمدنی نہین ہے جس سے اوسکی مرمت

یا دوبارہ تعمیر کیجا سکے تو بعض کا قول ہے کہ یہ واقف کا ہوگا اگر وہ زندہ ہے یا اوسکے وارث کا اگر وہ مرگیا ہے۔ لیکن صدر الشہید نے اپنے فتوی مین کہا ہے کہ یہ قول لایق اعتراض ہے اور اصول کے خلاف ہے،، ردالمحتار مین ہے کہ اگر کوئی مسجد منہدم ہوگئی اور اوسکا بانی نہین معلوم ہوتا تو اہل محلہ قاضی کی اجازت سے اوسے فروخت کرسکتے ہین اور اوسکی قیمت دوسری مسجد کی عمارت مین صرف کرسکتے ہین۔ اگر مسجد کا فائدہ ہو تو اوسمین کنوان کھود سکتے ہین۔ واقف اپنے فائدہ کے لیے مسجد کا کوئی حصہ کرایہ پر نہین دیسکتا ہے۔ واگر مسجد باقی نہ رہے تو واقف اسے دوسرے مصرف مین نہین صرف کرسکتا اور مسجد سے کوئی مالی فائدہ نہین حاصل کیا جاسکتا نہ یہ پٹہ پر دیجا سکتی ہے اور نہ رہنے کے استعمال مین آسکتی ہے،،

اگر کوئی مسجد خراب ہوگئی اور مسجد والے اوس سے بے پروا ہوگئے اور مسجد اس طرح خراب ہوگئی کہ اوسمین نماز نہین پڑہی جاسکتی ہے تو اسمین اختلاف ہے کہ وہ بنانے والے کے وارثون کی ملک مین عود کریگی یا نہین مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے یہ امام ابویوسف کے نزدیک ہے اور فتوی اسی پر ہے۔ وامام محمد کے نزدیک وارثونکی ملک مین عود کرتی ہے دو مسجدون مین سے ایک قدیم ہے دوسری جدید۔ قدیم مسجد بسبب کہنگی کے خراب و منہدم ہونے والی ہے اہل محلہ نے چاہا کہ اوسکو فروخت کرکے اوسکی قیمت جدید مسجد مین صرف کرین تو یہ نہین جائز ہے۔

ایک شخص نے اپنے مال مین سے مسجد مین فرش ڈلوایا پہر مسجد خراب ہوگئی اور لوگ اس سے مستغنی ہوگیے تو یہ فرش اوسی شخص کا ہوگا اگر زندہ ہے یا اوسکے وارث کا ہوگا اگر وہ مرگیا ہو۔ وامام ابویوسف کے نزدیک وہ فروخت کرکے اوسکی قیمت مسجد کی ضروریات مین صرف کیجائیگی۔ اگر اس مسجد کو اوسکی ضرورت نہ ہو تو دوسری مسجد کی ضروریات

مین صرف کیجائیگی - پہلا قول امام محمد کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے - فتاوی قاضی خان -
فقیہ ابو اللیث نے اپنے نوازل مین امام محمد کے قول کی توثیق کی ہے اور یہ لکھا ہے
کہ اگر فرش بنانے والا یا اوسکا وارث نہین ہے تو مطابق قول امام ابو یوسف کے عمل کیا جائیگا
مگر مختار یہ ہے کہ بغیر حکم قاضی اونکو ایسا کرنے کا اختیار نہین ہے - محیط سرخسی -
سید امیر علی لکھتے ہین کہ شرح ملتقے مین ہے کہ اگر وقف کا مصرف زائل ہوجاے تو وقف
کی آمدنی ایسے مصرف مین صرف کرنی چاہیے جو ابتدائی مصرف کے ہم جنس ہو یا جنس
قریب سے ہو - مثلاً اگر وقف حوض کے لیے ہے تو آمدنی تالاب یا نہر مین صرف کیجا سکتی
ہے یا اگر کسی خاص مسجد کے لیے وقف تہا تو آمدنی دوسری مسجد مین یا روزہ و نماز وغیرہ
مین صرف کرنی چاہیے -
شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہین کہ جب حوض یا مسجد منہدم ہوگئی اور کوئی شخص اونکا استعمال
نہین کرتا تو قاضی اوسکے عملہ کو دوسری حوض یا مسجد مین لگانے کا حکم دیسکتا ہے -
صاحب رد کہتا ہے ”فی زمانناً یہ بہت ضرور ہے کہ امام حلوائی کے قول پر عمل کیا جاے
جو فرماتے ہین کہ قاضی کو یہ اجازت دینی چاہیئے کہ منہدم شدہ مسجد کے عملہ کو دوسری مسجد
مین لگاسکے“ ”اگر دو وقف ہون اور دونون کا وقف کنندہ ایک ہی شخص ہے اور اغراض
بھی دونون کے ایک ہین - لیکن کسی وجہ سے ایک وقف کی آمدنی کم ہوگئی ہے اور
دوسرے وقف کی آمدنی سے بعد دینے اخراجات ضروری کے کچھ پس انداز ہوتا ہے
تو حاکم کو یہ اختیار ہے کہ یہ حکم دے کہ دوسرے وقف کے پس انداز سے پہلے وقف کے
ملازمان کی تنخواہ ادا کیجاسکے“ لیکن قاضی کو ایسا حکم دینے کا اختیار نہین ہے اگر دونون
وقف کے اغراض مختلف ہون ”اگر کسی نے ایک مسجد کے لیے دو وقف کئے یعنی ایک اسکی
عمارت کے لیے اور دوسرا اوس مسجد کے امام و موذن کے واسطے - لیکن دوسرے وقف کی

آمدنی کم ہونے کے باعث امام و موذن نوکر نہین رکھے جا سکتے تو اس صورت مین
حاکم کو جائز ہے کہ اہل محلہ کی راے و مشورہ کے مطابق یہ حکم دے کہ عمارت وقف کی
آمدنی کا پس انداز امام و موذن کی تنخواہ مین صرف کیا جاے بشرطیکہ دونون کا واقف
ایک ہی شخص ہو" مگر متولی کو ایسا کرنیکا اختیار نہین ہے خواہ وہ دونون وقفون کا متولی
ہو۔ البتہ حاکم کی اجازت سے کر سکتا ہے۔ جامع الفصولین کی تیرہوین فصل مین ہے۔
کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا یہ مکان یا کمرہ فلان مسجد کے چراغون کے واسطے ہے اور اوس
سے زیادہ کچھہ نہ کہے تو وہ مکان یا کمرہ مسجد کے لیے وقف ہوجائیگا۔ ۔ ۔ واقعات حامی مین ہے
کہ اگر مسجد کی روشنی کیلئے آمدنی پہلے سے ہے اور یہ بات مناسب معلوم ہو کہ اوس مکان یا کمرہ کی
آمدنی اذان دینے کیلئے مینار بنانے مین صرف کیجاے تاکہ مسلمانون کو اذان کی آواز دور تک
پہونچ سکے تو ایسا کر سکتے ہین لیکن اگر اسکی ضرورت نہ ہو تو نہین کر سکتے"

جب ایک ہی مسجد کے لیے چند وقف ہون تو متولی سب وقفون کی آمدنی کا حساب مشترکہ
رکھہ سکتا ہے واگر مسجد کی ایک دوکان لایق مرمت ہو تو اسمین کوئی ہرج نہین ہے کہ اوس
مسجد کی دوسری دوکان کی آمدنی سے اوسکی مرمت کیجاے۔

**مسجد کسی خاص فرقہ کے لیے مخصوص نہین ہے۔**

مسلمانون کے کسی خاص فرقہ کے لیے کوئی مسجد مخصوص نہین
ہوتی۔ تمام مسلمان مسجد مین خدا کی پرستش کر سکتے ہین[۵۱] مثلاً اگر
کسی حنفی نے مسجد بنائی ہے تو شافعی و مالکی و حنبلی سب حنفی کے ساتھ اوس مسجد مین نماز
پڑھ سکتے ہین اسیطرح شیعہ بھی اوسمین نماز پڑھ سکتے ہین۔ مسجد کے حنفی متولی کو یہ اختیار

---

۵۱ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۴ جسمین فیصلہ اجلاس کامل قیصر ہند بنام رمضان
الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۶۱ کا حوالہ دیا گیا و نیز دیکھو۔ جنگو بنام احمد اللہ الہ آباد جلد ۱۳
صفحہ ۴۱۹۔

نہین ہے کہ ان مختلف فرقون مین سے کسیکو مسجد مین آنے و خدا کی عبادت کرنے سے رد کرے۔ حنفی کے لیئے جائز ہے کہ وہ شافعی و مالکی یا حنبلی المذہب کے امام کے پیچھے نماز پڑھے اور ایسے ہی حنفی المذہب امام کے پیچھے شافعی وغیرہ کے پیرو کو بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

فی زماننا ہندوستان کے سنیون مین سے کثیر التعداد اشخاص غیر مقلد ہوگیے ہین یعنی یہ گروہ کسی خاص امام کی تقلید جائز نہین سمجھتے۔ اور رفع یدین و آمین بالجہر کہتے ہین۔ ان کا میلان شافعی مذہب کی طرف ہے اور اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہین۔ پورا تے حنفیون کو اسپر اعتراض ہوا اور اس وجہہ سے اونکے درمیان حال مین بہت سے مقدمات بھی ہوئے۔

حنفیون کو عامل بالحدیث امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار تھا اور نیز اپنی مسجدون مین اون کا نماز پڑھنا گوارا نہین کرتے تھے لیکن عدالت سے ان دونون باتون کا فیصلہ عامل بالحدیث کے حق مین ہوا بمقدمہ فضل کریم بنام مولا بخش پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ عامل بالحدیث ہونے کے باعث امام امامت کی ناقابل نہین ہوگیا[٥١]۔ امام ابو یوسف و اہل حدیث کے نزدیک مسجد کی بیع کسی صورت مین جائز نہین ہے[٥٢]۔

رباط و قبر وغیرہ کا وقف | رباطات[٥٣] و مقابر و خانات[٥٤] و حیاض[٥٥] و طرق[٥٦] و سقایات[٥٧]۔

فتاوی عالمگیری مین ہے اگر کسی نے مسلمانون کے لیے کوئی سقایا بنایا یا کاروان سرائے

---

٥١ کلکتہ جلد ١ صفحہ ٨٤٤ ٥٢ فتاوی عالمگیری جلد ٢ صفحہ ١٠٥٦ ٥٣ جمع رباط جو سرحد اسلام ملحق بملک دشمن پر سراے و قلعہ کے طور پر وقف ہو کہ اوسمین مجاہدین رہین اور اپنے گھوڑے باندہین اور کبھی جہاد کے سفر مین منزل کرنیکے معنی مین بہی آتا ہے ٥٤ جمع خان بمعنی کاروانسراے ٥٥ جمع حوض ٥٦ جمع طریق بمعنی راستہ ٥٧ جمع سقایا جو پانی پینے کے لئے بنادیتے ہین تاکہ مسافر اونسے پانی پئین بخلاف حوض کے کہ اوس سے جانورونکو بہی پلاتے ہین

بنائی یا زمین مقبرہ کردی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اوسکی ملک اوس سے اوسوقت تک زائل نہ ہوگی جب تک کہ کوئی قاضی یا حاکم اوسکا حکم نہ دے وامام ابو یوسف کے نزدیک اوسکے قول ہی سے اوسکی ملک ان چیزون سے زائل ہوجائیگی و امام محمد کے نزدیک اگر لوگون نے سقایا سے پانی پیا یا خان مین رہے یا رباط مین اوترے اور مقبرہ مین مردہ دفن کیا تو وقف کنندہ کی ملک زائل ہوجائیگی خواہ ایک ہی نے ایسا کیا ہو کیونکہ تمام نوع انسان کا کرنا متعذر ہے۔ اور یہی حال کنوان و حوض کا بھی ہے مبسوط مین ہے کہ ان مسائل مین صاحبین کے قول پر فتوی ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ کوئی میت ایک شخص کی زمین مین بدون حکم مالک کے دفن کی گئی تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے اوس سے راضی ہوجاے یا اوس مردہ کے نکالنے کا حکم دی و چاہے زمین برابر کرکے اوسمین زراعت کرے۔

امیر علی صفحہ ۱۳۷ - مقبرہ وقف ہوتا ہے اسوجہ سے اوسکی بیع یا تقسیم جائز نہین[۵۱] لیکن اگر کسی زمین کی نسبت مقبرہ ہونیکا ثبوت نہین ہے اور اوسمین ایک یا دو مردہ دفن ہین تو جس قدر زمین مین وہ قبرین ہین وہ وقف ہے[۵۲] کسی زمین کا قبرستان ثابت ہونا قبرون کی تعداد پر موقوف ہے یا اوس زمین کا وقف ہونا مشہور ہو۔

# فصل دہم - وقف کی آمدنی کا استعمال

فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۵۰ - حاصلات وقف مین سے پہلے وقف کی تعمیر مین

---

[۵۱] صدر دیوانی عدالت بنگال ۲۱ - نومبر ۱۸۴۲ء صفحہ ۴۰ و صدر دیوانی عدالت مغربی و شمالی ۵ دسمبر ۱۸۶۲ء صفحہ ۲۵۰ [۵۲] سیل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۲۰۴ -

صرف کیا جائیگا خواہ وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو - پھر جو امر اس
عمارت سے قریب ہو اور مصلحت مین سب سے عام ہو جیسے مسجد کے واسطے
اوس کا امام و مدرسہ کے واسطے اوس کا مدرس - پس اونکو بقدر ان کی کفایت
کے دیا جاوے گا پھر چراغ و بوریئے و فرش وغیرہ مین صرف کیا جائیگا - پھر اسی
طرح آخر تک مصلحتون مین لحاظ رکھا جائیگا - یہ اوس وقت ہے کہ وقف کا کوئی
مصرف معین نہ ہو و اگر کسی چیز پر معین کیا گیا ہو تو اوس وقف کی تعمیر و اصلاح مین
صرف کرنے کے بعد اوسے مصرف معین مین صرف کیا جائیگا - حاوی قدسی -
جن وجہون پر وقف ہے وقف کی کل آمدنی اون سب پر تقسیم کر دی جائیگی لیکن اگر
تاخیر سے عمارت مین کہلے ہوئے نقصان پہونچنے کا احتمال ہے تو تعمیر کو مقدم کرینگے -
رہا ناظر پس اگر اوسکے واسطے وقف مین کچھ شرط ہو تو وہ گویا مستحقین مین سے ایک
مستحق ہے اور اگر ایسا نہ ہو پس اگر وہ کام کرتا ہو تو بقدر اپنی اجرت کے لیگا اور اگر کچھ
کام نہ کرتا ہو تو کچھ نہ پاوے گا - فتح القدیر -
وقف کی تعمیر اوسی قدر لازم ہے جس سے وقف کی ہوئی چیز ویسی ہی باقی رہے
جیسی وقف کی گئی تہی اوس سے بڑہانا واجب نہین ہے پس بدون اوسکی رضامندی
کے جسپر وقف ہے متولی اوس سے زیادہ عمارت پر صرف نکریگا و اگر وقف غیرون پر
ہے تو بعض کے نزدیک متولی کسی حال مین اوس سے زیادہ تعمیر نہ بڑہائیگا جس
وصف پر وقف کرنے والے نے وقف کیا ہے اور یہی اصح ہے - فتح القدیر -
اگر کسی نے اپنا مکان اپنی اولاد کی سکونت کے لیے وقف کیا تو جو اسمین رہے اوسی
پر اوسکی تعمیر و مرمت واجب ہے و اگر اوس نے انکار کیا یا وہ محتاج ہے تو قاضی اوس
مکان کو اجارہ پر دیکر اوسی اجرت سے مرمت و تعمیر کا حکم دے گا اور بعد مرمت کے

اوسی شخص کو واپس دیدے گا جسپر وقف ہے اور انکار کرنے والے پر تعمیر کے لیے
جبر نہین کیا جائیگا اگر اوس نے اجارہ پر دیا جسکو حق سکونت حاصل ہے تو اوس کا
اجارہ پر دینا صحیح نہین ہے - ہدایہ - عمارت وقف مین سے جو چیز منہدم ہو گئی یا
ٹوٹ کر گر گئی تو قاضی اوسکو عمارت وقف مین صرف کریگا اگر وقف مین اسکی ضرورت
ہو و اگر ضرورت نہین ہے تو اوسکو رکھ چھوڑے گا تاکہ جب وقف مین اسکی ضرورت
پیش آئے تو عمارت مین صرف کرے و اگر عمارت مین اوسکا صرف کرنا متعذر ہے
تو اوسکو فروخت کر کے اوسکا ثمن مرمت مین صرف کریگا اور یہ روا نہین ہے کہ مستحقان
وقف مین اوسکو تقسیم کر دے - ہدایہ -

سید امیر علی بحوالہ ردالمختار لکھتے ہین کہ اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ عمارت وقف
کی تعمیر و مرمت کے بعد آمدنی سے جو فاضل بچے وہ فقرا و دیگر مستحقین کو دیا جاے
تو اس صورت مین بھی متولی پر لازم ہے کہ وقف کی آمدنی سے سالانہ کچھ مرمت کے لئے
علیحدہ رکھتا جائے گو فی الحال مرمت کی کوئی ضرورت بھی نہ ہو - تاکہ اس طریقہ سے
مرمت کے لیے کچھ زر نقد ہمیشہ ہاتھ مین رہے - کیونکہ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے
کہ یکایک مرمت کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور اوس وقت روپیہ نہین ہوتا "اگر ایک
مکان کسی شخص کے لیے وقف ہے تو وہ صرف اوس مکان کی آمدنی کا مستحق ہے
اوسمین سکونت رکھنے کا مستحق نہین ہے اسی طرح اگر اوسے رہنے کے لیے وقف
کیا گیا ہے تو اوسکو مکان کی آمدنی کا حق نہین ہے" اس مسئلہ کی صحت پر شبہہ کیا
کیا گیا ہے - بہر حال قاضی کو یہ اختیار ہے کہ حسب اقتضائے رائے ایسے کام کرنے
کی اجازت دے جو وقف کے لیے مفید ہو - لیکن مسئلہ مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا
ہے کہ کسی صورت مین مستحقین کو اپنی خواہش کے مطابق وقف کی نوعیت تبدیل

کرنے کا اختیار نہین ہے - اگر وقف کی جائداد پر قرض ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ یا تو جائداد کا اجارہ دیکر یا کسی دوسرے مناسب طریقہ سے اوسکے ادا کرنیکا انتظام کرے - اگر وقف سے کچھہ آمدنی نہ ہوتی ہو اور جائداد وقف خراب ہو چلی ہو تو قاضی کو یہ اختیار ہو کہ متولی کو حکم دے کہ کل یا بعض جائداد وقف کو عارضی طور پر اجارہ دےدے اور اوسکی آمدنی مرمت مین صرف کرے اگر وقف کی آمدنی عمارت وقف کی تعمیر کے لیے کافی نہ ہو یا اگر جائداد منہدم ہو رہی ہو جس سے اوسکے بالکل برباد ہونے کا احتمال ہے اور آمدنی اوسکی مرمت کے لیے کافی نہین ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ یہ حکم دے کہ اوس عمارت وقف کو فروخت کر کے اوسکی قیمت سے دوسری جائداد خریدی جاوے جو تابع اونہین شرائط کے ہو جسکی تابع عمارت وقف ہے - یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور حتی الامکان اسپر عمل ہونا چاہیئے - لیکن اگر جائداد وقف کا فروخت کرنا یا اوسکی آمدنی اوسکے مستحقین کو یا فقرا کو دینا غیر ممکن ہو تو اوس صورت مین امام محمد کے قول پر عمل ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جب مصرف وقف کلیتاً زائل ہو جاے تو جائداد وقف واقف کے ورثا کی طرف عود کریگی -

**طالب علمون پر وقف** سید امیر علی بحوالہ رد المختار لکھتے ہین کہ "اگر وقف طالب علمون پر ہو اور اوسکی آمدنی تھوڑی ہو تو صرف محتاج طالب علمون کو دیجائیگی - لیکن عام طور پر لفظ طالب علم سے احتیاج مراد ہوتی ہے اور جب وقف طالب علم کے واسطے ہو تو وقف کی آمدنی صرف محتاج طالب علمون پر صرف کی جائیگی کیونکہ قریب قریب تمام طالب علم عسرت کی حالت مین ہوتے ہین - اسیطرح اگر کسی مسجد کے لیے قرآن یا کسی مدرسہ کے لیے کتابین وقف کی گئی ہین تو اونکا استعمال صرف محتاجون کے لیے مخصوص ہوگا بجز اوس صورت کے جب وہ کتابین کسی دوسری جگہہ نہ ملتی ہون - لیکن ایک اور فقہہ کی کتاب مین ہے کہ کتابون کے اور طالب علمون کے وقف مین

محتاج وغنی سب شامل ہین - اگر کتابین کسی خاص مقام کے لیے وقف ہین تو اوس جگہہ سے دوسری جگہہ کتابین لیجانے کی اجازت نہ دیجائیگی - و اگر طالب علمون کے لیے وقف ہین تو تمام طالب علم اوس سے فائدہ اوٹھانے کے مستحق ہین لیکن وے دوسری جگہہ نہین لیجا سکتے وقف کے متعلق واقف نے جو شرائط کی ہین وہ اگر شرعاً جائز ہین تو اس طرح لایق پابندی ہین گویا قانون نے وہ شرطین لگائی ہین لیکن قبل اسکے کہ ایسی شرط پر جس سے وقف کا استعمال محدود کیا گیا ہو یہ امر پورے طور پر ثابت ہونا چاہیئے کہ واقف نے فی الحقیقت وعمداً وہ شرط لگائی ہے "اگر وقف چند اشخاص کے لیے ہے تو بغیر اونکی اجازت کے عمارت نہین بڑہائی جائیگی" بالفاظ دیگر مستحقین وقف کا یہ حق ہے کہ وقف کی نوعیت مین کسی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے اگر زیادہ خرچ کی ضرورت ہے تو اون سے مشورہ کیا جاے اگر وقف کی عمارت خراب ہو رہی ہے - تو متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اوس مکان مین جو درخت ہین اونکو مکان کی مرمت کے لئے فروخت کرے - لیکن وہ مکان کو اجارہ پر دیسکتا ہے اور اوسکی آمدنی سے مرمت کرسکتا ہے -

"اگر عمارت کی زمین وقف ہے اور اوسکی آمدنی وقف کے اغراض مین صرف ہوتی ہے لیکن عمارت منہدم ہوگئی ہے یا زمین غیر مزروعہ ہوگئی ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسکو فروخت کرنے کا اور ثمن سے وقف کے واسطے کسی دوسری جائداد خریدنے کا حکم دے"

## فصل یازدہم - وقف مین شرط لگانیکے بیان مین یا اختیارات واقف

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر واقف نے اصل وقف مین یہ شرط کی کہ جب چاہے گا

اس اراضی کی جگہہ دوسری اراضی بدل لیگا جو بجاے اسکے وقف ہو گی تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اور شرط دونون جائز ہین اور اسیطرح اگر یہ شرط کی کہ اوسکو فروخت کرے گا اور اوسکے ثمن سے دوسری زمین خرید لیگا جو اوسکی جگہہ وقف ہو گی تو بہی جائز ہے اور واقعات قاضی امام فخر الدین رح مین امام ابو یوسف کے قول کے ساتھ شیخ ہلال کا قول بھی مذکور ہے اور اسی پر فتوی ہے - یہ خلاصہ مین ہے -

سید امیر علی لکھتے ہین کہ "اگر واقف نے صرف یہ شرط کی کہ اسکو فروخت کریگا اور یہ شرط ضمنا یا صراحتاً نہ کی کہ اسکے ثمن سے دوسری زمین خرید لیگا جو بجاے اوسکے وقف ہو گی تو وقف باطل ہے" اور فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شیخ ہلال نے کہا ہے کہ یہ شرط فاسد ہے اس سے وقف فاسد نہو گا - فتاوی قاضی خان -

ذیل کے مسائل فتاوی عالمگیری سے ماخوذ ہین - ایک مرتبہ اوسکے استبدال یعنی بدلنے کے بعد اوسکو یہ اختیار نہ ہو گا کہ دوبارہ بدلے اس وجہ سے کہ اسکی شرط ایک مرتبہ تبدیل کرنے سے منتہی ہو گی لیکن اگر اوس نے ایسی عبارت بیان کی ہو جو ہمیشہ اوسکے واسطے اوسکے استبدال کے اختیار کے مفید ہو تو اختیار حاصل ہو گا - فتح القدیر

اگر اوس نے فقط استبدال کی شرط کی اور یہ نہ کہا کہ بدلکر زمین یا مکان لیگا اور اوس نے اول وقف کو فروخت کیا تو اوسکو اختیار ہو گا کہ جنس عقار سے جو چاہے خواہ زمین ہو یا مکان بجاے اوسکے بدلے اور اسیطرح اگر کسی شہر کی قید نہ لگائی ہو تو اوسکو اختیار ہو گا کہ چاہے جس شہر مین استبدال کرے - خلاصہ -

اگر شرط یہ کی ہے کہ بجاے اسکے دوسری زمین بدل سکتا ہون تو اوسکو یہ اختیار نہ ہو گا کہ بجاے اوسکے مکان بدلے اور اسیطرح اوسکے برعکس بہی جائز نہین ہے - فتح القدیر

مکانِ وقف کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا اوسی وقت جائز ہے جب محلہ ایک ہی ہو یا بوبدے مین آیا
ہو اوسکا محلہ بہ نسبت وقف کے محلہ کے زیادہ بہتر ہو۔ اگر اسکے برعکس ہے تو جائز نہین ہے اگر اپنے واسطے
استبدال کی شرط کی ہے پھر تبادلہ کیلئے واقف نے کسی کو وکیل کیا تو جائز ہے لیکن موت کے بعد
اگر تبادلہ کیواسطے کیسکو وصیت کی تو وصی کو اختیار حاصل نہ ہوگا و اگر استبدال کا اختیار اپنے واسطے
معہ دوسرے شخص کے اس طرح شرط کیا کہ دونون ساتھ ہی استبدال کرین پھر اس دوسرے نے تنہا تبادلہ
کیا تو نہین جائز ہے و اگر وقف کنندہ نے تنہا تبادلہ کیا تو جائز ہے۔ فتح القدیر۔

اگر وقف کنندہ نے متولی کو اختیار استبدال کی شرط کی ہو تو متولی تبادلہ کر سکتا ہے و اگر شرط استبدال واقف
نے صرف متولی کیواسطے کی اپنے لیے نہین تو اوسصورت مین واقف کو استبدال کرنیکا اختیار ہے۔ فتح القدیر۔

اگر وقف مرسل ہو یعنی اسمین استبدال کی شرط واقف نے نہ کی ہو تو اوسکو اوس وقف
کے بدلنے کا اختیار نہ ہوگا گو وقف کی زمین ٹوٹی ہو گئی ہو اور اوس سے کچھ انتفاع نہ ہو۔

اگر کہا کہ میری یہ زمین اللہ تعالی کے واسطے صدقہ موقوفہ ہے اس شرط پر کہ اسکی آمدنی
و غلہ جہان چاہونگا مین خرچ کرونگا تو جائز ہے اور اوسکو اختیار ہوگا کہ جہان چاہے اوسکا
غلہ صرف کرے پس اگر اوس نے مساکین پر یا حج کے واسطے یا کسی شخص معین
کے واسطے قرار دیا تو اوسکو یہ اختیار نہ ہوگا کہ پھر اوس سے رجوع کرے اور اسیطرح
اگر یہ کہا کہ مین نے یہ غلہ فلان کے واسطے قرار دیا یا اوسکو عطا کیا تو اس سے رجوع نہ
کرسکےگا اور اگر اوس نے ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کے واسطے قرار دیا
تو جائز ہے و اگر اوس نے اپنے نفس کے واسطے قرار دیا تو وقف باطل ہوگا۔ اور یہ
حکم (یعنی وقف باطل ہونیکا) شیخ ہلال کے قول پر ٹھیک ہو سکتا ہے بخلاف
اسکے اگر اوس نے کہا کہ اس شرط پر کہ اوسکا غلہ جسکو چاہونگا دونگا تو یہ حکم نہین ہے
(یعنی وقف باطل نہ ہوگا)۔ سید امیر علی نے بھی اپنی کتاب مین لکھا ہے صفحہ ۳۲۳۔

کہ دو اگر واقف نے وقف کی آمدنی خود کھائی تو اس سے وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اوسکو اختیار ہے کہ جسکو چاہے وقف کی آمدنی عطا کرے۔ کسی شخص نے اگر اپنی جائداد اس شرط پر وقف کی کہ متولی اوسکی آمدنی جسکو چاہے دے تو یہ وقف صحیح ہے اور متولی فقیر و غنی سب کو دیسکتا ہے۔ و اگر کہا کہ اس شرط پر کہ فلان اوسکا غلہ جسکو چاہے دے تو یہ جائز ہے اور فلان مذکور کو اختیار ہوگا کہ وقف کنندہ کی زندگی مین اور بعد اوسکی موت کے اوسکا غلہ جسکو چاہے دے اوسکو اختیار ہے کہ چاہے اپنی اولاد و نسل کو دے چاہے وقف کنندہ کی اولاد و اوسکی نسل کو دے۔ لیکن اوسکو یہ روا نہین ہے کہ اپنے آپ کو دے (اس قدر عبارت فتاوی عالمگیری سے نقل کر کے سید امیر علی لکھتے ہین) کہ دو یہ صاف ظاہر نہین ہوتا کہ اگر اوس شخص نے اپنے آپ پر صرف کیا تو اوسکا نتیجہ قانونی کیا ہوگا۔ اسکے بعد عالمگیری مین لکھا ہے" دو اگر اوس نے یہ کہا کہ مین نے اپنے آپ کو دیا تو اس کہنے سے اوسکا اختیار اوسکے ہاتھ سے خارج نہ ہوگا" اس مسئلہ کے متعلق سید امیر علی لکھتے ہین کہ یہ صحیح ہے کہ صرف ایسا کہنے سے اوسکے اختیارات زائل نہ ہونگے لیکن کیا وقف کی آمدنی ناجائز طور پر اپنی ذات پر صرف کرنا اغراض وقف کے منافی نہین ہے ؟

سید امیر علی لکھتے ہین کہ خصاف نے کہا ہے کہ منجملہ اون شرائط کی جو معتبر ہین ایک یہ ہے کہ متولی اراضی وقف کو اجارہ پر نہ دے گا پس اگر اوس نے ایسا کیا تو اجارہ باطل ہے اگر واقف نے یہ شرط کی ہے کہ متولی اراضی یا باغ وقف بٹائی پر نہ دے یا یہ شرط کی کہ اگر متولی اراضی کو اجارہ پر دے تو وہ تولیت سے خارج کیا جائے تو ان صورتون مین اگر متولی نے خلاف ہدایت عمل کیا تو وہ تولیت سے خارج کر دیا جائیگا اور قاضی کوئی دوسرا متولی ایسے شخص کو مقرر کریگا جسکی دیانت پر بھروسا ہو۔ واقف کو جائز ہے کہ وقف

کرنے کے وقت مستحقین وقف مین ردوبدل کرنیکا اختیار اپنے سیلئے شرط کرے لیکن بعد مین وہ ایسا نہین کرسکتا ۔ ردالمختار مین ہے کہ دو واقف کو شرائط وقف مین ردوبدل کرنیکا اختیار ہے اگر اوس نے اپنے سیلیے صیح شرط نہ کی ہو[۵۱] اگر اوس نے اپنے سیلیے یہ شرط کی ہے کہ مستحقین کو جب چاہون گھٹا دون یا بڑہا دون یا کسی کو اون مین سے خارج کردون یا متولی کو موقوف کردون تو اوسکو ایسا کرنا جائز ہے لیکن وقف کی نوعیت یا حیثیت مین وہ کوئی ردوبدل نہین کرسکتا اسیطرح متولی کو جائز نہین ہے کہ شرائط مندرجہ وقف نامہ سے تجاوز کرے دو وقف نامہ مین یہ شرط لکہنی جائز ہے کہ متولی کو اختیار ہے کہ کسی شخص کا وظیفہ گھٹاوے یا بڑہاوے یا کسی شخص کو فائدہ وقف مین زیادہ کرے یا کسی کو اوس سے خارج کرے ۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مصلحت وقف ہر حالت مین مدنظر رکھے ؞

اگر وقف کنندہ نے یہ شرط کی ہو کہ اراضی وقف کو فروخت کرکے اوسکے زرثمن سے دوسری جائداد خرید کریگا تو دوسری جائداد مثل اول کے وقف ہو جائیگی اور اوس سے وہ تمام شرائط متعلق ہونگی جو اراضی وقف سے متعلق تہین ۔ علامہ کے نزدیک استبدال مین یہ بہی شرط ہے کہ جس اراضی سے وقف کا تبادلہ کیا جاوے وہ اوسی قسم کی ہو جیسی کہ وقف کی جائداد تھی لیکن صاحب رد کہتا ہے کہ یہ شرط ضروری نہین ہے بلکہ جو امر دیکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ زیادہ فائدہ کس مین ہے ۔ مثلاً کسی نے چند دوکانین وقف کی ہین تو وہ اونکو فروخت کرکے ثمن سے کچھہ اراضی خرید سکتا ہے جس سے زیادہ منفعت ہو اسلیئے اگر واقف یا متولی کو یہ اختیار ہے کہ جائداد وقف کو فروخت کرکے اوسکے ثمن سے

---

[۵۱] الہ آباد ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ ۔ ہدایت النسا بنام افضل حسین ۔

دوسری جائداد خرید کرے جو وقف کے تمام شرایط کے تابع ہو تو اوس صورت مین
ایسی قید کی ضرورت نہین ہے کہ یہ دوسری جائداد اوسی قسم و نوعیت کی
ہو جیسی کہ پہلی جائداد تھی۔
جائداد وقف کا ثمن درہم و دینار مین بھی لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر
ثمن زر نقد مین لگایا جاوے تو سرمایہ کے ضایع ہونیکا بہت احتمال ہے اس لیے
ایسا کرنا مناسب نہین ہے۔ لیکن اگر اصل سرمایہ کو بلا احتمال نقصان کے زر نقد مین
لگا سکتے ہین اور اوس سے منفعت بھی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے مثلاً سرکاری پرامیسری
نوٹ کا خریدنا۔ قاضی کو اور بعض حالتون مین متولی کو یہ اختیار ہے کہ واقف کے
شرایط کا کچھ خیال نہ کرے جب وہ شرایط نوعیت وقف کے بالکل متناقض ہون
یا آنکہ اوس غرض کے بالکل خلاف ہو جسکے لیے وقف عمل مین آیا ہے مثلاً نمبر ا
اگر واقف نے یہ شرط کی ہے کہ قاضی اوس متولی کو موقوف نکرے جسکو اوس نے یا
اوسکے ورثا نے مقرر کیا ہو تاہم قاضی کو یہ اختیار ہے کہ ایسے متولی کو جو نالائق ہے
یا جس نے خیانت کی ہے موقوف کر دے۔ نمبر ۲۔ یا اگر وقف نامہ مین یہ شرط ہے
کہ متولی جائداد وقف کو ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر نہ دے اور
یہ ثابت ہو کہ کوئی شخص ایک سال کے اجارہ پر نہین لیتا تو قاضی کو اختیار ہے کہ متولی
کو اجازت دے کہ زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دے۔ نمبر ۳۔ یا اگر واقف نے
یہ شرط کی ہے کہ اون مسکینون کو جنکو ایک خاص مسجد سے کچھ ملتا ہے خیرات
نہ دیجائے تو متولی کو ایسے مسکینون کے خیرات دینے کا اختیار ہے۔ نمبر ۴۔ یا اگر
واقف نے یہ شرط کی ہے کہ اون اشخاص کو جنکے لیے وقف کیا گیا ہے روزانہ خوراک
دیجاوے تو متولی کو اختیار ہے کہ برضامندی جملہ مستحقین کے روزانہ خوراک کو زر نقد

سے تبدیل کر دے اگر متولی نہ چاہے تاہم مستحقین بھی ایسا کرا سکتے ہین۔ نمبر ۵۔ قاضی کو اختیار ہے کہ امام اگر لائق و پرہیزگار ہے تو اوسکی تنخواہ مین اضافہ کرے اگر تنخواہ معین ناکافی ہے۔ نمبر ۶۔ اگر یہ شرط ہے کہ جائداد وقف کا استبدال نہین ہو سکتا لیکن اگر قاضی ایسا کرنا مناسب خیال کرے تو استبدال کی اجازت دے سکتا ہے۔

فتاوی سراجیہ مین ہے کہ جب جائداد وقف کے فروخت یا استبدال سے صریحی فائدہ ہو تو قاضی حکم دے سکتا ہے۔ مثلاً جائداد وقف سے کوئی آمدنی نہین ہوتی اور کوئی شخص اوسکی خریداری کا خواہان ہے اور بعوض اوسکے ایسا مکان یا اراضی دیتا ہے جس سے آمدنی ہوتی ہے تو ایسی صورت مین مطابق قول امام ابویوسف و امام محمد کے استبدال جائز ہے۔

ناظم دہبانی کی شرح مین بحوالہ محیط و قاضی خان وغیرہ کے لکھا ہے کہ امام محمد کے قول کے مطابق اگر جائداد وقف کی قوت پیداوار کم ہو گئی ہو تو متولی اوسے ایسی دوسری اراضی سے بدل سکتا ہے جس سے زیادہ منفعت ہوتی ہو۔ تتمہ مین امام محمد سے روایت ہے کہ اگر جائداد وقف سے مستحقین کو کچھہ فائدہ نہین ہوتا ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسے فروخت کر کے اوسکے ثمن سے دوسری جائداد خریدے اور اس قسم کا اختیار سوائے قاضی کے اور کسی دوسرے کو نہین ہے۔

سیر کبیر مین ہے کہ چند فقہا کے نزدیک جائداد وقف کا استبدال ناجائز ہے مگر ابویوسف کے نزدیک جائز ہے اور محیط مین ہے کہ شمس الائمہ حلوائی سے سوال کیا گیا کہ اگر مسجد کی جائداد موقوفہ بیکار ہو گئی ہے اور اوس سے کچھہ منفعت نہین ہوتی تو متولی اوسے فروخت کر کے دوسری خرید سکتا ہے یا نہین۔ تو اونھون نے جواب دیا۔ کہ ہان ایسا کرنا جائز ہے۔ پھر یہ سوال کیا گیا کہ اگر اوس جائداد سے آمدنی ہوتی

ہے مگر اوسکے ثمن سے دوسری بہتر جائداد خریدی جاسکتی ہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہین - تو اسکے جواب مین بھی کہا کہ ہان ایسا کرنا جائز ہے "

دو گو چند فقہاء کے نزدیک جائداد وقف کا فروخت و استبدال ناجائز ہے مگر ہم ابھی بیان کر چکے ہین کہ ہم ابو یوسف کے قول کو مانتے ہین "

فوائد مین خصاف سے مذکور ہے کہ جب واقف نے دو متضاد شرایط کیے ہون تو شرط ثانی پر عمل ہوگا بشرطیکہ شرط ثانی واقف کے اختیار سے خارج نہ ہو -

جب وقف نامہ مین دو متباین شرائط ہون تو ہمارے نزدیک شرط آخر الذکر قابل نفاذ ہوگی کیونکہ شرط ثانی اول کو منسوخ کرتی ہے . . . . واقف کی شرایط اگر جائز ہین تو مثل قانون کے لایق نفاذ ہین - شرائط وقف کی تعمیل کرنے مین واقف کی نیت و ارادہ کا پورا خیال رکھنا چاہیے واگر اوسکی نیت صاف طور پر نہ معلوم ہوتی ہو تو شہادت کے ذریعہ سے اوسکی نیت معلوم کرنی چاہیے اور اس طرح پر جو نیت واقف کی ثابت ہو اوسکا نفاذ اوسیطرح پر ہونا چاہیے جیسا کہ اون شرطون کا جو صاف ظاہر ہین

واقف کا اصل مفہوم دریافت کرنے کے لیے ہر مقدمہ کے حالات خاص پر لحاظ ہونا چاہیے اور نیز یہ کہ اوس خاص زبان کے محاورہ مین وہ الفاظ معمولاً کس معنی مین مستعمل ہوتے ہین - اگر واقف کے الفاظ دو معنون کے محتمل ہو سکتے ہین تو اوسکی عبارت سے ایسی تعبیر کرنی چاہیے جو اوسکی نیت و ارادہ کے بہت قریب ہو -

## فصل دوازدہم - ولایت وقف و تصرف قیم در اوقاف

سید امیر علی لکھتے ہین - واقف خود اپنے لیے ولایت شرط کر سکتا ہے - یہ امام ابو یوسف

کاقول ہے اور ایسا ہی ہلال نے بھی کہا ہے۔ و ہدایہ مین ہے کہ یہ قول مرجح ہے
د فتح القدیر) دیکھو مقدمہ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ بار بر فلٹن[۵۱]
دو فتاوی قاضی خان مین ہے کہ سیر کبیر مین امام محمد سے مذکور ہے کہ خود واقف
متولی نہین ہو سکتا اگر اوس نے وقف کرنے کے وقت اپنے لیے ولایت
شرط نہ کی ہو "
لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک جو انکی شرط نہین ہے اسلیے اگر واقف نے صراحتاً
ولایت اپنے لیے شرط نہ بھی کی ہوتا ہم وہی متولی ہو گا۔ ایسے ہی ذخیرہ و تتمہ مین ہے
اور ہدایہ مین ہے کہ ہمارا یہی مذہب ہے "
دو متولی مقرر کرنے کا حق ابتداءً وقف کنندہ کو ہے۔ اگر واقف امین و منصف ہے
تو متولی مقرر کرنے کا اوسکو قاضی سے زیادہ حق ہے کیونکہ گو اوس نے وقف کرنے
سے اپنا حق ملکیت ساقط کر دیا ہے لیکن تاہم اوسکو اس امر کے دیکھنے کا استحقاق
ہے کہ آمدنی وقف کی شرایط کے مطابق صرف ہوتی ہے یا نہین۔
دو مسجد کے لیے امام و موذن مقرر کرنے کا اوسکو زیادہ حق ہے بجز اوس حالت کے
جب اوسکے مقرر کیے ہوئے اشخاص اوس کام کے لیے موزون نہ ہون۔ ایسے ہی
نوازل مین ہے اور ابو اللیث کہتے ہین کہ اسی پر فتوی ہے " ایسے ہی رد المحتار
و فتاوی عالمگیری مین بھی ہے[۵۲]۔ وقف کنندہ اپنی زندگی مین جب چاہے متولی مقرر
کر سکتا ہے۔ اگر بلا متولی مقرر کیے ہوئے واقف مر جاسے تو متولی مقرر کرنیکا اختیار
اوسکے وصی کو ہے۔ اگر کوئی وصی نہ ہو تو متولی مقرر کرنیکا اختیار قاضی کو ہے۔

---

۵۱ رپورٹ فلٹن صاحب جلد ۱ صفحہ ۳۴۵ ۵۲ اڈیوکیٹ جنرل بنام فاطمہ سلطانی بیگم
بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۱۹۔

اگر واقف کا مقرر کیا ہوا متولی اوسکی حیات مین مرجاسے تو دوسرے متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہے نہ قاضی کو۔ فصول عمادیہ مین بھی ایسا ہی مذکور ہے۔

**عورت متولی ہوسکتی ہے** — اگر کوئی شخص جو امین ہو دوسرے معنی کر کے بھی تولیت کی خدمت انجام دیسکتا ہے وہ متولی ہوسکتا ہے۔ اس امر مین مرد و عورت برابر ہین۔ جیسے مرد متولی ہوسکتا ہے ویسے ہی عورت بھی[۵۱] اختلاف مذہب تولیت کے لیے مانع نہین ہے اس لئے سنی کی جائداد وقف کا متولی شیعہ ہوسکتا ہے[۵۲]۔ جب تک کوئی شخص خواہ مرد ہو یا عورت تولیت کی خدمت بذات خود یا نائب کے ذریعہ سے انجام دے سکتا ہے وہ متولی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وقف کا متولی وہ ہوسکتا ہے جو امین ہو اور بذات خود یا اپنے نائب سے اوسکے سر انجام پر قادر ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ خواہ آنکھون والا ہو یا اندھا۔ متولی کی خدمت ذاتی ذمہ داری کی ہے اسلئے جو شخص بذات خود اوس خدمت کو انجام نہین دیسکتا اور نہ اوس کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کا جوابدہ ہوتا ہے وہ اپنا نائب نہین مقرر کر سکتا[۵۳] لیکن جب متولی مذہبی رسومات ادا کرتا ہے اور پیری مریدی بھی کرتا ہے تو عورت متولی نہین ہوسکتی۔

---

۵۱ فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۸۸ ورد المختار جلد ۳ صفحہ ۵۹۵۔ ڈیوڈم جان بی بی بنام عبداللہ باربر فلٹن صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۳۴۵ وحیاتی خانم بنام کلثوم خانم سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ وحسینی بی بی بنام حسن شریف مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۳ وواجد علی بنام اشرف حسین کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۷۳۲۔

۵۲ دیال چند مولک بنام سید کرامت علی ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶ ۵۳ پیرن بنام عبدالکریم کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۳۔

مثلاً اگر متولی سجادہ نشین بہی ہو تو چونکہ سجادہ نشین کو بحیثیت
مرشد اپنے مریدون کو تعلیم و تلقین کرنی پڑتی ہے اسلیے عورت اپنے جنس کی وجہ
سے متولی نہین ہو سکتی[۱۵] سجادہ نشین صرف متولی ہی نہین ہوتا بلکہ مرشد بہی ہوتا
ہے وہ درگاہ کا محافظ ہے اور اوسکی ذات سے سلسلہ طریقت جاری ہے....
اسلیے کسی کم عمر لڑکے کو سجادہ نشین مقرر کرنا بلحاظ اون خدمات کے جو اوسکے عہدہ
سے متعلق ہین مناسب نہین ہے۔ لیکن اسکی ایک مثال ہے جسمین ایک نو
یا دس برس کی عمر کے لڑکے کو اخیر سجادہ نشین نے بجاے اپنے مقرر کیا تہا
اور اوسکے زمانہ طفولیت مین اپنے ایک شاگرد کو پیری مریدی کے لیے متعین کیا تہا اِس
مقدمہ مین سجادہ نشینی کا عہدہ اوس خاندان مین موروثی تہا اور بظاہر کوئی دوسرا
شخص اوس خاندان مین اس عہدہ کے لایق نہ تہا۔ اکثر درگاہ کا سجادہ نشین خاص
اوس درگاہ کے یا آس پاس کی درگاہون کے رسم و رواج کے مطابق مقرر ہوتا ہے
ہر کلاٹ صاحب نے جنوبی ہندوستان کی درگاہون کے رسم و رواج کو جو اوس وقت
مروج تہین بیان کیا ہے۔ اور جہان تک مجھے علم ہے ہندوستان کے دیگر حصون
مین بہی وہی رسم و رواج جاری ہین۔ یعنی جب کوئی سجادہ نشین مرتا ہے تو بالعموم سویم
یا تیجے کے دن اوس درگاہ کے فقیر و مرید اور پڑوس کی درگاہون کے سجادہ نشین جمع ہوتے
ہین اور کسی مناسب شخص کو خلیفہ بناتے ہین۔ عام طور پر متوفی کا لڑکا یا اوسکا نامزد کیا ہوا
شخص خلیفہ بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ بات خیال کیجاتی ہے کہ جس شخص کو متوفی نے اپنا
قایمقام نامزد کیا ہے اوسکو اوس نے طریقت کے اسرار بتلا دیے ہونگے۔ اور بعض
وقت ایسا بہی ہوتا ہے کہ سجادہ نشین کی حیات ہی مین اوسکا قایمقام کثرت راے سے

[۱۵] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۲ و حسینی بی بی بنام حسین شریف مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۳

انتخاب کیا جاتا ہے لیکن ہر صورت مین یہ بات فرض کرلیجاتی ہے کہ جو شخص خلیفہ مقرر ہوا ہے اوسکو مریدون کو تعلیم دینے کے لیے طریقت کے اسرار ضرور بتلائے گئے ہونگے - اسیطرح اگر وقف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ خاص کسی مذہب کی مذہبی رسومات ادا کیجائین تو عام طور پر دوسرے ملت و مذہب کا شخص متولی نہ مقرر کیا جائیگا حاوی مین ہے کہ متولی مثل وصی کے اپنی موت کے وقت تولیت کسی دوسرے کو دیسکتا ہے - اگر کسی شخص نے وقف کیا اور مرنے کے وقت اپنا وصی مقرر کیا مگر جائداد وقف کی بابت کچھہ نہین کہا تو وہ وصی وقف کا متولی ہوگا[۵۱] - اگر کوئی شخص خاصتاً جائداد وقف کے لیے وصی مقرر کیا جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ صرف جائداد وقف کا وصی ہوگا - گو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ کل املاک کا وصی ہوگا[۵۲] اگر واقف نے وقف کا کوئی متولی نہ مقرر کیا یہان تک کہ اوسکی وفات کا وقت آگیا پس اوس نے وفات کے وقت ایک شخص وصی مقرر کیا تو اوسکے اموال کے واسطے وصی ہوگا اور اوسکے اوقاف کے واسطے متولی و اگر اوسکے بعد دوسرے کو وصی کیا تو یہ دوسرا اوسکے اموال کے واسطے وصی ہوگا یعنی اموال کے واسطے دو وصی ہوجائینگے مگر دوسرا اوسکے اوقاف کے واسطے متولی نہ ہوگا[۵۳] -

## متولی کا تقرر

جیساکہ اوپر بیان ہوا متولی مقرر کرنیکا اختیار واقف کو ہے اور اوسکے بعد اوسکے وصی کو اگر کسیکو خاصتہً وقف کا وصی کیا تو وہ شخص اوسکے جملہ اموال کا وصی ہوگا - ظاہر الروایہ کے

---

۵۱ رد المختار جلد ۳ صفحہ ۵۵۳ و فصول عمادیہ صفحہ ۲۲۶ ۵۲ سید امیر علی جلد ۱ صفحہ ۱۵ ۵۳ فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۷۹ -

موافق امام اعظم و امام ابو یوسف کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ بی بی[۵۱] میں یہ تجویز ہوئی کہ شرع محمدی کی رو سے واقف کو اختیار ہے کہ وقف کی ولایت اپنے لیے شرط کرے یا کسی اور کو متولی مقرر کرے۔ لیکن جب اوس نے یہ تخصیص کر دی ہے کہ فلاں اشخاص میں سے متولی مقرر کیا جائیگا تو متولی اونہیں میں سے کوئی شخص مقرر کیا جائیگا اور واقف یہ نہیں کر سکتا کہ وقف نامہ کی شرط کے خلاف کوئی غیر شخص مقرر کرے۔ لیکن اس قاعدہ کلیہ میں استثنا بھی ہے جسکا ذکر حکام نے نہیں کیا۔ وہ یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کرتے وقت اپنے لیے یہ اختیار باقی رکھا ہے کہ آیندہ اون اشخاص میں ردّ و بدل کر سکتا ہے تو اس صورت میں اگر اشخاص مذکور میں سے متولی نہ مقرر کیا تاہم صحیح ہے۔ لفظ اقربا کا اطلاق صحیح طور پر ذوی الارحام پر ہوتا ہی لیکن اگر دستاویز کی سیاق عبارت سے معلوم ہو کہ یہ لفظ زیادہ وسیع معنی میں مستعمل ہوا ہے تو اوسمیں دوسرے قرابت مند بھی شامل ہیں۔ لیکن زوجہ یا واقف کی بیوہ اقربا میں داخل نہ ہوگی۔

بمقدمہ شاہ غلام رحمت اللہ بنام محمد اکبر کی تجویز[۵۲] میں مدراس ہائیکورٹ نے شرع محمدی کا یہ مسلمہ اصول بیان کر کے کہ جب جائداد وقف کیجاتی ہے تو بالعموم واقف متولی مقرر کرتے

---

[۵۱] بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۱۹ [۵۲] مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۸ صفحہ ۶۳ و نیز دیکھو محمد صادق بنام محمد علی سل صاحب کی رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۷ و محمد کشور بنام محمد شاہ قیام الدین سل صاحب کی رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۳۳۔ و بھٹی صاحب بی بی بنام دامودر پریم جی انڈین لا رپورٹ جلد ۳ بمبئی صفحہ ۸۴ و آغا محمد یوسف بنام عبد الحسین خان صدر دیوانی عدالت ۱۸۵۷ء صفحہ ۶۲۷ و ہیت کنور بنام چھتر دھاری سنگھ ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۶۔

کرنے کے متعلق قواعد بھی بیان کر دیتا ہے اور ان قواعد کے مطابق خواہ وہ تحریری ہون یا عمل درآمد کی شہادت سے ثابت ہون متولی مقرر کیا جائیگا - اگر کسی صورت مین ایسے قواعد بیان نہ ہوئے ہون تو متولی مقرر کرنیکا اختیار اپنی حیات مین واقف کو ہے اور اوسکے مرنے کے بعد اوسکے وصی کو یا اگر اوس نے کوئی وصی نہ نامزد کیا ہو تو عدالت کو -

فتاوی عالمگیری ج اگر کسی نے دو اراضی وقف کی اور ہر ایک کے واسطے ایک ایک متولی مقرر کیا تو ان مین سے ایک دوسرے کے ساتھ شریک نہ ہوگا - و اگر اپنے وقف کی ولایت ایک شخص کے واسطے کردی پھر ایک دوسرا شخص اپنا وصی مقرر کیا تو وصی مذکور امر وقف مین قیم کا شریک ہوگا - بشرطیکہ یہ نہ ثابت ہو کہ متولی و وصی کو ایک دوسرے کے کام سے کچھہ تعلق نہین ہے - جب دو شخص متولی ہون تو اونمین سے فقط ایک کو آمدنی وقف کی صرف کرنے یا فروخت کرنے کا منصب نہین ہے اگر وقف کرنے والے نے یہ کہا کہ میری موت کے بعد فلان فلان دو شخص اسکے متولی ہین اور پھر دونون مین سے ایک مرا اور دوسرے متولی کو اپنی طرف سے امر وقف کا وصی کر گیا تو زندہ کا تصرف دونون کی طرف سے تمام وقف مین جائز ہوگا - اگر اوس نے ولایت کی شرط اپنی اولاد کے واسطے اس شرط سے کی کہ اولاد مین جو افضل ہو وہ متولی ہو پھر اوسکے بعد جو افضل ہو وہ متولی ہو اسی ترتیب سے تو ولایت واقف کی اولاد مین سے افضل کو ہوگی - پھر اگر افضل مذکور فاسق ہو گیا تو ولایت اوس شخص کو حاصل ہوگی جو حقیقت مین اوسکی مثل یا قریب قریب ہے پھر اگر افضل نے فسق چھوڑکر توبہ کرلی اور دوسرے کی بہ نسبت عادل و افضل ہو گیا تو ظاہر الروایہ کے موافق ولایت اوسکی طرف منتقل ہو جائیگی -

دکا متولی ہونا

اگر سب اولاد فضیلت مین برابر ہین تو ولایت اوسکو ہوگی جو سن مین سب سے بڑا ہو خواہ مذکر ہو یا مونث۔ واگر اون سب مین کوئی ولایت کے واسطے لایق نہ ہو تو قاضی کسی اجنبی کو متولی مقرر کریگا اور جب اونمین سے لایق ہو جائیگا تو اوسے واپس کردیجائیگی[۵۱]۔

اگر وقف کنندہ نے اپنی اولاد کے لیے ولایت وقف کی شرط کی ہے تو قاضی اوسکے فرزند صغیر کا (اگر صغیر ہے) ایک خلیفہ مقرر کردیگا بشرطیکہ وہ ولایت کے لایق ہو پس اصل ولایت اوسکے فرزند کو ہوگی۔ اور یہ استحسان ہے مگر قیاساً باطل ہے۔ اسیطرح اگر وقف کنندہ نے کسی طفل کو اپنے وقف کا وصی مقرر کیا تو قیاساً باطل ہے مگر استحساناً جایز ہے اور بعد بلوغ کے اوسکو ولایت حاصل ہوگی۔ اگر کسی شخص غایب کو وصی مقرر کیا تو قاضی ایک شخص کو چند روز کے لیے مقرر کردیگا اور جب شخص غایب آجاوے تو اوسکو سپرد کردیجائیگی۔ حاوی۔

اگر واقف نے ولایت وقف اپنی اولاد مین سے دو آدمیون کے واسطے قرار دی اور اولاد مین ایک مذکر و ایک مونث لایق ولایت کے ہین تو مونث اوسکے ساتھ ولایت مین شریک کیجائیگی کیونکہ فرزند کا اطلاق دختر پر بھی ہے۔ لیکن اگر ولایت صرف اولاد ذکور کے لیے مخصوص کردی ہے تو اوس حالت مین دختر شریک نہ ہوگی۔ اگر مطابق شرط واقف کے قاضی نے اوسکی اولاد مین سے سب سے افضل شخص کو متولی مقرر کیا مگر بعد کو اونمین سے ایک دوسرا شخص اور بھی افضل نکلا تو قاضی اس دوسرے کو متولی کریگا۔ اگر اولاد مین دو شخص باعتبار فضیلت برابر ہون تو ان مین سے جو شخص وقف کے امورات سے زیادہ واقف ہو وہ متولی ہوگا۔ واگر ایک شخص باعتبار

[۵۱] بمبئی جلد ۱۳ صفحہ ۵۵۵۔ شرعاً ہر حالت مین سب سے بڑا لڑکا مستحق متولی ہونیکا نہین ہے۔

پرہیزگاری زیادہ افضل ہے دوسرا معاملہ وقف مین زیادہ واقفیت رکھتا ہے تو
شخص آخر الذکر متولی ہوگا بشرطیکہ اوسکے امین ہونیکا اطمینان ہو۔ اصل مین مذکور ہے
کہ جب واقف کے خاندان مین کوئی شخص متولی ہونے کے لائق موجود ہو تو قاضی کسی اور
اجنبی کو متولی مقرر نہ کرے گا۔ و اگر واقف کے گھرانے مین کوئی اس لایق نہ تھا اور قاضی
نے کسی اجنبی کو متولی مقرر کر دیا پھر اوسی کے گھرانے مین کوئی لایق شخص پایا گیا تو
ولایت وقف اجنبی سے لیکر اوس شخص کو دے گا۔ اگر وقف کنندہ کے رشتہ دارون
و ہمسایون مین کوئی ایسا نہین ہے جو بغیر روزینہ لیے متولی ہو اور بعض اجنبی شخص بغیر
روزینہ کے وقف کا کام انجام دینا منظور کرتے ہین تو یہ قاضی کی رائے پر ہے
کہ وقف کے اور جن لوگون کو وقف کا نفع پہونچتا ہے اونکے حق مین جو بہتر دیکھے وہ کرے
تاتارخانیہ۔ متولی وقف کو یہ اختیار ہے کہ اپنی موت کے وقت دوسرے کو ولایت
وقف سپرد کر دے جیسے وصی اپنی موت کے وقت دوسرے کو وصی کر سکتا ہے۔
لیکن اگر واقف نے متولی مذکور کے واسطے کچھ مال مقرر کیا ہے تو وہ اوس شخص کو
جسکو متولی نے مقرر کیا ہے نہ ملیگا بلکہ اس امر کا مرافعہ قاضی کے حضور مین کرنا ہوگا تاکہ
قاضی اوسکے لیے اجر المثل مقرر کر دے ولیکن اگر وقف کرنے والے نے یہ اختیار
ہر متولی کو دیدیا ہے تو جدید متولی کو وہی اُجرت ملیگی جو سابق متولی کو ملتی تھی اور قاضی
سے مرافعہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور قاضی کو ضرور نہین ہے کہ متولی کے مقرر کیے
ہوئے متولی کے واسطے وہی مال قرار دے جو وقف کرنے والے نے اپنے
مقرر کیے ہوئے متولی کے واسطے قرار دیا تھا۔ فتح القدیر۔
اگر متولی نے چاہا کہ اپنی صحت و حیات مین بجائے اپنے دوسرے کو مقرر کرے تو نہین
جایز ہے الّا اوس صورت مین کہ ولایت اوسکو بر سبیل تعمیم سپرد کی گئی ہو۔ اگر قاضی نے

وقف کے واسطے باوجود ایک متولی کے دوسرا متولی مقرر کیا تو اس سے پہلا متولی معزول نہ ہوجائیگا بشرطیکہ وہ وقف کنندہ کا مقرر کیا ہوا ہو و اگر خود قاضی کا مقرر کیا ہوا ہوا اور دوسرے کے مقرر کرنے پر پہلے متولی کو آگاہ کردیا تو پہلا متولی معزول ہوجائیگا۔ متولی کو اپنا جانشین نامزد کرنیکا اختیار صرف اوس صورت مین ہے جبکہ وقف کنندہ نے کوئی شرط ولایت کے واسطے نہ کی ہو و اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ ولایت وقف فلان خاندان کی اولاد ذکور مین کیسکو ملیگی تو کسی متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اوس ہدایت کے خلاف کسی اور شخص کو متولی مقرر کرے یا اگر واقف نے یہ کہا ہو کہ زید کے بعد بکر کو ولایت وقف ہوگی تو زید کو یہ اختیار نہین ہے کہ خالد کو متولی مقرر کردے۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر متولی نے کہا کہ مین نے اپنے آپکو معزول کیا تو وہ معزول نہ ہوگا لیکن اگر وقف کنندہ یا قاضی سے کہے اور وہ خارج کردے تو خارج ہوسکتا ہے۔ دبعض مشایخ کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ ایک متولی دوسرے کو متولی کرنے کی غرض سے زد ستعفی ہوجائے لیکن ساتھہ ہی اسکے یہ بہی کہا ہے کہ دوسرا شخص متولی نہین ہوسکتا تا وقتیکہ قاضی اوسے نہ مقرر کرے اور یہ کچھہ ضرور نہین ہے کہ قاضی اوسیکو متولی مقرر کرے۔ اگر کوئی متولی ایک شخص سے کچھہ لیکر تولیت سے مستعفی ہوا ہے مگر اوس شخص کو قاضی نے متولی مقرر نہین کیا تو اسکو اختیار ہے کہ متولی سے وہ روپیہ وصول کرے جو اوس نے دیا تھا[۵۱]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ کے متولیان وقف اکثر اپنے نائب کی معرفت اپنی خدمات انجام دیتے تھے اور جو روزینہ اونکے سیلیے مقرر تہا اوسکو خود لیتے تھے اور اوسمین سے برائے نام قایم مقامون کو کچھہ دیدیتے تھے

---

[۵۱] شاہ محی الدین بنام الہی بخش ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۲۷۷۔

فقہاے متقدمین مین اس فعل کے جواز کی نسبت بہت اختلاف رہا۔ لیکن متاخرین
مشایخ کا اب اس امر پر اتفاق ہے کہ قایمقام کا تقرر اب صرف اوس حالت مین جائز
ہے جب اسکے لیے کوئی معقول وجہہ ہو۔ اگر متولی عورت ہے تو چونکہ وہ اپنی جنس کی
وجہہ سے بہت سی باتین بذات خود انجام دینے سے معذور ہے اسیلیے اوسکو جائز
ہے کہ کیسکو اپنا نائب مقرر کرے۔ اسی طرح اگر متولی بذات خود اپنے عہدہ کے فرایض
کے انجام دینے مین عارضی طور سے معذور ہے مثلاً وہ بیمار ہو گیا ہے یا کسی ضرورت
جائز سے غیر حاضر ہے تو اوس صورت مین اوسکا کام اوسکا نائب انجام دیگا جسکو اوس نے
خود مقرر کیا ہو یا قاضی نے مقرر کیا ہو۔ اور ایسی صورتون مین قایمقام کو اوس مقدار کا روزینہ
ملیگا جو باہم اوسکے اور متولی کے درمیان طے پایا ہو۔

ابن شبلی نے اپنے فتاوی مین لکھا ہے کہ اگر متولی بوجہہ ضعف کے تولیت کی خدمات
انجام دینے سے قاصر ہے تو وہ اپنی مدد کے لیے ایک نائب مقرر کر سکتا ہے لیکن
کل جوابدہی متولی کے سر رہیگی اور نائب کو متولی سے روزینہ ملیگا لیکن متولی کو یہ اختیار
نہین ہے کہ وہ اپنے عہدہ کو دوسرے کے حوالہ کر دے یا اپنی حیات مین دوسرا متولی
مقرر کرے تاوقتیکہ اوسکو ولایت بر سبیل تعمیم نہ سپرد کی گئی ہو[۵]۔ قید مذکورہ بالا صرف مستقل
جانشین مقرر کرنے کی بابتہ ہے جسکو مثل متولی کے کل اختیارات حاصل ہون اور اس
قسم کا تقرر متولی صرف موت کے وقت یا مرض الموت مین کر سکتا ہے۔ لیکن وکیل
یا نائب مقرر کرنے کی نسبت یہ قید نہین ہے۔ فتح القدیر مین ہے کہ جو شخص وقف کا ناظر
مقرر کیا گیا ہے اوسکو اختیار ہے کہ وقف کے امور مین جو کام اوسکے اختیار مین ہے
اوسکے واسطے کیسکو وکیل کر دے جو بجاے اوسکے اس کام کو انجام دے اور وقف

---

[۵] رد المختار جلد ۳ صفحہ ۶۳۷ واجد علی بنام اشرف حسین کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۲۳۲۔

سے جو اوسکو ملتا ہے اوسمین سے اوس وکیل کے واسطے کچھہ مقرر کر دے اور اوسکو
اختیار رہیگا کہ جب چاہے اوس وکیل کو معزول کرے یا اوسکی جگہہ دوسرا مقرر کرے

**متولی کی معزولی کے وجوہات**

اگر متولی نے اپنا وکیل کیا یا کسیکو اسکے واسطے وصی کیا
پھر اوسکو جنون[51] مطبق ہوگیا تو اوسکی توکیل و وصیت باطل ہوجائیگی۔ عالمگیریہ مین ہے
کہ اگر ایک سال متولی مجنون رہا تو وہ خود بخود ولایت سے معزول ہوگا لیکن اگر
پھر اوسکی عقل عود کر آئی تو مثل سابق کے وہ وقف کا متولی ہوگا۔ نہر مین لکھا ہے کہ یہ اوس
صورت مین ہے جب متولی وقف نامہ کی شرط کے بموجب مقرر ہوا ہے لیکن اگر
اوسے قاضی نے مقرر کیا ہے تو پھر وہ متولی نہین ہوسکتا۔ (امیر علی صفحہ ۳۶۸)
اگر متولی خائن ہو تو وہ معزول کیا جائیگا۔ لیکن خیانت ثابت ہونی چاہیے صرف
خیانت کا اتہام لگانا کافی نہین ہے۔ اگر متولی کے پاس وقف کی آمدنی سے روپیہ
ہے مگر جائداد وقف کی وہ مرمت نہین کرتا حالانکہ وہ قابل مرمت ہے تو یہ داخل خیانت
ہے۔ اور وہ معزول کیا جائیگا۔ امورات وقف مین متولی کی ناقابلیت و فسق بھی
معزولی کے وجوہ ہین[52]۔

**متولی کی ذمہ داری**

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اگر متولی کی صریح غفلت سے وقف کا کچھہ نقصان
ہو تو وہ متولی سے دلا دیا جائیگا۔ لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ غیر تنخواہ دار متولی ایسے نقصان
کا ذمہ دار ہوسکتا ہے یا نہین۔
فتح القدیر مین ہے کہ اگر متولی شراب خوار ہو یا اس قسم کی اور کوئی برائی اوسمین ہو تو وہ معزول

---

[51] جنون مطبق ایسا جنون ہوتا ہے جو ایک سال کامل برابر ہو۔ [52] ہدایت النسا بنام افضل حسین ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ و نیز دیکھو بہرک چند بنام غلام شرف ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۸۔

کیا جائیگا۔ اگر متولی نے مکان وقف مین سکونت اختیار کی ہے حالانکہ وقف نامہ مین یہ شرط نہین ہے اور نہ قاضی کی اجازت حاصل کی ہے تو اوسکا یہ فعل داخل خیانت ہے

**مستحقین وقف** جن لوگون کا وظیفہ جائداد وقف سے مقرر ہے وے اوس سے محروم نہ کیے جائینگے تاوقتیکہ اون سے کوئی ایسا فعل وقوع مین نہ آیا ہو جس سے محرومی لازم آئے۔ اگر وظیفہ دار نے اپنے وظیفہ کو منتقل یا بیع کرنا چاہا یا اوسپر کوئی مطالبہ عائد کرنا چاہا تو یہ ایک ایسی بداعمالی ہے جسکے باعث وظیفہ اگر موروثی ہے تو وظیفہ دار کے وارثون کو ملیگا۔ اسی اصول پر وظیفہ دار کے دیوالیہ ہونیکا بھی وہی نتیجہ ہوگا۔ وقف کے مستحقین مین سے کسیکو یہ اختیار نہین ہے کہ بجائے اپنے کسی دوسرے شخص کو مستحق قرار دے لیکن اپنا وظیفہ وصول کرنے کے لیے وہ ایک غیر شخص کو مقرر کرسکتا ہے۔

**احکام متعلق مسجد** اہل مسجد کے مقابلہ مین بانیِ مسجد کو موذن وامام مقرر کرنے کا حق فائق ہے لیکن اگر اہل مسجد نے بہتر وافضل شخص کو مقرر کیا ہے تو اوسکو ترجیح دیجائیگی۔
اگر متولی نہین ہے تو موذن وامام مقرر کرنیکا اختیار بانی مسجد کی اولاد واوسکے اہل خاندان کو ہے۔ مسجد کی تعمیر ومرمت مین مسجد بنانے والے یا اوسکی اولاد کا حق اہل مسجد یا دوسرے شخصون کے مقابلہ مین مرجح ہے۔

**متولی کی تنخواہ** متولی کی تنخواہ مقرر کرنے مین قاضی اپنے زمانہ کی مروجہ تنخواہ پر لحاظ کریگا لیکن شرط یہ ہے کہ آمدنی کے دسوین حصہ سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن واقف کو اختیار ہے کہ جو چاہے تنخواہ مقرر کرے خواہ یہ آمدنی کے دسوین حصہ سے زیادہ ہی کیون نہ ہو۔ لیکن اگر اوس نے کم تنخواہ مقرر کی ہے تو متولی کی درخواست پر قاضی اوسمین اضافہ کرسکتا ہے یہ قاعدہ کہ وقف کی آمدنی کے دسوین حصہ سے زیادہ متولی کی تنخواہ نہ ہونی چاہیئے صرف

اون صورتون سے متعلق ہے جب قاضی کسی ایسے شخص کو متولی مقرر کرے جسکا کوئی حق جائداد وقف مین نہین ہے[51]۔ متولی کو اختیار نہین ہے کہ امام و خطیب کی تنخواہ مین اضافہ کرے۔ لیکن قاضی کو ایسا اختیار ہے بشرطیکہ ایسا کرنا مسجد کے لیے مفید ہو یا جب کمی تنخواہ کے باعث کوئی لائق و مناسب شخص مسجد کے لیے نہ مل سکتا ہو۔ یہ اصول موذن و مدرس و دیگر ملازمان سے بھی متعلق ہے۔ اگر یہ اشخاص واقف کے مقرر کیے ہوئے تنخواہ پر نہ ملین تو قاضی کو اختیار ہے کہ وقف کی آمدنی کے پس انداز سے اونکی تنخواہ مین اضافہ کرے۔ قاضی کو یہ بھی اختیار ہے کہ واقف کے خاندان کے مستحقین وقف کے مشورہ سے آمدنی وقف کے پس انداز کی بابت جو مناسب ہو انتظام کرے۔

متولی وقف پر قرضہ نہین لے سکتا۔

قینیہ مین ہے کہ متولی کو بلا اجازت قاضی کے وقف کے واسطے قرض لینا جائز نہین ہے چاہے اسکی ضرورت ہی کیون نہ ہو۔ لیکن اگر قاضی اوس سے فاصلہ پر ہے تو اپنے اعتبار پر قرض لے سکتا ہے۔

استفسار۔ انتظامیہ مین یہ استفتا لکھا ہے کہ اگر ناظر (متولی) نے جائداد وقف پر قرض لیکر مستحقین وقف پر صرف کیا۔ اور بعد اوسکے وہ معزول ہو گیا اور قرضہ ہنوز باقی ہے تو دوسرے متولی پر اوس قرض کو جائداد وقف سے ادا کرنا لازم ہے یا نہین؟

جواب۔ متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ قرض لیکر مستحقین پر صرف کرے لیکن مرمت و دوسری ضرورت کے لیے باجازت قاضی متولی قرض لے سکتا ہے۔ اسلیئے معزول شدہ متولی بذاتہ قرضہ کا ذمہ دار ہے نہ کہ متولی وقف۔ و جائداد وقف بھی اوس قرض کی ادائیگی کے ذمہ دار نہین ہے[52]۔ متولی کو اختیار ہے کہ جائداد وقف کی آمدنی سے دوکانات و مکانات وغیرہ بنوائے جس سے وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے اوسکو متولی وقف کی آمدنی سے

---

[51] محی الدین بنام سعید الدین کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۔ [52] ویکلی رپورٹر جلد ۱۵ صفحہ ۵۔

خرید کریگا وہ سب وقت کے متعلق ہوگی اور ان سے وہ تمام احکام متعلق ہونگے جو اصل وقف سے متعلق ہیں۔

اختیارات متولی:- اور متولی بلا اجازت قاضی کے کوئی جائداد منتقل نہ کرسکیگا۔ متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وقف کی آمدنی کسی ایسے کام میں خرچ کرے جو وقف کی ابتدائی اغراض کے بالکل خلاف ہو مثلاً ایک مسجد کے متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ آمدنی وقف سے کپڑے خرید کرکے محتاجوں کو تقسیم کرے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو اوسے اپنی جیب سے وہ روپیہ دینا پڑے گا۔ اگر متولی کے پاس وقف کا روپیہ نہیں ہے اور وہ مسجد کا ضروری سامان قرض سے خرید کرے یا اپنے پاس سے اور یہ ارادہ کرلیا ہو کہ جب وقف کی آمدنی آیگی تو قرض ادا کر دیا جائیگا تو اوسے اختیار ہے کہ جب وقف کی آمدنی آئے تو اوس سے قرضہ ادا کردے یا اپنا روپیہ واپس لے۔ کسی حالت میں متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جائداد وقف پر رہن کے ذریعہ سے بار عائد کرے۔ مستحقین وقف کو ایسا اختیار ہے۔ اسلئے اگر متولی جائداد وقف کو رہن کرے اور مرتہن اوسپر قابض ہوجائے تو اوسکو یعنی مرتہن کو محاصل وقف ادا کرنا ہوگا اسی طرح اگر متولی نے کچھ جائداد وقف بیع کی اور بعدہٗ قاضی نے اوسکو کالعدم کر دیا تو مشتری اگر قابض ہوگیا ہے مستوجب ادا سے واصلات کا ہوگا۔

اگر کسی شخص کو وقف کے متعلق کوئی دفینہ پایا تو متولی اوس میں سے کچھ پانے والے کو دے گا اگر وہ مفلس ہے۔

متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جائداد وقف کے کسی جزو کو پٹہ موروثی پر دے[۱] اگر کسی شخص نے اپنی اراضی محتاجوں پر وقف کی مگر اوس اراضی کی کاشت و دیگر ضروری اخراجات

---

[۱] شجاعت علی بنام ضمیر الدین الکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۵۸۔

کے متعلق کچھ نہین کہا۔ تاہم وقف کی آمدنی سے اول خراج ادا کیا جائیگا اور جو بچ رہے اوس سے وصول تحصیل و کاشت کے و دیگر قسم کے ضروری اخراجات دئے جائینگے اور اوسکے بعد جو بچے وہ محتاجون مین تقسیم ہوگا۔

اگر وقف کے قواعد جسکے مطابق وقف کا انتظام ہونا چاہیئے صحیح طور پر نہ معلوم ہون تو متولی کو اپنے متقدمین کے عمل و رآمد کے مطابق کاربند ہونا چاہیئے اگر وقف قدیم ہے اور وقف کنندہ کا نام و نشان نہین معلوم لیکن ایک شخص جو باستحقاق متولی اوسپر قابض ہے یہ کہتا ہے کہ یہ وقف فلان غرض کے لیے ہے۔ اور اپنے قول کی تائید مین چند گواہ بھی پیش کرتا ہے اور اوسکے بیان کے خلاف کوئی ثبوت نہین ہے تو اوسکا بیان صحیح مانا جائیگا۔ لیکن جب وقف کے اغراض معلوم ہون اور واقف کے شرایط بھی معلوم ہوسکین تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔

ردالمختار مین ہے کہ گو اس امر کی شہادت نہ ہو کہ واقف نے وقف کیا تاہم وقف ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے و مشائخ بلخ اس قول کو مانتے ہین۔ خصاف نے بھی اسکو لیا ہے۔ جامع الفصولین مین ہے اگر وقف قدیم زمانہ کا ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ یہ وقف ہے مگر واقف لامعلوم ہے اور اوسپر کسی شخص نے ناجائز طور پر قبضہ کرلیا تو متولی دو شاہدون کی شہادت سے اپنا دعویٰ ثابت کرسکتا ہے۔

## فصل سیزدہم۔ شرع شیعہ متعلق وقف

سید امیر علی لکھتے ہین کہ امامیہ مذہب مین وقف ایک مذہبی کام ہے جسکا نتیجہ یہ ہے

کہ مال عین حبس ہو جاتا ہے اور اوسکی منفعت بلا قید رہتی ہے - جواہر الکلام مین ہے کہ وقف عبادت ہے اور اوسکا مقصود خدا کی راہ مین ہمیشہ فائدہ پہونچانا ہے۔ وقف کرنے کے لیے صریح لفظ وَقَفْتُ ہے یعنی مین نے وقف کیا لیکن جیسا کہ حنفی شرع مین بیان ہوا ہے - دوسرے الفاظ سے بھی وقف ہو سکتا ہے اگر واقف کی نیت معلوم ہو - جواہر الکلام مین ہے کہ وَقَفْتُ کے سوا دوسرے الفاظ سے وقف کرنے کے لیے شرع مین کوئی اختلاف نہین ہے - مثلاً حَرَّمْتُ (مین نے حرام کیا) وصدقت (یعنی مین نے صدقہ کیا) کہنے سے بھی وقف ہوجاتا ہے - لیکن چونکہ ان آخر الذکر الفاظ کے مفہوم مین تابید یعنی استمرار لازمی طور پر داخل نہین ہے اسلیے عطیہ کرنے والے کی نیت دریافت کرنی پڑیگی یعنی اگر عطیہ کرنے والے کی نیت وقف کرنے کی ہے تو وقف ہو جائیگا چاہے اوس نیت کا اظہار کسی الفاظ مین ہوا ہو اور جب لفظ وقف استعمال کیا گیا ہے تو بلا کسی حجت کے وقف ہو جائیگا - اگر کسی شخص نے ایسا لفظ استعمال کیا ہے جس سے کسی طور پر وقف کرنا نہین ثابت ہوتا لیکن وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس لفظ سے اوس نے وقف کرنے کی نیت کی ہے تو وقف ہو جائیگا - اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اس مکان کو حرام کردیا و محتاجون کو ہمیشہ کے لیے دیدیا تو یہ وقف ہے - اگر کسی نے کہا کہ مین نے مال کو حبس کردیا اور راہ خدا مین اسکو دیدیا یا یہ کہا کہ مین نے اس مال کو حبس کردیا اور اوسکی منفعت راہ خدا مین دی تو یہ وقف ہو جائیگا جب انتقال ایسے لفظون مین کیا گیا ہے جسکے معنی مبہم ہین تو عطیہ کرنے والے کی نیت دیکھی جائیگی - اگر وہ شخص زندہ ہے تو اپنی نیت خود بیان کرے - اور اگر وہ مرگیا ہے تو مصرف وقف کی نوعیت و دیگر حالات پر خیال کرنے سے اوسکی نیت مستنبط ہو سکتی ہے - مثلاً شیعہ کی شرع مین حبس (یعنی محدود اختیارات کے ساتھ کوئی

جائداد دینی یا بالفاظ دیگر کسی جائداد کا قطعی طور پر مالک نہ کرنا) جائز ہے اسلیے اگر کسی شخص کو اس لفظ مین عطیہ کیا جاوے تو اوسکے یہ معنی ہو سکتے ہین کہ صرف اوسکی حیات کے لیے یہ جائداد دیگئی ہے یا آنکہ وقف ہے - اس لیے عطیہ دینے والے کی نیت دریافت کرنی ضرور ہوئی -

اگر اوس نے یہ کہا کہ زید کے لیے حبس ہے اور بعدہٗ مسکینون کے واسطے تو یہ وقف ہوگا یا یہ کہا کہ مسجد یا دوسری مصلحت عامہ کے لیے حبس ہے تو وقف ہوگا - مسجد یا دیگر مصالحِ عامہ کے لیے وقف چاہے کسی لفظ سے کہو وقف ہو جائیگا - کیونکہ مصرف کی نوعیت مستقل مذہبی ہے اور اوسکے مفہوم مین تحریم داخل ہے -

شرایع الاسلام مین ہے کہ صحت وقف کی چار شرایط ہین - اول حوالگی قبضہ - دوم - دوام واستمرار - سوم - تنجیز یعنی کسی شرط پر معلق نہ ہونا - چہارم - واقف کا حق کلیتاً منقطع ہونا - جواز وقف کے لیے قبضہ کی حوالگی ضرور ہے - جواہر الکلام مین ہے کہ عقد وقف بلا حوالگی قبضہ لازم نہین ہوتا اور قبضہ واقف کے اذن یعنی حکم سے ہونا چاہیے - اسلئے قبل حوالگی قبضہ کے واقف وموقوف علیہ دونون مین سے ہر ایک کو حق ہے کہ وقف فسخ کر دے اس اصول سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ اگر واقف کی موت کے قبل قبضہ نہین دیا گیا تو وقف باطل ہے - اس امر کے کہنے کی ضرورت کہ عقد وقف بدون قبضہ کے لازم نہین ہوتا یا تو اس مقصود کو بیان کرتا ہے کہ قبل قبضہ کے جیسا کہ بعض عام شخصون کے (یعنی سنیون کے) نزدیک وقف لازم ہو جاتا ہے ایسا نہین ہے یا یہ کہ عقد (وقف) کا وقوع مین آنا اس امر کا مقتضی نہین ہے کہ حوالگی قبضہ جو منجملہ شرایط صحت کے ایک شرط ہے واجب ہوگی ... صفوان اپنی کتاب صحیح مین لکھتے ہین کہ مین نے سوال کیا کہ اگر کسی نے اپنی جائداد وقف کی اور بعدہ اوسکے دل مین

آیا کہ اس وقف مین کچھہ ردو بدل کرے تو کرسکتا ہے یا نہین - ابو الحسن نے جواب مین
کہا کہ اگر اوس شخص نے اپنی اولا د و دوسرون کے لیے وقف کیا اور جائداد وقف کا
متولی مقرر کردیا تو پھر وہ شخص وقف سے رجوع نہین کرسکتا و اگروے (موقوف علیہم)
نا بالغ ہین اور واقف نے اونکے بالغ ہونے تک تولیت اپنے لیے شرط کی
اور اونکی طرف سے جائداد کا انتظام کرتا ہے تو واقف پھر وقف سے رجوع نہین
کرسکتا و اگروے بالغ ہین اور اونہون نے ہنوز قبضہ نہین پایا ہے اور نہ اونہون نے
انتظام اپنے ہاتھ مین لینے کے لیے واقف سے مخاصمت کی تو واقف وقف سے
رجوع کرسکتا ہے کیونکہ باوجود بالغ ہونے کے اونہون نے اوس سے انتظام اپنے
ہاتھ مین نہین لیا . . . . اسیطرح وقف اوس صورت مین بھی باطل ہو جاتا ہے جب قبل حوالگی
قبضہ کے واقف مجنون ہو گیا یا اوسکو غش آگیا کیونکہ ادن شرایط کی تکمیل کے اثنا ر
مین جو صحت وقف کے لیے لازم ہین موانع پیش آگئے - حالانکہ وقف کے مکمل ہونے
تک اہلیت کا قایم رہنا ضرور ہے خواہ وہ اہلیت واقف کی ہو یا موقوف علیہ کی یا عین
وقفی کی،، (یعنی وقف مکمل ہونے سے قبل اگر ان تینون مین سے کسیکی اہلیت مین
کچھہ فتور آگیا تو وقف باطل ہو گا) مسائل مذکورہ سے واضح ہے کہ حوالگی قبضہ امامیہ مذہب
مین کس حد تک ضروری ہے - مگر بعض صورتین ایسی بھی ہوسکتی ہین جسمین واقعی
حوالگی ضرور نہین ہے وصرف معنوی حوالگی کافی ہو گی - مثلاً واقف خود متولی ہوسکتا ہے
ایسی صورت مین صرف نمایش کے لیے قبضہ کا تبدیل کرنا غیر ضروری ہے - اسیلیے اصول
مذکورہ بالا کا مقصود یہ نہین ہے کہ جائداد وقف دوسرے شخص کے قبضہ مین دیجائے
بلکہ قبضہ کی حیثیت مین تبدیلی کرنی کافی ہے یعنی سابق مین مالکانہ قبضہ تھا اب بحیثیت
متولی قبضہ ہو گا حالانکہ قابض دونون حالتون مین ایک ہی شخص ہے اسی معنی مین

مفاتیح (اک شرعی کتاب) مین یہ لکھا ہے کہ اگر جائداد وقف پر واقف اپنے اختیارات
قایم رکھے اور اپنے قبضہ کی حیثیت مین کوئی تبدیلی نہ کرے تو وقف باطل ہوگا۔ جب
وقف مصلحت عام کے لیے ہے تو صریح طور پر حوالگی قبضہ کی ضرورت نہین ہے کیونکہ
کسی ایک شخص کے استعمال سے بھی وقف جائز ہوجاے گا۔ جواہر الکلام کے
مطابق اگر وقف درحقیقت صدقہ ہے تو حوالگی قبضہ ضرور نہین۔ اسیطرح مسجد و
دیگر مصلحت عام کے وقف مین حوالگی ضرور نہین ہے۔ ان صورتون مین صرف
قبضہ کے نہ دینے سے وقف باطل نہ ہوگا۔ لیکن جب وقف کسی خاص شخص کے
حق مین ہے تو یا تو کوئی متولی مقرر کرکے جائداد وقف موقوف علیہم کے فائدہ
کے لیے اوسکے حوالہ کردی جاے یا اگر واقف خود اپنے قبضہ مین رکھنا چاہے
تو اوسکا قبضہ صاف طور پر بحیثیت متولی ہونا چاہیے اگر واقف نے اپنے نابالغ
لڑکے کے حق مین وقف کیا ہے تو قبضہ کی تبدیلی کی ضرورت نہین ہے۔ ایسی
صورت مین قانوناً باپ کا قبضہ نابالغ کی طرف سے بحیثیت متولی قیاس کیا جائیگا
و نیز اوس صورت مین جب وقف مساکین کے لیے ہو۔

جب اون تمام شرایط کی تعمیل ہوگئی جس سے وقف مکمل ہوجاتا ہے تو ہمارے
مذہب مین پھر وقف منسوخ نہین ہوسکتا (اگر حالت صحت مین کیا گیا ہو) صاحب
جواہر الکلام کہتے ہین کہ ”اس امر مین ابوحنیفہ ہم سے اختلاف کرتے ہین۔ اونکے شاگرد
ابویوسف نے بغداد مین پہونچکر اون سے اختلاف کیا۔ اگر جائداد واقف کے قبضہ سے
نکل کر ایکبار بھی دوسرے کے قبضہ مین گئی یا مستحقین کے یا اونکے متولی کے قبضہ
مین گئی تو واقف پھر اوس وقف کو رد نہین کرسکتا نہ اوسکے شرایط مین کچھ رد و بدل کرسکتا
و نہ راہ خدا سے یا اوس غرض سے جسکے لیے وقف کیا گیا ہے اوسکو واپس

سے سکتا ہے ''

تیسری شرط یعنی تنجیز کے متعلق جامع المقاصد شرح قواعد کتب وقف مین لکھا ہے
''وقف مین تنجیز کا ہونا لازم ہے اسلیے اگر کسی نے وقف کا نفاذ کسی شرط یا صفت
متوقع پر مشروط کیا مثلاً یہ کہا کہ جب زید آسے تو میرا مکان
وقف ہے یا یہ کہے کہ جب مہینہ شروع ہو تو میرا غلام وقف ہے
تو یہ وقف صحیح نہین ہے کیونکہ شرط واقع ہونیکا قطعی تیقن نہین ہے ''

**فرق شیعہ وسنی** شیعہ وسنی وقف مین ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ سنیون مین
وقف ایقاع ہے عقد نہین یعنی مثل عقد کے اسمین ایجاب وقبول کی حاجت نہین
ہے بلکہ واقف کے مجرد قول سے (بشرطیکہ دیگر شرائط صحیح وقف کی پائی جاوین)
وقف ہوجاتا ہے ۔ برعکس اسکے امامیہ مذہب مین وقف ایک عقد ہے جسمین
ایجاب وقبول کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ یہ مسئلہ جامع الشتات صفحہ ۳۳۳ مین سوال
وجواب کی شکل مین اسطرح پر لکھا ہے ۔

## سوال

در وقف صیغہ شرط است یا نہ واز باب عقود است کہ محتاج است بایجاب وقبول یا ایقاع است وقصد
قربت شرط است یا نہ ۔

## جواب

''بلے صیغہ شرط است وبدون آن منعقد نمی شود ۔ وقف عقد یست محتاج بایجاب وقبول
کہ مراد از عقد درین جا عام از ایقاع است ۔ واظہر اشتراط است بدلیل اصل عدم صحت
وعدم تحقق وقف بدون آن ''

یعنی وقف کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کا استعمال کرنا ضرور ہے بعدہ دوسرے امر کے

جواب مین یہ کہکر کہ وقف ایک عقد ہے جو محتاج ایجاب و قبول ہے یہ کہا گیا ہے کہ اس مقام پر عقد مین ایقاع بھی شامل ہے ۔ عقد کے معمولی مفہوم مین ایقاع داخل کرنے سے مصنف کا یہ مقصود ہے کہ ایقاع صرف چند مخصوص قسم کے وقف مین ہوتا ہے جسمین بخیال نوعیت وقف قبضہ دینا تقریباً غیر ممکن ہے مثلاً اگر وقف جہت یا مصلحت عام کے لیے ہو یا فقرا و مساکین کے حق مین ہو تو ان صورتون مین کسی خاص شخص کو جائداد وقف پر قبضہ نہین دیا جا سکتا ۔ تیسرے امر کی نسبت مصنف کہتا ہے کہ قربت خدا کی نیت کرنی شرط ہے اس وجہ سے کہ بدون ایسی نیت و خواہش کے وقف بوجہ عدم تحقیق و نہ پائے جانے اصل شرط صحت کے صحیح نہین ہے ۔ اسی مسئلہ کی بنیاد پر یہ تجویز ہوئی کہ شیعہ مذہب مین وقف بالوصیت صحیح نہین ہے ۔ تا وقتیکہ واقف نے موقوف علیہ کا قبضہ جائداد موقوفہ پر نہ کرا دیا ہو و نیز یہ کہ اگر حوالگی قبضہ سے پہلے واقف فوت ہو گیا تو وقف باطل ہے۔[۵۱]

**وقف مرض الموت مین** یہ تمام باتین اوس وقف سے متعلق ہین جو حالت صحت مین ہوا ہو لیکن اگر وقف مرض الموت مین کیا گیا ہے تو کل جائداد کی بابت صرف اوس حالت مین مؤثر ہوگا ۔ جب واقف کے مرنے کے پہلے یا بعد اوسکے وارث اپنی رضامندی دیدین ورنہ وقف صرف ایک ثلث کی نسبت مؤثر ہوگا " کیونکہ وقف مثل اون افعال کے ہے ۔ جنکا نفاذ فوراً ہو جاتا ہے جیسے ہبہ و بیع وغیرہ " اگر وقف کل ترکہ کی تہائی سے برآمد ہوتا ہے تو کل وقف صحیح ہے ۔ اگر ایک تہائی نہین ہے تو بقدر ایک تہائی کے جائز ہوگا ۔ اور اسمین وقف کی اون شرائط کو ترجیح ہوگی جنکو واقف

---

[۵۱] آغا علیخان بنام الطاف حسن خان الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۴۲۹ ۔ و نیز دیکھو مرتضی بی بی بنام جمنا بی بی الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۱ ۔

نے مقدم کیا ہے - اگر ایک وقف مین وصیتین کی گئی ہین اور اس امر کا معلوم کرنا
مشکل ہے کہ اون مین سے کسکو مقدم کیا ہے یعنی سب کے سب بدرجہ مساوی
ضروری و اہم ہین تو اوس حالت مین مطابق شیخ کی (شیخ مرتضیٰ) تمام شرایط کی
تعمیل کیجائیگی اور ایک ثلث جسکی بابتہ وقف صحیح ہے کل اغراض کی تکمیل مین
صرف کیا جائیگا - شرایع مین ہے کہ اگر کسی شخص نے چند باتون کے کرنے کی
وصیت کی ہے بعض ایسی ہین جنکا کرنا موصی پر فرض تھا اور بعض اوسکے اختیاری
ہین تو یہ تمام باتین کرنی ضرور ہین - اگر موصی کے ترکہ کا ایک ثلث ان تمام اغراض
کے پورے کرنے کے لیے کافی ہے - اگر تہائی جائداد اونکے لیے کافی نہین ہے
اور ورثائے میت زیادہ دینے پر راضی نہین ہین تو وہ باتین جنکا کرنا موصی پر فرض
تھا اوسکے کل متروکہ سے انجام دیجائینگی اور دیگر امور بقیہ ترکہ کی تہائی سے - لیکن
اس امر کا خیال رکھا جائیگا کہ جس بات کو موصی نے اول بیان کیا ہے وہ پہلے
انجام دیجائیگی اور اس طرح پر دوسری و تیسری - اگر کل امور موصی کے اختیاری تھے
اور اونمین سے کوئی اوسپر فرض نہ تھا تو یہ تمام باتین ترکہ کے ایک ثلث سے انجام
دیجائینگی اور اول وہ امر پورا کیا جائیگا جسکا ذکر موصی نے پہلے کیا ہے اور پھر دوسرا
و تیسرا اسی ترتیب سے جب تک کل ایک ثلث خرچ نہ ہو جائے -

## فصل چہاردہم - شرایط متعلق جائداد وقف

سید امیر علی لکھتے ہین کہ اسپر اجماع ہے کہ (۱) جو چیز وقف کیجائے وہ معلوم ہو (۲) اس قسم

کی ہو جو ہمیشہ قایم رہے (۳) ایک متولی سے دوسرے متولی کو دیئے جانے کے
لایق ہو - یہ شرایط جواہر الکلام مین مذکور ہین - یہ بہی ضرور ہے کہ وقف کنندہ کی ملک
ہو - متقدمین کے نزدیک اگر کسی نے اپنا یا فلتنی قرضہ وقف کیا تو جائز نہین (شرایع الاسلام
صفحہ ۲۴۸) کیونکہ اونکے نزدیک قرض کا فی نفسہ کوئی وجود نہین ہے - اونکی
یعنی متقدمین کی یہہ بہی راے تہی کہ ایسی شے کا وقف باطل ہے جس سے کچہہ منافع
نہ ہو تاوقتیکہ خود وہ شے صرف نہ کر دیجاے - اسی اصول پر منافع کا منافع لایق وقف
نہین خیال کیا گیا - لیکن بعد کو معلوم ہوگا کہ جن دلائل پر متقدمین کی راے مبنی تہی
اوسمین اختلاف زمانہ و حالات و تجارت و صنعت مین ترقی کی وجہہ سے بہت
کچہہ رد و بدل واقع ہو گیا ہے - غور و تامل سے پڑہنے والون پر یہ امر مخفی نہ رہیگا
کہ اس امر مین شیعہ و حنفی مذہب ملتے ہوے ہین - متقدمین حنفی مشایخ کے نزدیک
مال منقول کا وقف جسمین درہم و دینار بہی شامل تہے باطل تہا - کیونکہ اونمین استمرار
کی صفت نہ تہی اور اسلیے بہی کہ تاوقتیکہ وہ خود صرف نہ کیا جاے اون سے
کچہہ منفعت نہین ہوتی - لیکن امامیہ مذہب کی مستند کتابون کو غور سے پڑہنے سے
یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ منافع و زرنقد کا وقف صحیح ہے بشرطیکہ وہ دایمی طور پر تجارت و
حرفت مین لگایا جاے اور جس سے دایمی فایدہ حاصل ہو جیسا کہ شرع حنفی مین
مذکور ہوا - فی زماننا ہماری معاشرت مین جو تغیرات پیدا ہوے ہین اونکے لحاظ سے
یہ راے مناسب ہے - جس اصول پر کہ متقدمین شیعون نے زرنقد و منافع کا وقف
ناجائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان چیزون مین یا تو قیام یا استمرار نہین ہے یا آنکہ وہ
خود ہی اغراض وقف مین صرف ہو جاتے ہین - لیکن جب روپیہ تجارت مین لگایا جائے
یا کسی جگہہ جمع کرنے سے اوس سے منافع حاصل ہو تو اعتراض مذکور بالکل بے وقعت

ہوجاتا ہے اسی وجہ سے شیعہ مذہب کے متاخرین مجتہدون نے ایسے وقف کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جامع الشتات۔

مجہول نہو — جائداد وقف کی صراحت صاف طور پر کردینی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مین نے اپنا مکان وقف کیا تو یہ وقف صحیح نہوگا تاوقتیکہ اوس مکان کی تخصیص نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر دریافت کرنے سے وہ جایداد معین ہوسکے تو گو اوسکی صراحت نہ کی گئی ہو تاہم وقف جائز ہوگا۔ یہ بھی شرط ہے کہ جائداد وقف واقف کی ملک ہو۔ اگر کسی نے دوسرے کی ملک وقف کردی تو اصل مالک کی اجازت سے وقف صحیح ہوجائیگا۔ مشاع کا وقف بھی صحیح ہے اور اوسپر اوسی طور سے قبضہ ہوسکتا ہے جیسے کہ حالت بیع مین۔ جواھر الکلام۔

واقف کے متعلق شرایط — واقف کا بالغ و عاقل ہونا ضرور ہے یعنی ایسا ہو جو اپنی جائداد مین صحیح طور پر تصرفات کرسکتا ہو اور کسی ناقابلیت کی وجہ سے ممنوع التصرفات نہ ہو۔ صاحب جواہر کی یہ راے صحیح ہے۔ "وقف کرنا داخل عبادت ہے مگر چونکہ مجنون و نابالغ پر عبادت فرض نہین ہے۔ لہذا اونکا وقف بھی صحیح نہین ہے۔ کیونکہ اپنے فعل کی نوعیت و نتیجہ سمجھنے کی سمجھ اونمین نہین ہے لیکن اگر کسی لڑکے نے جو معمول سے پہلے سن رشد کو پہونچگیا ہو مثلاً دس برس کی عمر مین اور اوس نے وقف کیا تو وہ وقف صحیح ہوگا یا نہین اسمین اختلاف ہے" قیاس یہ ہے کہ وقف صحیح نہ ہوگا کیونکہ شرع پندرہ برس کے پہلے سن تمیز نہ تسلیم کریگی۔

وقف کی ولایت واقف خود اپنے ہاتھ مین رکھہ سکتا ہے یا کسی دوسرے کو متولی مقرر کرسکتا ہے۔ لیکن کوئی ایسی شرط جس سے واقف کو وقف کے منسوخ کرنیکا اختیار دیا جائے صحیح و جائز نہ ہوگی جب واقف نے کسی دوسرے کو متولی مقرر کردیا تو پہر وہ اپنے لیئے

یہ شرط نہین کرسکتا کہ جب وہ چاہے خود متولی ہوسکتا ہے[۱] ۔شرعاً یہ ضرور ہے کہ ناظر
دیانت دار اور وقف کے کام سے باخبر ہو اسلئے اگر ناظر بددیانت ہے یا آنکہ وقف کا
انتظام کرنے کے ناقابل ہے تو وہ علحدہ کیا جاسکتا ہے (اس امر مین شیعہ و حنفی
مذہب مین اختلاف نہین ہے)

موقوف علیہ | موقوف علیہ کی نسبت چار شرطین ہین۔ اول - وہ زندہ ہو -
دوم - مالک ہونے کے لائق ہو - سوم - معین شخص ہو - چہارم - ایسا ہو جسکے حق مین
وقف کرنا ناجائز نہو - اسلیے جو بچہ حمل مین ہے - یعنی جنین کے حق مین اگر وقف کیا جاے
تو صحیح نہین ہے لیکن اگر شخص موجودہ کے حق مین وقف کیا جاے اور بعدہٗ کسی پیدا
ہونے والے بچہ کے حق مین تو صحیح ہے - اگر وقف معدوم مقدم کے لیے کیا جائے
اور بعدہٗ موجود شے کے لیے تو شیخ یعنی صاحب مبسوط اور اونکے مقلدون کے نزدیک
وقف موجود شے کے لیے صحیح ہوگا معدوم کے لیے غیر صحیح - مثلاً اگر کسی نے اپنے
ایسے بچہ کے حق مین وقف کیا جو ہنوز پیدا نہین ہوا ہے اور پہر مساکین یا دیگر اشخاص
کے لیے تو وقف آخر الذکر اشخاص کے لیے فوراً اثر پذیر ہوگا - جواہر الکلام مین ہے کہ یحیٰی
ابن سوید جو بڑے پایہ کے فقیہ تھے اونکی بہی یہی راے تہی - جسپر بیشتر علما کا
اتفاق ہے لیکن جب کوئی شخص کسی موجود شے کے حق مین وقف کرے اور یہ شرط کرے
کہ جب فلان کے بچہ پیدا ہو تو وقف اوسکے لیے ہے تو یہ شرط و وقف صحیح ہے
(شرایع صفحہ ۲۴۵) شرع کا منشا دراصل یہ ہے کہ وقف کی ابتدا موجود شخص سے
کیجاے گو بعد مین غیر موجود اشخاص کے حق مین ہو - ظاہر ہے کہ حنفی مذہب مین اسکے

[۱] لیکن یہ قول اوس اصول کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو مقدمہ ہدایت النسا رپورٹ مغربی
و شمالی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ طے پایا ہے -

خلاف ہے کیونکہ حنفی مذہب کے مطابق معدوم اشخاص کے حق مین بہی وقف جائز ہے اور جب تک وہ شخص پیدا ہو وقف کی آمدنی مسکینون پر صرف ہوگی۔

وقف عام — مصالح عام کے لیے یعنی ایسے اغراض کے لیے جسمین عامہ خلایق کا فائدہ ہو وقف کرنا صحیح ہے مثلاً پل و مسجد و مردون کے کفن و تجہیز و تکفین کے اخراجات کے لیے اگر وقف کیا جاے تو صحیح ہے۔ اسیطرح مدرسہ و کتب خانہ کے لیے وقف صحیح ہے۔

کوئی مسلمان ایک حربی کے لیے خواہ وہ اوسکا قرابت مند ہی کیون نہ ہو وقف نہین کرسکتا مگر وہ ذمی کے لیے یعنی ایسے نامسلم کے لیے جو اوسی سلطان کی رعیت ہے وقف کرسکتا ہے۔ قزاق و راہزن و شراب خوار کے حق مین وقف کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم نے اوسکے حق مین وقف کیا تو صحیح ہے۔ کوئی وقف جس سے گناہ ہو جائز نہین ہے۔ اگر وقف کسی ایسی مصلحت کے لیے کیا گیا جو اب باقی نہ رہی تو دوسرے نیک کامون مین صرف کیا جائیگا۔ مگر واقف کی نیت و ارادہ ملحوظ رہیگا۔ اگر کسی مسجد کے لیے وقف کیا گیا جو اب نہین رہی ہے تو دوسری مسجد مین صرف ہوگا۔ اسیطرح اگر کسی خاص مدرسے کے حق مین وقف ہے تو دوسرے مدرسہ مین صرف کیا جائیگا یعنی واقف نے جس مصرف کو نامزد کیا اوسکی نوعیت کا بھی خیال کیا جائیگا۔ مفاتیح۔

# فصل پانزدہم ۱۵۔ واقف کے حقوق کا ساقط کرنا۔

اس امر خاص مین شیعہ مذہب حنفیون کے مروجہ اصول کے خلاف ہے اور قریب قریب امام محمد

کی راے کے موافق شرایع مین ہے کہ حوالگی قبضہ جواز وقف کے لیے لازمی ہے اسلئے اگر واقف قبضہ دینے کے پہلے مرگیا یا مجنون ہوگیا تو وقف ناجائز ہے۔ قبضہ کی نوعیت جائداد وقف و موقوف علیہم کی نوعیت پر منحصر ہے۔ اگر وقف مخصوص اشخاص کے لیے کیا گیا ہے۔ جو قبضہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہین تو قبضہ لازمی ہے اگر کوئی متولی مقرر ہوا ہے تو اوسکو قبضہ کر لینا چاہیئے۔ اگر واقف خود متولی ہے تو وہ بحیثیت متولی کے اوسپر قابض رہے۔ اگر وقف کارخیر یا مصلحت عام کے لیے ہے تو حوالگی قبضہ ضرور نہین ہے شرایع مین اس اصول کو اسطرح بیان کیا ہے کہ "اگر وقف محتاجون و عالمون کے لیے کیا گیا ہے تو جائداد وقف تک قبضہ کے واسطے قیم یعنی متولی کا مقرر ہونا ضرور ہے۔ لیکن کسی مصلحت عام کے لیے اگر وقف ہوا ہے تو مجرد وقف کرنے سے شرعاً قبضہ کی تبدیلی متصور ہوگی اور قبول کرنے کی شرط کا خیال نہ کیا جائیگا اور قبضہ کی نسبت تو ناظر کا قبضہ کافی ہے"۔

چوتھی شرط کی نسبت شیعہ و سنی مین بڑا اختلاف ہے۔ امام ابویوسف کے مطابق واقف اگر چاہے تو جائداد وقف مین اپنی ذات کے لئے کچھہ شرط کر سکتا ہے یعنی جیسا کہ وہ فرماتے ہین "وہ اس سے خود کہا سکتا ہے"۔ شیعہ مذہب مین جواز وقف کے لیے یہ لازمی ہے کہ واقف اپنا کسی قسم کا حق اوسمین باقی نہ رکھے۔ جواہر الکلام مین ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے حق مین وقف کرے تو صحیح نہین ہے اسمین اختلاف نہین ہے۔ اسیطرح وہ وقف بھی ناجائز ہوگا جسمین واقف نے اپنی ذات سے ابتدا کی اور پھر محتاجون کو دیا۔ گو بعض مشایخ نے یہ کہا ہے کہ صرف واقف کے متعلق ناجائز ہوگا۔ اول الذکر قول یعنی یہ کہ وقف کلیۃً ناجائز ہے۔ بالعموم صحیح مانا گیا ہے "وہ اسیطرح اگر اس شرط کے ساتھ دوسرون کے لیے وقف کیا گیا ہو کہ واقف کا قرض و اخراجات روزمرہ اوس سے ادا کیا جائے

تو وقف ناجائز ہوگا۔ اگر کسی شخص نے اپنی ذات پر و محتاجون کے لیے وقف کیا تو صرف نصف جائداد کا وقف صحیح ہے اور بقیہ دوسرے نصف کی بابت وقف باطل ہے۔

بمقدمہ کلب حسین بنام سماۃ محرم[۵۷] بی بی الہ آباد ہائیکورٹ نے اسی اصول پر عمل کیا۔ اس مقدمہ کی تجویز ایسی اہم ہے کہ اوسکو کسی قدر مفصلاً لکھنا بہت مفید ہوگا۔ سنہ ۱۸۵۱ع مین سماۃ صاحبزادی نے کچھ جائداد مذہبی اغراض کیلئے وقف کی لیکن وقف کی آمدنی کا دو ثلث اپنی حیات تک اپنے اخراجات کے لیے شرط کیا۔ ذی علم حکام نے اصل امر کی نسبت حسب ذیل تجویز صادر کی۔

"یہ بحث کیجاتی ہے کہ امامیہ مذہب کے اصول کے مطابق بوجوہات چند دستاویز سنہ ۱۸۵۱ع کے ذریعہ سے کوئی صحیح وقف وقوع مین نہین آیا۔ اول وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۶۷ع مین تاریخ ہبہ کرنے کے وقت تک سماۃ صاحبزادی بیگم کا قبضہ جائداد پر بحیثیت مالک تھا تا نیاً یہ کہ اپنی ذات کے لیے جائداد وقف کا کچھ منافع شرط کیا کیونکہ آمدنی کا دو ثلث حصہ اپنے روزانہ اخراجات کے لئے اوس نے مخصوص کیا۔ شیعہ مذہب کے مطابق وقف کے جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ وقف بلا کسی شرط و قید کے ہو و جائداد وقف پر قبضہ دیا جائے اور یہ کہ واقف سے کلیتہً اوسکو لے لینا چاہئے۔

"اول ہمکو اس امر پر غور کرنا ہے کہ جائداد وقف پر قبضہ دیا گیا یا نہین۔ شرعاً واقف خود اپنے کو متولی مقرر کرسکتا ہے۔ اسلئے چونکہ وقف کنندہ نے خود اپنے آپ کو متولی قرار دیا اور دستاویز تحریر ہونے کے بعد اوس نے اپنے طریق عمل سے یہ بات ثابت کردی کہ وہ جائداد موقوفہ پر بحیثیت متولی قابض ہے اسلئے ہماری یہ راے ہے کہ شرعاً جس قسم کے قبضہ کی ضرورت ہے وہ اس مقدمہ مین ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اوس کے

---

[۵۷] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۵۵۔

ہماری یہ راے ہے کہ دو ثلث جائداد کی نسبت دستاویز سنہ ۱۸۵۱ع کے ذریعہ سے صحیح وقف نہین قایم ہوا۔

جائداد موقوفہ کے دو ثلث آمدنی واقف نے اپنے لیے مخصوص رکھی یعنی دو ثلث جائداد واقف نے اپنی ذات پر وقف کیا اسلیے اس مقدمہ مین اور اون مقدمات مین جنکا ذکر ہماری راے مین ہے کوئی فرق نہین ہے۔ اب یہ امر طے کرنا باقی ہے۔ کہ آیا دستاویز سنہ ۱۸۵۱ع کی ناجوازی بابت دو ثلث کے کل دستاویز پر وقف کی تعریف صادق ہونے کے مانع ہے۔ یا صرف دو ثلث ہی کی نسبت ناجائز ہے۔ شرایع مین ہے کہ اگر دوسرے کے حق مین اس شرط سے وقف کیا جاے کہ وقف سے وقف کنندہ کا قرضہ یا اخراجات ضروری ادا کیے جاسے تو ایسا وقف باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شکل خاص مین واقف نے جو اپنے لیے شرط کی ہے۔ اوسکی تعداد غیر معین ہے مگر اس مقدمہ مین جو ہماری روبرو پیش ہے آمدنی کا ایک ثلث یعنی معین حصہ ہماری راے مین واقف کے دنیاوی فائدہ کے لئے نہین بلکہ دوسرے اغراض کے لیے مستقل طور پر ہمیشہ کے لیے وقف ہے جسمین وقف کنندہ کا کچھہ بھی حق نہین باقی ہے۔ اور چونکہ وقف مشاع جائز ہے اسیلیے اس امر کی تجویز کرنے مین ہمکو کوئی امر مانع نہین معلوم ہوتا کہ سنہ ۱۸۵۱ع کی دستاویز ایک ثلث منافع کی بابت صحیح ہے۔ اور اوس قدر حصہ جائداد کا واقف کے زمانہ تولیت ختم ہونے کے بعد اون اغراض مین صرف ہو سکتا ہے جو واقف نے بیان کیے ہین۔ بوجوہات بالا رسپانڈنٹ کا دعوی بقدر دو ثلث کے کم ہوجائیگا؛

گو اپنے حق مین وقف کرنا جائز ہے لیکن اگر خدا کی راہ مین وقف ہو تو واقف اوس وقف کے فائدہ مین شریک ہو سکتا ہے مثلاً اگر اوس نے مسجد وقف کی تو اوس مین وہ نماز پڑہ سکتا ہے۔ اسیطرح اگر کسی مصلحت عامہ کے لیے وقف ہے تو واقف اوسکے

فائدہ مین شریک ہوسکتا ہے جیسے پل و مسافرخانہ وغیرہ۔ اگر کسی شخص نے اس شرط سے وقف کیا کہ بوقت ضرورت وہ جائداد وقف کو واپس لے لیگا۔ تو شرط صحیح ہوگی اور وقف باطل۔ اور اسکا اثر مثل حبس کے ہوگا جب ضرورت ہوگی تو جائداد واقف کی ملک مین داخل ہوجائیگی مگر ضرورت ایسی ہو جو روا جاً درحقیقت ضرورت تسلیم کی گئی ہو نہ کہ صرف فرضی ہو۔ جب ایکبار جائداد ایسے شخص کی ملک مین آگئی تو پھر اوسکے منتقل کرنیکا حق بھی اوسکو حاصل ہوگا۔ واقف کا یہ شرط کرنا کہ وہ کسی شخص کو جس پر وقف ہوا ہے وقف کے فائدہ سے خارج کرسکتا ہے ناجائز ہے لیکن کسی نئے شخص کو اوسکے فائدہ مین داخل کرنے کی شرط صحیح ہے۔ بجز اوس صورت کے جب وقف اوسکی اولاد کے حق مین ہوا ہو۔ جب کسی شخص نے اپنی اولاد کے حق مین وقف کیا تو جو اولاد بعد مین پیدا ہونگی وہ بھی اوسمین داخل ہونگی گو اسکی نسبت کوئی صاف شرط ابتدا مین نہ کی ہو لیکن جب وقف کرکے جائداد لڑکون کے حوالہ کردی گئی ہو تو جو لڑکے بعد مین پیدا ہونگے وے اسمین شریک نہ کیے جائینگے تاوقتیکہ اسکی نسبت صاف طور پر شرط نہ کرلی گئی ہو۔

اگر اپنے نابالغ بچون کے لیے وقف کیا ہے تو واقف کو شرائط وقف اس طور پر تبدیل کرنیکا اختیار نہ ہوگا جسکی رو سے غیر اشخاص وقف کے فائدہ مین داخل ہوجائین تاوقتیکہ اوس نے ایسے اختیار کی اپنے لیے شرط نہ کی ہو۔

حبس قبضہ کی شرعاً ضرورت ہے وہ اول موقوف علیہ کا قبضہ ہے اور اوسکے مابعد کے موقوف علیہم کے قبضہ کا کچھ خیال نہ ہوگا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ ضرور نہین ہے کہ قبضہ واقعی دیا جاسے۔ بلکہ صرف یہ کافی ہوگا کہ قبضہ کی نوعیت تبدیل ہوجاسے کیونکہ واقف بعد وقف کرنے کے بھی مستحقین کی جانب سے بحیثیت متولی قبضہ

رکھ سکتا ہے اور اس قسم کا قبضہ صحت وقف کے لیے مضر نہین ہے۔ چونکہ قبضہ کی نوعیت
کی تبدیلی سے بھی قبضہ مفہوم ہوتا ہے اسلئے اگر معنوی طور پر قبضہ کی حوالگی وقوع مین
آگئی ہو تو وہ بھی کافی ہے اسلیئے شرایع کے اس جملہ کو کہ وہ جس قبضہ کی ضرورت ہے
وہ اول موقوف علیہ کا قبضہ ہے" دیگر حالات پر خیال کر کے پڑھنا چاہیئے۔ خود موقوف
علیہ یا موقوف علیہم کے قبضہ کی ضرورت نہین ہے کوئی شخص جو اونکا حقیقی یا معنوی
مختار ہے اونکی طرف سے قبضہ لے سکتا ہے۔ جب وقف مصالح عام یا کار خیر کے
لئے ہو جیسے مسکینون یا طلبا و علما وغیرہ کے لیے تو ان صورتون مین اُن تمام اشخاص
کو جنکے حق مین وقف ہے قابض کرانا ممکن نہین ہے اسلئے حاکم کا یا متولی کا قبضہ
کافی ہوگا خواہ اوس متولی کو حاکم نے مقرر کیا ہو یا خود واقف نے۔

جب وقف مصلحت عام کے لیے ہو جیسے پل و مسجد وغیرہ کا وقف تو کسی خاص شخص
کے قبول و قبضہ کی ضرورت نہین ہے۔

اگر وقف مسجد کے لیے ہے اور اوسمین ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو وقف صحیح ہو گیا
اسی طرح قبرستان مین صرف ایک مردہ کے دفن ہونے سے وقف صحیح ہو جائے گا
لیکن یہ شرط ہے کہ واقف نے وقف کرنے کی نیت کی ہو۔ مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے
کو اپنے مکان مین نماز پڑھنے کی اجازت دی یا کسی کے ذاتی مکان مین لوگ ہمیشہ نماز
پڑھا کرتے ہین تو اس سے وہ مکان وقف نہ ہو جائیگا۔ لیکن جب وہ شخص یہ کہے
کہ مین نے اپنا مکان مسجد کر دیا اور پھر اوسمین لوگون کو نماز پڑھنے کی اجازت دی تو وہ
مکان مسجد ہو جائیگی۔ اسیطرح اگر کسی شخص نے ایسا مکان بنایا جیسے اوس ملک مین
عام طور پر مسجدین بنا کرتی ہین اور لوگون کو اوسمین نماز پڑھنے کی اجازت دی تو وہ مکان وقف
ہو جائیگا گو الفاظ کے ذریعہ سے وہ مکان وقف نہ کیا گیا ہو۔ صرف کسی زمین مین مردہ

دفن کرنے سے یا کسی مکان مین نماز پڑھنے سے وہ زمین یا مکان وقف نہ ہوجائے گا تاوقتیکہ مالک زمین یا مکان کی نیت صراحتاً یا معناً وقف کرنے کی نہ ہو۔

**اولاد پر وقف** جب اولاد کی اولاد کے واسطے وقف کیا گیا ہو تو اوسمین لڑکون کی اولاد کے ساتھ دختروں کی اولاد بھی شامل ہوگی۔

جب وقف، اپنی اولاد و اولاد کی اولاد کے حق مین کیا گیا ہو تو تیسری پشت کی اولاد اوسمین شامل نہ ہوگی تاوقتیکہ کسی اور طور پر نہ معلوم ہو کہ واقف کا یہ منشا تھا۔ جواہر الکلام۔

جب وقف اپنی اولاد و اولاد کی اولاد و اونکی اولاد کے حق مین کیا گیا ہو تو اولاد مین سے جو زندہ ہوگا اون سبکو اونکی تعداد (روس) پر ملے گا تاوقتیکہ یہ شرط نہ کی گئی کہ بطن بعد بطن پائیگا۔ اگر اپنی کل اولاد کے لیے وقف کیا ہے تو واقف کی کل اولاد کو اوس سے ملیگا اور اون سب کے مرنے کے بعد محتاجون کا حق ہوگا۔ جب عمارت وقف منہدم ہوجائے اور اوسکا کوئی نشان بھی نہ پایا جائے تو وہ زمین جسپر وہ عمارت قایم تھی وقف کی صفت مین داخل ہے اور بیع نہین ہوسکتی۔ صرف عمارت کے انہدام سے وقف زائل نہ ہوگا۔ کیونکہ وقف دایمی ہوتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ وقف کی جائداد فروخت کر کے اوسکے ثمن کو اور کام مین لگانے سے وقف کا زیادہ فائدہ ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ اوسکو فروخت کردے۔ اگر باہم مستحقین وقف کے نزاع پیدا ہو جس سے جائداد وقف کو اوسکی ابتدائی شکل مین رکھنے سے نقصان ہے تو اوسکا بیع کرنا جائز ہے۔

جب صدقہ حوالہ کردیا گیا تو پھر وہ واپس نہین ہوسکتا۔ کیونکہ یہ بمنزلہ ہبہ بالعوض کے ہے وقف و صدقہ دونو نکا مقصود قربت خدا ہے اور جب صدقہ یا وقف کیا گیا تو قربت ہوگئی اسلیے وہ پھر واپس نہین لیا جاسکتا۔

## فصل شانزدہم۔ ضابطہ متعلق نالش

سید امیر علی لکھتے ہین کہ شرع محمدی کی رو سے ہر شخص کو جسکو جائداد وقف مین کوئی استحقاق

ہے یہ حق بہی حاصل ہے کہ اس امر کا استقرار کرائے کہ فلان جائداد وقف ہے یا انکہ فلان وقف مین اوسکا کچہہ حصہ ہے۔ شرع کی روسے ہر ایسے شخص کو یہ حق ہے کہ قاضی کے سامنے اپنا استغاثہ پیش کرکے اوسکی بابتہ چارہ جوی حاصل کرے جس طریقہ سے یہ چارہ جوئی حاصل کیجا سکتی ہے اوسکے متعلق شرع نے کوئی قید نہین لگائی ہے۔ مگر ہندوستان کے واضعان قانون نے چند قسم کے مقدمات کی نسبت ایک ضابطہ مقرر کیا ہے جسپر لحاظ کرنا ضرور ہے اسوجہہ سے کہ عدالت العالیہ ہائی کورٹ کلکتہ والہ آباد نے اُس ضابطہ کی نسبت ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔

اسلامی سلطنتون مین جملہ اوقاف جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے عام ہین یعنی وہ جس سے عامہ خلائق مستفید ہوتی ہے وہ سلطنت کی طرف سے ایک خاص افسر کی نگرانی و انتظام مین رہتے ہین جسکو ناظر اوقاف کہتے ہین۔ لیکن قاضی بحیثیت قایمقام سلطان کے تمام اوقاف کا ناظر ہے خواہ وہ وقف عامہ خلایق کے فایدہ کے واسطے ہو یا کسی خاص فرقہ و اشخاص کے فائدہ کے لیے۔ جبکہ سلطان مغلیہ کے سند کے ذریعے سے انگریزون نے ان صوبجات کی حکومت اپنے ہاتھہ مین لی تو اونکو بہت سی ایسی جائداد ملی جو بادشاہون نے یا اونکے امرا و سردارون نے وقف کی تہی اور مختلف حصہ ملک مین پہیلی ہوئی تہی کچہہ دنون تک وہ اوقاف ویسے ہی غیر منتظم حالت مین رہنے دیئے گئے جیسا کہ اسلامی سلطنت کی بربادی کے زمانہ مین تہے لیکن سنہ ۱۸۱۰ء مین یہ امر ضروری خیال کیا گیا کہ اِن اوقاف و عطیہ جات کی حفاظت کے لیے کوئی قانون وضع کیا جاے۔ اس غرض کے لیے ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء نافذ کیا گیا۔ جیسا کہ اوسکی تمہید سے ظاہر ہے۔

لیکن سنہ ۱۸۶۳ء مین یہ امر قرین مصلحت خیال کیا گیا کہ گورنمنٹ ہندو مسلمانون کے مذہبی اوقاف سے اپنا قطع تعلق کر کے صرف ایسے اوقاف کو اپنی نگرانی مین رکھے جو دنیاوی اغراض یعنی رفاہ عام کے لئے ہون - اوسوقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ عیسائی سلطنت کو ہندو و اسلامی مذہبی امورات سے تعلق رکھنا نامناسب و خلاف مصلحت ہے - اس غلط حکمت عملی کا نفاذ ایکٹ نمبر ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے ذریعہ سے ہوا - اس ایکٹ کی تمہید و ابتدائی دفعات سے ایکٹ کا مقصود پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور اسمین کچھہ بھی شک نہین کیا جا سکتا کہ اس ایکٹ کا تعلق صرف اون امانت یا اوقاف سے تھا جو بموجب دفعات من ابتدا اسے ۴ لغایتہ ۷ - امینون کی سپردگی مین ہون - چنانچہ بمقدمہ دلروس بانو بیگم بنام نواب سید اصغر علیخان [۵۱] ایسا ہی طے پایا ہے اس مقدمہ مین یہ بھی تجویز ہوئی کہ جب وقف امینون کی سپردگی مین آگیا تو جن اشخاص کو اوس وقف مین کوئی حق ہے وے عدالت مین اگر امین یا منتظم پر نالش کرنے کی اجازت بذریعہ درخواست حاصل کر سکتے ہین [۵۲] اور تا وقتیکہ بموجب دفعہ ۱۸ - ایسی اجازت حاصل نہ کر لی گئی ہو نالش دائر نہین ہو سکتی - لیکن جب اس ایکٹ کے بموجب جائداد وقف کسی امین کی سپردگی مین نہ دی گئی ہو تو اجازت کا حاصل کرنا غیر ضروری ہے اگر بموجب ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء اوس وقف کا انصرام بورڈ آف ریوینیو نے اپنے ہاتھہ مین سے لیا اور بعدہ بموجب ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء وہ کسی امین کی سپردگی گئی تو بادی النظر مین وہ وقف ایسا متصور ہونا چاہئے جو عامہ خلایق کے فائدہ کی غرض سے کیا گیا ہے - بمقدمہ دلروس بانو بیگم بنام نواب سید اصغر علیخان [۵۱] جو اصول نسبت

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ (پریوی کونسل) یا بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۷ [۵۲] کنیز فاطمہ بنام بی بی ہما جان ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۳۱۳ -

منشاء ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع کے قایم ہوا تھا اوسکو جان علی بنام رام ناتھ[۵۱] مندل کے فیصلہ نے بالکل منسوخ کردیا۔ اس آخر الذکر مقدمہ کی تجویز کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مساجد ومنادر و کالج یا دیگر مذہبی کار خیر جنکے قیام کے لیے کسی سلطنت سابق یا اشخاص نے کچھ زمین عطا کی ہے وہ سب اس ایکٹ کے مفہوم کے اندر داخل ہین اور اسیلیے اونکے متعلق کوئی نالش سماعت نہین کیجائیگی تاوقتیکہ حسب دفعہ ۱۸ - اجازت نہ حاصل کی گئی ہو[۵۲]۔ اس نظیر کی تقلید کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک دوسرے مقدمہ مین کی یعنی بمقدمہ لطیف النسا بی بی بنام نظیرن بی بی[۵۳] مقدمات مذکور شرع محمدی کے موافق فیصل نہین ہوئے کیونکہ اسمین ایسے قیود بڑہائے گیے ہین جنکا شرع مین کہین وجود نہین ہے - الہ آباد ہائی کورٹ نے ان فیصلون سے بمقدمہ ظفریاب علیخان بنام بختاور سنگھ[۵۴] اختلاف کیا الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ تجویز کی کہ ہر مسلمان کو پیدائشی حق حاصل ہے کہ کسی جائداد کو وقف یا اوسکے منافع مین اپنا حق مشارکت ثابت کرنے کے لیے نالش رجوع کرے -

**ظفریاب علیخان بنام بختاور سنگھ**

اس مقدمہ مین چند مسلمانون نے واسطے قبضہ ایک تکیہ کے جوازنام نجف علی شاہ مشہور تھے بمنسوخی کفالت ڈگری ونیلام سرکاری وبانہدام دو دیوار و بہ بیدخلی مدعا علیہم کے نالش دائر کی تھی عدالت اپیل ماتحت نے

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۴۳۲ [۵۲] دفعہ ۱۸ حسب ذیل ہے - "اس ایکٹ کے موجب کوئی نالش نہین ہوسکتی تاوقتیکہ ایسی نالش کرنے کے لیے اول کوئی درخواست عدالت مین حصول اجازت کے واسطے نہ گذری ہو یہ درخواست سادہ کاغذ پر بلا اسٹامپ کے گذر سکتی ہے۔ درخواست پڑہنے کے بعد عدالت یہ طے کریگی کہ آیا بادی النظر مین نالش کرنے کے کافی وجوہات ہین یا نہین - واگر عدالت کی تجویز مین ایسے وجوہات ہین تو نالش دائر کرنے کی اجازت دیجائیگی وغیرہ [۵۳] کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۳ [۵۴] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۴۹۷ -

نالش کو اس وجہ سے ڈسمس کیا کہ مدعیان کو منصب نالش نہ تھا۔ ہائی کورٹ نے
عدالت اپیل کے فیصلہ کو بوجوہات ذیل منسوخ کیا ‟ مدعیان بحیثیت اہل اسلام جو مسجد
مین آنے جانے دیگر عمارت مذہبی متعلق وقف کو استعمال مین لانے کے مستحق
ہین صریحًا اس نالش کو قایم رکھہ سکتے ہین اور دفعہ ۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی کو ایسے
مقدمہ سے کچھہ تعلق نہین ہے کیونکہ وقف متنازعہ ہماری راے مین ایک انتظام
مذہبی حسب معنی دفعہ ۲۲ ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع کے ہے اور اسلئے وہ تابع احکام شرع محمدی
ہے۔ پس ہم مقدمہ کو ازروے دفعہ ۵۶۲ ضابطہ دیوانی تجویز رونداد کے لئے واپس
بھیجتے ہین ‟ جواہر بنام اکبر حسین[۱] ایک مابعد کے مقدمہ مین الہ آباد ہائی کورٹ کے
اجلاس کامل نے اس مسئلہ کو کہ آیا ایک مسلمان کسی مسجد مین عبادت کرنے کے
حق کی استقرار کی نالش عدالت مین کر سکتا ہے یا نہین بہت وضاحت سے طے کیا۔
اپیل دویم مین یہ حجت کی گئی - ۱- نالش بشکل موجودہ نہین ہوسکتی تہی کیونکہ کوئی خاص
استحقاق نالش کرنیکا ظاہر نہین کیا گیا ہے - ۲ - چونکہ اوس گانون مین غالبًا اور مسلمان
باشندے بہی ہین لہذا نالش بلا تعمیل احکام دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کے نہین ہو سکتی۔
بیتہرم صاحب چیف جسٹس نے حسب ذیل تجویز صادر کی۔
‟ مجہکو کچہہ بہی شبہ نہین ہے کہ مدعی اس نالش کے دائر کرنے کا [illegible] سبب نالش
کی بحث اوس خاص طریقہ کی وجہ سے پیدا ہوئی جسکے مطابق اس قسم کی جائداد پر قبضہ
ہوتا ہے۔ مسلمانون کے رواج کے بموجب مسجد یا اراضی متعلق مسجد کسی خاص شخص کی
ملکیت نہین ہوتی وہ انسانی ملک کے تابع نہین ہے بلکہ جماعت اہل اسلام کے تمام
اشخاص کو یہ حق ہے کہ جب کبھی مسجد کھلی ہو تو اوسمین عبادت کرین چونکہ اس ملک کی آبادی

---

[۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۷۸۔

کے اہل اسلام صرف ایک جزو ہین لہذا یہ حق بالعموم جملہ باشندگان ملک کو حاصل نہین
ہے اسلئے یہ حق شاید اوس حق کے سبب ہے جو اپنے خاص راستہ مین ہوتا ہے جس شخص کو
یہ حق حاصل ہے وہ بلا مزاحمت اوسکو استعمال کرنیکا مستحق ہے - اور جو اوسکے حق مین
مزاحم ہوا وسپر نالش کرنیکا مجاز ہے - یہ مشترک حق نہین ہے بلکہ ایسا حق ہے جو
اکثر دان کو حاصل ہے دفعہ ۳۰ کا تعلق صرف ایسے مقدمہ سے ہے جسمین اکثر اشخاص
داد رسی حاصل کرنے مین مشترک حق رکھتے ہون اور جس صورت مین کہ قانون سابقہ کی
رو سے جملہ ایسے اشخاص کا شریک نالش کرنا ضرور تھا اوسکے لیے دفعہ ۳۰ وضع کیا گیا
تاکہ مسل مین بہت سے نام بلا ضرورت نہ بھر دیے جائین اور صرف ایک یا چند اشخاص
باجازت عدالت سب کیطرف سے نالش یا جوابدہی کر سکین - یہ قاعدہ اس وجہ سے
جاری کیا گیا تاکہ دولتمند اشخاص آپس مین مشورہ کر کے ایک مفلس شخص کو پیروی مقدمہ
کے لیے کھڑا نہ کر سکین اور اس طرح پر آپ خرچہ سے محفوظ رہین - مقدمہ حال مین ظاہر ہے
کہ ایک خاص شخص کے حق کو ضرر پہونچایا گیا ہے لہذا نالش ہو سکتی ہے ،،

اس مقدمہ مین سید محمود صاحب کی تجویز بھی لایق پڑھنے کے ہے -

اس تجویز کی تقلید کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک حال کے فیصلہ مین کی ہے - پھکوئی الدین
بنام سعید الدین[۱۵] الہ آباد ہائی کورٹ کی تجویز شرع محمدی کے احکام کے مطابق ہے
اور پیر رد المختار و فتاوی قاضی خان کے حوالہ سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ہر مسلمان
کو جسکو کسی مسلمہ وقف مین کوئی حق ہے یہ حق بھی ہے کہ وہ متولی کے اوپر اپنے حق کی
بابت نالش کرے یا کسی غاصب کے اوپر اس غرض سے نالش کرے کہ جو جزو جائداد
وقف کا اوس نے غصب کیا ہے اوسے واپس دے اور اس نالش مین اون اشخاص کا

---

[۱۵] انڈین لا رپورٹ کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۸۱۰ -

فریق کرنا ضرور نہین ہے جو اوس فائدہ مین شریک ہین جسکے لیے نالش کیجاتی ہے اسلیے اگر وقف ایسا نہین ہے جسکا انتظام مطابق ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء و ایکٹ نمبر ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے کیا گیا ہے اور نہ حسب منشاء آخر الذکر ایکٹ کے امین کے حوالہ کیا گیا ہے تو اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ علاوہ اسکے دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی صرف ایسی امانت سے متعلق ہے جو دو واسطے اغراض خیرات عام یا امور مذہبی کے ہو"

دفعہ مذکور کے احکام وقف سے متعلق کرنے کے لیے یہ بات ثابت ہونی چاہیے کہ امانت واسطے عام اغراض خیرات یا امور مذہبی کے ہے بالفاظ دیگر وہ امانت عوام الناس کے لئے ہے یا یون کہے کہ اوسکے مستحقین عوام الناس کی عام جماعت سے بلا کسی امتیاز کے منتخب ہوتے ہین[۹۱]"

---

[۹۱] من مولف۔ اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا ضرور ہے کہ اردو ضابطہ دیوانی مین دفعہ ۵۳۹ کا ترجمہ کسی قدر غلط ہوا ہے جسکی وجہ سے سید امیر علی کی عبارت مذکورۂ بالا و تجویز مقدمہ جواہر ابنام اکبر حسین کا صحت کے ساتھ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ دفعہ مذکور کا سرکاری ترجمہ اسطرح ہوا ہے۔ "وہ جو امانت صریحاً یا معناً واسطے اغراض خیرات عام یا امور مذہبی کے قرار دی گئی ہو" اس ترجمہ سے ظاہر ہے کہ لفظ عام خیرات کی صفت ہے وا امور مذہبی اوسکے اثر سے بالکل خارج ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہین ہے۔ دفعہ مذکور کے اوس جزو کا ترجمہ جسکے نیچے خط کھینچا گیا ہے صحیح طور پر یہ ہو سکتا ہے یا اسکے قریب قریب "جو امانت صریحاً یا معناً واسطے عام اغراض خیرات یا مذہب" اس ترجمہ سے لفظ عام ہر دو قسم کے اغراض کی صفت ہو گیا یعنی خواہ اغراض کار خیر ہون یا امور مذہبی۔ لفظ خیرات محدود معنی مین مستعمل ہوتا ہے بجاے اوسکے کار خیر زیادہ مناسب ہے۔

قبل اسکے کہ دفعہ مذکور متعلق کیا جانے یہ امر ثابت ہونا چاہیئے کہ امانت عام اغراض خیرات و مذہب کے لیے ہے - یعنی یہ کہ جملہ عوام الناس بلا کسی امتیاز کے اوس سے مستفید ہونے کے مستحق ہین -

عام امانت یا مصالح عامہ بموجب شرع محمدی

مسجد (بشرطیکہ جامع مسجد نہ ہو) و خاص امام باڑہ - اور ایسے اوقاف جو مخصوص کار خیر کے لیے ہون - (جیسے لطیف النسا بنت امام نظیرن بی بی کے مقدمہ مین وقف تھا) یا ایسا وقف جو ایک مخصوص جماعت کے لیے ہوان مین سے کوئی مسلمان مقننان کے نزدیک از قسم امانت عام نہین ہے اور نہ جملہ عوام الناس کو اوسمین کوئی حق ہے - شرع محمدی نے عام و خاص اوقاف کے مابین بہت واضح خط کھینچدیا ہے جس سے ایک دوسرے کی نوعیت بآسانی ممیز ہوسکتی ہے - ایسے وقف سے جسمین عوام الناس کا حق ہوتا ہے اور صرف اوسی قسم کے وقفا سے غالباً دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کا تعلق ہے وہ مصالح عامہ ہین جو رفاہ عام کی غرض سے قایم ہوئے ہین - مثلاً پل و کاروانسرائے و شفاخانہ و عام قبرستان عام کتب خانہ - عام مدرسہ - عام امام باڑہ جیسے ہگلی شہر مین محمد محسن کا امام باڑہ -

مگر خاص وقف سے یا ایسے وقف سے جو کچھ خاص ہے و کچھ عام - احکام دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کے کسی طور پر متعلق نہین ہین - اور اگر اوسکا انتظام بموجب ریگیولیشن نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ع کے سرکار نے اپنے ہاتھ مین نہ لیا اور پھر بعدہ بموجب ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع امناء کی سپردگی مین نہین دیا تو آخر الذکر ایکٹ کے احکام اوس سے متعلق نہین -

اسلئے ایسے اوقاف کے متعلق اگر نالش کرنی ہو تو بموجب احکام شرع محمدی کے دائر ہونی چاہیے - جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ وقف اگر مسلمہ ہے اور اوسکے چند متولی ہین تو

اونمین سے ایک یا زیادہ بغیر شریک کیے ہوئے دوسرے متولیون کی نالش کرسکتا ہے واگر کوئی متولی نہین ہے یا ہے تو نالش دائر کرنے پر آمادہ نہین ہے۔ تو اون اشخاص مین سے ایک شخص جنکو وقف مین کسی قسم کا حق ہے سب کی طرف سے نالش کرسکتا ہے اور اسمین قاضی کی اجازت کی ضرورت نہین ہے۔ واگر وقف کی نسبت نزاع ہے یعنی وہ مسلمہ نہین ہے تو بعض متولی۔ واگر وہ نہ ہون تو بعض مستحق قاضی کی اجازت سے سب کی طرف سے نالش کرسکتے ہین۔ جائداد وقف کے متعلق نالش کرنے کا حق متولی کو ہے نہ کہ اولاد واقف[۵۱] کو لیکن جس شخص کی نسبت ایکبار ثابت ہوگیا ہے کہ اوس نے جائداد وقف مین خیانت کی تو اوسکو عدالت اس امر مین مدد نہ دیگی کہ وہ جائداد کو نالش کے ذریعے سے حاصل کرکے اوسپر متولیانہ قابض ہوئے[۵۲]

جن لوگون کو جائداد وقف مین کچھ حق ہے اونکو متولی پر اس غرض سے نالش کرنے کا منصب ہے کہ جائداد وقف کو ضایع نہ کرین ورنہ بیجا طور پر صرف کرین[۵۳] جب منجملہ چند متولیون کے بعض شریک نالش نہین ہوتے اوس حالت مین جس طرح پر نالش ہونی چاہیئے وہ بمقدمہ بہجولال بنام ولی اللہ[۵۴] بیان کیا گیا ہے۔

اس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ اگر ممکن ہو تو جملہ متولی مدعی ہون واگر بعض شریک نالش نہین ہوتے تو وے زمرۂ مدعا علیہم مین داخل کیے جائین۔

حسب دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی متولی کے معزول کیے جانے کی نالش ہوسکتی ہے اور

---

۵۱ بمبئی جلد ۳ صفحہ ۸۴ - بہاٹے صاحب بنام دامودر پریم جی ۵۲ آغا محمد کوئل طہرانی بنام آغا عباس طہرانی صدر دیوانی عدالت سنہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۸۵ ۵۳ عبد الرحمن بنام یار محمد الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۶۳۶ ۵۴ کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۸ -

ایسی نالش مین اون منتقل الیہم کو فریق بنانا ضرور نہین ہے جنکے ہاتھ متولی نے جائداد وقف کا کچھہ حصہ فروخت یا رھن کیا ہے[۵۱]۔

تمادی | جائداد وقف اگر رھن کی گئی ہے تو اوس سے مدہ ۱۳۴ قانون تمادی متعلق نہین ہے کیونکہ مد مذکور مین جو لفظ "خرید" واقع ہے اوسمین رھن داخل نہین ہے۔ بلکہ اس صورت مین مد ۱۴۴ قانون مذکور متعلق ہوگی۔

پیارے لال بنام محمد متقی | مقدمہ پیارے لال بنام محمد متقی[۵۲] ایک سجادہ نشین نے جو جائداد وقف پر قابض تھا مابین ۱۸۶۴ء لغایتہ ۱۸۶۹ء متعدد رہنامجات کے ذریعہ سے جائداد وقف کا بہت سا حصہ رھن کیا۔ فروری ۱۸۹۱ء مین وہ سجادہ نشین فوت ہوگیا اور ۲۶ اپریل سنہ مذکور کو اوسکا لڑکا بجاے اوسکے سجادہ نشین ہوا۔ ۲۵ نومبر ۱۸۹۳ء کو لڑکے نے جائداد مرہونہ کی مداخلت کی بمنسوخی رہنامجات نالش کی۔ تجویز ہوئی کہ نالش مین تمادی ہے۔

---

[۵۱] حسینی بیگم بنام کلکٹر مرادآباد - الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۶ - اس مقدمہ مین جملہ ہائی کورٹ کے نظائر جو دفعہ ۵۳۹ پر ہین خواہ خلاف یا موافق سب ملینگی۔ [۵۲] الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۸۲۔
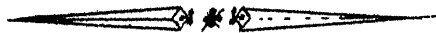
## فصل اوّل ہندوستان مین شفع کا رواج

ہندوستان مین شفعہ کا قانون مسلمانون کے ذریعے سے آیا۔ مسلمانون کی حکومت کے زمانہ مین شفعہ کا قانون ملکی قانون تہا یعنی اہل اسلام و دیگر قوم کے لوگون سے ایکسان متعلق تہا۔ اور اسطرح پر جب ایک زمانۂ دراز تک اس ملک کے باشندون کو اپنے ذاتی تجربہ سے اس قانون کے فوائد معلوم ہوئے تو اونمین اسکا رواج ہوگیا اور بعض مقامات کے باشندون نے اس قانون پر عمل کرنیکا آپس مین معاہدہ کیا۔ چنانچہ اب چند حصہ ملک مین رواج کی بناء پر یہ قانون جاری ہے۔ اگر حق شفعہ رواج و دستور پر مبنی نہین ہے وہان صرف مسلمان ہی مین اسکا نفاذ ہے کیونکہ یہ قانون ملکی قانون نہ رہا بلکہ مسلمانون کا ذاتی قانون رہ گیا ہے۔ صوبہ بہار[۵۱] و ممالک مغربی و شمالی و اودہ و بنگال وچند حصہ پنجاب[۵۲] مین و گجرات[۵۳] کے اہل ہنود مین شفعہ کا قانون رسم و رواج کی بناء پر جاری ہے اور اوس سے شرعی قواعد و قیود متعلق نہین ہین مگر مدراس[۵۴] مین شفعہ کا رواج

---

۵۱ دیبی کنور بنام سروپ نراین ٹہاکر ویکلی رپورٹر سنہ ۱۸۶۴ع صفحہ ۲۵۹ جلد ۱ خلاصہ نظائر ۱۷۳ و فقیر راوت بنام امام بخش بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۵ ۵۲ سید امیر علی باب الشفعہ ۵۳ گوروہن داس بنام پران کنور ہائی کورٹ رپورٹ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۲۶۳ و جلد ۲ خلاصہ نظائر ۱۷۳ ۵۴ ابراہیم صاحب بنام منیر الدین صاحب (ہائیکورٹ رپورٹ) مدراس جلد ۶ صفحہ ۲۶ و جلد ۲ خلاصہ نظائر ۱۷۳۔

محمود صاحب جسٹس نے اپنے متعدد فیصلجات مین اس امر کو ثابت کیا ہے کہ شفعہ کا
رواج ہندوستان مین مسلمانون کے ذریعہ سے ہوا - اور جب رواج مذکور معاملہ امورات
مابہ النزاع کے تصفیہ کے لیے کافی نہ ہو تو اوس صورت مین شرع محمدی کی طرف
رجوع کرنا ضرور ہے - چنانچہ بمقدمہ گوبند دیال بنام عنایت اللہ[1] صفحہ ۷۹۱ پر صاحب
موصوف تحریر کرتے ہین "قاعدہ شفعہ دراصل اہل اسلام کے قانون کا جزو ہے
اس قاعدہ کو زمانہ گذشتہ کے مسلمان مقننان نے جنکو شرع کے مطابق عمل
کرنا واجب تھا جاری کیا - مسلمانون کے عہد حکومت مین قاعدۂ مذکور ملک کا
عام قانون ہوگیا جو صدہا سال تک جاری رہا اور اہل اسلام و اہل ہنود دونون سے
متعلق تھا - کیونکہ اس امر مین شرع نے مختلف فرقہ اور ملت کے لوگون مین کوئی امتیاز
نہین رکھا ہے چنانچہ ہدایہ مین ہے کہ مسلمان و ذمی پر اون قواعد کا جنپر حق شفعہ
مبنی ہے برابر اثر پڑتا ہے اور دونون اوسکے اثر سے برابر تعلق رکھتے ہین اسلئے
وے شفعہ کے استحقاق مین مساوی درجہ رکھتے ہین - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک
عرصہ کے بعد اہل ہنود نے اوسکو مثل رواج کے تسلیم کرلیا - چنانچہ ایک ہندو
مقنن راجندر لال متر تحریر کرتے ہین "میرا یہ خیال ہے کہ حکومت اسلام کے
زمانہ مین قاضیون کی شرع کی تعمیل سے حق شفعہ شایع ہوا ہے اور اہل ہنود کو اس کا
فائدہ اس قدر زیادہ معلوم ہوا کہ اونہون نے اسبات کی فکر کی کہ اوسکے اصول کی
مطابق متر مذکور مین حق شفعہ اپنی زبان مین لائین - جسمین خارجی عبارت ایسی
آسانی کے ساتھ چسپان ہوسکتی تھی جسکی گرفت کا اندیشہ بھی نہ ہوسکتا تھا - یہ بات
تین یا زیادہ صدیان گذرین کہ واقع ہوئی ہوگی"

[1] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ -

دوسرے امر کی نسبت یعنی جب رواج کی بناء پر کل باتون کا فیصلہ نہ ہوسکے تو شرع محمدی متعلق ہوگی۔ مقدمہ دیوکی نندن بنام سری رام[۵۱] کی تجویز کا ایک حصہ ذیل مین لکھا جاتا ہے ''جو حق شفعہ واجب العرض کے کسی فقرہ پر مبنی ہے اوسکی نسبت یہ متصور ہونا ضرور ہے کہ وہ شرعی شفعہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور شرع مین جو قاعدہ شفعہ کے متعلق ہے اوسکو اس ممالک کے اہل ہنود نے بعض صورتون مین پورا پورا اور بعض صورتون مین کسی قید کے ساتھ اختیار کیا ہے'' بعدہ اپنی تجویز بمقدمہ اجلاس کامل گوبند دیال[۵۲] بمقدمہ ضمیر حسین بنام دولت رام[۵۳] بمقدمہ شیورتن کنور بنام مہپال کنور[۵۴] کا حوالہ دیکر تحریر کرتے ہین ''لیکن اوس قاعدہ کی تائید مین جو مین اس مقدمہ مین بر قرار دونگا اپنی ہی سابق کی تجویزون پر استدلال کرنا نہین چاہتا۔ سب سے اہم و مستند نظیر اس امر مین کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس کامل کا ایک فیصلہ ہے۔ بمقدمہ فقیر راوت بنام شیخ امام بخش[۵۵] سر بارنس پیکاک صاحب چیف جسٹس نے بالتفاق دیگر حکام تجویز صادر کی ''اس تجویز مین اون جملہ کثیر التعداد فیصلجات پر غور کیا گیا جو مطبوعہ نظائر کی کتابون مین ملسکے ذی علم جج نے اپنی تجویز کے نتیجہ کو بہت صاف اور مختصر الفاظ مین حسب ذیل بیان کیا ہے ''لیسلیے ہم خیال کرتے ہین کہ اس امر مین جس قانون پر عمل ہوتا ہے وہ بہت صاف ہے یعنی یہ کہ بہار و مغربی ہندوستان کے ہنود مین شفع کا حق یا رسم کا رائج ہونا مسلمہ ہے۔ اور جن اضلاع مین اوسکا وجود فیصلجات دیوانی مین تسلیم نہین کیا گیا وہان رواج ثابت کرنا پڑے گا۔ اور جب رواج کا وجود پایا جائے تو تاوقتیکہ اسکے خلاف نہ ثابت ہو یہ قیاس ہونا چاہیے کہ رواج مذکور کی بناء شرع محمدی پر ہے اور

[۵۱] الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۸ [۵۲] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ [۵۳] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۱۰ [۵۴] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۵۸ [۵۵] بنگال لا رپورٹ جلد ہشتم صفحہ ۳۵۔

وہ اوسی قدر وسیع ہے - لیکن جب یہ ثابت ہو کہ شرعی شفعہ کو رواج سے نے
کلیتاً تسلیم نہین کیا ہے تو مابین اہل ہنود کے عدالت اوس قاعدہ کو بلحاظ اون
حالات کے جسمین حق شفعہ کا دعوی ہوا ہے ترمیم کر سکتی ہے " بعدہٗ صفحہ ۲۶۸
پر ذی علم جج تحریر کرتے ہین "مین حکام ممدوح (یعنی اون حکام سے جنھون نے
مقدمہ مندرجہ رپورٹ ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی نظائر اجلاس کامل بابت سنہ ۱۸۶۷ع
صفحہ ۱۲۸ فیصل کیا ہے) اس امر کی تجویز کرنے مین اتفاق کرتا ہون کہ جب کسی
موضع کے باشندون نے حق شفعہ کو رواج و معاہدہ کے طور پر اختیار کر کے درج
واجب العرض کرایا ہو تو وہ بعض امر مین شرعی شفعہ کے خلاف ہوگا - اور جب
خلاف ہو تو عدالتون کو چاہیئے کہ شرائط شفعہ مندرجہ واجب العرض کی تعبیر احتیاط
سے کرین اور اونکو نافذ کرین - گو اسکی وجہ سے شرعی شفعہ کے معمولی قاعدہ متعلق
طلب مواثبت و استشہاد مین کچھ تغیر و تبدل واقع ہو" یہی اصول بمقدمہ رام پرشاد
بنام عبدالکریم[۵۱] یہی صحیح قرار پایا یعنی جب اس امر کا کوئی ثبوت نہ ہو کہ رسم و رواج
شرعی شفعہ کے خلاف ہے یا اوسکی برابر وسیع نہین ہے تو شرع محمدی متعلق ہوگی
اگر شرع محمدی کے خلاف کوئی رسم ثابت ہو تو رسم کے مطابق فیصلہ ہوگا -[۵۲]
جب کسی مقام مین شفعہ کا رواج ثابت ہو تو اوس مقام کے کل باشندگان بلا لحاظ
مذہب و ملت کے باہم ایک دوسرے شفعہ کے مستحق ہونگے - اس اصول
کو الہ آباد ہائی کورٹ نے مقدمہ ضمیر حسین بنام دولت رام[۵۳] مین تسلیم کیا ہے - اس
مقدمہ مین معاملہ بیع مابین اہل ہنود کے واقع ہوا تھا جسپر ایک مسلمان شخص نے

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۱۳ اور ۵۲ جیو ہاٹ سنگہ بنام کنھیالال الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۳۴۳

[۵۳] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۱۰ -

دعویٰ شفعہ کیا۔ صاحب جج نے اصول حق شفعہ کی نسبت اپنی یہ راے ظاہر کی
کہ عدالتون کو مناسب نہین ہے کہ مابین اہل ہنود و اہل اسلام کے حق شفعہ کو نافذ
کرین۔ سید محمود صاحب نے کلکتہ اجلاس کامل کے فیصلہ بمقدمہ فقیر راوت کا حوالہ
دیکر حسب ذیل تحریر کیا۔

''... ظاہر ہے کہ یہ امر بیرون از اختیار عدالت ہے کہ حکمی قانون قایم کرے اور
اس مسئلہ سے کہ انصاف قانون کے تابع ہے خواہ مخواہ ایسے قانون کا وجود ثابت
ہوتا ہے جسکی پابندی عدالت کو کرنی چاہیئے۔ واضعان قانون نے سواے بعض
احکام ایکٹ ہاے مختص المقام کے جو خاص خاص ممالک ہند سے مثل پنجاب
واودھ کے متعلق ہین حق شفعہ کے متعلق کوئی قواعد منضبط نہین کیے حالانکہ اس
حق کے وجود کو ہندوستان مین تسلیم کیا ہے۔ اور قانون مین جہان کہین حق شفعہ
کا ذکر آیا ہے وہان بہی جو قواعد قایم ہوئے ہین اونمین زیادہ تر ایسے امور سے متعلق
ہین جنپر مقدمہ کی سماعت تک عمل کرنا چاہیئے اور مقدمہ کی روئداد و تصفیہ سے
قواعد مذکور کو کوئی تعلق نہین۔ شرع محمدی ہی صرف ایسا مجموعہ ضوابط مجریہ ہند ہے
جسمین حکمی قواعد حق شفعہ کی نسبت باضابطہ قرار پاے ہین۔ اوّل درجہ شمالی
ہند مین حق شفعہ کی بنیاد کا سراغ علاوہ شرع محمدی کے جو مسلمان اپنے ساتھ
اُس ملک مین لائے تھے کسی اور جگہ نہین ملتا۔ پس یہ قاعدہ بلا خدشہ قایم
ہوسکتا ہے کہ تمام مقدمات شفعہ مین جنمین شرع محمدی کی بناء پر شفعہ کا دعویٰ نہو
بلکہ مقامی رسم و رواج کی بناء پر ہو تو اونمین بہی عدالت کو انصافاً شفعہ شرعی کے
قواعد کی پابندی بنظر مناسب کرنی چاہیئے۔ بلاشک رواجی شفعہ کے قواعد رواج
پر مبنی ہوتے ہین لیکن جب کبہی کسی خاص امر کی نسبت رواج ساکت ہو تو صرف یہ

کہ اوس امر کا تصفیہ بنظر مناسب شرع محمدی کے بموجب کیا جائے۔
"مقدمہ مذکور سے ان اصول کو متعلق کرنے پر میری یہ رائے ہے کہ اس امر کا
ثابت کرنا مدعا علیہم کے ذمہ تھا کہ اوس مقام کا رواج شفعہ جہان مکان متنازعہ
واقع تھا بہ قدر قاعدہ شرع محمدی کے وسیع نہین۔ بلکہ اوسکے بموجب رواج کا قاعدہ
صرف اونہین اشخاص مین محدود ہے جو بایع و مشتری کے ہم مذہب یا ہم
قوم ہون۔ جو تجویزین رواج کے ثبوت مین پیش ہوئی ہین اون سے پایا جاتا ہے
کہ حق شفعہ کے متعلق اس قسم کی کوئی قید مقامی رواج کی جزو نہین ہے۔ اور
اوسمین کلام نہین ہو سکتا کہ حق شفعہ کا نفاذ منجانب ذمی یعنی ایک ایسے شخص
کے جو مسلمان نہ ہو بمقابلہ اہل اسلام کے اور برعکس اسکے ہو سکتا ہے" بعدہ
اوس مقام پر اپنی رائے کی تائید مین ہدایہ و فتاوی عالمگیری کے مسائل نقل کرکے
پھر لکھتے ہین "اور معلوم ہوتا ہے کہ عدالت ہائیکورٹ کلکتہ نے شفعہ شرعی کے
اس قاعدہ کو بنظر مناسب بمقدمہ پہو دو محمد بنام راو ہاچرن[1] ایسے شفعہ سے متعلق
کیا جو مقامی رواج پر مبنی تھا حکام ذی علم نے بمقدمہ مذکور یہ رائے ظاہر کی "اگر
اوس ضلع رنگپور مین جہان کا یہ مقدمہ ہے رواج شفعہ مابین اہل ہنود کے وجود پذیر
نہ ہوتا تو مدعی کو جو مسلمان ہے معاملات ہنود مین کوئی حق شفعہ نہ حاصل ہوتا کیونکہ
ہندون پر شرع محمدی کے قاعدہ متعلقہ شفعہ کی پابندی لازم نہین۔ مگر اس مقدمہ
مین معلوم ہوتا ہے کہ مدعی نے یہ بیان کیا ہے کہ شفعہ کا رواج ہندوٗن مین بھی
جاری ہے۔ پس اگر اونہون نے شرع محمدی کا قاعدہ آپس مین اختیار کرلیا تو اس
امر مین کوئی اعتراض نہین ہو سکتا کہ ایک مسلمان شخص بھی اوس حق کو بمقابلہ اونکے

[1] ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۲۔

نافذ کرائے - ... پس میری یہ راے ہے کہ عدالت مرافعہ ثانی نے اس امر مین غلطی کی ہے کہ مدعی مقدمہ ہذا مسلمان ہونے کی وجہ سے دعوی شفعہ رواجی کا بمقابلہ مدعا علیہم کے جو ہندو ہین نہین کرسکتا شفعہ کا حق شرع محمدی سے پیدا ہے وہ ملکی قانون نہین ہے بلکہ مسلمانون کا ذاتی قانون ہے - جہان کہین وہ دنیا مین پاے جائین - بخلاف اسکے اہل ہنود مین شفعہ بطور ایک معاہدہ یا رواج کے ہوتا ہے اور اوسکی نسبت یہ کہنا صحیح نہین ہے کہ وہ زمین سے متعلق ہے[۵۱] فیصلجات مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ رواجی شفعہ مین بھی عدالت ہاے ہند کو شرعی شفعہ کے احکام کی تعمیل کرنی لازم ہے جب کہ رواج مذکور کسی خاص امر کی نسبت ساکت ہو - اب دوسرا سوال یہ ہے کہ احکام شرع محمدی متعلقہ شفعہ کی پابندی عدالتون پر اوسیطرح واجب ہے یا نہین - جیساکہ اہل اسلام کے مذہبی معاملات و وراثت مین شرع شریف کے احکام کی تعمیل ہوتی ہے - اس سوال کا جواب دفعہ ۲۴ ایکٹ ۴ ۱۸۷۲ء کی تعبیر پر موقوف ہے دفعہ مذکور حسب ذیل ہے وہ جب کسی مقدمہ یا کارروائی مین کسی عدالت کو حسب ایکٹ ہذا کسی امر متنازعہ متعلقہ جانشینی یا وراثت یا ازدواج یا قومیت یا رسم مذہبی یا امر مذہبی کی تجویز کرنی ضرور ہو تو بمقدمہ اہالی اسلام شرع اسلام کے بموجب اور بمقدمہ اہل ہنود شاستر کے بموجب فیصلہ کرے بجز اوس قدر مضمون شرع یا شاستر کے جو از روے قوانین مصدرہ لیجس لیٹف کونسل کے تبدیل پذیر یا مسترد ہو گیا ہے - جن مقدمات کے واسطے از روے جزو بالا دفعہ ہذا یا کسی اور قانون مجریہ وقت کے کوئی حکم منضبط نہین ہوا ہے

---

[۵۱] پیر ابنام کلو الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۹۱۶ - یہ راے کہ رواجی شفعہ زمین سے متعلق نہین شاید صحیح نہین - کیونکہ اسکے خلاف اکثر مقدمات مین تجویز ہونا پایا جاتا ہے -

اونمین عدالت برعایت انصاف اور اجبیت اور نیک نیتی کے عمل کرے"

اس مسئلہ پر چند بار مختلف ہائی کورٹوں کو غور کرنے کا اتفاق ہوا - بمقدمہ مسماۃ چندو بنام علیم الدین[۵۱] اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا کہ بحالت نہ ہونے کسی خاص رواج کے اہل اسلام کے درمیان معاملات شفعہ مین شرع محمدی کی پابندی کرنی لازم ہے یا نہین ؟

اجلاس کامل نے تجویز کی کہ بلحاظ احکام دفعہ ۲۴ - ایکٹ ۶ سنہ ۱۸۷۱ء کے اہل اسلام کے درمیان معاملات شفعہ سے سبب وسے رواج خاص یا معاہدہ خاص پر مبنی نہ ہون شرع محمدی خواہ مخواہ متعلق نہین ہے - مقدمہ مذکور مین کثرت راے سے بہ تقلید فیصلہ شمس اللہ بنام زہرہ بی بی (الف) یہ تجویز ہوئی کہ ہماری یہ راے ہے کہ شرع محمدی کی پابندی خواہ مخواہ معاملات شفعہ مین بموجب احکام دفعہ ۲۴ ایکٹ ۶ سنہ ۱۸۷۱ء کے لازم نہین ہے - لیکن تاہم ہماری یہ راے ہے کہ ایسے احکام کی پابندی بلحاظ اصول انصاف کے ہونی چاہیئے - حق شفعہ شرع محمدی سے پیدا ہوا ہے اور وہ حق درحقیقت کسی بے انصافی پر مبنی نہین ہے - اس حق کا رواج ایک ممتد زمانہ سے چلا آتا ہے . . . پس ہماری راے مین انصاف اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم شفعہ شرعی کے احکام معہ اوسکی جملہ شرایط کے جو اوسکے متعلق ہین تعمیل کرین بجز اوس صورت کے کہ ایسا کرنا درحقیقت انصاف کے خلاف معلوم ہو - مگر سید محمود نے بمقدمہ گوبند دیال بنام عنایت اللہ[۵۲] یہ تجویز کی

---

[۵۱] نظائر ممالک مغربی و شمالی سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۸ -

[۵۲] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ و نیز دیکھو صفحہ ۵۳۶ جلد مذکور و دیوکی نندن بنام الشری رام الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۴ (الف) اپیل خاص نمبر ۱۶۱ سنہ ۱۸۷۳ء اجلاس کامل مطبوعہ -

کہ حق شفعہ رسم مذہبی یا امر مذہبی حسب معنی دفعہ مذکور کے ہے - لیکن اکثر حکام نے اونکی راے سے اختلاف کیا نتیجہ اسکا یہ ہے کہ گو شرع محمدی متعلقہ شفعہ کی پابندی قانوناً لازم نہین ہے لیکن انصافاً اوسپر عمل کرنا واجب ہے سواے اوس خاص حالت کے جبکہ انصاف کا اقتضا کچھ اور ہو۔

اس ملک مین دعویٰ شفعہ چند بنا پر ہوتے ہین - نمبر ۱ - بربناے شرع محمدی - نمبر ۲ - بربناے رواج - نمبر ۳ - بربناے معاہدہ خاص نمبر ۴ - بربناے احکام قوانین خاص - ابتدائً کل قسم کی دعادے شفعہ کی بنیاد صرف ایک تھی یعنی شرع محمدی لیکن اب امتداد زمانہ و دیگر حالات کی وجہ سے مختلف اقسام شفعہ کے خاص خاص قواعد مقرر ہوگئے ہین - گو اس کتاب کے موضوع مین صرف اول قسم کا شفعہ داخل ہو سکتا ہے مگر اس خیال سے کہ شایقین علم قانون کو شفعہ کے متعلق پھر کسی دوسری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے دیگر اقسام شفعہ کے اصول بھی موقع مناسب پر لکھے جائینگے -

# فصل دوم - شرائط شفع

ہدایہ - شفعہ مشتق ہے شفعہ سے جسکے معنی ضم یعنی ملانا ہے - شفعہ کو شفعہ اسلئے کہتے ہین کہ اسمین خریدی ہوئی چیز کو شفیع کے عقار یعنی جائداد غیر منقولہ سے ملانا ہوتا ہے شرع مین بقعہ خرید شدہ کے مالک ہونے کو بعوض اوس قدر زرثمن کے جس قدر مین کہ مشتری نے خرید کیا ہو شفعہ کہتے ہین -

| تعریف شفعہ | حق شفعہ سے وہ حق مراد ہے جسکے ذریعہ سے ایک جائداد غیر منقولہ کا |
|---|---|

مالک اپنی جائداد سے امن و آسایش [illegible] ت حاصل کرنے کے لیے
دوسرے شخص کی جائداد غیر منقولہ کو جب د [illegible] ین شرایط پر حاصل کر سکے
جن شرایط پر کہ جایداد آخر الذکر فروخت ہوئ [illegible] ی شفعہ بایع یا مشتری سے
ایک جدید معاہدہ کے ذریعہ سے دوبارہ [illegible] کا حق نہیں ہے بلکہ وہ محض
قایمقامی کا حق ہے جس سے شفیع بوجہ [illegible] قانونی شرط کے جسکے تابع خود
بیع تھی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ اون جملہ ح [illegible] داریوں کے ساتھ جو اوس
بیع سے پیدا ہوئی ہین جسکے ذریعہ سے اور [illegible] ق حاصل کیا ہے بجاے
مشتری کے قایم ہو جاے۔[51]

بیلی صاحب شفعہ کی تعریف اس طرح کرتے [illegible] ی حق شفعہ سے وہ مرجح استحقاق
خریداری مراد ہے جس سے دوسرا شخ [illegible] کے ثمن جائداد غیر منقول کو
مشتری سے حاصل کرتا ہے۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شفعہ کے چند [illegible] ۔
نمبر اول یہ عقد معاوضہ کا ہونا اور [illegible] بیع ہے یا جو بیع کے معنی مین ہو[52]
پس جو بیع یا بیع کے معنی مین نہ ہو اوسمین [illegible] جیسے ہبہ و صدقہ و میراث
و وصیت[53] مین شفعہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان طرایق سے جو انتقال ہوتا ہے
وہ بلا معاوضہ ہے اور شفیع یا تو بہ قیمت لیگا یا مفت [illegible] ۔ مگر بقیمت لینے کی کوئی صورت
نہیں کیونکہ منتقل الیہ نے کچھ معاوضہ نہیں [illegible] اور مفت لینے کی بھی صورت نہیں
کیونکہ مفت دلانے کے لیے جبر نہیں ہو [illegible] ہبہ بشرط عوض ہوا درد احسب

---

[51] گوبند دیال بنام عنایت اللہ الہ آباد جلد [illegible] ۷ [52] موہنو بی بی بنام جگرناتھ چودھری بنگلی
ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۸۷ [53] امیر علی بنام پیرن [illegible] بمبئی [illegible] ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۳۹

اور موہوب لہٗ دونون سے [illegible] سیا ہو یعنی واہب نے عوض پر اور موہوب لہٗ
نے شے موہوبہ پر تو شفعہ وا[illegible] - واگر دونون مین فقط ایک نے قبضہ کیا
دوسرے نے نہین تو شفعہ جا[illegible] اگر ایک شخص نے کچھہ اراضی بلا شرط عوض
کے ہبہ کیا پہر موہوب لہٗ نے ا[illegible]ی کے عوض ایک مکان دیا تو دونون
مین سے کسی پر شفعہ ثابت نہ [illegible] ہبہ محض بعوض خدمت یا محبت کے کیا گیا
ہو وہ ہبہ بالعوض نہین ہے [illegible] سپر شفعہ جائز ہے[۵۱] ایک دستاویز مین یہ
شرط تہی کہ بالعوض خدمت [illegible] جائداد بلا عوض ہبہ کیجاتی ہے اور اخیر مین
واہب نے یہ تحریر کیا تہا کہ مین [illegible] ہون اور موہوب لہٗ میرے قرضہ کو ادا کریگا
تجویز ہوئی - یہ ہبہ بلا عوض ہے [illegible] موہوب لہٗ کا قرضہ ادا کرنا محض اوسکا اختیاری
امر ہے کیونکہ قرضخواہان سے [illegible] وبست نہین کیا گیا[۵۲] - جو مکان بدل الصلح ہو
اوسمین شفع واجب ہوتا ہے [illegible] مکان پر صلح باقرار ہو یا بانکار یا بہ سکوت[۵۳]

---

[۵۱] رحیم بخش بنام محمد حسین الہ آباد [illegible] مساۃ امیرن بنام حیدر علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۸۸

[۵۳] اس مسئلہ کو صاحب ہدایہ نے اس [illegible] ہے کہ اگر کسی نے مکان کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اوسکے
دعویٰ کا اقرار کرکے صلح کرلی تو شفعہ و[illegible] مثلاً مدعا علیہ نے دعوی مدعی کی صحت تسلیم کرکے مدعی
سے اس شرط پر صلح کرلی کہ مدعی ہزار رو[illegible] لے اور مکان مدعا علیہ کے قبضہ مین رہنے دے یہ ہزار
روپیہ مکان کا معاوضہ قرار دیا جائیگا [illegible] شفعہ و[illegible]ب ہوگا - لیکن اگر دعویٰ مدعی سے انکار کرکے یا دعویٰ
پر سکوت کرکے مکان سے صلح کی تو شفعہ [illegible] کیونکہ ممکن ہے کہ مدعا علیہ نے جو کچھہ معاوضہ دیا وہ صرف
مقدمہ کی کشاکشی سے بچنے کے لیے د[illegible] مکان متدعویہ درحقیقت مدعا علیہ ہی کا ہو - لیکن اگر مدعا علیہ
قابض نے اس مکان سے نہین بلکہ [illegible] صلح کی خواہ باقرار یا بہ سکوت یا بانکار یعنی سب صورتونمین
شفعہ واجب ہوگا اسواسطے کہ مدعی نے [illegible] زعم مین مکان متدعویہ کو اپنے حق کے عوض مین لیا ہے

موروثی اجاروں میں شفعہ نہیں ہے گو لگان منفعت پر اسے تا ہم ہی کیوں نہ ہو
کیونکہ یہ بیع نہیں ہے[51] شفعہ صرف اوس بیع پر ہوتا ہے جو بالغ نے رضامندی
سے کی ہو۔

بیع جبریہ مثل نیلام وغیرہ کے صورتوں میں شفعہ نہیں - لیکن اوس صورت میں شفعہ ہوگا جب
کسی خاص قانون کے ذریعہ سے یہ حق عطا ہوا ہو[52] - اگر سرکار نے کسی باغی کی جائداد
ضبط کرکے بیع کردی اور واجب العرض میں شفعہ کی شرط ہے تو اس بیع پر شفعہ
ہوگا کیونکہ سرکار نے یہ تبعیت اوس شرط کے حقیقت ضبط کی تھی[53] لیکن اگر حکام مال نے
جائداد ضبط شدہ کو فروخت کیا تو اوس پر شفعہ نہیں[54] -

بقیہ صفحہ ۲۲۶ - جبکہ وہ اوسکے حق کی جنس سے نہ ہو تو اوسکے زعم کے موافق اوسکے ساتھ معاملہ ہوگا
(اپنے حق کی جنس سے نہ ہو کی قید اسواسطے لگائی) کہ جب اوسی مکان کے کسی حصہ پر صلح ہو تو اوس نے
اپنے زعم کے موافق نہیں اپنا حق پایا پس اسمیں شفعہ نہ ہوگا (من مولف) سے اوپر کا مفہوم زیادہ واضح کرنے کے
لیے غالباً تمثیل کی ضرورت ہو مکان سے صلح کرنے کی مثال جو اوپر مذکور ہوئی اوسکا مطلب یہ ہے کہ مکان
مدعا علیہ کے قبضہ میں رہا مگر اوسکا مالک مدعی کو تسلیم کرکے مدعا علیہ نے کچھ معاوضہ دینا قبول کیا -
مکان پر صلح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مکان مدعا علیہ کے قبضہ سے نکالکر مدعی کو دیا جائے مثلاً مدعی نے کچھ روپیہ
کا دعوی کیا اور مدعا علیہ نے دعوی کے عوض مدعی کو ایک مکان دیکر مصالحت کرلی تو اس مکان پر شفعہ ہوگا
خواہ قبل مصالحت مدعا علیہ نے دعوی مدعی کی صحت تسلیم کی ہو یا اوس سے انکار کیا ہو یا اوسپر سکوت لیا ہو
لیکن مصالحانہ کی ڈگری کے ذریعہ سے اگر کچھ حقیقت کسیکو ملی ہو تو وہ ڈگری بمنزلہ بیع خانگی کے نہیں ہے -
وہ اوسپر شفعہ ہوسکتا ہے - دیکھو ہنومانت راے بنام اودت نراین راے الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۹۱۷ -

[51] رام غلام سنگھ بنام نرسنگھ سہاے کلکتہ جلد ۲۵ صفحہ ۱۸۴ [52] اج ای لی بنام سلمی ہفتہ وار سنہ ۱۸۹۹ء
صفحہ ۱۷۵ - دھاپل سنگھ بنام عبدالحمید خان ہفتہ وار سنہ ۱۸۹۱ء ۱۱۷ [53] کلکٹر فتحپور بنام بابو علی آگرہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۹
[54] محمد ولایت اللہ خان بنام احمد حسین خان آگرہ جلد ۳ صفحہ [illegible] -

نمبر دوم "مال کا معاوضہ مال سے ہو۔ مثلاً کسی غلام کو ایک مکان کے عوض آزاد کیا تو شفعہ ثابت نہ ہوگا[۵۱] لیکن اگر کسی شخص نے اپنی ایک قطعہ اراضی کا تبادلہ دوسرے شخص کی ایک قطعہ اراضی سے کیا تو دونوں مین شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ باہم دوسرے ایک دوسرے کی قیمت متصور ہونگے[۵۲] اور شفیع کو اوس شے کی قیمت تخمینی ادا کرنی ہوگی جو تبادلہ مین دی گئی ہے نہ کہ اوس شے کی جسپر دعوی شفعہ ہے[۵۳]۔ اگر کوئی اراضی شکنکاپ کیجائے تو شفعہ نہ ہوگا[۵۴]۔

نمبر سوم "مبیع عقار ہو یا ایسی چیز جو عقار کے معنی مین ہو خواہ یہ عقار قابل تقسیم ہو یا ناقابل تقسیم جیسے حمام و چکی و کنوان و نہر و چشمہ و چھوٹے چھوٹے مکانات "

نمبر چہارم "مبیع سے بایع کی ملک زائل ہو جاے ورنہ شفعہ نہین[۵۵] جیسے ایسی بیع مین جسمین بایع کو شرط خیار دی گئی ہو (اگر بایع نے اس شرط پر بیع کیا کہ دو روز کے اندر فلان شخص نے مبیع کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو بایع کو اس بیع کے فسخ کرنیکا اختیار ہے تو اسصورت مین تا وقتیکہ بایع کا خیار کلیتاً زائل نہ ہو شفعہ ثابت نہ ہوگا) اگر بایع نے اپنے خیار کی شرط ساقط کر دی تو شفعہ ہوگا۔ لیکن مشتری کے

---

۵۱ من مولف۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ غلام اپنے حق مین کوئی مال نہین ہے گو دوسرون کے لیے ہو۔ ۵۲ نعمت علی بنام عصمت بی بی الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۶۲۶ - اس مقدمہ مین تجویز ہوئی کہ قیمت کی تعبیر شرع محمدی کے مطابق ہونی چاہیے جس کے بموجب اوسمین تمام چیزین داخل ہین جسکا معاوضہ مال ہو سکتا ہے یعنی ذوات القیم اور نیز تمام تبادلہ جسکی تعریف دفعات ۵۴ و ۱۱۸ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ع مین کی گئی ۵۳ سیوارام بنام رسال چودھری آگرہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ - یا جلد ۴ خلاصہ نظائر ۳۷۵۴ ۵۴ نرائن پانڈے بنام رام پرشاد مصر الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۳۳۳ - ۵۵ لادن بنام بھیرون رام ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۲۵۵ - وسندر کنور بنام لالہ رگھبیر دیال ویکلی رپورٹر جلد ۱ صفحہ ۲۴۶ و نیز دیکھو ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۲۷۰۵ - وظہور محمد بنام ظہور احمد ہفتہ وار سنہ ۱۸۸۶ع صفحہ ۲۴۸ -

خیار سے شفعہ ثابت ہوگا[۵۱]،، اگر کسی غیر مکمل بیع پر شفعہ نہ ہوا اور بعد مین جب اوسی حقیقت کی بیع مکمل طور پر ہوئی تو شفعہ ہوسکتا ہے[۵۲]۔ اسی اصول پر یہ طے پایا ہے کہ سازشی بیع مین حق شفعہ نہین کیونکہ ایسی بیع سے بایع کا حق ملکیت زائل نہین ہوتا[۵۳]۔ بمقدمہ منصور علی بنام حیدر حسین[۵۴] یہ سوال پیدا ہوا کہ بیع سازشی سے حق شفعہ متعلق ہے یا نہین و آیا بایع و مشتری اپنی سازش کو کامیابی کے ساتھ جواب نالش قرار دے سکتے ہین یا نہین تجویز ہوئی کہ بیع سازشی مین حق شفعہ نہین ہے و بایع و مشتری دونون ایسی جوابدہی کے مجاز ہین - لیکن اگر مبیع سے بایع کی ملکیت زائل ہوچکی ہے تو جو استحقاق شفعہ پیدا ہوگا وہ پورا و مکمل ہوگا اور اگر ایسے استحقاق کے ظہور کے بعد بایع و مشتری نے سازش کر کے بیع کو فسخ کر دیا تو اوس سے شفیع کا نقصان نہ ہوگا بلکہ وہ مستحق پانے شفعہ کا ہوگا[۵۵]۔ وتد استحقاق شفعہ مین اوس وقت فرق آسکتا ہے جب مشتری بعد خریداری کے کسی دوسرے شریک کے نام بیعنامہ کردے یا کسی اور قسم کا ردوبدل کرے[۵۶]۔

لیکن اگر شفعہ شرعی نہین ہے بلکہ رسم ورواج یا معاہدہ کی بناء پر ہے تو مبیع سے بایع کی ملک کا زائل ہونا ایک شرط مقدم اوسکے حق کے وجود مین آنے کے لیے نہین ہے بلکہ جیسا اوپر بیان ہوا شرائط رسم ورواج و معاہدہ پر عمل کیا جاے گا۔

---

[۵۱] ویکلی ریورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ و شرع محمدی مولفہ بیلی صاحب صفحہ ۴۷۶ و آگرہ ۱۸۵۰ع صفحہ ۸۹ [۵۲] بسنت کماری بنام کالی پرشاد سنگھ جلد ۳ خلاصہ نظائر ۵۰۷-۳ [۵۳] بیلی صاحب صفحہ ۴۷۲ و موہنی بی بی بنام جگنناتھ ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۸ [۵۴] ہفتہ وار ۱۸۵۲ع صفحہ ۱۲۸ [۵۵] ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ و جلد ۲ ایضا صفحہ ۲۱۶ [۵۶] نیادر بنام رادہا چرن ۷ - اپریل ۱۸۶۰ع ممالک مغربی و شمالی و ۲۵ جولائی ۱۸۶۱ع صدر آگرہ صفحہ ۵۸۴ و میوارام بنام شیام لال ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ -

مثلاً جب واجب العرض کے بموجب رہن پر بھی حق شفعہ حاصل ہے تو مجرد رہن کرنے سے حق شفعہ حاصل ہوگا - حالانکہ صرف رہن کرنے سے راہن کی ملکیت شے مرہونہ سے کلیتاً زایل نہین ہوتی - اور اس مسئلہ کو اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ اگر رہن کے ذریعے مرتہن نے قبضہ بھی نہ پایا ہو یعنی صرف رہن سادہ ہے تو اوس صورت مین بھی شفعہ ثابت ہوگا -[51]

**پنجم** یہ حق بایع زایل ہوجانا شرط ہے پس خرید فاسد مین حق شفعہ واجب نہ ہوگا -[52] یہ مسئلہ کہ شرعاً حق شفعہ کس صورت مین پیدا ہوتا ہے مقدمہ اجلاس کامل بیگم بنام محمد یعقوب[53] بہت صراحت سے بیان ہوا ہے - اس مقدمہ مین حسب تجویز عدالت اپیل ماتحت کے بایعان نے بعوض تین سو روپیہ کے اپنا مکان فروخت کرکے اور زر ثمن پاکر مشتری کو مکان پر قابض کرادیا مگر کوئی بیعنامہ رجسٹری شدہ بخوف شفعہ نہ لکہا گیا - بحث یہ پیدا ہوئی کہ اس قسم کی زبانی بیع پر بلحاظ

---

[51] اجلاس کامل شیو رتن کنور بنام مہپال کنور الہ آباد جلد ۔ صفحہ ۲۵۸ و عظیمہ بی بی بنام امیر علی صفحہ ۲۴۳ جلد مذکور [52] اگر مشتریان نابالغ ہین اور باوا ئے ثمن بیع پر قابض ہین تو اوسکی خرید فاسد نہین ہے دیکھو گنیش رائے بنام ہردیال ہفتہ وار ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۲۹ - اراضی سیر کی بیع ممنوع ہے اسلیے اوسپر شفعہ نہین - پرشاد سنگہ بنام بوہاری لال ہفتہ وار ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۲۰ [53] الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۳۴۴ - جیسی اس مقدمہ مین تجویز ہوئی ہے ویسی کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی تجویز کی ہے کہ معاہدہ بیع کی تکمیل سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے یعنی اوسوقت جبکہ بایع کو معاہدہ بیع سے انحراف کرنے کا اختیار نہ باقی رہے اور یہ ضرور نہین ہے کہ بیعنامہ کی تکمیل و رجسٹری بھی ہوجائے دیکھو ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۲ - یا بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۲۱۹ و ویکلی رپورٹر جلد ۲۲ صفحہ [illegible] و جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۱ -

دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء شفعہ ہوسکتا ہے یا نہین۔
پیف جسٹس صاحب نے بیلی صاحب کی ڈائجسٹ کے حوالہ سے پانچون شرایط
مذکورہ بالا بیان کرکے حسب ذیل تجویز کی۔
دو شرایط چہارم و پنجم کی تعبیر اس طرح ہونی چاہیے کہ وہ باہم مطابق ہون نہ کہ متناقض
اگر ہم اوس بیع کو جو شرط پنجم کی منشا مین داخل ہے بیع کی ملک کا مکمل انتقال
بایع کی جانب سے مشتری کے حق مین خیال کرین تو حق شفعہ نہین پیدا ہوسکتا۔
خواہ مشتری کو خیار حاصل ہو یا نہ حاصل ہوتا وقتیکہ مشتری نے بالآخر خرید نہ کیا ہو۔
لیکن شرط چہارم کے بموجب حق شفعہ اوسوقت ہوتا ہے جب وقت بیع کے
بایع کے لیے خیار کی شرط نہ ہو بلکہ مشتری کے لیے ہو۔ اس سے مین یہ نتیجہ
اخذ کرتا ہون کہ شرع محمدی مین جس عقد بیع سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے اوسمین
بایع کا بلا شرط ایجاب بھی داخل ہے جو اوس نے مشتری سے بیع کی نسبت کیا ہے
اور جسکو مشتری نے قبول کیا۔ گو یہ ایجاب و قبول مشتری کے خیار کے تابع تھے
لیکن اوس خیار کا نفاذ حق شفعہ کے پیدا ہونے کے لیے ضروری شرط نہ تھی۔
بظاہر جس چیز سے حق شفعہ پیدا ہونا خیال کیا جاتا تھا وہ یا تو قطعی بیع تھی جسکو مقننان
انگلستان جزو و کل کی بیع کہتے ہین۔ یا ایسا عقد بیع تھا جسمین مشتری کے لیے خیار
کی شرط تھی۔ جسکی وجہ سے بایع کو تکمیل بیع سے اوس صورت مین انکار کرنے کا
کوئی حق باقی نہین رہتا جب مشتری اپنے خیار کے ذریعہ سے خرید نا چاہیے۔ ہملٹن
صاحب کی ہدایہ مطبوعہ ۱۷۹۱ء صفحہ ۵۶۸ و مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۵۰۵ پر یہ
لکھا ہے دو شفعہ کا حق بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حق اوسوقت تک نہین پیدا ہوتا
جب تک یہ نہ ظاہر ہو کہ مالک آپ اپنا مکان اپنے پاس نہین رکھنا چاہتا اور یہ بات

مکان کی بیع سے ظاہر ہوتی ہے - پس ثبوت بیع و تولید حق شفعہ کے لیے یہ امر کافی ہے کہ بایع بیع کا اقبال کرے گو وہ شخص جو مشتری کہا جاتا ہے اوس سے انکار کرے" کتاب آخر الذکر کے صفحہ ۱۸۱ پر بیع کی تعریف یہ لکھی ہے کہ "دو فقہہ مین بیع سے مراد یہ ہے کہ متعاقدین برضامندی یا خود ہا مال کا معاوضہ مال سے کرین - و شری کے معنے خریداری کے ہین -

"مقدمہ حال مین صاحب جج ضلع کی تجویز سے واضح ہے کہ فی الحقیقت با خود ہا رضامندی سے مال کا معاوضہ مال سے ہوا یعنی چتر مدعا علیہ نے دیگر مدعا علیہم کو تین سو روپیہ ادا کیا یہ معاوضہ اوسکے نامبردگان نے چتر کو مکان پر بطور مالک قابض کرا دیا"

بعدہٗ یہ لکھکر کہ حسب دفعہ ۵۴ قانون انتقال جب جائداد مالیتی سو روپیہ یا زاید کی ہو تو صرف بذریعہ بیعنامہ رجسٹری شدہ اوسکا انتقال عمل مین آسکتا ہے - ذی علم جج تحریر فرماتے ہین -

"بمقدمہ جانکی بنام گرجا وت[۱] جسمین حق شفعہ کا دعویٰ بربناء واجب العرض تھا چار حکام نے یہ تجویز کی کہ چونکہ بمعاوضہ تین سو روپیہ کے بیع واقع ہو چکی تھی اور مشتری کو قبضہ مل گیا تھا - لہذا حق شفعہ پیدا ہوا گو کوئی بیعنامہ تحریر نہین ہوا اور نہ اوسکی رجسٹری ہوئی -

"بخلاف اسکے سید محمود صاحب جسٹس نے یہ تجویز کی کہ چونکہ بوجہ دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ع حق ملکیت بایع کی جانب سے مشتری کے حق مین منتقل نہین ہوا کیونکہ کوئی بیعنامہ رجسٹری شدہ تحریر نہین ہوا اسلیے حق شفعہ پیدا نہین ہوا - بظاہر

---

[۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۸۲ -

سید محمود صاحب جسٹس کی یہ راے تہی کہ بوجہہ دفعہ ۵۴ - ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء
بیع ناجائز تہی بلا شبہہ دفعہ مذکور کی وجہہ سے بیع بطور انتقال ملکیت کے
غیر موثر تہی " بعدہٗ مدراس جلد ۱۶ صفحہ ۴۶۴ کے فیصلہ سے اسوجہہ سے اختلاف
کرکے کہ جب بایع نے زرثمن وصول پاکر مشتری کو حقیت مبیعہ پر قابض کرا دیا ہے
توگو بینامہ رجسٹری شدہ نہ تحریر ہوا ہو لیکن پہر بایع اوس مشتری کو بیدخل نہین کرسکتا
بلکہ حسب دفعہ ۵۵ (د) ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء جب مشتری ثمن ادا کرنے پر آمادہ ہو
تو بایع پر دستاویز بینامہ تحریر کرنی فرض ہے حسب ذیل تجویز کی -
" میری دانست مین اِس امر پر غور کرنے کے وقت کہ آیا شرع محمدی متعلق شفعہ
کسی معاملہ سے متعلق ہوسکتی ہے یا نہین ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ شرایط
موجودہ ہین یا نہین جنکے لحاظ سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے اور شرایط مذکورہ کی تعبیر
اوس شرع کے بموجب ہونی چاہیئے جسکا تابع بایع ہے - شرع محمدی متعلقہ
شفعہ مین لفظ بیع کی تعریف مین اون قیود کے داخل کرنے سے جو دفعہ ۵۴ -
ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء کے بموجب انتقال ملکیت سے لاحق کی گئی ہین شرع مذکور مین
اہم تغیر واقع ہوگا - اور اس سے شریر لوگون کو ایک آسان طریقہ اوس قانون سے
گریز کرنے کا حاصل ہوگا جسکا مقصود یہ تہا کہ شرکا و قریبی ہمسایہ اگر چاہین تو اشخاص
غیر کو جائداد غیر منقولہ پر جس سے شرعی شفعہ متعلق ہے متصرف نہ ہونے دین -
ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ء کے بموجب کسی شریک یا ہمسایہ کو یہ حق نہین دیا گیا ہے کہ بایع
کو تحریر دستاویز یا بایع و مشتری کو دستاویز انتقال کی رجسٹری کرانے پر مجبور کرے
شفیع کو جو حسب دفعہ ۲۱۴ - ایکٹ نمبر ۱۴ سنہ ۸۲ء شفعہ کی ڈگری دیجاتی ہے وہ
ڈگری اِس مضمون کی نہین ہوتی کہ بایع یا مشتری کوئی دستاویز انتقال ملکیت

کی تحریر کرین بلکہ وہ ڈگری مداخلت جائدا د باداے ثمن و خرچہ کے (اگر کچھ دلایا گیا ہو) ہوتی ہے۔ مین یہ نہین خیال کر سکتا کہ ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ع کے وضع کرنے سے واضعان قانون کا یہ منشاء تہا کہ مروجہ شرع محمدی متعلقہ شفعہ کے اوس مفہوم مین جو ایکٹ مذکور کے نفاذ سے صدہا سال پیشتر سے سمجہا جاتا ہے صراحتاً یا معناً اس طرح پر تبدیلی پیدا کرین کہ بجاے اوس بیع کے جسکا ذکر شرع مذکور مین ہے ایک ایسی بیع قایم کرین جسکے ساتھ دفعہ ۵۴ ایکٹ ۴ سنہ ۸۲ع کے قیود لگے ہون"

**ششم**۔ "جس اراضی یا مکان کے ذریعہ سے شفیع خواستگار شفعہ ہے وہ وقت بیع مشفوعہ کے شفیع کی ملک ہو[۵۱]۔ پس اگر شفیع کے قبضہ مین اراضی یا مکان بطور اجارہ یا عاریت کے ہے تو اوسکو حق شفعہ نہین حاصل ہے اور نہ ایسے اراضی یا مکان کے ذریعہ سے شفیع کو شفعہ کا حق ہے جسکو اوس نے بیع مشفوعہ سے پہلے فروخت کر دیا ہو[۵۲] و نہ ایسے مکان کے ذریعہ سے جسکو شفیع نے مسجد کر دیا ہو"

[۵۱] بیمن بنام مشتاق احمد الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴۔ مدعی شفیع نے جس حقیت کے ذریعہ سے دعوی شفعہ کیا تہا اوسکی نسبت اپنے بایع کو یہ اقرار نامہ لکہدیا تہا کہ اگر وہ عرصہ ۱۲ سال مین مشتری کو یعنی مدعی شفیع کو زر ثمن واپس دیدیگا تو حقیت واپس ہو جائیگی۔ اس اقرار نامہ کی بنا پر یہ بحث کی گئی کہ مدعی شفیع مستقل مالک نہین ہے۔ اسلیے دعوی شفعہ ساقط ہونا چاہیے۔ تجویز ہوئی کہ اغراض شفعہ کے لیے مدعی کامل مالک حقیت کا متصور ہوگا گو کسی وقت مین بایع کو واقعی جائداد کا حق حاصل ہو ویمقدمہ ظہور محمد بنام ظہور احمد ہفتہ وار سنہ ۸۶ع صفحہ ۲۷۸ تجویز ہوئی کہ محض معاہدہ بیع سے اور زر بیعانہ کے دینے سے ایسا مستقل حق حاصل نہین ہوتا جو اغراض شفعہ کے لیے کافی ہو [۵۲] بیع بالوفا ایک قسم کا رہن ہے اسلیے اسکی وجہ سے کسی کا حق شفعہ زایل نہ ہوگا۔ علی احمد خان بنام رحمت اللہ الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۵۔ اس مقدمہ مین بہگوان سہاے بنام بہگوان دین

و نہ ایسی ملکیت کی وجہ سے جو خفیہ طور پر فرضی ایک دوسرے شخص کے نام خریدی گئی ہو[۵۱] اگر وقت بیع و نالش کے شفیع اوس حصہ یا مکان کا مالک تھا۔ جسکے ذریعے سے وہ خواستگار شفعہ ہے مگر اپیل دویم کے دوران مین شفیع کا حصہ نیلام ہوگیا تو اس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴۔ الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۷ سے فرق دکھلایا گیا۔ سکینہ بی بی بنام امیرن الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۲ مین تجویز ہوئی کہ شفیع اگر اوس اراضی کا مالک ہے جسکے ذریعے سے اوسکو استحقاق شفعہ پیدا ہوا تو گو وہ اوسپر قابض نہ ہو تاہم اوسے حق شفعہ حاصل ہے۔ شیو نراین بنام ہیرا۔ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۵۳۵ گو یہ مقدمہ مابین اہل ہنود کے بر بنا رواج الغرض تھا مگر یہ قرار پایا کہ گو وقت بیع کے ایک حصہ دار مستحق شفعہ تھا مگر اوس حصہ دار کا حصہ خرید کرکے مشتری مستحق شفعہ کا اوس بیع مین نہ ہوگا جو اوسکے خریداری سے پہلے عمل مین آئی۔ حکام نے یہ بھی تجویز کی کہ بموجب شرع محمدی کے جب ملکیت کسی جائداد کی بذریعہ فعل اشخاص یا بوجہ تاثیر قانون کے منتقل ہوتی ہے یا پہونچتی ہے تو انتقال یا توریث کی روسے حق شفعہ اوس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسکے حق مین انتقال یا توریث عمل مین آوے۔ مگر یہ قاعدہ دراصل تابع اس شرط کے ہے کہ شخص مذکور کسی ایسی بیع کی نسبت اپنے حق شفعہ کا نفاذ نہین کراسکتا جو قبل انتقال یا پہونچنے جائداد مذکور کے عمل مین آ گئے۔ اگرچہ حق شفعہ اراضی کے ساتھ رہتا ہے مگر مدعی کو اوسکے نافذ کرانے کی اجازت اسوجہ سے نہین دیجاتی کہ اسکے خلاف تجویز کرنی درحقیقت شخص اجنب کو اس امر کی اجازت دینا ہوگی کہ وہ شخص بیدخل کیا جائے جو وقت بیع کے اجنب نہ تھا۔ اور مشتری ماقبل مشتری مابعد پر اور مشتری مابعد مشتری ماقبل پر نالش شفعہ دائر کرنیکا مجاز ہوگا۔ و نیز دیکھو لچھمی نراین بنام سنوگ دت الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۹۱۔

۵۱ بینی شنکر بنام مہپال بہادر سنگھ الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۸۰ اس مقدمہ مین مشتری خفیہ طور پر ایک دوسرے شخص کے نام فرضی بیعنامہ لکھا کر پہلے سے موضع مین حصہ دار تھا تجویز ہوئی کہ ایسی بیع کے ذریعہ سے مشتری حصہ دار موضع نہ متصور ہوگا اور شفیع مستحق ڈگری ہے۔

اوسکا حقِ شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ اپیل مین یہ امر تجویز طلب ہے کہ آیا وہ فیصلہ جسکا اپیل ہے بوقت صدور حکم عدالت ماتحت کے صحیح تھا یا نہین لیکن اگر شفیع کی حقیت مقدمہ ابتدائی کے دوران مین نیلام ہوجاےٴ تو مستحق ڈگری کا نہ ہوتا[۵۱]۔

نمبر ہفتم (۷) شفیع نے بیع سے صریحاً یا دلالتاً اپنی رضامندی ظاہر نہ کی ہو مثلاً اگر بایع نے شفیع کی وکالت یعنی توسط سے غیر کے ہاتھ فروخت کیا تو شفیع کا حق زائل ہوگیا۔

جائداد منقولہ مین بالذات شفعہ واجب نہین ہوتا البتہ عقار کی بتعیت مین واجب ہوتا ہے۔ اور بالذات شفعہ صرف عقارات مین مثل دوکان واراضی وغیرہ یعنی جائداد غیر منقولہ مین واجب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی درخت قطع کرنے کی غرض سے خریدا تو اوسمین شفعہ نہین ہے۔ اسی طرح اگر اوسکو مطلقاً خریدا ہو یعنی بغیر کسی غرض و نیت کے تو اوس صورت مین بھی یہی حکم ہے۔ واگر درخت معہ اوس زمین کے جسمین درخت قایم ہے خریدا تو شفعہ ہوگا۔

اِس ملک مین اکثر اسامی و کاشتکار مالکانِ دیہہ کی زمین مین مکان بناکر آباد ہوتے ہین اونکو اوس اراضی مین جسمین ان کے مکانات واقع ہین کسی قسم کا حق ملکیت نہین ہوتا بلکہ وے صرف عملہ مکان کے مالک ہوتے ہین اور مکان مین

---

[۵۱] سکینہ بی بی بنام امیرن الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۴ مقدمہ خدابخش بنام رام موہن لال ہفتہ وار ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۶۹ شفیع دعوی شفعہ کرنے سے کچھ ہی پہلے بذریعہ خریداری کے موضع مین حصہ دار ہوا تھا جب دوسری حقیت بیع ہوئی تو اوسنے اوسپر دعوی شفعہ کیا۔ عدالت مرافعہ اولی نے دعوی ڈگری کیا مگر صیغہ اپیل مین معلوم ہوا کہ شفیع کی خریداری ایک دوسرے مقدمہ مین ناجائز قرار پاچکی ہے تو ہائیکورٹ نے مدعی کا دعوی شفعہ نامنظور کیا۔

سکونت کا حق رکھتے ہین۔ اکثرون کو اس قسم کا حق بہی حاصل ہوتا ہے کہ اگر اونکے مکانات منہدم ہوجائین تو بنیاد سابق پر پہر تعمیر کرسکتے ہین۔ اس قسم کے اشخاص مین سے اگر کسی نے اپنا مکان بیع کیا اور ساتھہ ہی حق سکونت بھی تو اوس بیع پر شفعہ ہوگا کیونکہ یہ بیع منقولہ جائداد منقولہ کی بیع متصور نہ ہوگی جسمین حق شفعہ نہین[۵۱]۔

ایک مقدمہ مین[۵۲] یہ بحث کی گئی کہ آیا انتقال حقِ کاشت کی بابتہ دعوی شفعہ ہوگا یا نہین۔ گو حکام نے اس مسئلہ کو صاف طور پر طے نہین کیا تاہم یہ اظہار راے کی کہ دعوی شفعہ اس قسم کا کوئی ہوا نہین ہے حقِ کاشت و حق مقابلہ فت اراضی خاص قانون کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہین۔ اس لیے تا وقتیکہ اوس خاص قانون مین شفعہ کا حکم نہ ہو اوسوقت تک جواز شفعہ مین بہت شک ہے، بالخصوص جب دعوی شفعہ بربنا شرع محمدی ہو کیونکہ ایسے حقوق مقابلقت شرع مین نہین پائے جاتے جو اس ملک مین قوانین مختص المقام کی رو سے عطا کیے گئے ہین۔ مگر چونکہ قانوناً حق کاشت کا انتقال بجز خاص صورتون کے ممنوع ہے اسلئے بمقدمہ ہزاری لعل بنام اگرہ لال[۵۳] اراضی سیر پر دعوی شفعہ کی نسبت بحث آئی یہ دعوی واجب العرض کی بنا پر تھا۔ حکام نے بلحاظ اوس خاص واجب العرض کے تجویز کی کہ لفظ حقیت مین سیر داخل نہین ہے اس لیے شفعہ نہ ہوگا۔

فتاوی عالمگیری۔ شفعہ فقط حق الملک کے ذریعہ سے واجب ہوتا ہے حتی کہ اگر مکان وقف کے پہلو مین کوئی دوسرا مکان فروخت ہوا تو وقف کنندہ کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور نہ متولی وقف اوسکو لے سکتا ہے۔ اسیطرح اگر کسی خاص شخص کے لیے

---

[۵۱] ظہور بنام ظہور علی الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۹۹ [۵۲] شیخ عزت اللہ بنام بہکاری بنگال لار پورٹ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶ [۵۳] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۶۲۶ یا ہفتہ وار ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۰۳۔

وہ مکان وقف ہے تو اس شخص کو بہی اوس مکان موقوفہ کے ذریعے سے مکان مبیعہ مین حق شفعہ نہ حاصل ہوگا۔ گو دونون مکان ایک دوسرے کے پہلو مین واقع ہون اگر زمین وقف مین کسی شخص کا مکان ہے تو اوسکو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا و اگر اس نے خود اپنا مکان فروخت کیا تو اوسکے پڑوسی کو بہی اوسمین حق شفعہ نہ ہوگا۔

" اگر کسی شخص نے ایک مکان خرید کیا اور ہنوز اوسپر قابض نہین ہوا تہا کہ اوسکے پہلو مین دوسرا مکان فروخت ہوا تو اوس شخص کو حق شفعہ حاصل ہوگا "

" جو مکان کسی عورت کا مہر قرار دیا گیا ہو یا عورت کا مہر بیان کر دیا گیا ہو اور عورت نے اوس مکان پر بوجہ مہر کے قبضہ کیا تو اوسمین شفعہ واجب نہین ہوتا۔ لیکن اگر کسی شخص نے اپنی عورت کے مہر کی عوض اپنا مکان اوسکے ہاتھ فروخت کیا تو اوسمین شفعہ واجب ہوگا[۵۱]۔ اگر کسی عورت سے ایک مکان پر اس شرط سے نکاح کیا کہ عورت اوسکو ایک ہزار درم واپس دیوے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکان کے کسی حصہ مین شفعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر صاحبین کے نزدیک بقدر حصہ ہزار درم کے شفعہ واجب ہوگا۔ اسیطرح اگر شوہر سے عورت نے ایک مکان پر اس شرط سے خلع کیا کہ شوہر اوسکو ہزار درم واپس دے تو اوسمین بہی ایسا ہی اختلاف ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک مکان اس شرط پر ہبہ کیا کہ موہوب لہٗ واہب کو اوس قرض سے جو اوسکا واہب پر آتا ہے بری کرے اور اوس قرض کا تعین نہ کیا اور موہوب لہٗ نے مکان پر قبضہ کر لیا تو حق شفعہ واجب ہوگا۔ اسیطرح اگر اوسکو اس شرط سے ہبہ کہا کہ موہوب لہٗ اس دوسرے مکان مین جو کچہہ اپنا دعویٰ کرتا ہے اس سے بری کرے اور موہوب لہٗ نے مکان ہبہ پر قبضہ کر لیا تو یہ صورت بہی استحقاق شفعہ مین مثل صورت مذکور کے ہے۔ مبسوط۔

---

[۵۱] فدا علی بنام مظفر علی الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۶۵۔

دو اگر مدعی نے مدعا علیہ پر کچھہ مال کا دعوی کیا اور باہم اونکے اس شرط پر صلح ہوئی
کہ مدعی مدعا علیہ کی دیوار پر اپنے مکان کی کڑیان رکھے اور دیوار کی وہ جگہہ جسین کڑیان
رکھی جائین ہمیشہ کے لیے یا ایک مدت معین کے لیے مدعی کی ہو جائے یا اس
شرط پر صلح ہوئی کہ مدعی اپنے پانی بہنے کا راستہ مدعا علیہ کے مکان کی جانب
کر دے تو اِن صورتون مین حق شفعہ حاصل نہ ہوگا و اگر مکان کے اندر ایک محدود
و معروف راستہ کے عوض صلح ہوئی تو جار ملاصق یعنی پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہوگا[۵۱]
مکان کے اندر راستہ مثل مسیل آب کے نہین ہے[۵۲] اسواسطے کہ عین راستہ ملکیت
ہوتی ہے پس شفیع راستہ مین شریک ہو جائیگا اور دیوار پر کڑیان رکھنے مین و مسیل
آب مین شریک نہ ہوگا۔ نیچے کا مکان ایک شخص کا ہے اور اوسکے اوپر کا بالاخانہ
دوسرے شخص کا ہے اور اون مین سے کوئی بیع ہوا تو دوسرے کے مالک کو
حق شفعہ ہوگا۔ کیونکہ اگر بالاخانہ کو راستہ نیچے والے مکان سے ہے تو حق شفعہ
بسبب شرکت راہ کے ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ بڑے کوچہ کی طرف سے ہے
تو شفعہ بسبب جوار کے ہوگا۔ اگر مالکِ بالاخانہ نے نیچے کے مکان کو شفعہ مین
نہ لیا یہان تک کہ بالاخانہ گر گیا تو امام اعظم و ابو یوسف کے نزدیک اوسکا حق شفعہ
باطل ہو جائیگا۔ اور امام محمد کے نزدیک باطل نہ ہوگا کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک
حق شفعہ بسبب عمارت کے حاصل ہوتا ہے اور امام محمد کے نزدیک حق شفعہ بسبب
حق تعمیر عمارت کے ہوتا ہے اور نہ بسبب نفس عمارت کے۔ اور بالاخانہ کا حق القرار
یعنی اوسکی تعمیر کا حق ہنوز باقی ہے۔ اگر کوئی دوسرا مکان بالاخانہ کے پہلو مین فروخت

---

۵۱ موافق کے نزدیک بظاہر اسکی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حق آسایش مین شفعہ نہین ہوتا ۵۲
پانی بہنے کی نالی۔

ہوا تو مالک بالاخانہ ومکان اسفل (اگر دو ہین) دونون کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ اگر شفعہ حاصل کرنے سے پہلے بالاخانہ ونیچے کا مکان دونون منہدم ہو گئے تو امام ابویوسف کے نزدیک شفعہ نیچے والے مکان کے مالک کو حاصل ہوگا۔ کیونکہ زمین جو ذریعہ استحقاق شفعہ ہے وہ ہنوز قایم ہے اور مالکِ بالاخانہ کو بدلیل سابق شفعہ نہ ہوگا۔ و امام محمد کے نزدیک دونون کا حق شفعہ قایم رہیگا کیونکہ جب نیچے کا مکان بنے گا تو بالاخانہ کا مالک اپنا بالاخانہ قایم کرے گا اور اوسکو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ خود ہی نیچے کا مکان بنا کر اوسپر بالاخانہ بنالے اور مالکِ مکان اسفل کو نفع حاصل کرنے سے منع کرے یہان تک کہ یہ بالاخانہ والے کا حق دے دے"

# فصل سوم۔ مراتب شفیع و اشخاص مستحق شفعہ

ہدایہ مین ہے کہ شفعہ کا مستحق اول خلیط فی نفس المبیع ہے یعنی شریک دوم خلیط فی حق المبیع یعنی وہ شخص جسکو جائداد بیع شدہ مین کسی قسم کا حق حاصل ہو۔ سوم جار یعنی پڑوسی جار سے مراد جار ملاصق ہے یعنی ایسا پڑوسی جسکا مکان مکان مشفوعہ کی پشت سے ملا ہو۔ اور اوسکا دروازہ دوسرے کوچہ مین ہو۔

عالمگیری مین ہے کہ اگر چند شفعہ جمع ہون تو اونمین مذکورہ بالا ترتیب کا لحاظ ہوگا۔ یعنی شریک کو خلیط پر اور خلیط کو جار پر ترجیح دینگے۔ پس اگر شریک نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دیدیا تو خلیط مستحق شفعہ ہوگا۔ اور اگر اوس نے بھی مشتری کو اپنا حق دیدیا تو جار ملاصق کو حق ہوگا۔ مثلاً ایک کوچہ غیر نافذہ مین ایک مکان دو شخصون مین

مشترک ہے جسکا راستہ اسی کوچہ غیر نافذہ مین ہے - پس اگر ایک شریک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو حق شفعہ دوسرے شریک کو حاصل ہوگا - اگر اوس نے اپنا حق دیدیا تو تمام کوچہ والون کو حق شفعہ ہوگا خواہ وے ملاصق ہون یا غیر ملاصق - اسلیے کہ راستہ مین وہ سب خلیط ہین - پھر اگر ان سب نے اپنا حق دیدیا تو حق شفعہ جار ملاصق کو ملے گا -

ہدایہ مین ہے کہ راستہ و شرب جسکی شرکت سے شفعہ کا استحقاق پیدا ہوتا ہے - خاص ہوتے ہین نہ عام[۵۱] - خاص راستہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ نافذ نہ ہو یعنی دوسری جانب کسی شارع عام سے نہ ملا ہو بلکہ محدود ہو - اور شرب خاص یعنی پانی کی ایسی نہر ہو جسمین کشتی نہ چلتی ہو بلکہ اراضیات کی آبپاشی کی غرض سے ہو جیسے تالاب و پوکھر وغیرہ - یہ امام اعظم و امام محمد کے نزدیک ہے و امام ابو یوسف کے نزدیک شرب خاص وس نہر کو کہتے ہین جس سے دو یا تین کھیتون کی آبپاشی ہوتی ہو اور اگر اس سے زیادہ ہوا تو شرب عام ہے - اگر ایک کوچہ غیر نافذہ سے دوسرا کوچہ غیر نافذہ بشکل مستطیل نکلا جیسا کہ ذیل مین -

کوچہ ب

کوچہ الف
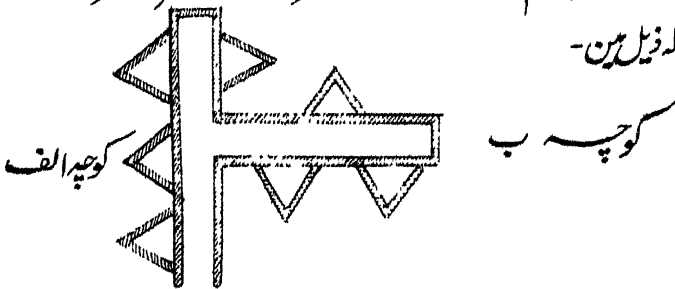
[۵۱] کریم بخش بنام خدا بخش الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۷ - اس مقدمہ مین تجویز ہوئی کہ راستہ مین خلیط ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ راستہ شارع عام نہ ہو بلکہ چند شخصون کا ذاتی راستہ ہو - ایسے راستہ مین اون سب لوگون کا حق مساوی ہے جو اوسمین حق آمدرفت رکھتے ہین گو اونمین سے بعض پڑوسی بھی ہون تو پڑوسی ہونے کی وجہ سے اونکو ترجیح نہ ہوگی -

اور کوچہ ب مین کوئی مکان فروخت ہوا تو کوچہ الف کے رہنے والون کو شفعہ نہین
حاصل ہے بلکہ صرف کوچہ ب کے رہنے والے مستحق شفعہ ہین واگر کوچہ الف مین
کوئی مکان فروخت ہوا تو دونون الف و ب کے کوچون کے رہنے والون کو شفعہ ثابت
ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کوچہ الف کے رہنے والون کو کوچہ ب مین دروازہ توڑنے کا
حق نہین کیونکہ اونکا راستہ اوس کوچہ سے نہین بخلاف اسکے کوچہ ب والے اپنا
دروازہ کوچہ الف مین کرسکتے ہین۔ یا بالفاظ دیگر کوچہ ب مین آمد و رفت کا حق صرف
اوسی کوچہ کے رہنے والون کو ہے اور کوچہ الف مین دونو کوچون کے رہنے والون کو
اگر کسی صغیر نہر سے اوس سے بھی زیادہ چھوٹی نہر نکلی تو اسکے بارہ مین ویسا ہی حکم ہے
جیسا کہ کوچہ غیر نافذہ کی بابت۔ یعنی اگر منجملہ اون اراضی کے جسمین چھوٹی نہر سے پانی
آتا ہے کوئی اراضی فروخت ہوئی تو حق شفعہ صرف اونہین لوگون کو ہوگا جو اوس
چھوٹی نہر سے آبپاشی کرتے ہین۔ واگر وہ اراضی فروخت ہوئی جسکی آبپاشی بڑی نہر
سے ہوتی ہے تو دونون نہرون سے آبپاشی کرنے والون کو حق شفعہ ہوگا۔

دیوار پر کڑیان و شہتیر رکھنے سے کوئی شخص شرکت کا شفیع نہین ہوتا بلکہ شفیع جار
ملاصق ہوتا ہے اگر مساوی درجہ کے چند شفیع ہون تو جائداد مشفوعہ اونکے درمیان
موافق شمار افراد کے تقسیم ہوگی۔ اونکی ملکیت کے اختلاف کا کچھ اعتبار نہین لیکن امام شافعی
کے نزدیک حصص مدعیان کی مقدار کے لحاظ سے جائداد مشفوعہ اونکے درمیان تقسیم ہوگی[۵۱]

---

۵۱ امام شافعی کی دلیل یہ ہے۔ شفعہ بغرض پورے کرنے منفعت ملک کے ہوتا ہے اور اسلیے وہ مشابہ
ہے اوس منافع کے جو سرمایہ مشترکہ سے حاصل کیا جاوے مثلاً ایک مکان مین زید نصف کا شریک ہے
اور بکر ثلث کا اور خالد چھٹوین حصہ کا پس اگر زید نے اپنا حصہ فروخت کیا اور بکر و خالد شفیع ہوئے تو مذہب
حنفی کے مطابق دونون شفیعون کو جائداد مشفوعہ برابر تقسیم کردیجائیگی اور امام شافعی کے نزدیک

اگر منجملہ چند شفیع کے ایک غائب ہو تو جو شفیع حاضر ہون اونکے درمیان جائداد مشفوعہ تقسیم ہوگی اسواسطے کہ جو شفیع غائب ہے شاید وہ شفعہ نہ طلب کرے۔

اگر ایک شفیع حاضر تھا اور اوسکو کل جائداد مبیعہ دیدی گئی اور بعد کو ایک اور شفیع آیا تو اول شفیع سے نصف لیکر دوسرے شفیع کو دینگے۔ اور اگر تیسرا شفیع آیا تو اون دونون سے ایک ایک ثلث لیکر تیسرے کو دینگے[۹۱]

عالمگیری مین ہے کہ جو شخص دیوار فاصل مین شریک ہے اوسکا حق شفعہ بہ نسبت خلیط کے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲ - بکر کو دو ثلث اور خالد کو ایک ثلث ملے گا۔

امام ابوحنیفہ کی یہ دلیل ہے۔ کہ جائداد مشفوعہ سے مدعیان شفعہ کی جائداد کا اتصال شفعہ کا سبب ہے اور باعتبار سبب کے یعنی اتصال کے دونون مدعی برابر ہین کیونکہ ظاہر ہے اگر بجاے دو کے صرف ایک ہی مدعی ہوتا تو اوسکو کل جائداد مشفوعہ ملتی اسلیے دونون مدعیون کا حق بھی برابر ہوگا۔ اور اتصال کی کمی بیشی پر حکم نہ ہوگا۔ اور سرمایہ مشترکہ سے جو تشبیہ دی گئی ہے وہ متعلق نہین کیونکہ منافع تو سرمایہ مشترکہ کا عین منافع ہے اور شفعہ کے ذریعہ سے دوسری جائداد حاصل کرنا عین منافع شفیع کی ملکیت کا نہین ہے کیونکہ اگر تین شفیعون مین سے دو نے اپنے حق سے دست برداری کی تو کل جائداد مبیعہ تنہا تیسرے شفیع کو ملیگی پس یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ مشترکہ کے منافع کی تمثیل شفعہ پر پوری صادق ہوتی ہے۔ ذیل کے مقدمات مین امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کیا گیا۔ مہاراج سنگھ بنام لالہ بیچک لال ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۱۷۔ جے رام بنام مہابیر الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۰۷ جنکی تقلید مقدمات مہابیر ناتھ بنام تہرا پرشاد و کنور دت پرشاد بنام ناہر سنگھ الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۴ و صفحہ ۲۵۷ کی گئی۔

[۹۱] لیکن اگر شفعہ بربنارہ اجیب العرض ہے اور مشتری و شفیع مساوی درجہ کے شریک ہین تو حق شفعہ نہین ہے ورنہ شفیع کو نصف حقیت ملے گی۔ دیکھو مان خان بنام منور خان ہفتہ وار سنہ ۱۸۹۶ء صفحہ ۵۶۔

مقدم ہے اور شریک مکان سے موخر۔ کیونکہ شریک مکان کی شرکت عام ہے و شریک دیوار کی شرکت خاص جزو مین ہے اور شفعہ مین شرکت عام زیادہ قوی ہے۔

اگر کسی شریک نے خرید کیا تو دیگر شرکا مساوی الدرجہ کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ یہ مسئلہ شرع حنفی کی متعدد مستند کتاب کے حوالہ سے بمقدمہ امیر حسین بنام رحیم بخش[۵۱] طے پایا ہے اس مقدمہ مین ایک مکان کوچہ ایک کوچہ غیر نافذہ مین واقع تھا ایک ایسے شخص نے خرید کیا جو اوسی کوچہ مین رہتا تھا۔ مدعی شفیع متعلقات مکان مین شریک تھا عدالت ماتحت نے دعوی شفعہ اس وجہ سے ڈسمس کیا کہ مشتریان کا مکان اوسی کوچہ مین واقع ہے اور اونکو بمقابلہ شخص اجنب کے ویسے ہی حق شفعہ حاصل ہے جیسے شفیع کو۔

ہائی کورٹ نے تجویز کی۔ ۔ ۔ ۔ ”اس امر مین شبہہ کی کوئی گنجایش نہین ہے کہ بموجب قانون مذکور (شرع محمدی) حق شفعہ ایسے مشتری کے مقابلہ مین نافذ کیا جاسکتا ہے جو شخص اجنب نہ ہو بلکہ ایسا شخص ہو جو مدعی کے ساتھ مساوی طور پر بمقابلہ شخص اجنب کے دعوی شفعہ کر سکتا ہو۔ اور یہ کہ بصورت خریداری ایسے شخص کے دیگر اشخاص کے حقوق جو مبیع مین استحقاق شفعہ رکھتے ہون اوسیطرح تجویز ہونی چاہیے جس طرح اوس صورت مین تجویز ہوتے۔ اگر مشتری نے جائداد مذکور کو بذریعہ حق شفعہ بمقابلہ شخص اجنب بعدم موجودگی دیگر شفیعان کے حاصل کی ہوتی اور شفیعان غیر حاضر بعدہٗ حاضر ہو کر اپنے حصص کا دعوی کرتے۔ یہ مسئلہ قانونی مسلمہ ہے کہ جب مشتری شخص اجنب ہو اور ایک سے زیادہ اشخاص کو حق شفعہ حاصل ہو اور منجملہ اونکے ایک غیر حاضر ہو تو ڈگری اون اشخاص کے حق مین جو حاضر ہین مطابق اونکی تعداد کے صادر ہونی چاہیے لیکن اگر ایک شفیع حاضر کے حق مین کل جائداد کی ڈگری ہوگئی پھر دوسرا شفیع آیا

[۵۱] الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۴۶۶۔ نیز دیکھو عبد اللہ بنام امانت اللہ ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۲۔

تو نصف کی ڈگری اوسکے حق مین ہوجائیگی واگر تیسرا شفیع آیا تو اون دونون سے ایک ایک ثلث لیکر تیسرے کو دینگے[۵۱]

مگر اصول مذکور اوس صورت سے متعلق نہین ہے جب حق شفعہ کا دعوی بربنا رواجب العرض ہوا ور اسلیے جب بیع ابتدا اً شخص اجنبی کے حق مین ہوا ور اوس نے قبل رجوع ہونے نالش شفعہ کے ایک شریک کے حق مین بیع کردی تو دعوی شفعہ نہین ہوسکتا[۵۲]

فتاوی عالمگیری ؂ ایک مکان مین تین کمرے ہین اور باقی اراضی صحن کی ہے صحن کی اراضی تین شخصون کی مشترک ہے اور کمرے اونمین سے صرف دو شخصون مین مشترک ہین - ایک شریک نے اپنا حصہ صحن وکمرے مین دوسرے شخص کے ہاتھ جو صحن وکمرہ مین اوسکا شریک ہے فروخت کیا تو تیسرے شخص کو جو صرف صحن مین اوسکا شریک ہے حق شفعہ نہین ہے "

"ایک مکان ایک شخص کا ہے اور اوسکے اندر ایک کمرہ اوسکے اور ایک اور شخص کے درمیان مشترک ہے مالکِ مکان نے اپنا مکان فروخت کیا اور پڑوسی اور شریک کمرہ دونون نے شفعہ طلب کیا تو کمرہ کے شریک کا حق کمرہ مین اولی ہوگا اور بقیہ مکان پڑوسی اور شریک کمرہ کو نصفا نصف ملیگا "

"ایک مکان کا ایک حجرہ دو آدمیون مین مشترک ہے اوسمین سے ایک نے اپنا حصہ ایک شخص کے ہاتھہ فروخت کیا تو اوسکی دو صورتین ہین کہ اگر حجرہ دونون مین منقسم ہے تو حق شفعہ فقط اوس مکان کے راستہ کے شریکون مین

[۵۱] اس مقدمہ مین لالہ نوبت لال بنام جیون لال کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۸۳۱ و دیگر مقدمات ویکلی رپورٹر سے اختلاف کیا گیا -

[۵۲] سیٹرہ مل بنام حکم سنگھ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ -

مشترک ہوگا۔ شریک حجرہ کو حق شفعہ نہ ہوگا[۹۱]۔ اور اگر شرکاء راستہ مکان نے اپنا حق شفعہ دیدیا تو مکان کے جار ملاصق کو حق شفعہ ہوگا۔ جیسے مبیع کے پڑوسی کو ملتا ہے ویسے ہی حق المبیع کے پڑوسی کو بھی ملتا ہے مثلاً ایک مکان مین چند منزلین ہین جو مختلف اشخاص کی ملکیت ہین مگر اون منزلون کا راستہ مالکان جملہ منازل مین مشترک ہے۔ ان منزلون مین اگر ایک فروخت ہوئی تو دیگر منزلون کے مالکون کو بوجہ خلیط کے حق شفعہ ہوگا۔ اگر ان سبھون نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو پڑوسی کو حق شفعہ ہوگا۔ اگر اوسکی ملک منزل بیعہ کے متصل ہو اور اگر راستہ مشترکہ سے ملاصق ہے تو اس صورت مین بھی اوسکو حق شفعہ ہوگا بسبب جوار راستہ مشترک۔ اگر ان دونون صورتون مین سے کوئی نہ ہو بلکہ اوس مکان کے کسی دوسری منزل سے ملاصق ہو تو اوسکو حق شفعہ نہوگا۔ جب ایک موضع تقسیم ہو کر کئی محال ہو گیا تو شرعاً ایک محال کے مالک کو دوسرے کی نسبت قربت کی بناء پر حق شفعہ نہ حاصل ہوگا ونہ اس بناپر ہوگا کہ متعلقات موضع دونون محال مین مثل سابق مشترک ہین[۹۲]۔

یہان تک تو اس امر کا ذکر کیا گیا کہ اگر مختلف مدارج کے شفیع ہون تو شرعاً اونمین کسکو ترجیح ہوگی۔ مسایل مذکورہ بالا مین اس امر کا کچھ ذکر نہین آیا کہ اگر منجملہ بایع و مشتری و شفیع کے اگر کوئی نامسلم ہو تو اوس صورت مین کیا حکم ہوگا۔ چونکہ مسائل مذکور زیادہ تر کتب فقہ سے ماخوذ ہین اسلیے یہ امر فرض کر لینا چاہیے کہ اونمین صرف وہی صورت داخل ہے

---

۹۱ گنیش لال بنام لچھمن داس ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۵ صفحہ ۱۳۱۔ اس مقدمہ مین بالاخانہ کا مالک دوسرا شخص تھا اور نیچے کے مکان کا مالک دوسرا۔ مگر بالاخانہ مین جانیکا راستہ ایک تیسرے شخص کے مکان سے تھا۔ پس جب بالاخانہ معہ اپنے راستہ کے فروخت ہوا تو اوس شخص کا حق شفعہ مرجح قرار پایا جسکے مکان سے ہو کر بالاخانہ کا راستہ تھا۔ ۹۲ عبدالرحیم خان بنام کراگ سین الہ آباد جلد ۱۵ صفحہ ۱۰۴ و نیز دیکھو نظیر الدین بنام قادر بخش ہفتہ وار الہ آباد ۹۴ء صفحہ ۱۹۳۔

جب تینون فریق مسلمان ہون گو یہ صحیح ہے کہ اسلامی سلطنت کے زمانہ مین یہی احکام
اوس حالت مین بھی متعلق کیجاتی جب اونمین سے ایک یا دو فریق غیر مسلم ہوتے
کیونکہ شرع نے استحقاق شفعہ کے معاملہ مین مسلمان و غیر مسلمان مین کسی قسم کا
امتیاز نہین رکھا ہے لیکن اب انقلاب سلطنت کیوجہ سے شرع محمدی ملکی
قانون کی حیثیت نہین رکھتی اسلیے یہ دیکھنا ہے کہ اگر شفیع کے تینون فریقون
مین سے کوئی فریق دوسری قوم و ملت کا شخص ہے تو اُس صورت مین عدالتہائے
ھند کیا حکم صادر کرینگی۔

**بایع و شفیع مسلمان و مشتری ہندو** یہ امر تو ظاہر ہے کہ اگر بایع و مشتری و شفیع تینون پابند شرع
ہین تو شفعہ شرعی متعلق ہوگا۔ لیکن جب بایع و شفیع مسلمان ہون و مشتری ہندو
تو عدالتون سے مختلف فیصلے صادر ہوئے ہین۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک
اجلاس کامل نے بمقدمہ قدرت اللہ بنام موہنی موہن[۵۱] کثرت رائے سے تجویز کی
کہ بموجب آئین ہفتم ۱۸۳۲ء جب دونون فریق مختلف مذاہب کے ہون تو کسی خاص
مذہب کی پابندی سے فیصلہ نہ ہوگا۔ بلکہ عدالت ازروئے اصول انصاف فیصلہ
کرے گی۔ بموجب شرع کے بایع کو اپنی جائداد فروخت کرنیکا کلی حق حاصل ہے اوسپر
یہ لازم نہین ہے کہ بیع کرنے سے قبل وہ کسی شریک یا ہمسایہ سے اپنی جائداد کی خریداری
کے لیے کہے۔ مشتری روز بیع سے اوس جائداد کا کامل مالک ہوجاتا ہے۔
شفیع کو جائداد مشتری سے ملتی ہے پس جب مشتری پابند شرع محمدی نہین ہے۔
تو اوسکے مقابلہ مین شفعہ شرعی نہین ہوسکتا۔ لیکن الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک
اجلاس کامل نے اِس فیصلہ سے اختلاف کرکے بمقدمہ گوبند دیال بنام عنایت اللہ[۵۲]

---

[۵۱] بنگال لارپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ [۵۲] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵۔

بہت ہی بے نظیر فیصلہ صادر کیا ہے۔ اس مقدمہ مین سید محمود نے کلکتہ ہائی کورٹ
کے فیصلہ کی وجوہات کو بدلائل منطقی غلط ثابت کیا ہے۔ گو کثرت راے نے سید
محمود کی اس تجویز کو قبول نہین کیا کہ قاعدہ شرع محمدی جو دربارہ شفعہ ہے ایک
امر مذہبی حسب معنی دفعہ ۲۴۔ ایکٹ ۶ سنہ ۱۸۷۱ء کے ہے اور اون قواعد کی تعمیل
عدالتون پر مثل قانون کے لازم ہے لیکن کثرت راے سے یہ تجویز ہوئی کہ دازروے
احکام دفعہ ۲۴۔ ایکٹ عدالت ہاے دیوانی بنگال کے عدالت پر یہ لازم نہ تھا
کہ دعاوی شفعہ مین شرع محمدی کے احکام کی پابندی کرے مگر انصاف کی بنا پر
قانون مذکور ہمیشہ ایسے دعاوی سے مابین مسلمانون کے متعلق کیا گیا ہے۔
اور یہ امر قرین انصاف نہ ہوگا کہ جب کوئی نامسلم کسی مسلمان کی حقیت اون شرایط
وذمہ داریون کو جانکر خرید کرتا ہے جسکی بموجب شخص مسلم حقیت مذکور پر قابض تھا تو
محض اس وجہ سے کہ وہ یعنی مشتری خود تابع شرع محمدی نہین ہے اوسکو اون شرایط
وذمہ داریون سے گریز کرنے کی اجازت دیجاے "

مقدمہ مذکور مین سید محمود صاحب نے لکھا ہے کہ وہ تمام مقدمات شفعہ مین تین فریق
پر لحاظ کیا جاتا ہے۔ شفیع۔ بایع ومشتری اور جہانتک کہ بحث زیر تجویز کو تعلق ہے یہ
مختلف صورتین فرض کیجاسکتی ہین کہ تینون مین سب یا ایک یا دو ہندو یا مسلمان
ہین سب سے آسان ومعمولی صورت یہ ہے کہ تینون اشخاص متعلقہ مسلمان ہین اور
ایسی حالت مین یہ ظاہر ہے کہ شرع محمدی متعلق ہے۔ اس قول سے قانوناً
منفی جواب اوس صورت مین مستنبط ہوتا ہے جب تمام فریق نالش ہندو ہون
..... علی ہذا القیاس جب شفیع مسلمان ہو بایع ومشتری دونون ہندو ہون تو اوس
صورت مین بھی نہین یا جب اسکا عکس ہو یعنی شفیع ہندو و بایع ومشتری مسلمان

نیز اوس صورت مین جب شفیع و بایع دونون ہندو ہون و مشتری مسلمان - و نیز جب شفیع و مشتری دونون ہندو ہون و صرف بایع مسلمان - اگرچہ شرع محمدی متعلقہ شفعہ مین مذہب و ملت کا کوئی امتیاز نہین ہے لیکن چونکہ اب وہ ملکی قانون نہین ہے بلکہ اہل اسلام کا ذاتی قانون رہ گیا ہے اسلیے صرف اہل اسلام ہی اون حقوق کو نافذ کرا سکتے ہین - اور اون ذمہ داریون کے تابع ہو سکتے ہین جن سے وہ ذاتی قانون متعلق ہے - اور جو حقوق کہ اہل اسلام سے کیسیکو حاصل ہین خواہ وہ ہندو ہو یا کسی اور مذہب کا شخص ہو تو اون سے شرع محمدی متعلق ہوگی - اسلیے اگر بایع و شفیع مسلمان ہین اور مشتری ہندو تو شرعی شفعہ متعلق ہوگا"

معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی اس اصول کو اپنے مابعد کے فیصلون مین صحیح تسلیم کیا ہے کیونکہ بمقدمہ پور توسنگھ بنام ہری سرما[۵۱] حسین بایع ایک یوروپین تھا یہ تجویز کی کہ حق شفعہ اوس قاعدہ قانونی سے پیدا ہوتا ہے جسکا تابع مالک اراضی ہے پس جب بایع ایک یوروپین شخص ہے تو حق شفعہ نہ پیدا ہوگا۔

شخص اجنب کون ہے | مقدمات شفعہ مین شخص اجنب ایک ایسا اہم لفظ ہے جسکا صحیح مفہوم معلوم کرنا بہت ضرور ہے عام طور پر شخص اجنب کی یہ تعریف ہے کہ اوس سے ہر ایسا شخص مراد ہے جو مستحق شفعہ نہین ہے یعنی جو شریک یا خلیط یا ہمسایہ نہین ہے وہ اجنب کی تعریف مین داخل ہے -

۵۱ بنگال لارپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۱۷ - اسکی تقلید بمقدمہ دوارکاداس بنام حسین بخش الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۶۴ کی گئی - وحبیب اللہ بنام عبدالعالم ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۴۳ مین تجویز ہوئی کہ یہ امر طے شدہ ہے کہ جب بایع نامسلم ہو تو شفع شرعی جایز نہ ہوگا بجز اوس صورت کے جب اوس مقام کے غیر مسلم باشندون نے شفع شرعی رواج تسلیم کر لیا ہو اور جب عرضی دعوی مین اوس رواج کا ذکر ہو تو اوسکی تحقیقات کرنی چاہیے -

بمقدمہ فدا علی بنام مظفر علی[۵ل] لفظ اجنب پر بحث کی گئی۔ اس مقدمہ مین شوہر نے اپنی زوجہ کے حق مین کچھ جائداد غیر منقولہ بعوض مہر کے منتقل کی اور اس انتقال پر شفعہ کا دعویٰ ہوا۔ یہ بحث پیدا ہوئی کہ زوجہ شخص اجنب کہی جاسکتی ہے یا نہین۔ عدالتین ماتحت نے یہ تجویز کی کہ چونکہ زوجہ جائداد شوہری مین وراثتاً حصہ پا سکتی ہے اسلیے وہ اجنب نہین متصور ہوسکتی ورنہ اوس انتقال پر جو اوسکے حق مین ہوا ہے استحقاق شفعہ پیدا ہوتا ہے۔ اس تجویز کی صحت پر ہائی کورٹ مین بحث ہوئی۔ ٹرنر صاحب و محمود صاحب نے تجویز کی کہ جائداد شوہری مین بحالت حیات شوہر کے زوجہ کا شرعاً کوئی حق نہین ہوتا اور نہ وہ کسی معنی کر کے شریک کہی جاسکتی ہے کیونکہ ہر مسلمان شخص اپنی جائداد کا اپنی حیات مین قطعی مالک ہوتا ہے۔ اور اوسکے قرابتمند جو اوسکے مرنے پر میراث پائینگے۔ وہ جملہ اشخاص غیر ہین۔ لفظ اجنب جو شرع مین واقع ہوا ہے اوسکے معنی غیر قرابتدار کے نہین ہین۔ بلکہ یہ لفظ شفیع کا ضد ہے۔ اجنب کی شناخت کا یہ صحیح معیار ہے کہ اگر بیع کسی اور شخص کے حق مین ہوتی تو وہ شخص جسکے حق مین اب بیع ہوئی ہے وہ دعویٰ شفع کرسکتا ہے یا نہین۔ اگر نہین کرسکتا تو وہ اجنب ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حصہ دار کی زوجہ صرف بوجہ زوجہ ہونے کے دعویٰ شفعہ کی مجاز نہین ہے پس زوجہ بموجب شرع محمدی کے اجنب متصور ہوگی۔

لیکن شخص اجنب کی شناخت اوس صورت مین کسی قدر پیچیدہ ہو جاتی ہے جب مابین اہل ہنود کے شفع کا دعویٰ واجب العرض کی بنا پر ہو۔ مثلاً اگر باپ نے جو تابع متاکشرا ہے اپنے لڑکے کے حق مین کوئی جائداد منتقل کی تو آیا وہ لڑکا جسکا نام درج کیوٹ نہین ہے مگر جو روز پیدایش سے جائداد موروثی مین اپنے باپ کی

---

[۵ل] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۶۵ نیز دیکھو مشتاق احمد بنام امجد علی ہفتہ وار ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۲۱۔

برابر حق رکھتا ہے شخص اجنب متصور ہوگا یا نہین - ایک مقدمہ مین (الف) کثرت
رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ بیٹا ہندو تابع متاکشرا کو جائداد موروثی مین وقت پیدائش سے
حق حاصل ہوتا ہے لیکن معاملات شفعہ کا فیصلہ جو بر بناء واجب العرض ہوتا ہے
بلحاظ الفاظ و عبارت واجب العرض کے ہونا چاہیئے - حکام موصوف نے تحریر
فرمایا کہ واجب العرض ایک عہدنامہ ہے جو بندوبست کے وقت اون اشخاص
کے مابین ہوتا ہے جن سے اوسکو تعلق ہے - اور کاغذ مذکور کی تعمیل اون اشخاص
پر اور اونکے وارثون و جانشینون و منتقل الیہم پر واجب ہوتی ہے پس ایک ہندو کا
لڑکا جو شریک معاہدہ مندرجہ واجب العرض نہین ہے اپنے باپ کی حیات مین
ایسا مستقل حق نہین رکھتا جو اوسکو اجنب کی تعریف سے خارج کر سکے - مگر ایک مابعد
کے مقدمہ مین (ب) حکام نے یہ بیان کر کے کہ دیہات کے واجب العرض کس طور
پر مرتب ہوتے ہین اور اونکی کیا وقعت ہونی چاہیئے - یہ تحریر فرمایا کہ واجب العرض
کے الفاظ کی پابندی نہ کرنی چاہیئے بلکہ متعاقدین کا منشا دیکھنا چاہیئے - واجب العرض
مین جو شفعہ کی شرط لکھی جاتی ہے اوسکا اصل مقصود یہ ہے کہ اشخاص غیر موضع
مین داخل نہ ہون - لڑکا جو روز پیدائش سے باپ کے ساتھ جائداد مین شریک ہوتا ہے
وہ کسی طور پر اجنب نہین متصور ہو سکتا -

بمقدمہ جنک سنگھ بنام گنگا بشن[۵۱] یہی مسئلہ دوسری شکل مین پیش ہوا - باپ نے
جائداد موروثی کا ایک جزو بیع کیا اوسپر لڑکا کا شفیع ہوا تجویز ہوئی کہ گو لڑکا اپنے باپ کے
ساتھ دھرم شاستر کی رو سے جائداد مین شریک ہے لیکن یہ شرکت واجب العرض کے

---

(الف) صدر دیوانی آگرہ منفصلہ ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۶۱ع (ب) ۳۰ جنوری سنہ ۱۸۶۵ع صدر آگرہ -

[۵۱] ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۸۴ع صفحہ ۱۳ -

مطابق کوئی شرکت نہین ہے اسلیے وہ مجاز شفعہ نہین ہے - ایسے ہی مقدمہ مہاویو سنگھ بنام نندا سنگھ تجویز ہوئی[۵۱] پھر یہی مسئلہ بمقدمہ گندھرپ سنگھ بنام صاحب سنگھ[۵۲] پیش ہوا اور اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا کہ آیا ہندو خاندان مشترکہ کے ممبران جنکا نام مندرج کہیوٹ نہین ہے حسب معنی واجب العرض کے شریک ہین یا نہین ؟ حکام نے جملہ فیصلجات پر جو اس امر کے متعلق تھے غور کرنے کے بعد تجویز کی کہ ایسے ممبران حسب معنی واجب العرض شریک ہین اس مقدمہ مین ایک حصہ دار کے لڑکے کے نام حقیت بیع ہوئی تھی تجویز ہوئی کہ وہ بھی دہرم شاستر کے بموجب شریک محال ہے گو اوسکا نام مندرج کہیوٹ نہین ہے اسلئے اوسکے مقابلہ مین دعوی شفعہ نہوگا -

جب دو شخصون نے کسی حقیت مین اپنا اپنا حصہ خانگی تقسیم کے ذریعہ سے علحدہ کرلیا ہے تو پہر اونمین سے کوئی شرکت کی بناء پر دوسرے کے حصہ کی بابتہ شفعہ نہین کرسکتا گو سرکاری بٹوارہ نہ ہونے کی وجہہ سے دونون حصے مشترکاً مالگذاری سرکار کے ذمہ دار ہین کیونکہ شفیع نے خود اپنے فعل سے جہان تک اوسکے اختیار مین تہا شرکت کے فوائد سے اپنے کو محروم کردیا[۵۳] - اس امر مین خانگی بٹوارہ و سرکاری بٹوارہ دونون کا ایک ہی نتیجہ ہے[۵۴] -

جب اراضیات کے نمبر جداگانہ کلکٹری کے رجسٹر مین درج ہون تو شرکت نہین باقی رہتی اسلئے شرکت کی بناء پر شرعاً دعوی شفعہ نہین ہوسکتا[۵۵] - لیکن اگر واجب العرض کی

۵۱ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۰۰ ۵۲ ہفتہ وار ۱۸۸۴ء صفحہ ۳۲۶ یا الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۳۴ -

۵۳ بیجناتھ سنگھ بنام دوبے مہتون ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۵ ۵۴ گوپال سنگھ بنام اجودہیا پرشاد ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ وجلد ۳ خلاصہ نظائر ۱۱۷۳ نیز دیکھو کلکتہ جلد ۱۴ صفحہ ۶۱۷ ۵۵ ویکلی رپورٹر جلد ۱۴ صفحہ ۶۲۷ و ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۸۱ وایضاً صفحہ ۷۹ -

بناء پر دعوی شفعہ ہو تو گو موضع کا بٹوارہ ہو گیا ہو اور وہ بٹوارہ مکمل ہی کیون نہ ہو مگر کاغذات حقوق جداگانہ مرتب نہین ہوئے ہون تو شرکت کی بناء پر دعوی ہو سکتا ہے[۵۱] اور جب بٹوارہ غیر مکمل ہو یعنی ذمہ داری ادائے مالگذاری کی واحد ہو تو بھی استحقاق شفعہ مین کچھہ فرق نہین آتا[۵۲]۔

ہندو خاندان مشترکہ کے ممبر جنکا نام کھیوٹ مین بحیثیت مالک درج نہین ہے دعوی شفعہ کر سکتے ہین[۵۳]۔ لیکن اگر ہندو بیوہ بعوض نان نفقہ کے کسی حصہ پر قابض ہو تو اوسکا حق حصہ مقبوضہ مین ایسا نہین ہے جس سے وہ مستحق دعوی شفعہ کے ہوگی[۵۴]۔ لیکن اگر ہندو بیوہ نے اپنے شوہر کی میراث پائی تو وہ مستحق شفعہ ہے[۵۵]۔ و اگر ہندو بیوہ کا نام کھیوٹ مین درج ہو مگر اوسکی اولاد نرینہ ہو جسکی وجہہ سے وہ اپنے شوہر کے وارث نہین ہو سکتی تو وہ مستحق دعوی شفعہ نہین ہے[۵۶] اگر ہندو بیوہ نے اوس جائداد کو جسپر وہ بعد وفات اپنے شوہر کے حین حیاتی قبضہ رکھتی تھی اپنی دختر کو دے دیا تو دختر اوسکے ذریعہ سے دعوی شفعہ کر سکتی ہے گو بیع مشفوعہ اوسوقت سے قبل ہی کیون نہ ہو جب اوسکو اپنی مان سے حصہ ملا تھا[۵۷]۔

---

[۵۱] گوکل سنگھ بنام منالال ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۶۳ و شیام سندر بنام امانت بیگم ہفتہ وار ۱۸۹۸ء صفحہ ۲۴ [۵۲] رام پرشاد بنام دلجیت سنگھ آگرہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ ویکلی رپورٹر جلد ۱۵ صفحہ ۲۲۲ [۵۳] گنڈہر سنگھ بنام صاحب سنگھ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۸۴ - لیکن ایک ہندو شخص کا لڑکا اپنے باپ کے انتقال پر شفعہ نہین کر سکتا گو وہ اپنے باپ کے شریک رہتا ہو کیونکہ وہ حصہ دار شریک نہین ہے - بینگ سنگھ بنام گنگا بشن ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۳ و مہادیو سنگھ بنام نندا سنگھ ہفتہ وار مذکور صفحہ ۱۰۰ [۵۴] ولا کنوری بنام جگہر ناتھ کنوری الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۱۷ و امام الدین بنام سیبرتی الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۹ و مہپال سنگھ بنام موہن سنگھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۴ [۵۵] ہنگن خان بنام درگا پرشاد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۳۹۳ [۵۶] مہپال سنگھ بنام موہن سنگھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۴ [۵۷] محمد یوسف علیخان بنام دل کنور الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۱۴۸ - اسمین نراین بنام ہیرا الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۵۳۶ سے فرق دکھلایا گیا -

مسلمان: زوجہ جو بعوض اپنے دین مہر کے جائداد شوہری پر قابض ہے تو وہ اس قبضہ کی وجہ سے حصہ دار موضع نہ متصور ہوگی بلکہ مثل مرتہن کے وہ سمجھی جائیگی اسلئے وہ مستحق دعوی شفعہ نہ ہوگی[۵۱]۔ اگر کسی شخص نے کوئی حقیت نیلام مین خرید کی تو اسکے ذریعہ سے اوسی وقت دوسری حقیت کو جو نیلام ہوتی ہے باستحقاق شفعہ نہین لے سکتا کیونکہ منظوری نیلام تک اوسکا حق مستقل نہین ہے[۵۲]۔

# فصل چہارم۔ طلب شفعہ کے بیانمین

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شفعہ عقد و جوار سے واجب ہوتا ہے۔ اور طلب واشہاد سے متاکد ہوجاتا ہے۔ طلب کی تین قسم ہین۔ طلب مواثبۃ۔ طلب تقریر اشہاد۔ طلب تملیک طلب مواثبت یہ ہے کہ جسوقت شفیع کو بیع کا علم ہوا اوسکو چاہیے کہ اوسیوقت شفعہ طلب کرے اور اگر اوس نے سکوت کیا اور طلب نہ کیا تو اوسکا شفعہ باطل ہوجائیگا یہی روایت صحیح ہے[۵۳]۔ بعض روایت مین ہے کہ اگر مجلس علم مین شفیع نے شفعہ طلب

---

۵۱ خیر النساء بی بی بنام امین بی بی ہفتہ وار ۱۸۸۸ء صفحہ ۳۹ ۵۲ دوار کا پرشاد بنام اوتار۔ ۳ امئی ۱۸۷۵ء الہ آباد ۵۳ علی محمد بنام تاج محمد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۸۳۔ اس مقدمہ مین علم بیع سے ۱۲ گھنٹہ بعد طلب مواثبت کی گئی تجویز ہوئی شفعہ ساقط ہوگیا۔ رام چرن بنام نرسیر ستون ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۹ و جلد ۲ خلاصہ نظائر ۲۳۷۔ علم بیع کے بعد شفیع جائداد مبیعہ پر گیا اور وہان طلب مواثبت کی تجویز ہوئی شفعہ زائل ہوگیا مقدمہ جعفر خان بنام جبار میان کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ جب شفیع کو بیع کی خبر ہوئی تو وہ بجائے اسکے کہ طلب مواثبت اوسیوقت اور اوسی جگہہ کرے مکان کے اندر روپیہ لینے گیا تجویز ہوئی کہ اوسکا حق شفعہ زائل ہوگیا۔

کیا تو اوسکو ملے گا ورنہ نہیں۔ مجلس علم کی قید سے شفیع کو اخیر مجلس تک غور کرنے کے لیے مہلت دینی مقصود ہے[۵۱]۔ طلب کے لیے کوئی خاص الفاظ مخصوص نہیں ہیں بشرطیکہ الفاظ ایسے ہوں جس سے طلب شفعہ مفہوم ہوتا ہو مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے شفعہ طلب کیا یا شفعہ طلب کرتا ہوں یا میں شفعہ طلب کرتا ہوں تو جایز ہے۔

لیکن اگر اوس نے مشتری سے کہا کہ میں تیرا شفیع ہوں تو شفعہ باطل ہوجائیگا۔ (اسکی وجہہ سید امیر علی نے یہ لکھی ہے) کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ بیان کیا گیا یعنی یہ کہ مجھے حق شفعہ حاصل ہے مگر طلب و نہ طلب کرنے کی بابت کچھہ مفہوم نہیں ہوتا۔ لیکن علم بیع ہونے کے بعد شفیع نے کہا کہ الحمد للہ یا سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا السلام علیک[۵۲] - اور پھر شفعہ طلب کیا تو اوس سے شفعہ باطل نہ ہوگا[۵۳]۔ ایسے ہی اگر علم بیع کے بعد مشتری کا نام یا زر ثمن دریافت کیا تو بھی شفعہ جائز ہے[۵۴]۔ بیع فاسد میں

---

۱۵ امجد حسین بنام کھرگ سین بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۳۰۲ و نیز دیکھو علی محمد بنام تاج محمد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ ۵۲ فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۲ - بشرطیکہ سلام علیک مشتری کو کیا ہے اگر مشتری اپنے لڑکے کے ساتھہ کھڑا ہوا اور شفیع نے مشتری کے بیٹے کو سلام کہکر شفعہ طلب کیا تو اوسکا شفعہ باطل ہوجائیگا۔ کیونکہ اول الذکر صورت میں تو قبل شروع کرنے کلام کے مخاطب کو سلام کرنا منجملہ حقوق اسلام کے ایک حق ہے اسلیے شرعاً ایک معقول عذر ہے۔ اگر سلام علیک کے متعلق شفیع و مشتری میں اختلاف ہے یعنی مشتری کہتا ہے کہ میرے لڑکے کو سلام کیا اور شفیع کہتا ہے نہیں بلکہ خود مشتری کو سلام کیا تو شفیع کا قول لائق قبول ہوگا۔ اگر شفیع کو نماز فرض یا نماز واجب یا نماز سنت میں بیع کی خبر دی گئی اور اوس نے نماز پوری کر کے شفعہ طلب کیا تو صحیح ہے لیکن اگر اوس نے بعد نماز کے دعا مانگی اور پھر شفعہ طلب کیا تو شفعہ باطل ہوجائیگا ۵۳ ہدایہ صفحہ ۱۸ کیونکہ ان کلموں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے اعراض یعنی منہہ موڑنا و حق شفعہ سے دست برداری پائی جاتی ہو۔ ۵۴ کیونکہ بعض وقت اصلی زر ثمن پر شفیع کو خریداری کی خواہش نہیں ہوتی اور اگر زر ثمن کم ہوتا تو خرید کرتا کیونکہ بعض مشتری کے پڑوس میں آنے سے نفرت نہیں ہوتی اور بعض سے ہوتی ہے۔ ہدایہ صفحہ ۱۸۔

طلب شفعہ کا اعتبار اوسوقت ہوگا جب بایع کا حق منقطع ہوگیا خرید کے وقت کا اعتبار نہین - ہبہ بشرط العوض مین دو روایت ہین - ایک روایت مین وقت قبضہ کے طلب کا اعتبار ہے اور دوسری مین وقت عقد ہبہ کے اعتبار ہے -

اگر ایک مکان کے شریک وجار دونون نے اوس مکان کے بیع ہونیکا حال سنا اور دونون ایک ہی جگہہ موجود ہین لیکن شریک نے شفعہ طلب کیا و جار خاموش رہا اور بعدہٗ شریک نے شفعہ چھوڑ دیا تو جار کو شفعہ مین مکان لینے کا اختیار نہ ہوگا -

ایک مکان کے دو شفیع ہین ایک حاضر دوسرا غائب - اور حاضر نے صرف نصف مکان کا شفعہ طلب کیا تو اوسکا شفعہ باطل ہوگیا -

اسیطرح اگر دونون حاضر ہین اور دونون نے نصف نصف شفعہ مین طلب کیا تو دونون کا حق باطل ہوگیا -

طلب اشہاد | طلب اشہاد اس طرح سے ہوتی ہے کہ شفیع اپنی طلب مواثبت کے گواہ کرے - یہ اشہاد صحت طلب مواثبت کے واسطے شرط نہین ہے - بلکہ اسکی ضرورت اسلئے ہے کہ اگر مشتری شفیع کے طلب مواثبت سے انکار کرے تو شفیع گواہون کی شہادت سے اس امر کو ثابت کرسکے - طلب اشہاد بعد طلب مواثبت کے جس قدر جلد ممکن ہوکیجاے اور کوئی غیر ضروری تاخیر نہ ہو ورنہ شفعہ باطل ہوجائیگا -[۵۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵ - اگر شفیع نے طلب مواثبت مین پہلے کچھ تھوڑا سا توقف اس غرض سے کیا کہ کچھ تحقیق کرے کہ بیع کی بابت جو اطلاع اوسے ملی ہے صحیح ہے یا نہین تو اوس سے اوسکا حق شفعہ بموجب شرع محمدی کے زائل نہ ہوگا - بلکہ شرع نے غور کرنے کے لیے تھوڑی سی مہلت عطا کی ہے -

[۵۱] جریدن بنام لطیف حسین بنگال لا رپورٹ جلد ۸ صفحہ ۱۶۰ -

طلب اشہاد مشتری یا بائع یا عقار مبیعہ کے حضور مین ہونی چاہیے[۵۱]- پس ان مین سے کسی کے پاس جاکر شفیع یون کہے کہ فلان شخص نے یہ مکان یا ایک مکان جسکے حدود اربعہ ذکر کرے خرید اہے اور مین اوسکا شفیع ہون اور مین اوسکا شفعہ طلب کرچکا ہون اور اِس وقت بھی طلب کرتا ہون توتم لوگ اِسکے شاہد رہو-

اگر ہنوز مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو شفیع کو اختیار ہوگا خواہ بایع کے حضور مین طلب اشہاد کرے یا مبیع کے حضور مین- لیکن اگر مبیع مشتری کے قبضہ مین ہے تو بایع پر اشہاد صحیح نہین- لیکن امام محمد کے نزدیک استحساناً صحیح ہے (ہدایہ صفحہ ۲۰م) مگر صاحب ہدایہ کے نزدیک اگر بایع نے شے مبیعہ پر مشتری کا قبضہ کرادیا ہے تو بایع سے شفعہ طلب کرنا صحیح نہین کیونکہ اس صورت مین بایع مثل شخص اجنبی کے ہے بوجہ نہ ہونے قبضہ و ملک کے جائداد مبیعہ مین[۵۲]-

---

[۵۱] کلثوم بی بی بنام فقیر محمد خان الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۲۹۸ وعلی محمد خان بنام محمد سعید حسین صفحہ ۳۰۹ جلد مذکور اس آخر الذکر مقدمہ مین شفیع نے مشتری کی موجودگی مین طلب اشہاد کیا تو تجویز ہوئی کہ وقت طلب مشتری کا جائداد مشفوعہ پر قابض ہونا ضرور نہین ہے [۵۲] طلب مواثبت و طلب اشہاد فی الحقیقت دو طلب نہین ہین کیونکہ طلب اشہاد کا مقصود تو صرف طلب مواثبت کی توثیق کرنی ہے تاکہ اگر مشتری شفیع کے طلب مواثبت کرنے سے منکر ہو تو شفیع گواہون کی شہادت سے اوس انکار کی تردید کرسکے اور اپنی طلب مواثبت کو ثابت کرے- پس اگر طلب مواثبت ہی کے وقت شفیع کو گواہ میسر ہوسکین تو پھر طلب اشہاد کی دوبارہ ضرورت نہین ہے لیکن چونکہ ایسا بہی ہوتا ہے کہ جسوقت شفیع کو خبر بیع کی ہوئی اوسوقت کوئی شخص حاضر نہین ہے پھر وہ گواہ کیسے کرے- مگر طلب مواثبت کرنی ضرور ہے تاکہ حق شفعہ زائل نہ ہو اسلئے طلب مواثبت پر گواہ کرنے کے لیے دوسری طلب کی ضرورت پڑی جو بمواجہہ گواہون کے کیجائے- ہدایہ

نیچے کی نظیر سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ طلب اشہاد کس طرح پر کرنی چاہیے۔

بمقدمہ رجب علی چودہار بنام چندی چرن بہدر ا۔[٥١] اجلاس کامل سے حسب ذیل استصواب کیا گیا "اپیل دوئم مین ہمارے روبرو یہ بحث ہے کہ مدعی نے طلب اشہاد صحیح طور پر مطابق شرع محمدی کے کی یا نہین۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدعی نے بیع کی خبر سنی اوس نے فوراً طلب مواثبت یعنی اپنا حق شفعہ پیش کیا۔ اور نیز اوس نے دو شخصون سے جو اوسوقت وہان موجود تھے گواہ رہنے کے لیے کہا پھر وہ معہ اون گواہون کے بایع کے مکان پر گیا جہان مشتری بھی موجود تھا اور بیعنامہ لکھا جاتا تھا۔ اوس نے بایع سے کہا کہ آپ نے اوسوقت کہا تھا کہ مین ہولا بیع نہ کرونگا لیکن آپ بیع کر رہے ہین۔ اوس نے کہا جاؤ ہم ہولا کتون کو دینگے۔ پھر مدعی نے کھڑے ہو کر کہا "دوہائی مہارانی کی! میرا حق شفعہ ہے میرے سوا کوئی اور شخص نہین خرید کر سکتا۔ ہولا کو مین خریدونگا۔ جس قیمت پر ہولا آپ نے بیع کیا ہے مجھے دینا چاہیے۔ اور مین وہی قیمت دونگا۔ میرا حق شفعہ ہے۔ مین مبلغ سو روپیہ دیتا ہون۔ وہ میرے باپ دادا کی جائداد ہے" بھکو دو" مگر اوسوقت اوس نے یہ نہ کہا کہ مین طلب مواثبت کر چکا ہون اور نہ اوس نے گواہون سے اپنی طلب مواثبت کی تصدیق کرنے کو کہا۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷ درالمختار صفحہ ۱۳۲ طلب اشہاد ضروری ہے چاہے یہ طلب بذریعہ خط کے ہو یا بذریعہ قاصد کے اور اگر اسطرح پر طلب اشہاد کرنے پر شفیع قادر ہے اور نہ کیا تو اوسکا حق شفعہ باطل ہے۔ دیکھو علی محمد بنام تاج محمد۔ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ و واجد علیخان بنام لالہ ہنومان پرشاد بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۳۹ ہر ہر دوبے بنام شیو پرشاد الہ آباد جلد ۔ صفحہ ۱۴ طلب اشہاد مختار مجاز کی معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ علی محمد خان بنام محمد سعید حسین الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۳۰۹۔

[٥١] کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۵۴۳۔

جج ماتحت کے نزدیک اس فرو گذاشت سے دعوی مدعی ساقط ہوجاتا ہے۔ اور
اس راے کی تائید مین مقدمہ جدو نندن سنگہ بنام دلپت سنگھ[۵۱] پر استدلال کیا ہے
اوس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ جب کسی نے شفعہ طلب کرنے کی غرض سے
گواہون کے مواجہہ مین طلب مواثبت کی۔ مگر اوسوقت وہ جائداد مبیعہ کے پاس
نہ تہا۔ اور نہ بایع و مشتری وہان تہے اور نہ یہہ ثابت کیا گیا کہ طلب اشہاد باضابطہ کیگئی
تو دعوی شفعہ نہین ہوسکتا۔ نقص وہی ہے جو مقدمہ حال مین ہے یعنی مدعی شفیع
نے یہ نہین ثابت کیا کہ اوس نے بایع یا مشتری سے یہ کہا کہ اوس نے طلب
مواثبت کی اور نہ یہہ ثابت کیا کہ اون شخصون کو جو اوسوقت موجود تہے گواہ رہنے
کو کہا۔ منجانب مدعی اپیلانٹ یہ حجت ہے کہ چونکہ مدعی اپیلانٹ نے گواہون کے
روبرو طلب مواثبت کی تو یہ ضرور نہ تہا کہ جب بایعان و مشتری کے روبرو طلب
اشہاد کرے پہر اونہین گواہون سے یہ کہے کہ مین نے اپنے دعوی کا اظہار کیا
اور اونکو اسکی تصدیق کرنے کو کہے۔ بتائید اس حجت کے مقدمہ نند اپرشاد ٹہاکر
بنام گوپال ٹہاکر[۵۲] کا حوالہ دیا گیا . . . . ہماری راے مین مطابق اوس مقدمہ کے
جسکا اول حوالہ دیا گیا اور مطابق عام اصول شرع محمدی کے طلب اشہاد کے
جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ مشتری یا بایع کے روبرو یا جائداد مبیعہ پر شفیع یہ کہے
کہ مین اپنے حق شفعہ کا دعوی کرچکا ہون اور گواہون سے اپنے اس قول کی
تصدیق کراے۔ بیلی صاحب اپنی ڈائجیسٹ شرع محمدی مین لکہتے ہین۔
"طلب اشہاد سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص اپنی طلب مواثبت کی تصدیق گواہون
سے کرنے کو کہے۔ اور طلب اشہاد کی صحت کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ بایع یا مشتری کے

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۵۸۱ [۵۲] کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰۸۔

روبرو یا جائداد مبیعہ پر کیجائے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب اشہاد کیجائے تو شفیع بایع یا مشتری کے روبرو یا جائداد مبیعہ پر یہ کہے کہ مین طلب مواثبت کر چکا ہون اگر ایسا نہ کیا تو گواہون سے طلب مذکور کی تصدیق نہین کرا سکتا۔ اگر وہ اس طرح نہ کہے تو مشتری یا بایع کو یہ علم نہین ہو سکتا کہ شفیع نے مطابق قانون کے دعوی پیش کیا ہے یا نہین۔

چند کتابون کا حوالہ دیکر اجلاس کامل سے یہ استصواب کیا گیا "جب حق شفعہ کے مدعی نے گواہان کے روبرو طلب مواثبت کی لیکن بایع یا مشتری کے روبرو یا جایداد مبیعہ پر نہ کی ہو تو کیا یہ ضرور ہے کہ جب وہ طلب اشہاد کرے تو یہ بھی کہے کہ مین طلب مواثبت کر چکا ہون اور ساتھ ہی گواہون سے اپنے اس قول کی تصدیق کرائے" اس سوال کا جواب اجلاس کامل نے بصیغہ اثبات دیا [۵۱]۔

اگر کسی غیر منقسمہ محال کا کوئی حصہ بیع ہو۔ تو اوس محال کے کسی جزو پر طلب مواثبت و اشہاد کرنی بمنزلہ اسکے ہے کہ جائداد مبیعہ پر طلب مذکور کی گئی بشرطیکہ کسی نے بدنیتی سے ایک ویران و غیر آباد حصہ مین طلب مذکور کی تعمیل نہ کی ہو [۵۲]۔

---

[۵۱] اس نظر کی تقلید الہ آباد ہائی کورٹ نے بمقدمہ اکبر حسین بنام عبد الخلیل الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۳۸۳ و عباسی بیگم بنام افضل حسین الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۵۷ و عابد حسین بنام بشیر احمد الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۴۹۹ کی بمقدمہ چھٹو بنام حسین بخش ہفتہ وار الہ آباد ۹۳ء صفحہ ۱۰۱ - تجویز ہوئی کہ اگر گواہون سے جو بوقت اشہاد موقع پر حاضر لائے گئے تھے طلب مواثبت کی تصدیق کہ نہ کہا تو طلب اشہاد صحیح ہے - نیز دیکھو۔ احمد شاہ خان بنام آبادی بیگم ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۲۳۔

[۵۲] کلثوم بی بی بنام فقیر محمد خان الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۲۹۔

طلب تملیک۔ | طلب تملیک یہ ہے کہ اپنے حق شفعہ کا دعویٰ حاکم وقت کے سامنے باضابطہ پیش کرے۔

# فصل پنجم۔ شفعہ کے کل یا بعض مبیع کے استحقاق کی بیان مین

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر دو شفیع ہون اور دونون نے نصف نصف مبیع کا شفعہ طلب کیا تو دونون کا شفعہ باطل ہوگیا پس جب نصف سے باطل ہوا تو کل سے بھی باطل ہوگا۔ فتاوی قاضی خان[۱]۔ ایک شخص نے پانچ منزلین ایک ہی شخص سے ایک ہی صفقہ مین ایک کو حبہ غیر نافذہ مین خریدین پس شفیع نے چاہا کہ صرف ایک منزل لے۔

شفیع تجزیہ بیع نہین کرسکتا | پس اگر شفیع راستہ کی شرکت کی وجہ سے شفعہ کا مدعی ہے تو صرف ایک منزل نہین پاسکتا اسواسطے کہ اسمین بلاضرورت تفریق صفقہ لازم آتی ہے۔ اور اگر اوس نے بوجہ جوار شفعہ طلب کیا اور اوسکا جوار صرف اس منزل سے ہے تو وہ پاسکتا ہے۔ اگر شفیع نے بعض مبیع کو شفعہ مین لینا چاہا اور بعض کو نہین تو اوسکو ایسا اختیار نہین چاہے سب لے یا کوئی نہ لے۔ خواہ ایک مشتری نے چند بائعان سے خریدا ہو۔ اور اگر شفیع نے چاہا کہ وہ بایع مین سے ایک ہی کا حصہ لے دوسرے کا نہین بشرطیکہ دونون بائعان کی صفقت ایک ہی مشتری نے خریدی ہو تو شفیع کو یہ اختیار نہ ہوگا۔

---

[۱] الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۵۵ نمبر ہولاسی بنام شیو پرشاد۔

اس شرعی مسئلہ کی تقلید عدالتون نے اون مقدمات مین بھی کی جو مابین اہل ہنود
کے تہے اور جنمین حق شفعہ واجب العرض پر مبنی تہا۔ مقدمہ درگا پرشاد بنام منشی[51]
کے حالات یہ تہے کہ شیو پرشاد وغیرہ نے درگا پرشاد کے حق مین کچہہ اراضیات بیع
کین جنکا ایک حصہ اوسی پٹی مین واقعہ تہا جسمین مدعیان حصہ دار تہے اور کچہہ
اوسی موضع کی دوسری پٹی مین واقع تہا۔ مدعیان نے صرف اوس جزو کی نسبت
دعوی شفعہ دائر کیا جو اونکی پٹی مین واقعہ تھا۔

سید محمود جسٹس کی تجویز کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"قانون شفعہ کا یہ ایک اصل اصول ہے کہ شفیع معاملہ بیع کا تجزیہ اس طور پر نہین
کرسکتا کہ نالش اوس جائداد کے صرف ایک جزو کی نسبت کرے جو از روے اوس
بیع کے جس سے دعوی شفعہ پیدا ہوا ہے منتقل ہوئی ہو۔ اس قاعدہ کو ہائی کورٹ
کلکتہ نے بمقدمات قاضی علی بنام شیخ شیبت اللہ[52] و عبد الغفور بنام نور بانو[53] و عزت اللہ
بنام بیکہاری مولا[54] جس سے شفعہ شرعی متعلق تھا متواتر اختیار کیا ہے۔ لیکن اس
مسئلہ کی بناء عدل و انصاف و نیک نیتی کے اصول عامہ پر ہے اور قاعدہ مذکور
کی وجہہ یہ ہے کہ خود حق شفعہ کی اصلیت اس امر کی مقتضی ہے کہ شفیع اپنے تئین
خریدار کی جگہہ صرف اس صورت مین قایم کرسکتا ہے جب وہ بیع مشفوعہ کے جملہ فوائد
و نقصانات کا متحمل ہو۔ اور یہ ایک مثال اس قانونی مسئلہ کی ہے کہ جو شخص فائدہ
حاصل کرنا چاہتا ہے اوسکو بار کا بھی متحمل ہونا چاہیئے۔ اور یہ امر روا نہین رکہا جاسکتا
کہ اوسکو جائداد مبیعہ کے صرف ایک جزو کی نسبت شفعہ دیا جاسکے کیونکہ اگر ایک ہی

۵۱ الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۴۲۳ ۵۲ ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ ۵۳ ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۱
۵۴ ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۹۔

معاملہ بیع مین اراضی زرخیز بشمول اراضی بنجر کے فروخت ہوئی ہو تو یہ بات خلاف انصاف ہوگی کہ شفیع کو صرف زرخیز اراضی لینے کی اجازت دیجاے وار اراضی بنجر مشتری کے پاس چھوڑدی جاے جو غالباً اس اراضی کو خرید ہی نکرتا اگر اوسکو زرخیز اراضی نہ حاصل ہوتی - لیکن صرف یہی ایک وجہ نہین ہے جسپر قاعدہ مذکور مبنی ہے بلکہ یہ بھی وجہ ہے کہ دیہہ مین شخص اجنب کی مداخلت سے آمن وآسایش نہ ہوگی بلکہ اوسکی وجہ سے حصہ داران شریک بایع کو اپنے حصہ سے تمتع حاصل کرنے مین طرح طرح کے خدشات ہوتے ہین پس اگر کسی شفیع کو کسی شخص اجنب کی مداخلت پر اعتراض ہے تو اوسکو اصولاً خواہ مخواہ یہ لازم ہے کہ جائداد کے ہر جزو مین نامبردہ کی مالکانہ مداخلت کی نسبت اعتراض کرے یا بالکل اعتراض ہی نہ کرے - صدر دیوانی عدالت آگرہ نے بمقدمہ شیودیال رام بنام بھیرون رام[۵۱] اس قاعدہ کو وسعت دیکر یہ تجویز کی کہ اگر کوئی جائداد دیہی کسی حصہ دار موضع کے ہاتھ بشمول ایک اجنب شخص کے فروخت کیجاے تو یہ عمل واجب العرض کے خلاف ورزی مین داخل ہے جسکا صاف مقصود یہ ہے کہ اشخاص اجنب کی مداخلت کا انسداد ہو اور یہ خلاف ورزی ایسی ہے جسکے سبب سے حصہ دار مشتری کا حق شفعہ زائل ہو جاتا ہے اور تمام حصہ مبیعہ پر دوسرے حصہ دارون کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس قاعدہ کو عدالت ہذا نے بمقدمہ گنیشی لال بنام زیارت علی[۵۲] اختیار کیا - اور ایک زیادہ تر حال کے مقدمہ بھوانی پرشاد بنام دمڑو[۵۳] عدالت ہذا کے ایک ڈویزن بنچ نے قاعدہ مذکور کی مزید توسیع کرکے یہ تجویز کی کہ جب نالش شفعہ مین

---

[۵۱] رپورٹ صدر دیوانی عدالت ممالک مغربی وشمالی بابت ۱۸۶۰ء صفحہ ۵۳ [۵۲] رپورٹ ہائیکورٹ ممالک مغربی وشمالی بابت ۱۸۷۵ء صفحہ ۳۴۳ [۵۳] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۹۷ -

کوئی حصہ دار اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو جو حق شفعہ نہ رکھتا ہو شریک کرے تو ضرور ہے کہ ایسے شفیع کی نسبت یہ سمجھا جاوے کہ اوس نے بیع کی نسبت تسلیم بالسکوت کی۔ اور وہ تسلیم بالسکوت ایسی ہے جسکی وجہہ سے نامبردہ کو انصافاً بیع کی نسبت نالش شفعہ کے ذریعے سے شکایت کرنی ممنوع ہوگی۔ مقدمات مذکور کے وجوہات اوس بحث سے جو آپ ہمارے روبرو پیش ہے کلیتاً متعلق ہین کیونکہ مدعیان شفیعان کی نالش جسمین وے جائداد مبیعہ کے صرف ایک جزو کی نسبت اپنے حق کو نافذ کرانا چاہتے ہین بمنزلہ اسکے ہے کہ نامبردگان نے اوسقدر جائداد کی نسبت جسکی بابتہ اونہون نے نالش کرنا متروک کیا ہے تسلیم بالسکوت کی یعنی مدعیان کو شخص اجنبی کی مداخلت کی شکایت نہین ہے بلکہ وے یہ چاہتے ہین کہ اوسکو صرف اوس قدر اراضی سے خارج کرین جسکی نسبت اونکو نفاذ شفعہ منظور ہے حق شفعہ کا ہرگز یہ مقصود نہین ہے کہ ایسا خود خواستہ اختیار شفیع کو حاصل ہو"

بعدہٗ ذی علم جج صفحہ ۲۷۴ پر تحریر فرماتے ہین"

"مقدمات مذکور اس قاعدہ کے لیے صریح نظیر ہین کہ نالش شفعہ مین شفیع پر قطعاً لازم ہے کہ اوس بیع مین جس سے کہ اوسکا شفعہ پیدا ہوا ہے جس قدر جائداد منتقل ہوئی ہو اون سب پر شفعہ کی نالش کرے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جسمین مستثنیات تو ہین لیکن وے زیادہ تر ظاہری ہین اصلی نہین کیونکہ اگر ایک ہی بیعنامہ کے ذریعے سے ایسی جائداد جو تابع حق شفعہ ہو بشمول دوسری جائداد کے جو اوس حق کے تابع نہین ہے فروخت کیجاوے تو خواہ مخواہ مدعی کل جائداد منتقلہ کا شفیع نہین ہوسکتا بلکہ وہ صرف اوس جزو جائداد کی نسبت شفعہ کی نالش کرسکتا ہے جسپر اوسکو حق شفعہ حاصل ہے۔ یعنی باوا ئے زر ثمن رسدی

اوس جزو کے پانیکا مستحق ہے جسپر اوسکو استحقاق شفعہ حاصل ہے[۵۱] - بعدہٗ یہ تحریر کیا کہ دداس مقدمہ کے شفیعان کو کل جائداد مبیعہ پر حق شفعہ حاصل ہے کیونکہ مشتری محض اجنب ہے - وگو دوسری پٹی کی جائداد پر دوسرے حصہ دارون کا حق شفعہ مرجح ہے مگر چونکہ وے دعویدار نہین ہین اسوجہہ سے مدعیان کو کل حقیت مبیعہ پر شفعہ کرنا چاہیئے تھا[۵۲]"

اس اصول پر دعوی شفعہ مین بہت سختی سے عمل کیا جاتا ہے مثلاً اگر جائداد مبیعہ کے ایک جزو پر شفعہ شرعی ہے اور بقیہ جزو پر بنا ر رواج اور شفیع نے طلب مواثبت واشہاد کے ترک کرنے سے اپنا استحقاق شرعی زائل کردیا تو اوس جزو کی بابتہ بھی اوسکا حق شفعہ باطل ہوگا جسپر اوسکو رواجاً شفعہ کا حق تھا[۵۳] ونیز اوس صورت مین شفیع کا استحقاق شفعہ باطل ہوگا جب جائداد مبیعہ کے ایک جزو پر وراثتاً دعوی ہو وبقیہ پر باستحقاق شفعہ مگر مدعی نے اپنے حق وراثت کو ثابت نہ کیا[۵۴] - عالمگیری مین ہے

---

۵۱ عمر خان بنام مراد خان آگرہ (۱۷) مارچ ۱۸۶۵ء وسرد ہاری لال بنام مودی ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۲۹۹ نیز دیکھو جیرام بنام گھوتندن الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۰۷ وروشن کنور بنام رام دیال کلکتہ لارپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۴۵ - وعبد اللہ بنام امانت اللہ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۲ - آخر الذکر مقدمہ مین تجویز ہوئی کہ بموجب شرع محمدی کے جب شفیع بوجہ دعوی چند ایسے اشخاص کے جو مساوی حق شفع رکھتے ہین صرف ایک جز و جائداد مبیعہ کی نسبت استحقاق شفع رکھتا ہے تو اوسپر یہ لازم نہین ہے کہ کل حقیت مبیعہ کے بابتہ نالش کرے بلکہ صرف اوس جزو جائداد مبیعہ کی بابتہ اوسکو نالش کرنی چاہیئے جسکا وہ بلحاظ دعوی دیگر شفیعان کے مستحق ہے ۵۲ ہولاسی بنام شیو پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۵۵۴ وکاشی رام بنام مکتا پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۲۰۷ وارجن سنگھ بنام سرفراز سنگھ الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۲ ۵۳ محمد ولایت علیخان بنام عبد الرب الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۸ وحبیب اللہ بنام امیدبی بی الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۹ ۵۴ امرزانی بیش بنام خیر علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ء صفحہ ۹ -

کہ اگر دو شخصون نے ایک شخص سے ایک مکان خریدا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ ایک مشتری کا حصہ شفعہ سے لے دوسرے مشتری کا نہ لے کیونکہ اس صورت مین صفقہ ابتدا ہی سے متفرق ہے پس بعض کا لینا تفریق صفقہ نہ ہوگی۔

اگر دو شخصون نے ایک شخص کی وکالت سے دو شخصون سے خرید کیا تو شفیع کو اختیار نہ ہوگا کہ ایک بایع کا حصہ شفعہ سے لے۔ لیکن اگر ایک شخص نے دو وکیل کی معرفت ایک ہی شخص سے خرید کیا تو شفیع کو اختیار ہے کہ ایک وکیل کی معرفت جو خرید ہوا ہے اوسکو شفعہ سے لے۔ امام محمد کہتے ہین کہ ان صورتون مین ہم مشتری کیطرف دیکھتے ہین اور جسکے واسطے خرید ا ہے اوسپر لحاظ نہین کرتے۔

اگر مشتری کا حصہ جداگانہ بیعنامہ مین درج ہے تو تجزیہ ہو سکتا ہے۔

ہدایہ مین ہے کہ اگر پانچ شخصون نے ایک شخص سے ایک مکان خرید کیا تو شفیع کو اختیار ہے کہ پانچون مین سے ایک کا حصہ لیلے اور اگر پانچ بایعون سے ایک شخص نے ایک مکان خرید کیا تو شفیع یا تو لے یا کچھ نہ لے۔ کیونکہ آخر الذکر صورت مین مشتری کے حق مین صفقہ متفرق ہو جائیگا اور مشتری کا نقصان ہوگا۔ خواہ ہر حصہ کیواسطے ثمن علیحدہ بیان کیا ہو یا کل ثمن مجموعی ہوا سواسطے کہ اسمین ثمن کا اعتبار نہین بلکہ تفریق صفقہ کا اعتبار ہے"

اول الذکر مسئلہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہی کہ پانچون مشتریان نے جداگانہ مبیع کے ذریعہ سے حصہ خرید اتھا۔ یا آنکہ ایک معاہدہ بیع کے ذریعہ سے مگر اونکے حصص کی تفریق بیعنامہ مین درج تھی اس اصول کو عدالتون نے مقدمات شفع مین صحیح تسلیم کر کے اسپر عمل کیا ہی بمقدمہ رام ناتھ بنام بدری نراین[51] اجلاس کامل سے یہ تجویز ہوئی ... وہ ہماری راے مین جب اس قسم کے مقدمات مین بیعنامہ مین حق یا حصہ مشتریہ کی تصریح اسطرح ہو جس سے ظاہر ہو کہ کونسی خاص جائداد ہر مشتری نے خرید کی ہے خواہ وہ صراحت بذریعہ تعین حصہ یا قطعہ اراضی کی گئی ہو تو مشتری حصہ دار جو مساوی درجہ کا حق شفعہ مدعی

[51] الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۸ -

حصہ دار کے ساتھہ رکھتا ہے اوس حقوق سے جو اوس نے بیع کے ذریعہ سے حاصل
کئے ہین محروم نہین کیا جا سکتا اور یہ امر غیر اہم ہے کہ زرثمن جو ہر مشتری نے ادا کیا
ہے یا اوسکو ادا کرنا چاہیئے اوسکی صراحت بیعنامہ مین کی گئی یا نہ کی گئی - نالشات
شفعہ مین یہ اکثر ہوتا ہے کہ عدالت کو یہ تحقیق کرنی پڑتی ہے کہ واقعی زرثمن کیا تھا
اور وہ قواعد جو عدالتون کو اوس صورت مین صحیح تعداد زرثمن کی تحقیق کرنے مین
رہنمائی کرتے ہین جب صرف ایک مشتری ہوتا ہے بدرجہ مساوی اوس تحقیقات
سے بھی متعلق ہو سکتے ہین کہ ہر مشتری کا حصہ علحدہ علحدہ اوس کل واقعی زرثمن
مین کیا ہے جو کل جائداد مبیعہ کے واسطے ایکجائی ادا ہوا ہے - جب بیعنامہ مین
ہر مشتری کے حصہ کی صراحت کر دی گئی ہے تو اس سے وہ جائداد جس سے
حق شفعہ متعلق ہے ممیز و علحدہ ہو گئی - حق شفعہ کا مقصود یہ ہے کہ شخص اجنب کو
موضع مین داخل نہ ہونے دین نہ یہہ کہ مساوی الحقوق حصہ دار کو خارج کرین [۹۱] "
یہ صحیح ہے کہ جب کوئی شریک ایک اجنب شخص کو اپنے ساتھ خریداری مین شریک
کرتا ہے تو دوسرے شریک کو کل مبیع پر شفعہ کا استحقاق ہو جاتا ہے - لیکن شفیع
پر یہ لازم نہین کہ اوس بیع پر بھی معترض ہو جو شریک نے خرید کی ہے [۹۲] - جائداد مبیعہ کا
کوئی جزو دعوی شفعہ سے کسی صورت مین خارج نہین کیا جا سکتا لیکن اگر بایع کسی
خاص جزو کے بیع کرنے کا مجاز نہ تھا تو وہ جزو دعوی سے خارج ہو سکتا ہے مگر اس
صورت مین شفیع کو بہت قوی شہادت سے ثابت کرنا ہوگا کہ جزو مذکور مین بایع کو

---

۹۱ مشتاق احمد بنام امجد علی الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۱۱۳ و بھوپال سنگھ بنام موہن سنگھ الہ آباد جلد ۱۹
صفحہ ۳۲۴ و شیو ہردس راے بنام بچہ راے الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۶۴ ۹۲ امیر حسین بنام
کنہیا الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۱۸ -

کوئی حق لایق انتقال حاصل نہ تہا۔[۵۱]

اگر کسی شخص نے شفعہ شرعی مین اپنے مساوی الحقوق شریک کو شریک کیا تو اوس شخص کا حق شفعہ اس وجہ سے باطل نہ ہوگا کہ شریک مدعی نے قبل نالش کے شرعی طلب مواثبت و اشہاد نہین کی گو طلب مذکور کا نکرنا شریک کے استحقاق شفعہ کو ساقط کرے گا۔[۵۲]

اگر کسی شخص نے بیعنامہ مین بجاے اپنے لڑکے کا نام بحیثیت مشتری لکہایا تو اوس شخص کا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا بشرطیکہ مشتری درحقیقت باپ ہو اور لڑکے کا نام بیعنامہ مین رواج کیوجہہ سے درج کرادیا ہو اور اوس سے دیگر شرکا کو فریب دینا منظور نہ ہو۔[۵۳]

# فصل ششم شفعہ سے پہلے مشتری کی تصرفات کے بیانمین

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر مشتری نے زمین خرید کردہ مین عمارت بنائی یا درخت لگائے بعدہ شفعہ کا دعوی ہوا تو مشتری کو حکم دیا جائیگا کہ عمارات توڑ کر اور پودے اوکہاڑ کر خالی زمین شفیع کی سپرد کرے۔ لیکن اگر توڑنے اوکہیڑنے مین زمین کا نقصان ہو تو شفیع کو اختیار ہے کہ زمین کو بعوض ثمن کے لیلے و عمارت و پودون کی ٹوٹے ہوئے

---

[۵۱] بدری پرشاد بنام خواجہ محمد حسین ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۴۴ [۵۲] چہوٹو بنام حسین بخش ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۲۵ [۵۳] دولت سنگہ بنام کیدار سنگہ آگرہ جلد ۳ صفحہ ۲۵ و بسلسلہ ۴ خلاصہ نظائر ۷۵۵۴۔

واکھڑے ہوئے کے حساب سے قیمت لگا کر دے یا مشتری کو اوسکے منہدم کرنے وا اوکھیڑنے پر مجبور کرے لیکن اگر زمین مین مشتری نے زراعت کرلی ہے تو وہ اوسکے اوکھیڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ بلکہ شفیع کو کھیتی کی طیاری تک انتظار کرنا پڑے گا۔[۵۱]

[۵۱] اس مسئلہ کو صاحب ہدایہ نے اسطرحپر لکھا ہے "اگر مشتری نے اراضی مبیعہ مین مکان بنایا یا پودے لگائے تو شفیع کو اختیار ہے کہ بعوض اصلی ثمن معہ قیمت مکان و درختون کے لیلے اور اگر چاہے تو مشتری کو ان چیزون کے اوکھاڑنے کی تکلیف دے۔ لیکن امام ابویوسف کے نزدیک شفیع کو صرف یہ اختیار ہے کہ یا تو اراضی معہ مکان و درختان کے خریدے یا کچھہ نہ لے امام ابویوسف کی یہ دلیل ہے کہ مشتری نے یہ تصرفات استحقاقاً کئے ہین غصباً نہین کیونکہ وہ اراضی کا مالک ہوچکا تھا اور مشتری کی حیثیت مثل موہوب لہٗ و بیع فاسد سے خریدنے والے کی ہے اور نیز اسمین اور اوس مشتری مین جس نے اراضی مبیعہ مین زراعت کاشت کی ہے اصولاً کوئی وجہ امتیاز کی نہین اور دوسرے یہ کہ اس طریق سے منجملہ دو ضرر کے کمتر کے اختیار کرنے سے بڑے ضرر کی مدافعت کرتی ہے یعنی یہ کہ عمارت کے انہدام کا حکم دینے مین زیادہ ضرر ہے بمقابلہ اسکے کہ شفیع اوسکے خریدنے پر مجبور کیا جاوے مگر امام ابوحنیفہؒ یا بہتے ہین کہ مشتری کے تصرفات کالعدم کرنے کی یہ دلیل ہے کہ شفیع کا حق خریداری بہ نسبت مشتری کے قوی و مقدم ہے چنانچہ اسی بنا پر مشتری نے اگر مبیع کو فروخت کردیا ہو یا ہبہ کیا ہو تو اوسکے یہ سب تصرفات باطل کرکے مبیع شفیع کو دلایا جاتا ہے۔ اور موہوب لہٗ و خریدار بذریعہ بیع فاسد کے نظیر صحیح نہین کیونکہ اگر موہوب لہٗ و خریدار بیع فاسد نے اگر کوئی تصرف کیا ہے تو ایسے شخص کے مسلط کرنے کے باعث کیا ہے جسکو مسلط کرنیکا اختیار تھا اور ہبہ و خرید فاسد مین واپس لینے کا حق کمزور ہے کیونکہ بعد بنانے عمارت کے واہب و بایع کو حق استرداد باقی نہین رہتا اسکے خلاف حق شفعہ بعد تعمیر عمارت کے بھی باقی رہتا ہے اسلئے شفیع پر عمارت و درختون کی قیمت واجب کرنے کی کوئی وجہہ معقول نہین جیسے کہ استحقاق کے مسئلہ مین واجب

ایک شخص نے زمین خرید کر کے اوسمین کھیتی کی کہ جس سے زمین کا نقصان ہوا تو شفیع کو ضرور اوس قدر ثمن دینا ہوگا جو زمین کی قیمت حالت موجودہ مین ہے یعنی بعد نقصان کے جس قدر قیمت زمین کی دیگئی ہے۔ اسیطرح اگر کسی نے ایک مکان خرید کر کے اوسکی مرمت و رنگ آمیزی وغیرہ کی جس سے قیمت زیادہ ہوگئی تو شفیع کو چاہیئے کہ اصل ثمن معہ زاید کے ادا کرے یا اپنے دعوی سے دست بردار ہو۔ اگر بغیر کسی کے فعل کے مکان خود بخود ویران ہوگیا یا درخت خشک ہوگیے تو شفیع کو کل زر ثمن دینا ہوگا۔ و اگر عمارت کا مصالح و لکڑی باقی ہے اور وہ سب مشتری کے قبضہ مین آیا بوجہ اسکے کہ وہ زمین سے ملصق نہین ہے اور اسلیے تابع زمین نہ رہا تو بقدر قیمت مصالح و لکڑی ثمن مین کمی کیجائیگی اور مکان کی وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۹ - نہین کہا جاتا (استحقاق کے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر زید نے بکر سے کچھ زمین خریدی اور قبضہ کر کے اوسمین عمارت بنائی بعدہٗ خالد نے اوس زمین کو اپنی مملوکہ ثابت کر کے ڈگری حاصل کی تو زید اپنا ثمن و قیمت عمارت اپنے بایع بکر سے پا سکتا ہے لیکن خالد سے کچھ نہین پا سکتا کیونکہ وہ مالک تھا اور اوس نے زید کو اس قسم کے تصرفات کرنے کی اجازت نہ دی تھی اسیطرح مشتری نے بلا اجازت شفیع مستحق کے تصرف کیا تو وہ تصرف باطل ہے) اور قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ کھیتی (زراعت) کے اوکھاڑنے کا بھی حکم دیا جائے مگر استحساناً ایسا نہین کیا جاتا کیونکہ اوسکے درو ہونے کا ایک وقت معین ہے اوما اوس زمانہ معینہ کی بابت شفیع کرایہ یا لگان لے سکتا ہے اور اسمین زیادہ ضرر نہین ہے۔

عمارت و درخت کی وہ قیمت قرار دیجائیگی جو اوکھاڑے جانے کے بعد اوکی قیمت ہو جیسا کہ غصب کی صورت مین ہوتا ہے۔

قیمت رکھی جائیگی جو روز بیع تھی اور عملہ کی وہ قیمت جو شفعہ لینے کے روز ہے۔ درالمختار صفحہ ۱۳۶

اگر مشتری نے خود عمارت نہین گرائی بلکہ اوسکو بدون زمین کے کسی کے ہاتھ فروخت کردیا تو شفیع کو اختیار ہے کہ بیع ثانی فسخ کرکے سب کو پورے ثمن مین لیوے۔

اگر مشتری نے مکان مبیعہ کا دروازہ اوکھاڑ کر فروخت کر ڈالا تو ثمن مین سے بقدر قیمت دروازہ شفیع کے ذمہ سے ساقط ہوگیا۔

اگر مکان مبیعہ کا نصف حصہ غرق آب ہوگیا اور اوسمین اسطرح پانی جاری ہے جسکی روک نہین ہوسکتی تو شفیع کو اختیار ہے کہ بقیہ مکان کو اوسکی قیمت رسد دیکر لے۔

اگر زمین مبیعہ مین درخت ہین جسمین پہل لگا ہوا ہے اور مشتری نے معہ پہل کے خریدا اور پہلون کو تصرف کر ڈالا تو شفیع کو اختیار ہے کہ زمین و درخت کو اونکی قیمت رسد پر لے اور پہل کی قیمت جو روز بیع تھی وہ ثمن مین سے منہا کردے۔ اگر درختون پر مشتری کے قبضہ کے بعد پہل آئے اور پہلے نہ تھے تو شفیع کو اصل ثمن کے عوض زمین و درخت و پہل سب ملینگے اور ثمن مین زیادتی نہ کیجائیگی لیکن اگر صورت مذکورہ بالا مین دعویٰ شفعہ سے پہلے پہلون کو مشتری نے توڑ لیا تھا و وقت کرنے دعویٰ شفعہ کے مشتری کے پاس موجود تھے پھر اونکو مشتری نے صرف کر ڈالا تو شفیع کو پہلون کے پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

شفعہ کی ڈگری کے قبل جائداد مشفوعہ کا منافع کسکو ملیگا مشتری کو یا شفیع کو۔

دعویٰ شفعہ کے ڈگری ہونے کے قبل حقیت مشفوعہ کے منافع پانے کا مستحق مشتری ہے یا شفیع۔ اس مسئلہ پر متعدد نظائر مین حکام کو غور کرنیکا اتفاق ہوا ہے۔ سب سے آخری مقدمہ دیوکی نندن بنام الیشری رام [1]

[1] الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۴۔

کا اجلاس کامل سے فیصل ہوا۔ چونکہ سید محمود نے اوس مقدمہ کو شرع کی بنا پر فیصل کیا ہے اسلیے اُنکی تجویز کا کچھہ تہوڑا سا اقتباس ذیل مین لکھا جاتا ہے۔ اول اونہون نے مقدمہ بلدیو پرشاد بنام موہن[۵۱] کی تجویز کا کچھہ حصہ نقل کیا ہے اور پہر اپنی راے ظاہر کی ہے۔ جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہوگا۔

"کتب شرع محمدی کے دیکہنے سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ بصراحت قرار دیا گیا ہے کہ اراضی یا دیگر جائداد مشفوعہ پر مشتری بلا لگان یا کرایہ کے قابض رہنے کا اوسوقت تک مستحق ہے جب تک وے اوسکے ہاتھہ مین رہین۔ و اگر اوس نے زمین مین کاشت کی ہے تو شفیع کو کہیتی کی طیاری تک انتظار کرنا ہوگا۔ بالفاظ دیگر وہ یعنی مشتری جائداد مشفوعہ سے تمتع حاصل کرنیکا مستحق ہے اور جب وہ اوسکا مستحق ہے تو اسمین کچہہ فرق نہین کہ بذات خود اوس سے تمتع حاصل کرے یا بذریعہ اپنی رعایا کے" یہ قاعدہ بالکل انصاف کے مطابق ہے۔ اکثر صورتون مین خریدار زرثمن ادا کر دیتا ہے۔ پس کیا صرف اسوجہ سے کہ کسی زمانہ مابعد مین اتفاق سے شفیع نے اپنا حق شفعہ پیش کر کے اوسکو نافذ کرایا مشتری اپنے روپیہ کے سود و منافع سے محروم کیا جائیگا؟ اور کیا وہ منافع و سود شفیع کو ملیگا جس نے کہ زرثمن کو اپنی جیب مین اوسوقت تک محفوظ رکہا جب تک اوسکو حق شفعہ کے استعمال کا موقع مناسب نہ ملا؟ اور جسقدر اپنے دعوی کے رجوع کرنے مین وہ تاخیر کرے اوسیقدر زیادہ منافع اوسے ملے"

"یہ راے مطابق اوس راے کے ہے جو ہین نے بمقدمہ دیو دت بنام رام اوتار[۵۲]

---

[۵۱] ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی ۱۸۶۶ء صفحہ ۳۰ [۵۲] الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۵۰۲۔ اسمین اجودہیا بنام بلدیو سنگھہ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۰ کا حوالہ دیا گیا۔

ظاھر کی تھی ،،

بعدۂ ذی علم جج نے مستند کتب فقہ سے اپنی راے کی تائید مین مسائل نقل کرکے لکھا ہے

"ان مستند کتابون کے دیکھنے کے بعد اب کچھہ شک نہین رہتا کہ شرع محمدی کے بموجب جائداد مشفوعہ مین شفیع کی ملکیت اوسوقت تک نہین ثابت ہوتی جب تک اوس نے اپنے حق شفعہ کو رضاے مشتری یا حکم حاکم سے نہ حاصل کرلیا ہو اور یہ کہ دونون صورتون مین اوسکا حق ملکیت تاریخ بیع سے متصور نہ ہوگا بلکہ تاریخ رضاے مشتریان یا حکم حاکم سے ۔ اس خیال سے کہ گویا شرع محمدی کا یہ مسئلہ متفق علیہ نہ تھا دوران بحث مین بعض اون فقرات کا حوالہ دیا گیا جو مین نے بمقدمہ اجلاس کامل گوبند دیال بنام عنایت حسین[۱] اپنی تجویز مین لکھے تھے ۔ اور بالخصوص نظائر مطبوعہ کے صفحہ ۸۰۹ پر ۔ اس موقع پر مین نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ حق شفعہ بایع یا مشتری سے ایک جدید معاہدہ بیع کے ذریعے سے دوبارہ خرید کرنے کا حق نہین ہے ۔ بلکہ یہ محض قایمقامی کا حق ہے جس سے شفیع بوجہہ ایک شرط قانونی کے جسکے تابع خود بیع تھی اسکا مستحق ہوتا ہے کہ اون جملہ حقوق و ذمہ داریون کی بابتہ جو اوس بیع سے پیدا ہوئی ہین جسکے ذریعے سے اوس نے اپنا حق حاصل کیا ہے بجاے مشتری کے قایم ہوجاے مین نے اس مسئلہ کو زیادہ زور دینے کی غرض سے اسطرح پر بیان کیا تھا "یہ بات دراصل ایسی ہے گویا بیعنامہ مین سے مشتری کا نام مٹا کر بجاے اوسکے شفیع کا نام درج کردیا جاے ،، یہہ فقرات مین نے اس وجہہ سے نقل کئے ہین کہ اون پر اس حجت کی تائید مین استدلال کیا گیا ہے کہ شفیع تاریخ بیع سے جائداد مشفوعہ کا مالک ہوتا ہے ۔ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ جس مقدمہ مین اس راے کا اظہار

[۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵ ۔

کیا گیا تھا اوسمین یہ امر جو اب ہمارے روبرو پیش ہے غور طلب نہ تھا اور مقدمہ مذکور
مین صرف یہ امر تجویز طلب تھا کہ آیا حق شفعہ مکرر خریداری کا حق ہے جو خود اوس بیع سے
جسکی بابتہ شفعہ ہے پیدا ہوتا ہے یا آنکہ یہ ایک غیر مکمل حق ہے جسکا وجود بیع مذکور
سے پہلے اس طرح پر تھا کہ وہی بیع حق شفعہ کی نالش کے لیے بناء مخاصمت ہو گئی۔ اوس
مقدمہ مین مینے یہ تجویز کی جیسا اب بھی تجویز کرتا ہون کہ شفعہ کا حق شفیع مین اوس بیع
سے قبل جسکا وہ شاکی ہے ایک غیر مکمل شکل مین موجود رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو
فقہ ایسے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی جو وقت بیع کے وجود نہ رکھتا تھا اور جو
خود اوس بیع سے پیدا ہوا جسکی بابت یہ شکایت ہے کہ وہ اوس حق کے مضر ہے
جو خود اوسی ضرر سے پیدا ہوا[۵۱]۔ مین نے اوس مقدمہ مین بھی تجویز کی اور اب بھی تجویز
کرتا ہون کہ حق شفعہ بجز اوس حق کے اور کوئی حق نہین ہے کہ شفیع اوس بیع مین جسپر
شفعہ کیا جاتا ہے اپنے کو بجاے مشتری کے قایم کراے۔ لیکن قایمقامی سے میرا
یہ منشا نہ تب تھا نہ اب ہے۔ کہ یہ قایمقامی اون قانونی قواعد کے تابع نہین ہے
جو بطور شرط ماقبل اوس سے لاحق ہین اور جسکے وہ تابع ہے۔ منجملہ شرایط اوس
قایمقامی کے جسکا شفیع مدعی ہے وہ شرط بھی ہے جو اون کتابونکی عبارت سے جو مین نے اوپر

[۵۱] اپنی اس راے کو سید محمود نے بمقدمہ اجلاس کامل گوبند دیال بنام عنایت حسین (الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۷۷۵)
اسطرحپر بیان کیا ہے۔ میرے خیال مین قانون کا یہ اصل اصول ہے کہ تاوقتیکہ کوئی حق نہ ہو اور اوس حق کو
ضرر نہ پہونچا ہو اوسوقت تک کسی شخص کو عدالت مین نالش کرنے کے لیے کوئی بناء مخاصمت نہین پیدا ہوتی
اصول قانون کو جیسا مین نے سمجھا ہے وہ مجھے ایسے حق کے خیال کرنیکا مانع ہے۔ جسکی ابتدا و خلاف
ورزی دونون اوسی شرط واحد پر مبنی ہون اور یہ قیاس کرنا محال ہے کہ کوئی ایسا حق بھی ہو سکتا ہے
جسکی خلاف ورزی اوسکے پیدا ہونے سے پہلے ہوئی۔

نقل کی ہے پائی جاتی ہے یعنی یہہ کہ شفیع کا حق ملکیت اوسوقت تک نہین
ثابت ہے جب تک اوس نے اپنے حق کا واقعی نفاذ اون دو طریقون مین سے
کسی طریق سے نہ کر دیا ہو یعنی مشتری کی رضا مندی سے یا حاکم حاکم سے ۔
عالمگیری مین ہے کہ اگر مکان مشتریہ کو مشتری نے مسجد کر دیا یا قبرستان کے لیے
وقف کر دیا اور اوسمین مردے بھی دفن ہو گئے یا کسیکو صدقہ یا ہبہ کر دیا تو شفیع کو اختیار
ہے کہ اوسکو لے ۔ اور مشتری کے تصرفات کو زائل کر دے ۔
اگر مشتری نے نصف حصہ مکان غیر منقسمہ کا خرید کیا اور بعدہٗ تقسیم عمل مین آئی تو شفیع کو
صرف وہی حصہ مکان کا ملیگا جو تقسیم مین بحصہ مشتری آیا تھا اور شفیع کارروائی تقسیم کو
باطل نہین کر سکتا خواہ وہ تقسیم بتراضی بایع و مشتری ہوئی ہو یا بحکم عدالت کیونکہ تقسیم
سے قبضہ پورا ہوتا ہے بخلاف اسکے اگر دو شریکون مین سے ایک نے اپنا حصہ
مکان مشترکہ کا بیع کیا اور مشتری و دوسرے شریک نے آپس مین مکان تقسیم کیا
تو شفیع کو اس تقسیم کے فسخ کرنیکا اختیار حاصل ہے کیونکہ جس نے مقاسمہ کیا ہے اوسکی
طرف سے عقد بیع واقع نہین ہوا تھا اور یہ تقسیم متمم قبضہ نہوگی (ہدایہ صفحہ ۶۲) بلکہ یہ مشتری
کا یہ ایک تصرف ہے یعنی مشتری نے اپنی ملکیت کے ذریعہ سے شریک کے ساتھ
بٹوارہ کیا تو شفیع جیسے مشتری کے اور تصرفات مثل بیع وہبہ کے باطل کر دیتا ہے ۔
ایسے ہی اس تصرف کو بھی باطل کر سکتا ہے ۔
دو شخصون نے ایک مکان خرید کیا اور وہ دونون اس مکان کے شفیع بھی تھے
اور ایک تیسرا شخص بھی اسکا شفیع ہے پھر دونون مشتریون نے آپس مین مکان تقسیم
کر لیا پھر تیسرا شفیع آیا تو اوسکو اختیار ہوگا کہ اوس تقسیم کو فسخ کر دے ۔ خواہ تقسیم بحکم عدالت
ہوئی ہو یا برضا مندی باہمی ۔

اگر کسی نے مکان خرید کر کے اوسکی عمارت گرا دی اور پھر از سر نو دوسری عمارت پہلی عمارت سے زیادہ قیمتی بنائی تو شفیع کو اختیار ہے کہ زر ثمن مین سے قیمت مکان جو روز بیع تھی منہا کر کے خالی زمین کو لے اور عمارت کی قیمت شفیع کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگی اسواسطے کہ عمارت کو خود مشتری نے گرایا پھر مشتری اپنی تعمیر کردہ عمارت کو منہدم کر دے گا۔

## فصل ہفتم - اون امور کے بیان مین جنسے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے

عالمگیری مین ہے کہ جن امور سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے اونکی دو قسم ہین - ایک[1] اختیاری۔ دوسرا[2] ضروری۔ اختیاری کی بھی دو قسم ہین ایک[1] صریحی دوسرا[2] بدلالت۔

خریداری سے انکار | صریح کی یہ صورت ہے کہ مثلاً شفیع نے یون کہا کہ مین اپنے حق شفعہ سے باز آیا یا اوسکو باطل کیا یا ساقط کر دیا یا اوسکے مثل کوئی دوسرے الفاظ کہے لیکن یہ ضرور ہے کہ بعد واقع ہونے بیع کے ایسا کہا خواہ اوسکو بیع کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کیونکہ صریحاً اپنا حق زائل کرنے مین جاننا و نہ جاننا دونون ایکسان ہین - بمقدمہ محمد یونس خان بنام محمد یوسف[1] یہ ثابت ہوا کہ قبل بیع کے شفیع سے جب خریداری کے لیے کہا گیا تو اوس نے کہا کہ اوسکو خریداری کرنی منظور نہین ہے اسکی بنا پر یہ حجت کی گئی کہ شفیع نے اپنا حق زائل کر دیا تجویز ہوئی کہ چونکہ یہ ثابت نہین کیا گیا

---

[1] الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۳۳۴ و دیکھو سوہاگی بنام محمد اسحاق ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۷۴ یا الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۴۶۳۔

کہ بعد بیع کے شفیع نے اون شرایط پر خریداری سے انکار کیا جن شرایط پر کہ مشتری نے خریدا تھا اسلیے اوسکا حق شفعہ زائل نہین ہوا۔ شفیع کے مختار مجاز و مہتمم کا فعل یا ترک فعل شفعہ پر وہی اثر رکھتا ہے گویا وہ فعل یا ترک فعل خود شفیع نے کیا[۵۱]۔

دلالت کی یہ صورت ہے کہ شفیع کی طرف سے کوئی ایسا فعل پایا جائے جو مشتری کے واسطے عقد بیع اور اوسکے حکم کی رضامندی پر دلالت کرتا ہو مثلاً جب بایع نے مطابق شرط واجب العرض کے، شفیع کو حصہ خریدنے کا نوٹس دیا مگر شفیع نے ایک معقول مدت کے اندر خواہش خریداری نہ کی تو یہ بمنزلہ انکار کے ہے[۵۲] یا شفیع کو جب یہ اطلاع ملی کہ بیع کا معاملہ ایک شخص سے ہو رہا ہے مگر بیعنامہ مین ثمن زیادہ درج ہوا ہے اور اوس نے بایع سے یہ نہ کہا کہ واقعی قیمت پر وہ خریدنے کے لیے آمادہ ہے بلکہ بالکل سکوت کیا تو اس سے اوسکا حق شفعہ زائل ہو جاے گا[۵۳]۔ یا شفیع نے مشتری سے مکان مشفوعہ کی قیمت چکائی یا مشتری سے مبیع کو اجارہ پر لیا یا مزارعت یا معاملت پر لینا چاہا[۵۴] بشرطیکہ یہ سب باتین بعد علم بیع کے شفیع نے کی ہون۔ اگر شفیع نے مشتری سے کہا کہ اس مبیع کو میرے پاس ودیعت رکھدے یا اسکی وصیت میرے حق مین کردے یا مجھے صدقہ دیدے تو ان صورتون مین بھی حق شفعہ زائل ہو جائیگا[۵۵] اگر شفیع نے باضابطہ نالش نہ کی مگر اپنا حق برابر طلب

---

[۵۱] ہرہر دت بنام شیو پرشاد الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۱ و آبادی بیگم بنام انعام بیگم الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۲۱۔

[۵۲] الہ آباد جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۸ احمد ولایت علیخان بنام عبدالرب [۵۳] بہیرون سنگھ بنام لالمن الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۳

[۵۴] حبیب النسا بنام برکت علی الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۷۵ - اس مقدمہ مین مشتری نے حسرو تہ بیع خریدی اوسیروز شفیع سے یہ معاہدہ کیا کہ اگر سال کے اندر وہ قیمت ادا کردے تو مشتری اوسکو حقیقت واپس کردے گا تجویز ہوئی کہ اس معاہدہ سے شفیع نے اپنے حق شفعہ سے دست برداری کر دی [۵۵] حبیب النسا بنام برکت علی الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۷۵۔

کرتا رہا تو اس سے دست برداری مفہوم نہوگی[۵۱]۔ ورنہ اوس صورت مین دست برداری مفہوم ہوگی جب شفیع نے جائداد مبیعہ کا ثمن بعلت اپنے قرضہ ذمگی بایع کے مشتری سے وصول کیا ہو[۵۲]۔

اگر شفیع نے بیع بالوفا سے رضامندی ظاہر کی اور جب وہ قطعی بیع ہو تو اوس سے اوسکا حق زائل نہوگا[۵۳] ہدایہ صفحہ ۵۶ - اگر شفیع نے بایع کا وکیل ہوکر مکان فروخت کیا تو اوسکا حق شفعہ زایل ہوگیا لیکن اگر شفیع نے مشتری کا وکیل ہوکر مکان خرید کیا تو اوسکا حق زایل نہ ہوگا - کیونکہ اول الذکر صورت مین شفیع اپنے فعل کو رد کرتا ہے اور دوسری صورت مین بیع کو رد نہین کرتا -

عالمگیری - قسم ضروری کی یہ مثال ہے کہ مثلاً شفیع دو طلبون یعنی طلب مواثبت و اشہاد کے بعد مگر شفعہ مین لے لینے سے پہلے مرجائے تو اوسکا حق شفعہ باطل ہوجائیگا[۵۴]۔

شفیع کے مرنے کا اثر حق شفعہ پر -

مگر مشتری کے مرنے سے شفیع کا حق باطل نہوگا - (ہدایہ صفحہ ۵۵) کیونکہ شفعہ کا جو مستحق ہے وہ زندہ ہے اور اوسکے حق کے سبب مین بھی کچھہ تغیر نہین ہوا ہے -

ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۴۵ جب شفیع مرگیا تو اوس کا حق شفعہ ساقط ہوگیا - لیکن امام شافعی کے نزدیک حق شفعہ وراثتاً

---

[۵۱] نصیر الدین بنام عبد المحسن الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۳۰۰ و الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۴۳۳ محمد یونس بنام محمد یوسف [۵۲] رام دیال بنام بدہ سین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۶۲ء صفحہ ۱۲۴ [۵۳] عجائب ناتھ بنام متھرا پرشاد الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ [۵۴] محمد حسین بنام نعمت النسا الہ آباد جلد ۲۰ صفحہ ۸۸ -

ورثاء کو ملے گا۔[۵۱]

عالمگیری مین ہے کہ ہبہ بشرط عوض مین صرف ایک عوض پر قبضہ ہوا تھا اور دوسرے پر نہین کہ شفیع نے اپنا حق شفعہ دیدیا تو یہ دینا باطل ہے پھر جب دوسرے عوض پر قبضہ ہوا تو شفیع کو استحقاق ہوگا کہ چاہے شفعہ مین لیلے کیونکہ جسوقت شفیع نے اپنا شفعہ ساقط کیا تھا اوسوقت اوسکا حق ثابت ہی نہین ہوا تھا۔

بعض حالتون مین بیع کے بعد انکار سے بھی حق شفعہ زائل نہین ہوتا۔

عالمگیری مین ہے کہ اگر شفیع کو وقت اطلاع بیع زر ثمن زیادہ تبلایا گیا تھا اور اسوجہ سے اوس نے اپنا حق شفعہ ساقط کردیا تھا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ درحقیقت بیع کم زر ثمن کے عوض ہوئی ہے تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔[۵۲]

اگر شریک کے ہوتے ہوئے جار نے پہلے اپنا حق شفعہ دیدیا تو تسلیم صحیح ہے حتی کہ اوسکے بعد شریک نے اپنا حق شفعہ دیدیا تو پڑوسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ حق شفعہ

---

۵۱ علماے حنفی کے نزدیک حق شفعہ میراث نہ ہونیکی یہ دلیل ہے کہ شفیع کی موت سے اوسکی ملکیت زائل ہوگئی اور جس ملکیت کے ذریعے سے وہ مستحق تھا اب اوسکے وارثون کی ملکیت ہوگئی مگر وارثون کو یہ حق انھو سے نہ ملیگا کہ بعد وقوع بیع اونکو ملکیت حاصل ہوئی حالانکہ شفیع کی ملکیت جسپر حق شفعہ مبنی ہے دعوی شفعہ کی ڈگری ہونے کے وقت تک قایم رہنی چاہیے اور وقت بیع کے موجود ہونی چاہیے۔

۵۲ لچھا پرشاد بنام دیبی پرشاد الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۳۶۴ والہ آبادی بیگم بنام امامی بیگم الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۲۱۔ ومواشی بنام نبی بخش ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۲ و مہادیو پرشاد بنام صحیبہ بی بی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۶۰ - بمقدمہ رام دیال سنگھ بنام بدہ سین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۴۲ تجویز ہوئی کہ چونکہ حق شفعہ بعد بیع کے پیدا ہوتا ہے اسلیے قبل بیع کے اگر شفیع نے خریداری سے انکار کیا تو اوسکا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

مین لیلے۔

اگر شفیع کو یہ خبر دی گئی ہے کہ اس قدر ثمن یا اس جنس کے ثمن سے یا فلان مشتری کے ہاتھ بیع ہوئی ہے اور اوس نے اپنا حق شفعہ دیدیا پھر اسکے خلاف نکلا تو ان صورتون مین یہ دیکھا جائیگا کہ اگر دونون حالتون مین شفیع کے حق شفعہ سے دست برداری کرنیکی غرض مختلف نہ ہوتی ہو تو تسلیم صحیح ہوگی۔ اور اگر غرض مختلف ہوتی ہوگی تو تسلیم صحیح نہوگی اور شفیع کو اوسکا حق باقی رہیگا۔

اگر شفیع سے ثمن کوئی کیلی یا وزنی چیز بیان کی گئی اور اوس نے شفعہ دیدیا پھر معلوم ہوا کہ ثمن کوئی دوسری قسم کی کیلی یا وزنی چیز ہے تو شفیع کا حق شفعہ قایم رہیگا خواہ جو چیز ثمن ظاہر کیگئی تھی وہ از روے قیمت دوسری سے کم ہو یا زیادہ۔

**حق شفعہ کا معاوضہ** اگر حق شفعہ سے کسی معاوضہ پر شفیع نے صلح کی تو شفعہ باطل ہوگیا اور معاوضہ جو شفیع کو ملا ہے اوسکو واپس کرنا چاہیے اسلیے کہ حق شفعہ دفع ضرر کی غرض سے بخلاف قیاس ثابت ہوا ہے پس مالی عوض کے ساتھ حق شفعہ ساقط کرنا ایک فاسد شرط ہے۔ اگر شفیع نے مشتری سے کہا کہ جو تونے خرید اہے اوس مین سے اپنا حق شفعہ ساقط کردیا اس شرط پر کہ جو مین نے خریدا ہے اوس سے تو اپنا شفعہ ساقط کردے تو شفیع کا شفعہ ساقط ہوگا گو مشتری اوس چیز سے جو شفیع نے خریدا ہے اپنا شفعہ ساقط نکرے۔ اسکی وجہ ہدایہ مین صفحہ ۵۲ پر یہ لکھی ہے۔ کیونکہ حق شفعہ مبیع کے اندر کوئی حق مستقل نہین ہے بلکہ وہ تو ملکیت حاصل کرنے کے لیے ایک حق ہے اسلیے اسکا مالی مبادلہ صحیح نہین۔ اس طرح پر اگر کسی نے اپنا حق شفعہ بیع کردیا تو شفعہ باطل ہے و بیع بھی فاسد ہے۔

**تسلیم بالسکوت** تسلیم بالسکوت سے بھی حق شفعہ زائل ہوجاتا ہے۔ یہ مسئلہ متعدد نظائر

ہین طے ہوا ہے بمقدمہ بھوانی پرشاد بنام ڈمرو شفیع[۵۱] نے اپنے ساتھ ایک ایسے شخص کو شریک کر کے جسکو استحقاق شفعہ نہ تھا نالش شفعہ دائر کی - اپیلانٹ کی طرف سے یہ حجت ہوئی کہ یہ امر طے شدہ ہے کہ جب کوئی حصہ دار اپنے ساتھ کسی اجنبی شخص کو شریک کر کے بیع خرید کرتا ہے تو اوسکا حق شفعہ زائل ہو جاتا ہے اور کل بیع ایسی متصور ہوتی ہے گویا شخص اجنبی نے خرید کی اور پھر دوسرا حصہ دار کل بیع کی نسبت دعوی شفعہ کر سکتا ہے[۵۲] یہی اصول اوس شفیع کے ساتھ متعلق ہونا چاہیئے جس نے دعوی شفعہ مین ایک ایسے شخص کو اپنا شریک کیا جسکو بمقابلہ مدعا علیہ مشتری کے دعوی شفعہ کا کچھ حق نہ تھا - سید محمود صاحب جسٹس کی تجویز کا اقتباس حسب ذیل ہے -

"وہ قاعدہ قانون جس سے شخص مستحق شفعہ اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے - تسلیم بالسکوت کے اصول پر مبنی ہے - اصول مذکور اون قیود کا ایک اہم جزو ہے جو حق شفعہ کو عداوتانہ و خود خواستہ طریقہ پر استعمال مین لانے کی نسبت قایم کیا گیا ہے قیود مذکور خود حق شفعہ کی ماہیت و رکن مین داخل ہین داگر اونکو فرو گذاشت کیا جائے تو اس اصول کا مقصود فوت ہو جائیگا جسپر حق شفعہ مبنی ہے اگر وہ شخص جسکو حق شفعہ حاصل ہو ایسے معاملہ بیع مین شریک ہو جو شخص اجنبی کے حق مین کیا جاوے

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۹۷ [۵۲] دیکھو مقدمات شیو دیال رام بنام بھیرون رام و گنیشی لال بنام زیارت علی جو پچھلے فصل مین کئی بار مذکور ہو چکے و نیز دیکھو ہر سبرائے بنام کنھیا لال الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۱۱۸ - و امجد علی بنام مشتاق احمد الہ آباد جلد ۱۷ صفحہ ۴۵۴ - اس مقدمہ مین چچا و بھتیجہ مشتری تھے مگر بھتیجہ حصہ دار نہ تھا تجویز ہوئی کہ بھتیجہ اجنبی ہے اوسکے شریک کرنے سے چچا بھی بمقابلہ شفیع کے اجنبی متصور ہوگا و رام ناتھ بنام بدری ناتھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۸ و کلکتہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۲۴ -

یا جو خود مشتری ہو کر کسی شخص اجنبی کو خریداری مین شریک کرے تو وہ بعدہٗ
اوس بیع کی نسبت عذر نہین کر سکتا جسمین تسلیم بالسکوت کر کے اوس نے قاعدہ
شفعہ سے انحراف کیا اور نہ وہ دوسرے مدعیان شفعہ کے دعوی پر اعتراض کر سکتا
ہے جو بذریعہ نالش شفعہ کے حق مذکور کی اصلی غرض کا نفاذ چاہتے ہین۔ قاعدہ
یہ ہے کہ وہ شخص اوس حق کا دعوی نہین کر سکتا جس سے خود اوس نے
انحراف کیا ہو و نہ اوسکو اسبات کی اجازت دیجا سکتی ہے کہ اوس نقصان کی
شکایت کرے جس سے اوس نے تسلیم بالسکوت کیا۔
اگر ان اصولون کو مقدمہ ہذا سے متعلق کیا جاے تو ہمکو واضح ہوتا ہے کہ اس
امر سے کہ نالش شفعہ مین دمڑو نے اپنے ساتھ ایسے دو شخصون کو شریک کیا
جنکو حق مذکور حاصل نہ تھا یہ متصور ہو گا کہ اوس نے بیع کو بالسکوت تسلیم کیا۔ اور
اسلئے وہ انصافاً بیع مذکور کی نسبت عذر نہین کر سکتا[۵۱]"

[۵۱] نیز دیکھو الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۴۳۲ بھوپال سنگھ بنام موہن سنگھ اگر شفیع نے اپنے ساتھ ایک دوسرے
شخص کو غلطی سے مستحق شفعہ سمجھکر شریک نالش کیا تاہم اوسکا شفعہ باطل ہوگا۔ بھوانی کنور بنام نراین سنگھ
ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۷ء صفحہ ۲۴۷ لیکن مقدمہ بھوانی مل بنام نول سنگھ الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۹۵ - یہ تجویز
ہوئی کہ اگر کسی شریک نے جسکو استحقاق شفعہ حاصل ہے دعوی شفعہ مین اپنے ساتھ اپنے خاندان
کے ممبر کو شریک کیا جو حقیت متدعویہ مین شریک نہین ہین تو اس سے دعوی شفعہ باطل نہ ہوگا
مگر اسکے خلاف دیکھو - امجد علی بنام مشتاق احمد الہ آباد جلد ۱۷ صفحہ ۴۵۴ و جلد ۱۹ صفحہ ۳۱۱ -
وکرن سنگھ بنام محمد اسمعیل الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۸۶۰ جسمین ہندو خاندان مشترکہ کی بیوہ کو جسکو بوجہ مشترکہ ہونے
خاندان کے حق وراثت نہین پہونچتا تھا بلکہ اوسکو صرف نان نفقہ کا حق حاصل تھا دعوی شفعہ مین شریک
کیا تجویز ہوئی کہ وہ شخص اجنبی ہے اسلیے دیگر مدعیان کا دعوی بھی ڈسمس ہوا۔

| انحراف شفیع کا اصول شفعہ سے ۔ | پس تجویز مذکور سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر جائداد مشفوعہ کی نسبت خود شفیع نے اصول شفعہ سے انحراف کیا ہو تو اوسکی |
|---|---|

اعانت عدالت نہین کرسکتی[۵۱]۔ لیکن اگر شفیع نے دعوی شفعہ کرنے کے قبل خلاف شرط واجب العرض اپنا حصہ شخص اجنبی کے ہاتھ رہن کیا تو اس سے اوسکا حق شفعہ زائل نہ ہوگا[۵۲]۔

اگر کوئی شخص بربنا واجب العرض رہن و بیع دونون پر شفعہ کرنے کا مستحق ہے اور اوس نے کسی حقیت کے رہن کے وقت شفعہ نہ کیا اور بعد کو جب وہی حقیت بیع ہوئی تو بیع پر شفعہ کرنے سے ممنوع نہ ہوگا[۵۳]۔ اگر کسی نے حقیت خرید کرکے بٹوارہ کرایا اور شفیع نے بٹوارہ پر کوئی عذر نہ کیا تو یہ امر مانع تقریر مخالف یا حق شفعہ سے دست برداری نہین ہے[۵۴]۔

نابالغی — فتاوی عالمگیری مین ہے کہ شفیع کی نابالغی سے حق شفعہ ساقط نہین ہوتا کیونکہ نابالغ استحقاق شفعہ مین مثل بالغ کے ہے۔ یہان تک کہ حمل استحقاق شفعہ مین بالغ کا حکم رکھتا ہے بشرطیکہ روز بیع سے چھ مہینہ کے اندر وضع حمل ہوا ہو اگر زیادہ مدت مین ہوا تو اوسکو شفعہ نہ ملیگا۔ کیونکہ وقت بیع کے اس بچہ کا وجود نہ حکماً ثابت ہوا نہ حقیقتاً۔ لیکن اگر بیع سے پہلے اوسکا باپ مرگیا ہے اور بچہ اوسکا وارث ہوا تو بچہ مستحق شفعہ ہوگا گو وقت بیع سے چھ مہینہ مین یا زیادہ مین وضع حمل ہوا ہو کیونکہ وقت

---

[۵۱] رگھو بنام لالمن الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۸۰ [۵۲] ادجاگر لال بنام جیتی لال الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۲ و گوکل چند بنام رام پرشاد ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۸۹ء صفحہ ۱۲۷ [۵۳] روپ نراین بنام اودہ پرشاد الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۸۷۴ و شیو برن بنام منگو رائے ہفتہ وار الہ آباد سنہ ۹۱ء صفحہ ۱۸۵ [۵۴] تہمن سنگھ بنام جلال الدین الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۴۴۲ و صفحہ ۴۳۳ و نیز دیکھو شیام سندر بنام امانت بیگم الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۳۴۔

بیع کے اوسکا وجود حکماً ثابت ہے اسلئے کہ وہ اپنے باپ کا وارث ہوا۔

نابالغ کی طرف سے شفعہ طلب کرنے و لینے کا کار پرداز وہ شخص ہوگا جو شرعاً اوسکے حقوق کا محافظ ہے یعنی اوسکا باپ یا باپ کا وصی یا دادا اوپر سکے دادا کا وصی پہر وہ وصی جسکو حاکم (قاضی) مقرر کرے اگر ان لوگون مین سے کوئی نہ ہو تو بالغ ہونے پر شفعہ طلب کرسکتا ہے۔ اگر اشخاص مذکورہ بالا مین سے کوئی موجود ہے اور اوس نے باوجود امکان طلب شفعہ نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اسیطرح اگر ان لوگون نے شفعہ دیدیا تو اوس صورت مین بہی نابالغ کا حق ساقط ہو جائیگا اور بعد بلوغ نابالغ کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ یہ قول امام اعظم و امام ابو یوسف کا ہے مگر امام محمد کے نزدیک ترک یا تسلیم کا اختیار نابالغ کے قایمقامون کو نہین ہے۔

**شفیع کا مقروض ہونا** شفیع اگر مقروض ہے تو اسوجہ سے اوسکا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا [۵۱] ونہ اس وجہ سے کہ وہ نیک چال چلن کا آدمی نہین ہے یا معزز نہین ہے یا آنکہ نابالغ ہے۔[۵۲]

**بیع مکرر** اگر کسی حقیت کو بایع نے مکرر بیع کیا تو بیع اول کی نسبت حق شفعہ ساقط نہ ہوگا اگر بایع اوس بیع کو تسلیم کرتا ہے۔[۵۳]

## فصل ہشتم۔ شفیع کو ثمن کیا دینا چاہیئے۔

ہدایہ مین ہے کہ "اگر ثمن مین شفیع و مشتری اختلاف کرین تو مشتری کا قول لایق قبول

---

۵۱ رام کہلاون راے بنام شیو داس آگرہ جلد ۲ صفحہ ۸۷ ۵۲ پنا بنام جگرناتھ آگرہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶۔ یہ دونون نظیرین یعنی نمبر ۱ و ۲ جلد ۳ خلاصہ نظائر ۶۔۷۳ مین ہین ۵۳ پٹوارام بنام شیام لال ساہو ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ و جلد ۴ خلاصہ نظائر ۷۵۵ ۴۔

ہوگا تا وقتیکہ اوسکی تردید نہ کیجاسے کیونکہ شفیع تو مکان مبیعہ کو بعوض کم ثمن کے
خرید کرنیکا مدعی ہے اور مقدار ثمن مظہرہ مدعی کی صحت سے مشتری منکر ہے اسلیئے
قول شخص منکر کا قبول ہوگا اور مدعی پر بار ثبوت ہوگا [؎] عدالتون مین بھی یہی اصول قرار
پایا یعنی یہ کہ ابتداً شفیع کو چاہیئے کہ زر ثمن کی نسبت بادی النظری ثبوت دے
اور پھر مشتری کو قوی شہادت سے ثمن مندرجہ بیعنامہ کی صحت ثابت کرنی چاہیئے
بمقدمہ بھگوان سنگھ بنام مہابیر سنگھ[۵۱] بار ثبوت کی نسبت بحث پیش ہوئی - اس مقدمہ
مین یہ بحث کی گئی کہ اس امر کا بار ثبوت کہ زر ثمن مندرجہ بیعنامہ صحیح نہین ہے کلیتاً
شفیع کے ذمہ ہے - اور اس حجت کی تائید مین مقدمہ شیخ نورالحسن بنام شیخ
عید بخش[۵۲] - پر استدلال کیا گیا - حکام نے تجویز کی کہ وہ ہم کلکتہ ہائی کورٹ کی
اوس راسے سے اتفاق نہین کر سکتے جو اوس نے بار ثبوت کی نسبت بلاکسی قید
و شرط کے بمقدمہ شیخ نورالحسن ظاہر کی ہے - اسمین شک نہین کہ جب شفیع
تعداد مندرجہ بیعنامہ کو فرضی کہتا ہے تو گویا مشتری پر فریب کا اتہام کرتا ہے اسلیئے
ایسی صورت مین ابتداً شفیع کو اپنا بیان کافی شہادت سے ثابت کرنا چاہیئے
یہ امر کہ کس قدر شہادت کافی ہوگی ہر مقدمہ کے جداگانہ حالات کے لحاظ سے طے
ہوگا - جب شفیع اس قسم کی شہادت پیش کردے تو مشتری کو ثابت کرنا چاہیئے کہ
اوس نے کس قدر روپیہ بعوض حقیت کے ادا کیا ہے - مدعی شفیع اوس بیان کا
پابند نہین قرار دیا جا سکتا جو بیعنامہ مین تحریر ہے اور مشتری کا فائدہ اسمین ہے
کہ وہ اپنے بیان کے مطابق اوس سے زیادہ زر ثمن ثابت کرے جو شفیع تسلیم
کرتا ہے - علاوہ اسکے ایسے مقدمات مین بار ثبوت کے مسئلہ پر غور کرتے وقت

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ [۵۲] ویکلی رپورٹ ۱۸۶۳ع صفحہ ۳۰۴ -

وہ قاعدہ قانونی جو دفعہ ۱۰۶ قانون شہادت مین مذکور ہے نظر انداز نہ ہونا چاہیے
اوس قاعدہ پر اون مقدمات مین اکثر عمل ہوا ہے جب راہن و مرتہن کے درمیان
زر رہن کی نسبت اختلاف تھا۔ اس قسم کے مقدمات مین تجویز ہوئی کہ یہ کام مرتہن
کا ہے۔ کہ اوس تعداد سے زیادہ زر رہن ثابت کرے جسکو راہن تسلیم کرتا ہے
بمقدمہ راجہ کشن دت بنام نارندر وبہادر[۵۱] جو ایک انفکاک رہن کا مقدمہ تھا اور
جسمین اصل رہن نامہ گم ہو گیا تھا یہ سوال تھا کہ آیا بار ثبوت شرائط مندرجہ رہن نامہ
کا مرتہن پر ہے یا راہن پر۔ اس مقدمہ مین حکام پریوی کونسل نے بعض امورات کے
متعلق اظہار رائے کی ہے جو اصولاً اس مقدمہ سے بھی متعلق ہو سکتی ہے " اس
مقدمہ مین جیسا کہ اکثر مقدمات مین ہوتا ہے جب بحث بار ثبوت کی ہو تو عدالت کو
اسباب کا لحاظ کرنا چاہیے کہ کس فریق کو مناسب شہادت دینے کا زیادہ موقع ہے
اگرچہ ہماری دانست مین مقدمہ ہذا مین بار ثبوت مدعی پر ہے تاہم ہماری یہ رائے
ہے کہ یہ امر نظر انداز نہ ہونا چاہیئے کہ مدعا علیہ کے قبضہ مین رہن نامہ ہو سکتا ہے
اور اوسکے مضمون کے ثابت کرنیکا زیادہ تر موقع مدعا علیہ کو حاصل ہے "
" اس اصول کو مقدمات شفعہ سے متعلق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفیع محض
ناواقف ہے۔ اوسکی حق تلفی خریدار و بایع نے کی ہے وہ یہ نہین کہہ سکتا کہ درحقیقت
کیا زر ثمن ادا ہوا ہے خریدار و بایع کو ایسا موقع حاصل ہے کہ وے ثابت کرسکتے
ہین کہ کیا لیا دیا گیا۔ نظر بہ جملہ حالات ہماری یہ رائے ہے کہ مشتری پر بار ثبوت
پلٹنے کے لیے بہت ہی خفیف شہادت کافی ہوگی "
اس وجہہ سے کہ مشتری اکثر بخوف شفعہ زر ثمن کو بیعنامہ مین زیادہ کرکے لکھاتا ہے اصول

---

[۵۱] لا رپورٹ اپیل ہاے ہند جلد ۳ صفحہ ۸۵۔

مندرجہ بالا ثابت صحیح طور پر قرار پایا ہے - اگر شفیع تھوڑی سی شہادت سے یا قراین سے زرثمن مندرجہ بیعنامہ کی تعداد کو مشتبہ ثابت کردے تو مشتری کو نہایت قوی شہادت سے اپنے بیان کو صحیح ثابت کرنا ہوگا -

اگرچہ بار ثبوت ابتدائً مشتری پر نہین ہے لیکن اگر مشتری ثبوت پیش کرتا ہے جس سے اوسکے قول کی تائید پورے طور پر نہین ہوتی تو مشتری یہ نہین کہہ سکتا کہ میرے ثبوت و شہادت پر لحاظ نکیا جاوے کیونکہ میرے ذمہ بار ثبوت نہ تھا - کیونکہ مشتری مذکور کے حق مین دستاویزات وغیرہ سے ایک قیاس قانونی پیدا ہوتا ہے جس قیاس کو خود اوسکی شہادت باطل کرتی ہے[۵۱] -

اگر مشتری کسی غیر معمولی طریق پر روپیہ ادا کرنا بیان کرتا ہے اور بایع بھی وصول پانا تسلیم کرتا ہے تو محض بایع کا اقبال ادائیگی روپیہ کا قطعی ثبوت نہین ہے[۵۲] اور جب شفیع یہ ثابت کردے کہ قیمت مندرجہ بیعنامہ جائداد مشفوعہ کی قیمت بازاری سے بہت زیادہ ہے تو یہ وجہ کافی ہے جسکے باعث سے بار ثبوت پلٹ جاوے گا[۵۳]

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری اوس روپیہ کو واپس کرلیتا ہے جو اوس نے نمایشی طور پر رجسٹری مین ادا کیا ہے - ایسی صورت مین شفیع کو اپنا بیان ثابت کرنا بہت دشوار ہوجاتا ہے - ایسی صورتون مین اصلیت معاملہ کی دریافت کرنی زیادہ تر حاکم فیصلہ کنندہ و وکلا کی لیاقت پر منحصر ہے[۵۴] - جب شفیع و مشتری کی شہادت پیش کردہ مساوی درجہ کی ہون تو شفیع کے ثبوت کو ترجیح دیجائیگی[۵۵] - اگر زرثمن مندرجہ بیعنامہ غیر صحیح ثابت ہوا اور بایع یا مشتری صحیح زرثمن ظاہر کرنے سے انکار کرتے

---

۵۱ مکند بنام مداری ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۸۶ ۵۲ بہرا بنام شنبو صدر آگرہ ۱۸۶۷ء صفحہ ۳۴۸ ۵۳ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۷ء صفحہ ۳۹ ۵۴ کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ ۵۵ ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۲۱۱ و ۴۸۶ -

ہین اور اسوجہ سے عدالت اوسکی تعداد معین نہین کرسکتی تو اس صورت مین جائداد مبیعہ کی مالیت مطابق نرخ بازار کے قرار دینی چاہیے[۵۱]۔ لیکن دیگر صورتون مین عدالت کو یہ تحقیق نہ کرنی چاہیے کہ مناسب ثمن کیا ہے بلکہ یہ کہ فی الحقیقت مشتری نے بایع کو کیا ادا کیا ہے[۵۲]۔

اگر مشتری ثمن زیادہ بیان کرتا ہے و بایع کم کہتا ہے اور ہنوز بایع کو ثمن وصول نہین ہوا ہے تو شفیع کو صرف اوسیقدر ثمن دینا ہوگا جس قدر کہ بایع بیان کرتا ہے کیونکہ ثمن دو حال سے خالی نہین یا تو جو بایع کہتا ہے وہی صحیح ہے تو شفعہ اوس قدر پر واجب ہوا یا ثمن کے متعلق مشتری کا بیان صحیح ہوگا تو بایع اوس صورت مین کم ثمن لینے پر رضامند ہو گیا یعنی اوسکی تعداد کم کردی جسکا وہ مختار ہے۔

اگر بایع کو ثمن وصول ہو گیا ہے تو اوسکا بیان تعداد ثمن کی بابتہ معتبر نہین کیونکہ ثمن کے وصول ہو جانے سے معاملہ بیع مکمل ہو گیا اور بایع کی حیثیت مثل اجنبی شخص کے ہوگی۔ پس اس صورت مین قول مشتری کا معتبر ہوگا تا وقتیکہ اوسکا غلط ہونا شفیع نہ ثابت کرے۔

فتاوی عالمگیری مین ہے۔ دو آدمیون نے باہم خرید و فروخت کی اور شفیع نے دونون کے سامنے شفعہ طلب کیا اوسوقت بایع نے کہا کہ یہ بیع ہم دونون مین سچی بیع نہ تھی اور مشتری نے بھی اوسکے قول کی تصدیق کی تو اس صورت مین شفیع کا قول

---

[۵۱] اگر سنگھ بنام رگھوراج سنگھ الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۴۷۱ [۵۲] توکل رائے بنام مہابیر رائے ہفتہ وار الہ آباد ۸۴ء صفحہ ۱۱۰ و تور بہاری بنام گسی ہفتہ وار الہ آباد ۸۲ء صفحہ ۹ ۔ یا توکل رائے بنام مہابیر رائے الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۴۱ ۔ اسمین یہ بھی طے ہوا ہی کہ اگر بیع بالوفا پر شفعہ ہو تو شفیع کو وہ کل تعداد دینی پڑیگی جو رہن نامہ کی روسے واجب الادا ہو نیز دیکھو عاشق علی بنام متھرا کاند والہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۸۷ ۔

معتبر ہوگا کیونکہ جواز بیع کا مدعی ہے لیکن اگر صورتِ حال بایع و مشتری کے قول کی تائید کرتی ہے تو اونہین کا قول معتبر ہوگا مثلاً اگر مبیع بیش قیمت شے ہے اور ثمن ایسا قلیل ہے کہ ایسی چیز اسقدر قلیل ثمن پر فروخت نہین ہوا کرتی۔

ہدایہ مین ہے کہ اگر بایع نے مشتری کے ذمہ سے کچھہ ثمن کم کر دیا تو وہ شفیع سے بھی ساقط ہو جائیگا۔ کیونکہ جزو ثمن کم کرنے سے عقد بیع پر کچھہ اثر نہین ہوتا[1]۔ لیکن اگر بایع نے مشتری کو کل زر ثمن معاف کر دیا تو یہ شفیع سے ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت مین یا تو عقد بیع مبدل بعقد ہبہ ہو جائیگا اور ہبہ مین شفعہ نہین یا بیع بلا ثمن کی ہوئی اور ایسی بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد مین شفع نہین۔ اگر مشتری نے بایع کیلئے ثمن مین زیادتی کر دی تو شفیع پر یہ زیادتی لازم نہوگی کیونکہ بعوض کم ثمن کے اوسکو حق شفعہ حاصل ہو چکا تھا اگر مشتری نے کوئی مکان بعوض کسی عرض کے خرید کیا ہے تو شفیع بعوض قیمت اسباب کے لے سکتا ہے کیونکہ اسباب یعنی عرض تو ذوات القیم سے ہے یعنی ایسی چیز جسکا معاوضہ قیمت سے ہو سکتا ہے۔ اگر مشتری نے اوسکی کیلی یا وزنی چیز کے عوض خریدا ہے تو شفیع اوس چیز کی مثل دیکر لے سکتا ہے کیونکہ کیلی یا وزنی چیز تو ذوات الامثال مین سے ہین یعنی ایسی چیزین جنکا مثل ہوتا ہے مثلاً گیہون وغیرہ۔ اگر کسی شخص نے ایک مکان بعوض دوسرے مکان کے خرید کیا ہے تو شفیع ان دونون مکانون مین ہر ایک کو بشرطیکہ دونون پر حق شفعہ ہو بعوض قیمت دوسرے مکان کے لے سکتا ہے کیونکہ مکان تو ذوات القیم سے ہے۔

اگر بایع نے اودھار فروخت کیا ہے تو شفیع کو اختیار ہے کہ نقد قیمت دیکر شفعہ کرے یا تا انقضاے میعاد کے صبر کرے مگر یہ نہین ہو سکتا کہ اوسکو

---

[1] تجمل حسین بنام اودھا پرشاد الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۴۴۔

ادوہار دیا جاوے[٥١]-

اگر واجیب العرض مین جسکی بناء پر شفعہ ہے زر ثمن کی نسبت کوئی قاعدہ درج ہے مثلاً یہ کہ شفیع قیمت مروجہ دیگا تو قیمت بازاری دینی ہوگی - واگر کوئی دوسری شرط ہے تو اوس شرط کے مطابق تعداد ثمن قرار دیجائیگی[٥٢] - واگر صلحنامہ مین ثمن حقیقت مشفوعہ کا

---

[٥١] امام زفر کا قول ہے کہ شفیع بہ ادای قیمت بر شے مبیعہ فی الحال لے سکتا ہے اور اونکی دلیل یہ ہے کہ میعاد تو ثمن کی صفت ہے تو جس خاص قسم کے ثمن پر مشتری سے فروخت کرنے کا معاہدہ ہوا ہے اوسی صفت کے ثمن کے عوض شفیع بھی خریدنے کا مستحق ہے - و امام ابوحنیفہ کی یہ دلیل ہے کہ شرط میعاد تو اوجہ خاص شرط کے ثابت ہوئی ہے اور حالانکہ یہ شرط شفیع کے ساتھ بایع یا مشتری کسی نے نہین کی اور مشتری کے حق مین میعاد کی شرط کرنے سے یہ لازم نہین آتا کہ بایع شفیع کے ساتھ بھی ایسی شرط کرنے سے رضامند ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مشتری کا اعتبار بوجہ اوسکے تمول کے بایع کے نزدیک زیادہ ہو اور اوسے ادوہار دینے پر رضامند ہوگیا اور یہ حالت شفیع کی نہ ہو اور میعاد ثمن کی صفت نہین ہے کیونکہ یہ تو مشتری کے حق مین ایک رعایت ہے اور ثمن کا مستحق بایع ہے اور اگر در حقیقت میعاد ثمن کا وصف ہوتا تو ثمن معہ اوس وصف کے بایع کو ملنا چاہیے تھا حالانکہ وصف سے مشتری فائدہ اوٹھاتا ہے پیر اگر فی الحال ثمن نقد ادا کرکے شفیع نے مشتری سے قبضہ حاصل کیا تو مشتری کے حق مین اداے ثمن کی میعاد بحال قایم رہیگی یعنی کہ بایع کو قبل انقضاے میعاد مشتری سے مطالبہ نہین کرسکتا ہے - کیونکہ بایع و مشتری کے درمیان جو شرط قرار پائی تہی وہ شفیع کی شے مبیعہ حاصل کرلینے سے باطل نہین ہوئی اور یہ معاملہ ایسا ہوگیا کہ کسی نے کوئی چیز ادوہار خریدی اور نقد فروخت کی - مقدمہ نہال سنگہ بنام کوکل سنگہ الہ آباد جلد ٨ صفحہ ٢٩ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق یہ قرار پایا کہ شفیع نقد قیمت دیکر شفعہ کرسکتا ہے گو مقدمہ مابین اہل ہنود کے تہا [illegible] جاری تہا -

[٥٢] کریم بخش خان بنام مولابی بی الہ آباد جلد ٨ صفحہ ١٠٢ جنکی تقلید رگہنائی کنور بنام رام دین [illegible] جلد ٨ صفحہ ٢٦٣ مین ہوئی نیز دیکھو حسرت خان بنام [illegible] دیدہ سہا ہفتہ وار الہ آباد ١٨٩٨ء صفحہ ٦٧ -

لکھا گیا ہے تو اوس قدر شفیع کو دینا ہوگا[۵۱]۔ مقدمہ بالشرا ہے بنام پدارتھ ا ہیر[۵۲] تجویز ہوئی کہ شفیع پر اوس شرط کی پابندی ضرور ہے جو زرثمن کی بابت واجب العرض مین مندرج ہے خواہ اوس شرط کی وجہ سے قیمت جائداد اوسکی واجبی قیمت سے بہت زاید ہو جائے یا اوس زرثمن سے زیادہ ہو جاسے جو مشتری نے فی الواقع ادا کی ہے اور گو وہ شرط واجب العرض بہت سخت معلوم ہو۔

# فصل نہم۔ شیعہ مذہب

سید امیر علی۔ حنفی و شیعہ مذہب مین اون اشخاص کی نسبت بہت اختلاف ہے جو مستحق شفعہ ہین۔ اس ملک مین شفعہ کے متعلق صرف حنفی قانون نے رواج پایا ہے یا قانون ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلئے گو شیعہ مذہب کے کسی شخص کو ہمسایہ ہونے کی بناء پر حق شفعہ حاصل نہ ہوگا مگر رسم و رواج کی بناء پر وہ مستحق ہوگا۔ شیعہ مذہب کے بموجب صرف شریک کو حق شفعہ پہونچتا ہے۔

چند شریک کو شفعہ نہین۔ واگر چند شریک ہون اور ایک نے اپنا حصہ بیع کیا تو کیسکو حق شفعہ

---

[۵۱] جگت سنگھ بنام رام بخش ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۰ء صفحہ ۲۳۳ [۵۲] آگرہ ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۰۴ و دیکھو حسرت خان بنام جیو یودہ او پدہیا ہفتہ وار ۱۸۸۶ء صفحہ ۷۶۔ مگر دیکھو اکبر سنگھ بنام جوالا سنگھ ہفتہ وار ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۱۶۔

نہ حاصل ہوگا۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے گو بعض علما اسکے خلاف بھی کہتے ہین[لہ]۔ شریک کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ وہ شریک فی نفس المبیع ہو۔ اگر اوسکا حق مبیع مین ایسا ہی جس مین اجنبی مشتری کی جانب سے دست اندازی کا احتمال ہے تو اوسکو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ مثلاً بایع وشفیع کا راستہ وشرب اگر مشترک ہے تو حق شفعہ پیدا ہوگا۔

جار وحق آسایش کی وجہ سے شفعہ نہین۔

اگر کوئی شخص پڑوسی ہے یا اوسکو حق آسایش مبیع مین حاصل ہے تو وہ مستحق شفعہ نہ ہوگا۔

شفیع نابالغ

اگر شفیع نابالغ ہے یا مجنون تو اوسکے ولی کو اوسکی طرف سے شفعہ کرنیکا اختیار ہے بشرطیکہ شفعہ اونکے حق مین مفید ہو۔ ولی کے طلب نہ کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا واگر اوس نے حق شفعہ کو ترک کردیا تو نابالغ بعد بلوغ کے اور مجنون بعد افاقہ جنون کے حق شفعہ طلب کرسکتا ہے۔ اگر بیع کے وقت کوئی شخص غائب تھا اور خود یا معرفت اپنے وکیل کے اس حق کو طلب نہ کرسکتا تھا تو بعد واپس آنے کے اس حق کو طلب کرسکتا ہے خواہ کتنے ہی زمانہ بعد کیون نہ آیا ہو۔

شیعہ مذہب مین عقد بیع کے منعقد ہونے کے بعد ہی حق شفعہ پیدا ہوجاتا ہے نہ کہ بیع کی تکمیل کے بعد۔ اور جیسا حنفی مذہب مین ہے یا تو شفیع کل مشفوعہ کو لے یا کچھہ نہ لے۔ ایسا نہین ہوسکتا کہ ایک جزو لے وبقیہ نہ لے۔

ثمن

شفیع کو وہ کل قیمت ادا کرنی چاہیئے تو عقد بیع مین قرار پائی تھی خواہ واقعی قیمت اوس سے کم ہو یا زیادہ۔ اور بیع کے ضروری اخراجات شفیع کے ذمہ نہ ہونگے۔ اگر بعد عقد بیع

---

لہ عباس علی بنام میارام الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۹۔ اس مقدمہ مین شیخ دایم بنام اسوہیہ بی بی ہائیکورٹ ممالک مغربی وشمالی جلد ۲ بابت ۱۸۶۷ء صفحہ ۳۶۰ یا جلد ۳ خلاصہ نظائر ۱۲۳۷ وتفضل حسین بنام ہادی حسن ہفتہ وار ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۳۹ اسے اختلاف کیا گیا۔

وانقضائے خیار کے مشتری نے مبیع مین کچھ اضافہ کیا تواس سے ثمن مین زیادتی نہ ہوگی ورنہ شفیع کو وہ دینا پڑے گا۔ لیکن اگر خیار کے زمانہ کے اندر وہ اضافہ کیا گیا توشیخ نے فرمایا کہ اصل ثمن کا یہ ایک جزو ہوگا۔ لیکن صاحب شرایع کہتا ہے کہ "یہ رائے دقت سے خالی نہین ہے کیونکہ ابھی بیان ہوچکا ہے کہ انتقال صرف عقد کے منعقد ہونے سے مکمل ہوجاتا ہے اور یہ امر منافی ہوتا ہے" اسیطرح اگر بایع نے ثمن سے کچھ کم کردیا تاہم شفیع کو وہی اصل ثمن دینا ہوگا۔

طلب مواثبت — شفیع کو چاہیے کہ بیع کی اطلاع پاتے ہی فوراً اپنے دعویٰ کو خود پیش کرے یا معرفت اپنے وکیل کے۔ لیکن اگر اپنی عدم موجودگی یا علالت وغیرہ کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکا تواس سے اوسکا حق ساقط نہوگا اور اوسصورت مین بھی اوسکا حق ساقط نہوگا جب اوسے مشتری یا ثمن کی بابت غلط خبر دی گئی۔ اپنے دعویٰ کے پیش کرنے مین معمولی مستعدی کرنی چاہیئے مثلاً اگر حق شفعہ طلب کرنے کی غرض سے اوس نے سفر کیا تو یہ ضرور نہین ہے کہ معمول سے زیادہ منزل کرے اور اگر اوسے بیع کی خبر اوسوقت ملی جب وہ نماز مین مشغول تھا خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل کی تو یہ ضرور نہین ہے کہ نیت توڑ دے۔ حسب عادت اوسے اپنی نماز پڑھنی چاہیئے اسیطرح اگر نماز کا وقت قریب ہے تو جائز ہے کہ وہ وضو کرکے بلاعجلت یا گھبراہٹ کے اپنی نماز ادا کرے۔ لیکن جب بیع کی اطلاع کے وقت شفیع اپنا حق گواہون کے روبرو اصالتاً یا وکالتاً طلب کرسکتا تھا اگر اوس نے طلب کرنے مین غفلت کی تواس سے اوسکا حق زائل ہوگیا۔ اگر بایع و مشتری برضامندی باخودہا بیع کو منسوخ کردین تواس سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

اگر مبیع مین ایسی زیادتی ہوئی جو اصل سے جدا نہین ہوسکتی تو مبیع معہ اپنی زیادتی کے

شفیع کی ہوگی و اگر اصل سے جدا ہوسکتی ہے تو زیادتی مشتری کی ہوگی۔

وارث | شیعہ مذہب امام شافعی کے اس قول سے اتفاق کرتا ہے کہ حق شفعہ میراث میں شفیع کے ورثا کو ملتا ہے مثلاً اگر شفیع اپنی زوجہ و ایک پسر چھوڑ کر مرا تو ⅛ حصہ کی بابتہ حق شفعہ زوجہ کو وراثتاً ملیگا اور بقیہ کی نسبت پسر کو۔ و اگر ایک وارث نے اپنا حق ترک کر دیا تو اوسکا حق ساقط نہیں ہوا بلکہ دوسرا وارث کل کی بابت حق شفعہ کر سکتا ہے۔

اگر جائداد کا ایک جزو وقف ہے اور دوسرا جو وقف نہیں ہے بیع ہوا تو مستحقین وقف کو حق شفعہ نہ حاصل ہوگا۔ لیکن صاحب جواہر کے نزدیک حق شفعہ پیدا ہوگا۔

# فصل دہم۔ ترتیب نالش و تمادی وغیرہ

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ زید نے عمر سے ایک ہزار درم پر ایک مکان خرید کیا پھر دوسرے کے ہاتھ دو ہزار درم پر فروخت کر کے سپرد کر دیا پھر شفیع آیا اور اوس نے بیع اول پر مکان لینا چاہا تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مکان جسکے قبضہ میں موجود ہے اوس سے ہزار درم پر لیکر اوس سے کہے کہ اپنے بایع سے باقی ہزار درم لیلے۔ لیکن امام اعظم کے نزدیک اگر مشتری اول غائب ہوگیا ہے اور شفیع نے بیع اول پر لینا چاہا تو شفیع اور دوسرے مشتری کے درمیان خصومت قایم نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ اگر شفیع نے مکان کو بیع اول پر لینا چاہا تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک اول مشتری کا حاضر ہونا شرط ہے اور امام ابو یوسف کے قول میں اول مشتری کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے۔ و اگر بیع ثانی

پر لینا چاہا تو مشتری اول کا حاضر ہونا بلا خلاف شرط نہین ہے۔
اگر مشتری نے وہ مکان فروخت نہ کیا بلکہ کسی شخص کو ہبہ کیا اور موہوب لہ نے اوسپر قبضہ کر لیا تو شفیع کو چاہیئے کہ مشتری و موہوب لہ دونون کو فریق کرے صرف تنہا موہوب کو فریق کر کے دعوی شفعہ نہین کر سکتا۔ بعد ڈگری شفعہ کے ہبہ باطل ہو جائیگا
اگر مکان مبیعہ کے دو شفیع ہین ایک حاضر دوسرا غائب۔ وشفیع حاضر نے شفعہ کر کے کل مکان کی ڈگری حاصل کر لی پھر دوسرا شفیع آیا تو وہ اپنے حق شفعہ کا دعوی شفیع حاضر سے کرے گا جس نے ڈگری حاصل کر لی ہے نہ کہ مشتری سے۔
نالشات شفعہ مین اکثر بایع مجیب نہین ہوتا ہے کیونکہ جب وہ اپنی حقیت فروخت کر چکا ہے تو پھر اوسکو مشتری کے ساتھ نزاع مین شریک ہونے سے کوئی فائدہ نہین ہے اس خیال سے شفیع کو یہ تکرنا چاہیئے کہ بایع کو فریق ہی نہ کرے۔ لیکن اگر اوس نے فریق نہ کیا تو اس سے اوسکے دعوی کو کچھہ ضرر نہین پہونچ سکتا۔

| بایع کا فریق مقدمہ ہونا |
|---|

یہ امر بمقدمہ ہیرالال بنام رام جس[۵۱] طے ہو چکا ہے اس مقدمہ مین رہن پر شفعہ ہوا تھا۔ مگر شفیع نے راہنان کو مدعا علیہ نہین بنایا۔ اس بناء پر یہ حجت کی گئی کہ نالش ابتداہی سے ناقص ہے لہذا ڈسمس ہونی چاہیئے۔

| ہیرالال بنام رام جس |
|---|

حکام نے یہ تجویز کی دو بیشک اگر راہن بطور مدعا علیہ کے فریق کیا جاتا تو یہ امر زیادہ تر باضابطہ موجب سہولیت ہوتا۔ مگر ہم یہ تجویز کرنے پر مستعد نہین ہین کہ اوسکے فریق نہ ہونے سے نالش ناقابل پذیرائی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک رہن نامہ تحریر ہوا جسکی رو سے مدعا علیہ نے حقوق مرتہنی حاصل کیے چنانچہ جو حق نامبردہ نے اس طور پر حاصل کیا ہے اوسپر مدعی معترض ہے اور در صورت نہ معلوم ہونے

---

[۵۱] الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۵۷۔

کسی امر مخالف کے ممکن ہے کہ راہن مدعی کے دعوی کی نسبت کوئی جوابدہی نکرے۔ بہرکیف اوس نے یعنی راہن نے کچھہ کوشش اسکی نہین کی کہ اپنے تئین حسب دفعہ ۳۲ مقدمہ مین فریق کراتا مقدمہ کی اس نوبت اخیر پر مرتہن مدعا علیہ کے اعتراض پر جسکو کسیطرح مضرت نہین پہونچی ہمکو ایسے عذر پر لحاظ کرنے کی ضرورت نہین ہے جو بدرجہ غایت ایک ایسی بے ضابطگی ہے جو روئداد پر موثر نہین[۵۰]

**منجملہ مشتریان کے بعض کو مدعا علیہ نہ بنانا۔**

جب جائداد مبیعہ مین ہر مشتری کے حصہ وثمن کی صراحت بیعنامہ مین الگ الگ کر دی گئی ہے تو اوس حصہ کی بابت دعوی شفعہ کرنے کی ضرورت نہین ہے جسکو شریک نے خرید کیا ہے اور اسلئے اوسکو فریق مقدمہ بنانا بھی ضرور نہین ہے لیکن جس صورت مین صرف ہر مشتری کے حصہ کی صراحت بیعنامہ مین ہے اور کل زرثمن ایکجائی دیا جانا تحریر ہو تو جملہ مشتریان کو بشمول شریک کے فریق بنانا چاہیے کیونکہ اس صورت مین یہ امر دریافت کرنا ہوگا کہ مشتری نے الگ الگ کیا زرثمن اداکیا ہے[۵۱]۔

**جب دو شفیع ہون تو ہر ایک شفیع کو دوسرے دعوی مین مدعا علیہ بنانا چاہیے۔**

اگر ایک ہی بیع کی نسبت دو نالشات شفعہ دائر کیجائین تو ایک مقدمہ کے شفیع کو دوسرے مقدمہ مین مدعا علیہ قرار دینا چاہیے اسیطرح دوسرے مقدمہ کے شفیع کو اول مقدمہ مین مدعا علیہ بنانا چاہیئے تاکہ اس امر کے تصفیہ کرنے مین آسانی ہو کہ ہر دو مقدمہ کے شفیعان مین کس شفیع کو حق مرجح حاصل ہے۔ یہ قاعدہ ہر حالت مین واجب التعمیل ہے خواہ شفعہ شرعی ہو یا بربنا رواج العرض[۵۲]۔

**ثمن کب دینا چاہیئے۔**

دعوی کیوقت شفیع پر ثمن حاضر کرنا لازم نہین ہے[۵۳]۔ مگر عرضی دعوی مین

---

۵۱ رام ناتھ بنام بدری ناتھ الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۸ ۔ ۵۲ کاشی ناتھ بنام مکتا پرشاد الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۷۰ ۔

۵۳ ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۱ و جلد ۱۱ صفحہ ۳۷۵ و جلد ۳ خلاصہ نظائر ۳۷۲ ۔

شفیع کو چاہیئے کہ اوس زرثمن کے ادا کرنے کی آمادگی ظاہر کرے جو عدالت کے نزدیک صحیح ثابت ہو[۵۱] اور بعد صدور ڈگری شفیع کو چاہیئے کہ زرمجوزہ عدالت مین اندر میعاد جمع کردے یا مشتری کو ادا کرے (دیکھو دفعہ ۲۱۴ ضابطہ دیوانی)

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر قاضی نے شفیع کے واسطے شفعہ دینے کا حکم دیا یا مشتری نے خود سپرد کردیا تو ان دونون مین بیع کے احکام ثابت ہونگے - یعنی خیار رویتہ وخیار عیب اور وقت استحقاق کے ثمن واپس لینا (یعنی اگر جائداد مبیعہ یا اوس کے ایک جزو پر کسی نے اپنا حق ثابت کرکے لے لیا تو شفیع اپنا ثمن واپس کرسکتا ہے) لیکن شفیع تاوان غرور واپس نہین لے سکتا ہے حتی کہ اگر اوس نے اراضی مشفوعہ مین عمارت بنائی پھر وہ اراضی استحقاق ثابت کرکے لے لی اور شفیع کو حکم دیا گیا کہ اپنی عمارت توڑ لے تو شفیع کو یہ اختیار ہوگا کہ جس سے اوس نے وہ اراضی خرید کی ہے اوس سے اپنا ثمن واپس لے اور مشہور روایت کے موافق یہ اختیار نہوگا کہ عمارت کی قیمت واپس لے مگر امام ابویوسف سے ایک روایت ہے کہ عمارت کی قیمت بھی لے سکتا ہے - مگر مشتری ایسی صورت مین تاوان غرور لے سکتا ہے - تاتارخانیہ -

واگر اندر میعاد کے ثمن ادا نہ کیا گیا تو حق شفعہ ساقط ہوجائیگا - گو ڈگری مین ایسا کوئی حکم بھی نہ ہو - وبرطبق اپیل عدالت اپیل نے میعاد مین توسیع نہ کی ہو[۵۲] لیکن اگر میعاد معینہ

---

[۵۱] درگا پرشاد بنام نوازش علی الہ آباد جلد ا صفحہ ۵۹۱ وتوبت سنگھ بنام کشن سنگھ الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۵۳۷ وشندو پرشاد ٹھاکر بنام گوپال ٹھاکر کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰۸ [۵۲] جی کشن بنام بھولاناتھ الہ آباد جلد ۱۴ صفحہ ۵۲۹ وچھدا بنام امداد حسین وبھولو سنگھ بنام رحیم کنور ہفتہ وار ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۳ - نیز دیکھو بینگن خان بنام گنگا پرشاد الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۹۳ - وویسا سنگھ بنام جوالا سنگھ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۶۵ - وکرم خان بنام نتھن خان ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۳ء صفحہ ۴ - وشمار میعاد کی نسبت دیکھو بشیشر نائک بنام صعیب الدین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۲۱۷ ودیبی دین رائے بنام محمد علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۰ -

عدالتِ ماتحت قبل دائر ہونے اپیل کے یا دوران اپیل مین منقضی ہوگئی ہے تو عدالت اپیل کو اختیار تمیزی حاصل ہے کہ میعاد کو توسیع کردے[۵۱] اگر شفیع کو ڈگری مین اوسکا خرچہ دلایا گیا ہو تو وہ ثمن سے مجرا لے سکتا ہے اور ایسے خود خواستہ مجرائی سے اوسکا حق شفعہ ساقط نہوگا[۵۲]۔ اگر عدالت اپیل نے ثمن زیادہ کیا تو میعاد معینہ کا شمار عدالت اپیل کے فیصلہ سے ہوگا[۵۳]۔ اور جب میعاد معینہ کے اندر روپیہ جمع ہوجاوے تو روپیہ مشتری کا ہوگیا یعنی جسکے لیے جمع کیا گیا ہے اور حقیت شفیع کی[۵۴]۔

اگر کسی شریک کی حقیت خرید کرکے مشتری نے اوس حقیت کی دخل یابی کا دعوی کیا تو مدعا علیہ قابض یہ جوابدہی نہین کرسکتا کہ اوسکو استحقاق شفعہ حاصل ہے۔ اگر اوسکو حق شفعہ حاصل ہے تو جداگانہ نالش کرے[۵۵]۔

**مقدمات شفعہ مین ڈگری** ہر مقدمہ کی ضرورت کے موافق ڈگری اسطرح مرتب ہونی چاہیے جس سے واقعی دادرسی مطلوبہ فریقین عطا ہونی ممکن ہو۔ دعوی شفعہ مین شفیع کو معاملہ سے تجزیہ کرنے کی اجازت نہین دیجاسکتی۔ اسیطرح ڈگری بھی ایسی نہ مرتب ہونی چاہیے جس سے معاملہ کا تجزیہ ہوتا ہو۔ اسلئے جب دو مساوی الحقوق شفیع کے حق مین شفعہ کی ڈگری ہو تو ڈگری مین ایک میعاد مقرر ہونی چاہیے جسکے اندر ہر شفیع کو اپنے حصہ کا زرثمن ادا کرنا لازم ہو اور اگر دونون مین سے کوئی اپنے حصہ کا روپیہ

---

۵۱ اجلاس کامل کودی سنگھ بنام جنسری سنگھ الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۶ نیز دیکھو وزیر خان بنام کالے خان ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۴ء صفحہ ۳ ۵۲ ایشری بنام گوپال سرن الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۱۵۳ جسمین کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۲۴۷ کی تقلید کی گئی ۵۳ مہیش بنام بدیا ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۶ء صفحہ ۳۰۰ ۵۴ حکیم ولایت علی بنام عبد السلام ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۵ء صفحہ ۱۳ ۵۵ اجودھیا بخش سنگھ بنام عرب علیخان الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۸۹ ۔

مابین میعاد نہ ادا کرے تو دوسرا شفیع جو میعاد کے اندر روپیہ ادا کرے اول شفیع کے حصہ کا بقیہ ثمن ادا کرنے پر مستحق ہوگا[۵۱] - لیکن جب منجملہ دو شفیعان کے ایک شفیع کا حق مرجح ہے تو کل جائداد مبیعہ کی نسبت اوسکا دعوی شفعہ ڈگری ہوگا مگر دوسرے شفیع کا دعوی قطعی طور پر ڈسمس نہ ہوگا - بلکہ اوسکو شرطیہ ڈگری اسطور پر دیجائیگی کہ اگر شفیع مقدم اپنی ڈگری میعاد معین کے اندر نافذ نہ کرائے تو دوسرا شفیع ایک مزید میعاد کے اندر زر ثمن ادا کرکے جائداد مبیعہ حاصل کرے[۵۲] کیونکہ اگر اس طور پر ڈگری نہ مرتب ہوئی تو اول الذکر صورت مین ایک شفیع کے ثمن نہ داخل نہ کرنے سے اقل درجہ نصف جائداد مبیعہ مشتری کے پاس رہجائیگی اور صورت ثانی مین اگر شفیع اعلی نے کسی وجہ سے خواہ روپیہ نہ ہونے کے باعث یا مشتری سے سازش کرکے ثمن نہ داخل کیا تو کل جائداد مبیعہ مشتری کے قبضہ مین رہجائیگی جس نے پہلے حق شفعہ کے قانون کے خلاف ورزی کرکے جائداد خریدی تھی لیکن اول الذکر صورت مین اگر ہر دو شفیعان نے اپنے اپنے حصہ کا ثمن میعاد کے اندر نہ داخل کیا تو اونمین سے کوئی مزید میعاد کے اندر دوسرے شفیع کے حصہ کا ثمن ادا کرکے اوسکا حصہ شفعہ کے استحقاق سے نہین لے سکتا[۵۳]-

**تمادی** نالشات شفعہ مین حسب مد ۱۰ قانون تمادی ایک سال کی میعاد مقرر ہے مگر میعاد اوس روز سے شروع ہوگی جب مشتری کا قبضہ مبیع پر ہوجائے یا اگر مبیع پر واقعی قبضہ نہ ہوسکتا ہو تو تاریخ رجسٹری بیعنامہ سے محال غیر منقسمہ کا حصہ ناقابل

---

۵۱ مہابیر پرشاد بنام رام دیال الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۲۹ ۵۲ کاشی ناتھ بنام مکتا پرشاد الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۷-

۵۳ ارجن سنگھ بنام سرفراز سنگھ الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۲-

قبضہ واقعی ہے اسلئے تاریخ رجسٹری سے میعاد محسوب ہوگی[۵۱]- لیکن معاملات بیع بالوفا سے مد ۱۰ متعلق نہین ہے بلکہ مد ۱۲۰ متعلق ہے جسمین ۶ سال کی میعاد ہے[۵۲] اور اگر بیع بالوفا کا مرتہن جائداد مرہونہ پر قابض تہوا اور بعد بیعیات کے اوسکو نالش مداخلت کرنی پڑی تو تاریخ ڈگری مداخلت سے شمار میعاد ہونا چاہیے و مد ۱۲۰ متعلق ہوگی[۵۳]

محنتانہ وکیل | نالشات شفعہ مین محنتانہ وکیل اوس ثمن پر محسوب ہوگا جو عدالت سے صحیح تجویز کیا ہے نہ کہ ثمن ظاہرہ مشتری پر یا مالیت جائداد پر جسپر کورٹ فیس ادا ہوا ہے[۵۴]

# فصل یازدہم - شفعہ واجب العرض

جو حق شفعہ کہ واجب العرض پر مبنی ہوتا ہے وہ ایسا ضعیف حق نہین ہے کہ مثل شفعہ شرعی کے تہوڑے سے حیلہ و فرو گذاشت سے باطل ہوسکے بلکہ وہ ایک مستقل حق ہے جسکا نفاذ اوسی سختی سے کیا جائیگا جیسے قانوناً معاہدون کا نفاذ ہوتا ہے طلب مواثبت وغیرہ کے متعلق جو شرعی احکام ہین اونکی تعمیل کی ضرورت اون مقدمات شفعہ مین نہین ہے جو واجب العرض کی بناء پر ہون تاوقتیکہ رواج یا معاہدہ مندرجہ واجب العرض مین اون شرایط کی تعمیل ضروری نہ قرار دی گئی ہو[۵۵] شفعہ شرعی مین شفیع کو

[۵۱] اونکار داس بنام نراین الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۴۲ وغیرہ دیکھو سیو سے بنام رام علی صفحہ ۷۹، جلد مذکور۔ [۵۲] ناتہہ پرشاد بنام رام پلٹن رام الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۱۸ و رحیم الہی خان بنام گسیٹا الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۳۷۵ تاریخ بیعیات سے شمار میعاد ہوگی وغیرہ دیکھو عاشق علی بنام متہرا کانند والہ آباد جلد ۵ صفحہ ۱۸۷ [۵۳] رنک لال بنام گجراج سنگھ الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۲۱۴ [۵۴] دیبی سنگھ بنام ہیو سنگھ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۷۰۹ [۵۵] رامدیال بنام بدہ سین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۲۳ و محمد رستم علیخان بنام بیاور سنگھ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۱۴

وہ زرِ ثمن ادا کرنا چاہیئے جو مشتری نے ادا کیا ہے بخلاف اِسکے اگر شفعہ پر بنا واجب العرض ہے تو اس اصول عام مین خاص معاہدہ یا رواج سے فرق آسکتا ہے

شرایط واجب العرض کسپر واجب التعمیل ہین

جملہ اشخاص جو شریک تحریر واجب العرض ہون یا جنہون نے اپنے فعل یا ایسے سکوت سے جس سے رضا مندی مستنبط ہوتی ہو اوس تحریر پر رضامندی ظاہر کی ہو اون سب پر واجب العرض کی تعمیل واجب ہے[۵۱]۔ واجب العرض پر گو کسی حصہ دار یا نمبردار نے دستخط نہ کیے ہون اور یہ ظاہر ہو کہ صرف پٹواری نے اوسکو مرتب کرایا ہے تاہم اگر مدت تک کسی حصہ دار نے اوسپر کوئی اعتراض نہین کیا تو وہ واجب العرض جملہ حصہ دارون پر واجب التعمیل ہے[۵۲] گو ایک زمانہ مین یہ راے تھی کہ اگر بایع نے واجب العرض پر دستخط نہ کیے ہون تو وہ اوسپر قایل پابندی نہ ہوگا[۵۳]۔ بمقدمہ ایشر سنگھ بنام گنگا[۵۴] تجویز ہوئی کہ جو واجب العرض موافق قانون کے مرتب و مصدق ہوا ہو وہ بادی النظر ثبوت اوس رواج کا ہے جو اوسمین درج ہے۔ لیکن اوسکی تردید وہ شخص کرسکتا ہے جو رواج مذکور پر معترض ہو جبکہ واجب العرض مین استحقاق شفعہ بذریعہ معاہدہ فیمابین حصہ داران تحریر ہوا ہو تو واجب العرض مذکور اوس معاہدہ کا ثبوت ہے جو جملہ فریق معاہدہ اور اونکے قایمقامون پر واجب التعمیل ہے۔ اور قیاس یہ ہوگا کہ جملہ شرکا اوس معاہدہ پر اور اوسکے اندراج پر راضی تھے۔ اور اس قیاس کی تردید اون شرکا کے ذمہ ہے جو معاہدہ مذکور پر معترض ہین[۵۵] مگر ایک مقدمہ مین[۵۶] واجب العرض کی پابندی بایع پر واجب نہ قرار دیگئی۔

---

۵۱ گردھاری لال بنام مراد وسنگھ ۲- اپریل ۱۸۹۶ء صفحہ ۲۴۹ ۵۲ رستم علیخان بنام عباسی بیگم الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۴ و مجیدن بی بی بنام شیخ حیاتن ہفتہ وار ۱۸۹۵ء صفحہ ۳ ۵۳ جے کشور بنام ٹھاکر داس ۷ فروری ۱۸۶۹ء صفحہ ۷۵۔ ۵۴ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۸۷۶ ۵۵ محمد حسن بنام منا لال الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۴۳۴ و داود رام بنام مولا ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۸۹ ۵۶ ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۶۔

اس مقدمہ مین واجب العرض سنہ ۱۸۶۳ء مین مرتب ہوا تھا - اوس زمانہ مین بایع اوس موضع مین موجود نہ تھا اور بیع کرنے سے تھوڑے عرصہ قبل گانون مین آیا تھا اوسکی طرف سے کوئی سکوت یا رضامندی خیال نہین کیجا سکتی تھی - بندوبست کے بعد جو شخص حصہ دار موضع ہوا اوسپر بھی شرط شفعہ کی پابندی لازم ہے[۵۱] - اول ایک محال تھا جسکے تین محال بعد مین قایم کئے گئے اور شفعہ کی شرط پہلے محال کے واجب العرض مین درج تھی - بٹوارہ کمل کے بعد ایک حصہ دار نے اپنا حصہ شخص اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا کوئی جدید واجب العرض مرتب نہین ہوا تھا بحث یہ تھی کہ محال سابق کی واجب العرض کی بنا پر شفعہ جایز ہے یا نہین تجویز ہوئی کہ وہی سابق کا واجب العرض واجب التعمیل ہے[۵۲] اسیطرح اگر بندوبست سابق کے واجب العرض مین شرط شفعہ تھی مگر بعد کے بندوبست مین جو واجب العرض مرتب ہوا اوسمین شفعہ کی نسبت کوئی شرط تحریر نہین ہوئی - تو تجویز ہوئی کہ واجب العرض سابق سے رواج شفعہ ثابت ہو سکتا ہے[۵۳] لیکن اگر کسی موضع کی تکمیل بٹوارہ کے وقت جدید واجب العرض مرتب ہوا ہو جسکی روسے ایک محال کے حصہ داران کو دوسرے محال کے اراضی پر استحقاق شفعہ نہ دیا گیا ہو تو ایک محال کے حصہ دار کو دوسرے محال کی اراضی پر شفعہ کا حق نہ حاصل ہوگا[۵۴] -

**تعبیر واجب العرض** واجب العرض کی تعبیر کرنے مین صرف اوسکے الفاظ پر لحاظ نہ ہونا چاہیے بلکہ اون اشخاص کی نیت پر لحاظ کرنا چاہیے جنکی خواہش کے مطابق

---

۵۱ مال دل سنگھ بنام رام غلام ۱۵ - اپریل سنہ ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۲۷ ۵۲ شیام سندر بنام امانت بیگم الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۲۳۴ ۵۳ سادھو بنام راجا رام الہ آباد جلد ۱۶ صفحہ ۴ ۵۴ گھورے بنام مان سنگھ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۲۶ -

وہ واجب العرض مرتب ہوا ہے اس امر کے متعلق بعض مقدمات مین حکام نے اپنی راے اسطرح پر تحریر کی ہے۔ کہ واجب العرض کے مرتب کرنے مین اکثر بہت سے بے ترتیبی ہوتی ہے اوسکی تحریر و تصدیق کم تنخواہ کے افسرون کے متعلق ہوتی ہے اسلیے صرف واجب العرض کے الفاظ پر لحاظ کرنا جبکہ متعاقدین کی نیت و غرض اوسکے خلاف ہو مناسب نہین ہے[۵۱]۔ ایک دوسرے مقدمہ مین[۵۲] حکام تحریر فرماتے ہین کہ واجب العرض کی تعبیر کرنے مین اون اشخاص کی نیت و غرض کا لحاظ بطور اصول ہدایتی ہونا چاہیے جنکی خواہش کے مطابق وہ مرتب ہوا ہے۔ اور جب کسی واجب العرض کے الفاظ مین ابہام ہو تو اوسکی ایسی تعبیر ہونی چاہیے جو غرض مذکور کے سب سے زیادہ مطابق ہو۔ واجب العرض مین شفعہ کی شرط مندرج کرانے سے شرکاء دیہہ کا مقصود سوائے اسکے کچھ اور نہین ہوتا کہ اشخاص اجنبی شریک نہ ہوسکین۔ واجب العرض کے مرتب کرنے مین اوس احتیاط سے کام نہین لیا جاتا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ اکثر ناخواندہ اشخاص اوسکو مرتب کرتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ اکثر اوسمین ایسے مبہم الفاظ پائے جاتے ہین جنکی صحیح تعبیر کرنی دشوار ہوتی ہے

# شفع نیلامی

ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ بیع جبریہ یعنی نیلام وغیرہ مین بموجب شرع محمدی یا واجب العرض کے شفعہ نہین ہوسکتا کیونکہ ان دو طریقون سے جو شفعہ ہوتا ہے وہ صرف ایسے انتقالات سے متعلق ہے جو برضامندی باہمی عمل مین آئے ہون۔ نیلام یعنی جبریہ انتقال مین شفعہ صرف اوس صورت مین ہوسکتا ہے جب اوس خاص قانون یا ایکٹ مین جسکے

[۵۱] ۳۱ جنوری ۱۸۶۱ع صدر آگرہ [۵۲] ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ع صفحہ ۲۱۳—

بموجب نیلام واقع ہوا ہے استحقاق شفعہ عطا ہوا ہو۔

اس قسم کے شفعہ سے شرع محمدی کے احکام متعلق نہ ہونگے بلکہ اُن قواعد کی پابندی کرنی چاہیے جو اوسکے متعلق اوس خاص قانون یا ایکٹ مین درج ہین۔ عدالت ہائے دیوانی کی ڈگریون مین جو نیلام ہوتے ہین اونمین حق شفعہ بموجب دفعہ ۳۱۰ ضابطہ دیوانی کے ہوسکتا ہے۔ دفعہ مذکور حسب ذیل ہے "اگر وہ جائداد جو بعلت اجراے ڈگری نیلام کیجاوے کوئی حصہ جائداد غیر منقولہ غیر منقسمہ کا ہو اور دو یا کئی اشخاص مین ایک حصہ دار اوس جائداد کا ہو اوس نیلام کے وقت کسی بولی مین ایک ہی تعداد کی بولی بولین تو وہ بولی حصہ دار کی سمجھی جائیگی" اس دفعہ مین گو لفظ شفعہ بالصراحت مذکور نہین ہے مگر اخیر جملہ یعنی "وہ بولی حصہ دار کی سمجھی جائیگی" سے مقصود حق شفعہ ہے اسی دفعہ مین وہ قاعدہ بھی بتلا دیا گیا ہے جسپر شفیع کو عمل کرنا چاہیے یعنی یہ کہ اوسکو چاہیئے کہ وقت نیلام کے وہ اوسی تعداد کی بولی بولے جس تعداد کی بولی اشخاص غیر بولتے ہین ورنہ اوسکو حق شفعہ نہ حاصل ہوگا[۵۱] چنانچہ اسی بنا پر ایک مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ جب شریک جائداد کو بھی نیلام مین ویسے ہی موقع بولی بولنے کا حاصل ہے جیسا کہ غیرون کو ہے تو حق شفعہ نہ پیدا ہوگا[۵۲]۔ سابق کے ایکٹ مین یہ الفاظ تھے "دوسواے مدیون ڈگری کے اور کوئی شریک" لیکن یہ الفاظ دفعہ ۳۱۰ ضابطہ دیوانی مین داخل نہین اسلئے مدیون ڈگری بھی مثل شریک کے مستحق خریداری ہے۔

---

۵۱ تیج سنگھ بنام گوبند سنگھ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۸۵۰ و الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۸۲۷ و ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۰۹ و بمقدمہ سری کشن بنام دہنی رام ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۰۸ یہ تجویز ہوئی کہ جب شفعہ ازروے خاص قانون کے پیدا ہوا ہے تو اوسکی تعمیل سختی سے ہونی چاہیے ۵۲ بنگال لا رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۰۵۔

دفعہ مذکور کے بموجب شفعہ صرف اوس صورت مین پیدا ہوگا جب شخص غیر سے مقابلہ ہو اگر دو شریک نیلام مین بولی بولین تو اونمین سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی گو ایک حصہ دار قریبی ہو دوسرا حصہ دار بعید۔ چنانچہ ایکٹ ۲۳ سنہ ۱۸۶۱ع کے بموجب یہ تجویز ہوئی کہ دوسری پٹی کا شریک بمقابلہ اوس شخص کے جو اوسی خاص پٹی مین شریک ہے شخص اجنب نہین ہے[۵۱]۔

اگر خریدار در حقیقت حصہ دار ہے مگر شخص اجنب کے نام سے نیلام خریدا تو شفعہ نہین ہے[۵۲] ورنہ اوس صورت مین شفعہ ہے جب صرف حق مرتہنی کا نیلام عمل مین آئے[۵۳] نہ مرتہن دعوی شفعہ کا مجاز ہے[۵۴]۔

دفعہ مذکور محکمہ مال کی اجرائے ڈگری سے متعلق نہین ہے[۵۵] ایکٹ نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۷۳ع کی دفعہ ۱۸۸ کی رو سے بھی حق شفعہ دیا گیا ہے۔

اس دفعہ مین جو لفظ پٹی واقع ہوا ہے اوسکی تعبیر مین حکام ہائی کورٹ نے بمقدمہ بیچا ناتھ بنام سیتل سنگھ[۵۶] اختلاف کیا ہے[۵۷]۔

[۵۱] الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۷۰ و جلد ۳ صفحہ ۱۱۲ [۵۲] گنگا رام بنام مولا الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ [۵۳] جیسرام داس بنام ہینی پرشاد الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۱۵ [۵۴] جلد ۷ ممالک مغربی و شمالی صفحہ ۲۸۱ [۵۵] دوارکا پرشاد الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۷۷ [۵۶] الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۲۴ [۵۷] نراین سنگھ بنام محمد فرخ الہ آباد جلد ا صفحہ ۲۷۷۔

# باب چہارم وصیت

## فصل اوّل

سید امیر علی لکھتے ہین کہ قدیم کتابون سے پایا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت مین بھی عرب مین وصیت کا رواج تہا مگر اون کتابون سے یہ نہین پتہ چلتا کہ کن کن صورتون مین وصیت جائز ہوتی تہی اور کس صورت مین نہین۔ قوم یہود جو عرب مین سکونت رکہتی تہی شرعاً وصیت کے ذریعے سے کسی وارث کو محروم الارث کرنے یا کسی اجنبی کو اپنا وارث بنانے سے ممنوع تہی۔ لیکن جب انتقال کے ساتھ ہی قبضہ بھی دیدیا جاتا تھا تو یہودی اسے جائز سمجہتے تہے۔ وصیت زبانی یا تحریری دونون طرح پر ہوسکتی ہے لیکن زبانی وصیت کو ترجیح دیجاتی تہی[لہ]۔ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۲۳۷ وصیت واجب نہین بلکہ مستحب ہے لیکن قیاس چاہتا ہے کہ جائز نہو کیونکہ موصی نے وصیت سے ایسے حالت مین موصی لہٗ کو ایک چیز کا مالک بنایا جب اوسکی ملکیت زائل ہوچکی تہی۔ حالانکہ اپنے مالک ہونے کی حالت مین اگر موصی زمانہ آیندہ کی طرف مضاف کرے مثلاً کہے کہ مین نے تجھے آیندہ کل کے روز اس چیز کا مالک کیا تو یہ باطل ہوتا ہے پس اپنی ملکیت زائل ہونے کے بعد بدرجہ اولی باطل ہوگا۔ لیکن ہمنے اس قیاس کو

---

[لہ] تمیز بیگم بنام فرحت حسین ہائیکورٹ رپورٹ ممالک مغربی وشمالی جلد ۲ صفحہ ۵۵ و متعلق مذہب شیعہ امین الدولہ بنام روشن علیخان اپیلہائے ہند مور صاحب جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ یہ دونون نظیرین خلاصہ نظائر ۳۳۷ مین ہین۔

چھوڑ دیا اور وصیت کو استحساناً جائز رکھا کیونکہ لوگون کو اسکی حاجت ہے اسواسطے
کہ انسان اپنی زندگی کی امیدون پر مغرور رہوتا ہے اور نیک اعمال کرنے سے غافل
پھر جب اوسے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے اور وہ موت سے خائف ہوتا ہے تو اوسے
حاجت پڑتی ہے کہ اپنی تقصیر کی تلافی مال سے اسطرح پر کرے کہ اگر اوسکی تلافی
پوری ہوجاسے تو اوسکا مقصد اُخروسے حاصل ہوجائے اور اگر اوسکو صحت ہوگئی
تو اوس مال کو دنیاوی ضرورتون مین صرف کرے اور وصیت کے شروع کرنے
سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے اسیلیے وصیت شروع ہی۔ اور رہا قیاس کہ ملکیت نہین
رہتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ بعد موت کے بھی بلحاظ ضرورت ملکیت باقی رہتی ہے
جیسے میت کے ترکہ مین لقدر تجہیز وتکفین اور لقدر قرض ذمگی میت کے میت کی
ملکیت باقی رہتی ہے۔ جواز وصیت کی نسبت قرآن مجید بھی ناطق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ "تقسیم ترکہ بعد اجراے وصیت میت وبعد اداے قرضہ میت کے ہے"
اور حدیث بھی اسکی نسبت ناطق ہے جیساکہ حدیث مین آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے
تمہارا ایک ثلث مال تمہارے آخری حصہ عمر مین تمپر صدقہ کیا تاکہ تمہارے اعمال مین
زیادتی ہو۔ اوسکو تم جہان چاہو اور جیسے پسند کرو صرف کرو" اور جواز وصیت پر امت کا
اجماع ہے پس اجنبی کے واسطے ایک ثلث تک وصیت کرنا بلا اجازت وارثون کے
بدلیل حدیث مذکورہ بالا صحیح ہے۔ لیکن ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت وصیت جائز
نہین ہے جیساکہ حدیث سعد ابن ابی وقاص سے ظاہر ہوتا ہے[ف۱]

---

ف۱ حدیث یہ ہے۔ سید امیر علی کی کتاب جلد اول صفحہ ۵۸۴ وہدایہ جلد ۴ صفحہ ۶۸۷ - سعد ابن ابی وقاص
فرماتے ہین کہ فتح مکہ کی سال جب مین سخت بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہوگیا اور رسولِ خدا میری
عیادت کے لئے تشریف لائے تو مین نے اون سے عرض کی کہ خدا کے فضل سے میرے پاس

# فصل دوم ۔ وصیت

فتاوی عالمگیری جلد ۴ ۔ بطور احسان مرنے کے بعد مالک کرنے کو وصیت کہتے ہین
اور جس چیز کا مالک کرنا ہے خواہ وہ عین ہو یا منفعت ہو دونون صحیح ہین ۔
رکن وصیت کا یون کہنا ہے کہ مین نے اس چیز کی فلان شخص کے واسطے وصیت
کی یا فلان شخص کے لیے اس چیز کی وصیت کی ۔ وصیت مین موصی لہٗ کا صریحًا یا دلالتًا
قبول کرنا شرط ہے ۔ دلالتًا قبول کرنے کی یہ صورت ہے کہ موصی لہٗ وصیت رد کرنے
سے پہلے مر جائے تو اوسکا مرنا وصیت کا قبول کرنا ہے پس اوسکے وارث اس وصیت
سے میراث پائینگے ۔ قبول وصیت موصی کے مرنے کے بعد ہوتا ہے پس اگر موصی کی
زندگی مین موصی لہٗ نے وصیت قبول کی یا رد کی تو یہ باطل ہے اسکا کچھ اعتبار نہین ہے
اور موصی کے مرنے کے بعد اوسکو قبول کرنیکا اختیار حاصل ہوگا ۔ قبول جیسے قول
سے ہوسکتا ہے ویسے ہی فعل سے ۔ مثلاً وصیت کا نافذ کرنا یا قرضہ کا ادا کرنا ۔
شرط وصیت یہ ہے کہ موصی تملیک یعنی مالک کر دینے کی اہلیت رکھتا ہو اور موصی لہٗ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۷ ہمبہت مال واسباب ہے لیکن ایک لڑکی کے سوا میرا کوئی دوسرا وارث نہین ہے
توکیا مجھے اجازت ہے کہ مین اپنا کل مال وصیت کر دون آپ نے فرمایا نہین ۔ اور جب مین نے دو ثلث
و نصف مال وصیت کرنے کی نسبت دریافت کیا تو پھر نفی مین جواب ملا لیکن جب مین نے کہا کہ ایک ثلث کی
وصیت کر سکتا ہون تو آپ نے فرمایا "ہان تم ایک ثلث کی وصیت کر سکتے ہو لیکن وصیت کے لیے ایک
ثلث بھی زیادہ ہے اور فرمایا کہ تو اپنے وارثون کو مالدار چھوڑے تو اس سے بہتر ہے کہ اونکو مفلس چھوڑے
کہ لوگون کے آگے ہاتھ پھیلاوین" ۔ سـ۵ـلـہ موصی ۔ وصیت کرنیوالا ۔ موصی بہ ۔ جو چیز وصیت کی گئی ہے
موصی لہٗ ۔ جسکے حق مین وصیت کی گئی ہے ۔ وصی ۔ قایمقام و خلیفہ میت یعنی موصی ۔

تملک یعنی مالک ہونے کی اہلیت رکھتا ہو اور بعد موصی کے موصی بہ ایسا مال ہو جو قابل تملیک ہو۔ حکم وصیت یہ ہے کہ موصی لہٗ بملک جدید مالک ہو جاتا ہے جیسے ہبہ مین۔ ایک ثلث سے کم وصیت کرنا مستحب ہے خواہ اوسکے وارث غنی ہون یا محتاج۔

جسکے پاس قلیل مال ہو تو افضل یہ ہے کہ بالکل وصیت نہ کرے بشرطیکہ اوسکے وارث ہون۔

موصی لہٗ قبول کرنے سے مالک ہو جاتا ہے پس اگر موصی کے مرنیکے بعد موصی لہٗ نے وصیت قبول کی تو موصی بہ مین اوسکی ملکیت ثابت ہو جائیگی خواہ اوسپر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اگر موصی لہٗ نے وصیت رد کی تو رد ہو جائیگی۔[له]

[له] ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۷۲۹ مین اس مسئلہ کے متعلق اسطرح لکھا ہے۔ موصی بہ۔ قبول کرنے سے۔ موصی لہٗ۔ کی ملکیت مین داخل ہوتی ہے۔ بخلاف قول امام زفر کے اور امام شافعی کا بھی دو قولون مین سے ایک قول یہی ہے زفر فرماتے ہین کہ وصیت مثل میراث کے ہے کیونکہ ان دونون مین سے ہر ایک میت کی جانب سے خلافت ہو کیونکہ یہ مورث کی ملکیت سے منتقل ہو کر وارث یا موصی لہٗ کی ملکیت مین آتی ہے۔ اور میراث بالاتفاق بغیر قبول کے ثابت ہوتی ہے پس وصیت بھی بغیر قبول کے ثابت ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک جدید ملکیت کا اثبات ہے یعنی خلافت نہین ہے۔ اور اسیوجہ سے۔ موصی لہٗ۔ بوجہ عیب کے اوسکو واپس نہین کرسکتا اور نہ بوجہ عیب کے اوسے واپس دیجا سکتی ہے (۱) اور کوئی شخص دوسرے کی ملکیت ثابت نہین کرسکتا تا وقتیکہ دوسرا قبول نکرے

(۱) واپسی کی یہ صورت ہے کہ مریض نے کوئی چیز خرید کرکے زید کے واسطے وصیت کی اور پھر مرگیا اور زید نے اوس چیز کو عیب دار پایا تو بایع کو واپس نہین کرسکتا یا مریض نے اپنا کل مال زید کے لئے وصیت کی پھر اپنی زندگی مین کوئی چیز فروخت کی اور بعدہٗ مرگیا اگر مشتری اس بیع مین کوئی عیب پاوے تو زید کو واپس نہین کرسکتا لیکن ورثا ر دونون صورتون مین بجاے میت کے متصور ہونگے اور وہ واپس کرسکتے ہین اور اونکو واپس دیا جاسکتا ہے۔

اجنبی کے واسطے بلا اجازت وارثون کے وصیت جائز ہوجاتی ہے۔ لیکن تہائی سے زیادہ کی بابت اوس حالت مین جایز ہوگی جب وارث موصی کی موت کے بعد اجازت دیدین اور وے بالغ ہون۔ موصی کی زندگی مین وارثون کی اجازت دینے کا کچھ اعتبار نہین حتی کہ بعد موت موصی کے وے اپنی اجازت سے رجوع کرسکتے ہین یا اوسکو رد کرسکتے ہین[۵۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹ وراثت البتہ خلافت ہے اور اوسمین واپس لینے اور واپس کرنے کے احکام ثابت ہین۔ اسلئے وراثت کی ملکیت جبراً بدون قبول کے شرعاً ثابت ہوتی ہے۔ پس بغیر قبول کے موصی لہٗ کی ملکیت ثابت نہین بجز ایک صورت کے وہ یہ ہے۔ کہ موصی بعد وصیت کے مرجائے اور قبول کرنے سے پہلے موصی لہٗ مرجاے تو موصی بہ۔ استحساناً۔ موصی لہٗ کے وارثون کی ملک مین داخل ہوگی۔ قیاس یہ چاہتا تھا کہ وصیت باطل ہوجاتی کیونکہ ابھی بیان ہوچکا ہے کہ ملکیت قبول کرنے پر موقوف ہے تو ایسا ہوگا کہ ایجاب بایع کے بعد قبول سے پہلے مشتری مرگیا۔ لیکن یہ قیاس ترک کرکے استحسان اسوجہ سے اختیار کیا گیا کہ موصی کی جانب سے وصیت پوری ہوگئی یعنی اوسکی موت سے عقد وصیت اسطرح پر منعقد ہوگیا کہ اب فسخ نہین ہوسکتا۔ اور توقف صرف موصی لہٗ کے حق کی وجہہ سے رہا تھا۔ پس جب موصی لہٗ مرگیا تو یہ چیز اوسکی ملکیت مین داخل ہوگئی جیسے اوس بیع مین کہ جس مین مشتری کے واسطے خیار کی شرط ہو کہ جب اجازت سے پہلے مشتری مرجائے تو پوری ہوجائیگی۔

۵۱ نصرت علی بنام زین النسا ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۴۶ مدراس ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۳۵ یا خلاصہ نظائر ۳۷۳۔ اجازت کے ثبوت کے لئے وارث کا کوئی ایسا فعل ثابت کرنا چاہیے۔ جو وقت وصیت یا بعد مین اوس سے کیا ہے اور جس سے وصیت سے رضامندی پائی جاتی ہو۔ اگر وارث اوس مکان مین رہتا ہے جو وصیت نامہ مین اوسکو دیا گیا ہے تو فقط اس سے اوسکی اجازت مفہوم نہ ہوگی۔ رام کمار چندر راے بنام قمر النسا بیگم انڈین جیورسٹ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۔ خلاصہ نظائر ۳۷۳۔ لیکن اگر وارث نے بلاجبر واکراہ وصیت نامہ پر اپنے دستخط کیے تو اوس سے رضامندی ثابت ہوگی۔ خلاصہ نظائر ۳۷۳۔

اگر کسی نے اپنا کل مال وصیت کر دیا اور اوسکا کوئی وارث نہین ہے تو وصیت نافذ ہو گی۔
ہدایہ صفحہ ۲۶۷۔ وارث کے واسطے وصیت جائز نہین کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ اللہ تعالی
نے ہر ذی حق کو اوسکا حق دیدیا۔ خبردار ہو کہ کسی وارث کے واسطے وصیت نہین ہے
کیونکہ ایک وارث کے حق مین وصیت کرنے سے دوسرے وارث کو اذیت ہو گی تو اوسکو
جائز رکھنے مین قطع رحم لازم آتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ وصیت کا مقصود جیسا کہ اوپر بیان ہوا میت
کی تقصیرات کی تلافی کرنی منظور ہوتی ہے۔ اور یہ بات وارث کے حق مین وصیت کرنے
سے حاصل نہین ہو سکتی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ میت اونپر صدقہ نہین کریگی۔ ثالثاً یہ کہ حدیث
مین آیا ہے کہ وصیت مین حیف یعنی ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے اور وصیت مین حیف کرنے کی
تفسیر فقہا رنے یہ کی ہے کہ ایک ثلث سے زیادہ وصیت کرے یا وارث کے
حق مین وصیت کرے۔

**وارث کی اجازت** وارث کے واسطے وصیت جائز نہین الا اوس صورت مین جب دیگر ورثا ر
اجازت دین (ہدایہ) کیونکہ وصیت کا جائز نہ ہونا وارثون کے حق کی وجہ سے تہا اِس لیے
اونکی اجازت سے جائز ہو جائیگی۔ فتاوی عالمگیری۔ موصی لہٗ کے وارث یا غیر وارث ہونیکا
اعتبار موصی کی موت کے وقت ہے نہ وقت وصیت کے۔ مثلاً اگر اپنے بہائی کیواسطے
وصیت کی اور وقت وصیت کے وہ وارث تہا پہر موصی کے ایک لڑکا پیدا ہوا تو بہائی
کے واسطے جو وصیت کی ہے وہ صحیح ہو گی۔ و اگر بموجودگی ایک لڑکے کے بہائی
کے واسطے وصیت کی پہر موصی کی زندگی مین وہ لڑکا مر گیا تو بہائی کے حق مین جو وصیت
ہے وہ باطل ہو جائیگی۔ اور جب وارث کی اجازت سے وصیت جائز ہوئی تو جسکے حق مین
وصیت پائی گئی وہ موصی بہ کا مالک ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے ہو گا اور ملکیت بغیر
قبضہ کے تمام ہو جائیگی لیکن امام شافعی کے نزدیک اجازت دہندہ وارث کی طرف سے

مالک ہوگا۔ موصی بہ مین شیوع ہونا صحتِ اجازت کے مانع نہین ہے اور پھر وارث کو اختیار نہ رہیگا کہ اجازت سے رجوع کرلے۔ اگر اجازت دینے والا بالغ ہے مگر مریض ہے پس اگر اس مرض سے اوسکو صحت ہوگئی تو اجازت صحیح ہوگی یا اگر اس مرض سے مرگیا تو اس مریض کا اجازت دینا بمنزلہ ابتدائی وصیت کے ہوگا۔ چنانچہ اگر موصی لہٗ اوسکا وارث ہو تو اجازت جائز نہ ہوگی الا اوس صورت مین کہ مریض کے وارث اجازت دیدین۔ لیکن اگر موصی لہٗ وارث نہ ہو بلکہ اجنبی ہو تو جائز ہو جائیگی مگر مریض کے ثلث مال سے معتبر ہوگی۔ اگر بعض وارث نے اجازت دی اور بعض نے نہین تو اجازت دینے والے کے حصہ کی بہ قدر جائز ہوگی اور اجازت نہ دینے والے کے حصہ مین باطل ہوگی۔

اجازت اوس حالت مین صحیح ہوگی جب اجازت دینے والا بالغ و عاقل و تندرست ہوگا۔

مذہب شیعہ (سید امیر علی) شیعہ مذہب مین اگر موصی نے اپنے کل مال کا ثلث کسی وارث کو وصیت کی تو بغیر اجازت دوسرے ورثا کے بھی وہ وصیت صحیح ہے[1]۔ لیکن جب وصیت ایک ثلث سے زاید کی بابت ہو تو بدون اجازت دیگر ورثا کے صحیح نہ ہوگی۔ وارث کو اختیار ہے کہ موصی کی موت کے قبل یا بعد اجازت دے۔ بخلاف سنّی مذہب کے جسمین اجازت ہمیشہ موصی کی موت کے بعد ہونی چاہیے۔ شرایع مین لکھا ہے کہ اگر موصی نے اپنی اولاد مین سے ایک کو میراث سے بالکل محروم کردیا تو اوسکا یہ فعل ناجائز ہے اور جملہ وارثون کو اونکا حصہ شرعی میراث مین ملیگا۔ لیکن اگر باپ تقسیم یا وصیت کے ذریعہ سے کسی خاص وارث کو دوسرے وارث سے زیادہ حصہ دے اور دوسرے ورثا اجازت دیدین تو بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن اگر اجازت نہ دین تو کیا نتیجہ ہوگا۔ مثلاً نمبر ۱ اگر ایک وارث کو اوسکی والدہ کے مہر کی وجہ سے حصہ شرعی سے زیادہ دیا۔ نمبر ۲

[1] کلثوم بی بی بنام آغا محمد جعفر کلکتہ جلد ۲۵ صفحہ ۹۔

اور دوسرے کو اوسکے اخراجات نکاح کے خیال سے شرعی حصہ سے زیادہ دیا۔ اور جس وارث کو کم جائداد ملی اوس نے اس تقسیم بالوصیت کی نسبت اعتراض کیا۔ مجتہد نے حسب ذیل فیصلہ کیا۔

دد مہر قرضہ ہے جو وصیت کے پہلے ادا ہونا چاہئے۔ مسکے عوض جو وصیت کی گئی ہے وہ صحیح ہے۔ مگر جس لڑکے کو حصہ شرعی سے زیادہ دیا گیا ہے وہ وصیت ہے اور موصی کی جائداد کے ایک ثلث سے معتبر ہوگی۔ اور بقیہ دو ثلث موصی کی اولاد مین بموجب شرع کے تقسیم ہوگا۔" شیعہ مذہب مین اغراض ذیل کیلئے وصیت صحیح ہے۔

**اول**۔ موصی کی فاتحہ خوانی کے لیے **دوم** لاش کو کربلا یا کسی متبرک مقام پر لیجانے کے لیے[۵۱] **سوم**۔ موصی کی طرف سے کسی شخص کو حج کرانے کے لیے **چہارم**۔ موصی کی قبر پر یا اماموں کے مقبرہ پر روشنی کرنے کے لیے یا پھول چڑھانے کے لیے **پنجم**۔ کربلا و نجف کے محتاجون کے لیے **ششم**۔ کسی خاص تہوار مین محتاجون کے کھلانے کے لیے **ہفتم**۔ امام باڑہ مین مرثیہ خوانی کے لیے **ہشتم**۔ محرم مین شربت و پانی کی سبیل کے لیے۔ **نہم**۔ موصی اپنی طرف سے عبادت کرنے کے لیے کسی دوسرے کو وصیت کرسکتا ہے مثلاً زید مرض الموت مین عمر سے یہ کہے کہ میری طرف سے تم اون نمازون کو جو مجھسے قضا ہوئی ہین پڑہو اور عمر اس وصیت کو منظور کرے تو یہ وصیت صحیح ہے۔ اور اوسکو چاہیے کہ زید کی قضا سے عمری نمازین پڑہے۔

---

[۵۱] حنفی مذہب مین اس قسم کی وصیت کہ مجھے مرنے کے بعد فلان مقام پر لیجا کر دفن کرنا باطل ہے۔ اگر وصی اوسے اوٹھا کر لیگیا تو جو کچھ صرف پڑے گا اوسکا وہ ضامن ہوگا اگر وارثون کی اجازت سے ایسا کیا تو ضامن نہ ہوگا۔ اسیطرح اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ اپنے مکان مین دفن کیا جاے یا کسی شخص کو اوسکے مال سے قرآن پڑہنے کے لیے اس قدر دیا جاے یا اوسکی قبر پر عمارت بنوائی جاے تو یہ سب باطل ہے۔ فتاوی عالمگیری۔

# فصل سوم۔ موصی

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وصیت فقط ایسے شخص کی طرف سے صحیح ہوتی ہے جسکی طرف سے تبرع واحسان ہوتا ہے۔ پس مجنون یا مکاتب[۵۱] یا ماذون[۵۲] کی وصیت صحیح نہین ہے۔ اسلئے اگر مجنون نے وصیت کی مگر بعد افاقہ جنون کے وہ مرگیا تو صحیح نہین ہے کیونکہ وصیت کرنے کے وقت اوسے اہلیت نہ تھی۔

ایک شخص وصیت کرنے کے بعد مجنون ہوگیا پس اگر جنون مطبق ہے تو قاضی کی راے پر ہے اگر اوس نے اجازت دی تو جائز ہے ورنہ باطل ہے۔

سید امیر علی — کسی شخص کا حالت جنون مین پایا جانا اوسکے دایمی مجنون ہونیکا بادی النظری ثبوت ہے۔ لیکن اسوجہ سے یہ امر ثابت کرنا ممنوع نہ ہوگا کہ جب اوس نے وصیت کی تھی اوسے جنون نہ تھا یعنی جنون سے افاقہ تھا۔ جیساکہ انگریزی قانون مین ہے۔ یعنی یہ کہ افاقہ جنون کی حالت مین جو معاہدہ کیا جاسے وہ صحیح ہے۔

اگر مریض ضعف کی وجہ سے بول نہین سکتا اور سر کے اشارہ سے وصیت کی اور اوسکی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا اشارہ سمجھا جائیگا تو وصیت جائز ہے ورنہ نہین۔

مرض الموت — مرض الموت[۵۳] کی وصیت موصی کی صرف تہائی مال سے جائز ہے۔ اگر ایک شخص قید خانہ مین قصاص یا رجم کے واسطے قید ہے تو اوسکا حکم مثل مریض کے نہین ہے۔ لیکن

---

۵۱ مکاتب ایسے غلام کو کہتے ہین جس نے بعوض ایک معین قیمت کے اپنی آزادی حاصل کرنے کا عہد اپنے آقا سے کیا ہو ۵۲ ماذون اوس غلام کو کہتے ہین جس نے بطور خود کام کرنے کی اجازت اپنے آقا سے حاصل کرلی ہو ۵۳ مرض الموت کی تعریف ہبہ کے بیان مین دیکھو صفحہ ۱۷۔

جب قتل کے واسطے قید خانہ سے باہر نکالا گیا تو اوسکا حکم مثل مریض کے ہے۔ اگر کشتی
مین ہو تو اوسکا حکم مثل صحیح کے ہے اور اگر موجین شورش کرین تو مریض کا حکم ہوگا۔ اگر صف
قتال مین ہو تو مثل صحیح کے ہے اور جب لڑائی کے واسطے نکلے تو مثل مریض کے ہے
اگر دوبارہ قید خانہ مین لوٹا لیا گیا یا لڑائی کے میدان سے واپس آگیا یا موجین ٹھہر گئین تو اوسکا
حکم ایسے مریض کی مانند ہے جو مرض سے اچھا ہوگیا ہو اور اوسکے تمام تصرفات اوسکے
پورے مال سے نافذ ہونگے۔

اگر عورت کے دردزہ شروع ہوا تو جو فعل اوس حالت مین کرے ا... کے تہائی مال سے
معتبر ہوگا واگر اوس سے بچگئی تو اوسکے پور... ے مال سے جائز ہوگا۔

مذہب شیعہ (سید امیر علی) امامیہ مذہب کے مسائل اس امر مین حنفی مذہب کے مشابہ ہین
صرف چند باتون مین اختلاف ہے۔ جواہر الکلام مین ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی جائداد
مرض الموت مین کسیکو دی تو اوسکی دو قسم ہین اول وہ جسکا نفاذ موصی کی موت سے بعد
موقوف رکھا گیا ہے۔ دویم وہ جو فوراً نفاذ پذیر ہو۔ اسپر اجماع ہے کہ اول الذکر صورت ایک
صحیح تندرست آدمی کی وصیت تصور کیجائیگی۔ دوسری قسم کے افعال مثل محاباۃ[1] کے متصور
ہونگے۔ اور انکا نفاذ بعض کے نزدیک کل ترکہ سے ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک صرف
ایک ثلث سے۔ لیکن اگر موصی کو اوس مرض سے صحت ہوگئی تو اوسکے افعال اوسکے
اور اوسکو ورثا کے مقابلہ مین بالاتفاق جائز ہونگے۔ اور اختلاف صرف اوس صورت مین ہے
... سے مر گیا ہو۔
مرض ... مرض کو کہتے ہین جسمین موت کا سخت اندیشہ ہو۔
... ایک شخص نے اپنے مرض الموت مین اپنا غلام آزاد کیا یا کچھ مال بطور

[1] یعنی قیمت سے کم پر فروخت کیا یا آنکہ اصلی قیمت سے بہت زیادہ پر فروخت کیا۔

محاباۃ فروخت کیا یا کسیکو کچھ ہبہ کیا تو یہ سب بمنزلہ وصیت کے ہے یعنی ان تمام صورتون مین وصیت کے احکام متعلق ہونگے۔ لیکن حقیقی وصیت نہین ہے کیونکہ وصیت تو بعد موت کے ایجاب ہوتی ہے۔ اور صورتہاے مذکورہ بالامین بالفعل تصرفات ہین اور موت کے بعد کے جانب مضاف نہین ہین۔ مرض الموت کی حالت کے تصرفات صرف تہائی مال سے جائز ہین کیونکہ مریض کے مال سے وارثون کا [illegible] سطرح ہر تصرف جو [illegible] نے اپنے اوپر مثل ضمانت وکفالت [illegible] داخل ہے۔ ونیز تمام امور جنکا واقع ہونا بعد موت [illegible] ر تہائی مال سے ہوگا گو اوس شخص نے بحالت صحت ان باتون کا کرنا [illegible] کیونکہ حالت عقد معتبر نہین ہے بلکہ حالت اضافت یعنی وہ وقت کا جسمین [illegible] کا واقع ہونا موقوف رکھا گیا ہے۔ پس جن صورتون مین بالفعل تصرف کرنا مقـ[illegible] نمین حالت عقد کا لحاظ کیا جائیگا یعنی اگر وقت عقد کے وہ شخص صحیح وتندر[illegible] تصرف کل مال سے معتبر ہوگا۔ واگر وہ شخص مرض الموت مین مبتلا [illegible] تہائی مال سے اوسکے سب تصرفات نافذ کیے جائینگے۔

**مرض الموت مین قرض کا اقرار۔** (فتاوی عالمگیری) مرض الموت مین اپنے [illegible] ار کرنے وہبہ ووصیت کرنے مین بڑا فرق ہے۔ اگر کسی [illegible] نے ایک عورت کے واسطے قرضہ کا اقرار کیا۔ یا اوسکے واسطے وصیت [illegible] کچھ ہبہ کیا۔ پھر اوس سے نکاح کیا۔ پھر مرگیا۔ تو ہمارے نزدیک او[illegible] وصیت وہبہ باطل۔ اگر مریض نے اپنے کافر بیٹے کے واسطے وصـ[illegible] سکو کچھ ہبہ کیا۔ یا اوسکے واسطے قرضہ کا اقرار کیا۔ پھر اوسکی مو[illegible] سے پہلے وہ بیٹا

مسلمان ہوگیا تو یہ سب باطل ہونگے۔[۵]

[۵] ہدایہ مین بھی مسئلہ مذکور بجنسہ درج ہے۔ اوسکی وجہ مصنف ہدایہ نے حسب ذیل لکھی ہے یہ کیونکہ آدمی پر اقرار لازم ہوجاتا ہے۔ اور عورت مذکور بوقت اقرار محض اجنبیہ تھی اور اسی وجہ سے اقرار کا اعتبار تہائی مال سے نہین بلکہ کل مال سے ہوتا ہے اور اقرار مذکور بوجہ دوسرے قرضہ کے باطل نہین ہوتا خواہ قرضہ حالت صحت کا ہو یا حالتِ مرض کا۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ قرضہ صحت قرضہ مرض پر مقدم کیا جائے گا۔ بخلاف وصیت کے کہ وہ بروقت موت کے ایجاب ہے بروقت صدور کے نہین۔ اور موت کے وقت یہ عورت مریض کی وارثہ زوجہ ہے حالانکہ بحکم حدیث کسی وارث کو وصیت نہین۔ رہا ہبہ تو وہ اگرچہ ظاہر افی الحال تمام معلوم ہوتا ہے لیکن از راہِ حکم بعد موت کے جانب مضاف ہے۔ کیونکہ ہبہ پورا ہونے کا حکم اوسوقت حاصل ہوگا جب مریض مذکور مرجائے۔ کیا تم نہین دیکھتے کہ اگر مریض مذکور پر قرضہ مستغرق ہو جو اوسکے تمام مال کو محیط ہو تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔ اور اگر قرضہ نہ ہو تو اس ہبہ کا اعتبار صرف تہائی مال سے ہوگا۔ دوسری صورت مین یعنی کافر پسر کے حق مین ہبہ و وصیت بدلیل مذکورہ بالا باطل ہے۔ رہا اقرار قرضہ تو وہ اگرچہ اقرار کرنے والے پر لازم ہوتا ہے لیکن فرزندی جو وارث ہونیکا سبب ہے وہ وقت اقرار کے بھی موجود ہے (گو بوجہ کفر وہ فرزند میراث کی اہلیت نہین رکھتا) تو بھی سبب اس تہمت کے واسطے معتبر ہوگا کہ اوس نے بعض فرزند کو دوسرون پر ترجیح دی۔ خلاف مسئلہ سابق کے۔ کیونکہ مسئلہ سابق مین عورت کے وارث ہونیکا سبب اوسکو زوجیت مین لانا تھا جو بعد مین پیدا ہوا۔ لیکن اگر اقرار کے وقت وہ عورت زوجہ ہوتی اور بوجہ اختلاف مذہب کے (مثلاً اگر وہ نصرانیہ ہوتی) وارث نہ ہوتی پھر صورت مذکور موصی کی موت سے پہلے مسلمان ہوجاتی تو اقرار بھی صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ صدور اقرار کے وقت سبب موجود تھا۔

موصی کا مقروض ہونا | ہدایہ - اگر کسی نے کچھہ وصیت کی حالانکہ اوسپر اسقدر قرضہ ہے جو اوسکے تمام مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہ ہوگی کیونکہ قرضہ وصیت پر مقدم ہے شیعہ مذہب مین بہی قرض کو وصیت پر مقدم رکہا ہے۔

طفل کی وصیت شیعہ مذہب | سید امیر علی لکہتے ہین کہ طفل یعنی نابالغ کی وصیت مین مختلف مذہبون مین بہت اختلاف ہے - شیعہ مذہب مین موصی کا عاقل و آزاد ہونا ضرور ہے - اور مجنون اور دس برس سے کم عمر کے لڑکے کی وصیت صحیح نہین ہو لیکن جب دس برس کا ہو جاے اور نیک کامون کے لیے اپنے اقربا و دوسرے اشخاص کے حق مین وصیت کرے تو مختار یہ ہے کہ وہ سب وصیت صحیح ہین - بشرطیکہ وہ اپنے نفع وضرر کو بخوبی سمجہہ سکتا تہا۔

شافعی و مالکی | شافعی و مالکی عام طور پر اس مسئلہ مین شیعون سے اتفاق کرتے ہین - امام شافعی کے نزدیک اگر طفل اپنے فعل کے نتیجہ کو اچہی طرح سے سمجہہ سکتا ہے تو اوسکی وصیت صحیح ہے - امام موصوف نے ایسی سمجہہ کے لیے کوئی خاص عمر کی قید نہین لگائی ہے - امام مالک کے نزدیک بہی نابالغی فی نفسہ وصیت کرنے کی مانع نہین ہے - بخلاف اسکے حنفی مذہب مین کوئی شخص قبل بلوغ وصیت کرنے کا مجاز نہین ہے۔[۵۱]

حنفی

---

[۵۱] ہدایہ ۷۵ اور طفل کی وصیت صحیح نہین ہے - امام شافعی نے کہا صحیح ہے بشرطیکہ نیک راہ مین ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے ایفاع یا یافع کی وصیت کی اجازت دی - ایفاع وہ بچہ ہے جو قریب بلوغ پہونچا ہو - اور اس دلیل سے کہ جواز وصیت مین طفل مذکور کے لیے بہتری ہے کہ اوس نے مال کو اپنے لیے رضاے الہی کے حاصل کرنے مین صرف کیا حالانکہ اگر وصیت نافذ نہ ہو تو یہ مال دوسرون کے واسطے باقی رہیگا - ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت محض تبرع ہے - اور طفل کو تبرعات کی لیاقت نہین ہے - اور اس دلیل سے کہ بچہ کی بات

دیکھو صفحہ ۳۱۹

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر نابالغ یا مکاتب نے وصیت کی پہر وہ بالغ ہوا یا آزاد کیا گیا
پہر اوس نے اجازت دی تو از سر نو وصیت ہو کر صحیح ہو جائیگی۔ ابن السبیل یعنی مسافر کی
وصیت جو اپنے مال سے دور ہے جائز ہے۔

**اقرار قرضہ** چونکہ وصیت صرف تہائی مال سے صحیح ہوتی ہے اسلئے اس قید سے
بچنے کے لیے اکثر موصی یا میت قرضہ کا اقرار کرتا ہے۔ لیکن جب اقرار مرض الموت مین
کیا جائے تو وہ بہی مثل وصیت کے متصور ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص نے موت کے وقت وارثون سے کہا کہ فلان شخص کا مجپر قرضہ ہے اور وارثون
نے اُسکے قول کی تصدیق کی پہر وہ مرگیا تو تہائی مال تک اوسکے قول کی تصدیق کیجائیگی
یعنی اگر قرضخواہ نے تہائی سے زیادہ کا دعوی کیا اور وارثون نے تکذیب کی تو تہائی
مال تک قرضخواہ پا سکتا ہے اور یہ استحسان ہے[۵۱]۔

اگر اوس نے وصیتین بہی کین ہون تو صاحبان وصیت کے لیے تہائی مال نکال دیا جائیگا

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۸ - اس قابل نہین ہوتی کہ کوئی چیز لازم کرے۔ اور اوسکی وصیت کو
نافذ کرنا بمنزلہ لازم کرنے اوسکے قول کے ہے۔ اور جو اثر (یعنی حدیث) روایت کی ہے وہ
اس امر پر محمول ہے کہ طفل مذکور عنقریب بلوغ کے تہا۔"

۵۱ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۴۶۷ یعنی ثلث مال تک استحساناً وارثون کی تصدیق سے قرضہ دیا جائیگا۔ لیکن
قیاس مقتضی ہے کہ تصدیق نہ کیجائے اسواسطے کہ مجہول چیز کا اقرار اگرچہ خود صحیح ہوتا ہے
لیکن ایسے اقرار کے ساتھ حکم نہین ہو سکتا تا وقتیکہ تعداد قرضہ بہی بیان نہ ہو اور بیان ہونے کی
امید منقطع ہے کیونکہ وہ مرگیا تو وارثون کا اقرار بہی ساقط ہوگیا۔ اور استحسان کی توجیہہ
یہ ہے کہ متوفی کا مقصود وارثون پر فلان شخص کو مقدم کرتا ہے اور اسکا پورا کرنا بطریق وصیت
کے ممکن ہے۔

اور دو تہائی وارثون کو ملیگا۔ پھر صاحبان وصیت سے کہا جائیگا کہ تم لوگ جس قدر چاہو میت کی تصدیق کرو اور وارثون سے بھی ایسا ہی کہا جائیگا۔ پس اگر دو نون فریق نے کسی قدر مال کی تصدیق کی تو قرضہ تمام ترکہ کے دو حصہ مین شایع ہوگا یعنی صاحبان وصیت کے تہائی مین سے اونکے اقرار کا ایک ثلث سے لیا جائیگا اور وارثون سے اونکے اقرار کے تعداد کی دو تہائی لیجائیگی۔

اگر اجنبی و وارث دونون کے واسطے وصیت کی۔ تو اصل وصیت اجنبی کو ملیگی اور وارث کی وصیت باطل ہوگی۔ لیکن جب کسی مال عین یا قرض کا اجنبی و وارث دونون کے واسطے اقرار کیا یعنی وصیت نہ کی تو اس صورت مین اجنبی کے واسطے بھی اقرار صحیح نہ ہوگا۔

بیٹے کا اپنے مرض مین اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دینا اور اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کرنا۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بیٹا اور تین ہزار درم چھوڑکر مرا اور زید کے لیے دو ہزار درم کی وصیت کی۔ پھر بیٹے نے اپنے مرض مین اس وصیت کی اجازت دی اور مر گیا اور اوسکا اسکے سواے کچھ مال نہین ہے۔ تو موصی لہ کو ایک ہزار درم بلا اجازت ملینگے اور دو ہزار درم کی تہائی بھی جو بیٹے کا مال ہے بلا اجازت ملیگی۔ و اگر بیٹے نے یہ بھی اقرار کیا کہ میرے باپ نے عمر کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو دو ہزار درم کی ایک تہائی امام اعظم کے نزدیک زید و عمر دونون مین نصفا نصف تقسیم ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک پانچ حصہ ہو کر اس طرح تقسیم ہوگی کہ زید کو ۳/۵ اور عمر کو ۲/۵ ملین گے۔ اگر اپنے اوپر یا اپنے باپ کے ذمہ قرضہ تسلیم کیا تو قرضہ مقدم ہوگا۔ اسواسطے کہ وارث کا اجازت دینا بمنزلہ وصیت کے ہے اور قرضہ کو وصیت پر ترجیح ہے۔ اگر وارث نے اپنی صحت مین اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دی تو وہ اقرار قرضہ پر مقدم ہوگا۔ اسیطرح اگر اوس نے باپ کی وصیت کی اجازت اور باپ کے قرضہ کا اقرار دونون اپنی صحت مین کیا۔ تو پہلے

وصیت ادا کیجائیگی پہر اگر کچہہ باقی رہا تو قرضہ ادا کیا جائیگا۔ پس اگر قرضہ پورا ادا ہوگیا تو خیر۔ ورنہ جس قدر وارث نے اجازت مین ضایع کیا اوسکا وہ ضامن ہوگا۔ لیکن اگر وارث نے اپنے باپ کی وصیت کی اجازت دی اور اپنے اوپر قرض تسلیم کیا تو قرض مقدم ہوگا۔

# فصل چہارم۔ موصی لہٗ

وصیت ہر ایسے شخص یا غرض کے لیے ہوسکتی ہے جو حقیقی یا معنوی وجود رکہتی ہے اور اوسمین مالک ہونے کی اہلیت ہو[۵۱] امام شافعی کے سوا دیگر مذاہب مین ایسی وصیت صحیح ہے جو کسی مسلم نے نامسلم کے حق مین کی ہو۔ فتاوی عالمگیری مین ہے کہ "مسلم نے اگر ذمی کے واسطے وصیت کی یا اسکے برعکس تو جائز ہے"۔

قاعدہ مذکور مین چند مستثنیات ہین۔

مستثنیات **اول** حربی غیر مستامن کے حق مین وصیت صحیح نہین۔ اگر مسلمان نے کسی حربی کے واسطے جو دار الحرب مین ہے وصیت کی تو باطل ہے اگر وارث اجازت بہی دیدین۔

شیعہ مذہب شرایع مین کہے حربی کے لیے اگر وصیت کیجاے تو اسکی صحت مین کچہہ شبہ ہے لیکن صحیح روایت کے بموجب وصیت باطل ہے۔

**دوم**۔ اگر کسی مسلمان نے مرتد کے واسطے وصیت کی تو نہین جائز ہے۔

**سوم**۔ قاتل کے واسطے خواہ عمداً قتل کیا ہو یا خطاسے بشرطیکہ وہ خود مباشر قتل ہو (یعنی

[۵۱] عبدالقادر حاجی محمد بنام سی۔ ای۔ طرنر بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۵۸۔

اوسکے ہاتھ سے قتل وقوع مین آیا ہو) وصیت جائز نہین ہے۔ خواہ موصی نے مجروح
ہونے سے پہلے وصیت کی ہو یا بعد مین۔ اگر وارثون نے قاتل کے حق مین وصیت
کی اجازت دیدی تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک جائز ہو جائیگی۔ ہدایہ۔ مگر امام ابویوسف
کے نزدیک کسی صورت مین جائز نہین ہے کیونکہ قاتل کا جرم جو اوسکے حرمان کا سبب
تھا اب بھی موجود ہے۔ فتاوی عالمگیری۔ اگر قاتل لڑکا یا مجنون ہو تو اوسکے حق مین وصیت
جائز ہو جائیگی گو وارث اجازت نہ دین اور اگر قاتل کے سواے موصی کا کوئی وارث نہین
تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک اوسکے حق مین وصیت جائز ہے لیکن امام ابویوسف
کے نزدیک نہین۔ اگر کسی عورت نے ایک مرد کو زخمی کیا پھر مرد نے اوسکے حق مین وصیت
کی پھر اوس سے نکاح کر لیا تو عورت مذکور کو نہ میراث ملیگی نہ وصیت۔

**حمل** حمل کے واسطے وصیت جائز ہے بشرطیکہ بچہ چھہ مہینہ کے اندر پیدا ہو۔ اگر بچہ مردہ
پیدا ہوا تو اوسکے واسطے کچھہ نہین۔ لیکن اگر زندہ پیدا ہوا اور پھر مر گیا تو وصیت اوس بچہ
کے وارثون کو ملیگی۔

**شیعہ مذہب** شیعہ مذہب مین وصیت کے جواز کے لیے وضع حمل کے واسطے کوئی
مدت معین نہین ہے صرف یہ کافی ہے کہ شرعاً زیادہ سے زیادہ جو مدت حمل کی
ہے اوسکے اندر بچہ زندہ پیدا ہو و اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو اوس صورت مین وہی حکم ہے
جیسا کہ مذہب حنفی مین وصیت اغراض ذیل کے لیے ہو سکتی ہے۔

اول۔ بیت المقدس یا خانہ کعبہ یا مسجد کے لیے۔ دوم۔ محتاج و مساکین کے لیے۔ سوم
فی سبیل اللہ یا وجہ الخیر والبر کے لیے۔ چہارم۔ غلامون کو آزاد کرنے کے لیے۔ پنجم۔
اپنا قرض ادا کرنے کے لیے۔ ششم۔ کسی حیوان کے کہانے کے لیے۔ ہفتم۔ اپنے
کسی والدین کی اولاد و اقربا و پڑوسی و قوم کے لیے۔

فتاوی عالمگیری (۱) اگر بیت المقدس کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو جائز ہے
اور وہ بیت المقدس کی تعمیر و روشنی وغیرہ مین خرچ کیا جائیگا۔ اسیطرح وقف مسجد
سے اوسکی قندیل و چراغ مین خرچ کرنا جائز ہے۔

(۲) ومسلمان کو جائز ہے کہ نصرانی فقیرون کے واسطے وصیت کرے اسواسطے
کہ یہ گناہ نہین ہے بخلاف اونکے بیعہ یعنی معبدگاہ طیار کرانے کے لیے کہ اسمین معصیت ہے۔
یہ مسئلہ دیگر مذہب کے مساکین کے لیے بھی صحیح ہے۔ اسلیے اگر محتاج و مساکین کے
لیے بلا قید ملت کے وصیت کی گئی تو مختلف مذہب و ملت کے مساکین کو اوسمین سے
دینا جائز ہے لیکن شیعہ مذہب مین کسی قدر اختلاف ہے۔ کیونکہ شیعہ مذہب کے مطابق
اگر کسی نے فقیرون کے لیے وصیت کی تو اوسکے یعنی موصی کے ہم مذہب فقیرون کو
اوسمین سے ملیگا اسی طرح اگر کسی کافر نے وصیت کی تو اوسکے ہم عقیدہ فقیرون کو اوسمین
سے دیا جائیگا۔ شرایع۔

(۳) اگر کسی نے وصیت کی کہ تہائی مال اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے امام محمد نے فرمایا کہ
وصیت جائز ہے اور مال نیک کامون مین خرچ کیا جائیگا۔ اگر نیک کامون مین اپنا
تہائی مال صرف کرنے کی وصیت کی تو پل یا مسجد بنانے مین یا طالب علمون پر خرچ کیا جائیگا
ہدایہ۔ اگر کسی شخص نے حقوق اللہ تعالیٰ کے چند وصیتین کین توان مین سے فرایض کو
مقدم کیا جائیگا خواہ موصی نے اوسکو مقدم کیا ہو یا موخر۔ جیسے حج و زکوٰۃ۔
اسواسطے کہ فریضہ نفل سے زیادہ اہم ہے۔ اگر سب حقوق مساوی درجہ کے ہون تو
جنکو موصی نے پہلے بیان کیا ہو وہ مقدم ہوگا جبکہ تہائی مال کل وصیت کے انصرام کے
واسطے کافی نہ ہو اسواسطے کہ بظاہر موصی اہم کو مقدم کرے گا۔

نمبر (۴) و (۵) محتاج تشریح نہین۔

(۶) اگر کسی شخص نے گھوڑے کے واسطے یہ وصیت کی کہ اوسکو ماہواری دس درم نفقہ دیا جائیگا تو یہ مالک اسپ کے واسطے وصیت ہے۔ پس اگر گھوڑا مر گیا یا مالک نے اوسے فروخت کر ڈالا تو وصیت باطل ہو جائیگی۔

(۷) ہدایہ صفحہ ۷۷۹۔ اگر کسی نے پڑوسیون کے حق مین وصیت کی تو جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک پڑوسی وہ لوگ ہین جنکے مکانات اوسکے مکان سے ملصق ہون۔ صاحبین کے نزدیک جو لوگ موصی کے محلہ مین رہتے ہین (فتاوی عالمگیری) اور محلہ کی مسجد اونکا محل اجتماع ہو خواہ وہ مالک ہو یا کرایہ پر رہتا ہو۔ مذکر ہو یا مونث مسلمان ہو یا ذمی۔ صغیر ہو یا کبیر۔ خواہ اوسکے مکانات موصی کے مکان سے ملصق ہون یا نہ ہون۔ امام شافعی کے نزدیک چالیس گھر کے رہنے والے پڑوسی ہین یعنی دس دس گھر چارون طرف شیعہ مذہب مین پڑوسی سے مراد بعض کے نزدیک وہ مکانات ہین جو موصی کے مکان کے چارون طرف چالیس درعہ کے اندر اندر ہین۔ اور بعض کے نزدیک موصی کے مکان کے ہر چہار طرف چالیس مکان (ہدایہ) اگر کسی نے اپنے اقارب کے واسطے وصیت کی تو وصیت مذکور ہر اقرب کے واسطے جو اوسکے ذی رحم محرم سے ہون ثابت ہوگی۔ اور اسمین ماں باپ و اولاد داخل ہوگی۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک موصی کے مسلمان جد اعلی کی تمام اولاد اقربا مین داخل ہے۔ شیعہ مذہب کے بعض متقدمان کا بھی یہی قول ہے و امام شافعی کے نزدیک سب سے قریب پدر کی یعنی خود موصی کے پدر کی اولاد اقارب مین داخل ہے۔ مسئلہ مذکورہ بالا فتاوی عالمگیری مین اسطرح لکھا ہے " اقارب کی وصیت مین امام ابو حنیفہ نے چار شرطین قایم کی ہین۔ اول مستحق دو یا زیادہ ہون۔ دوم اقرب کے ہوتے ابعد محجوب ہوگا جیسے میراث مین سوم موصی کا ذی رحم محرم ہو حتی کہ چچا کا لڑکا ایسی

وصیت کا مستحق نہین - چہارم ایسا نہ ہو جو موصی کا وارث ہو سکے اور اوسمین عورتین و مرد سب شامل ہین - صاحبین کے نزدیک اوسکا ہر قرابت دار برادری جو مان باپ کی طرف سے اوسکی جانب منسوب ہے اس وصیت مین داخل ہوگا اور انتہا اوسکی اوس دادا یا نانا تک ہوگی جو اسلام مین اوسکا جد اعلی ہے - وحق وصیت مین اقرب والبعد و واحد و جماعت و کافر و مسلمان سب برابر ہونگے - اگر کسی نے اپنے اقارب کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی اور اوسکے قرابت دارون مین صرف دو چچا و دو ماموں موجود ہین تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک میراث کی طرح یہ وصیت بھی اوسکے دونون چچا کو نصفا نصف ملیگی اور ماموں محروم ہونگے - کیونکہ امام موصوف اقرب کا لحاظ کرتے ہین اور صاحبین کے نزدیک چارون کو برابر ملیگا - کیونکہ وہ اقرب کا لحاظ نہین کرتے -

اگر موصی نے ایک چچا و دو ماموں چھوڑے تو چچا کے واسطے نصف وصیت ہوگی دکل نہ ہوگی اگرچہ وہ اقرب ہے ) و بقیہ نصف اوسکے دو ماموں کے درمیان برابر برابر ہوگی اس دلیل سے کہ لفظ اقارب صیغہ جمع ہے - جمع سے میراث و وصیت مین کم سے کم دو عدد مفہوم ہوتا ہے - بخلاف اسکے اگر اپنے قرابتی کے واسطے وصیت کی مثلاً کہا کہ میرا تہائی مال میرے قرابت والے کے واسطے ہے - اسصورت مین کل وصیت چچا کو ملیگی اسواسطے کہ وہی سب سے اقرب ہے - اگر موصی نے ایک چچا اور ایک پھوپی اور ایک ماموں اور ایک خالہ کو چھوڑا اور وصیت بہ لفظ اقارب ہے تو کل وصیت اوسکے چچا و پھوپی کے درمیان مساوی یعنی نصف نصف ہوگی کیونکہ چچا و پھوپی قرابت مین برابر ہین اور ماموں و خالہ کی قرابت سے قریب تر -

اگر موصی کا کوئی محرم نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائیگی کیونکہ وصیت اس وصف کے ساتھ امام اعظم کے نزدیک مقید ہے - اگر کسی نے فلان کے اہل کے لیے وصیت کی تو امام اعظم

کے نزدیک اہل سے اوس شخص کی زوجہ مراد ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک ہر وہ شخص داخل ہے جو اوس کے عیال مین ہو اور جن کا نفقہ اوس کے ذمہ ہے۔

اگر کسی نے فلان کے فرزندون کے حق مین وصیت کی تو اولاد ذکور واناث دونون کو برابر ملے گا۔ لیکن اگر موصی نے کہا کہ فلان شخص کے وارثون کے لیے یہ وصیت ہے تو مرد کو عورت سے دوچند ملیگا۔ (کیونکہ شرع مین میراث کی تخریج اسیطرح پر ہوتی ہے)

اگر کسی نے بنی فلان کے یتیمون وراندون واندہون کے واسطے وصیت کی اور یہ لوگ بغیر حساب کتاب کے شمار مین آتے ہون تو وصیت مین اقسام مذکور کے جملہ اشخاص خواہ فقیر ہون یا توانگر۔ مرد ہون یا عورت۔ سب داخل ہین۔ کیونکہ اونکے حق مین حقیقتاً مالک کرنا ممکن ہے اور وصیت کے یہی معنی ہین کہ مالک کیا جائے واگر یہ قوم اس قدر کثیر ہے کہ شمار مین نہین آسکتی[۱] (گو حساب کتاب یعنی تحریر سے شمار مین آجائے) تو وصیت مذکورہ اِن مین سے فقرا کے واسطے ہوگی کیونکہ وصیت سے تقرب الٰہی مقصود ہے اور تقرب کسی محتاج کی پریشانی یا بھوک کے دور کرنے مین ہے اور یہ نام یعنی اندہے ویتیم وغیرہ صاحب احتیاج کی طرف اشارہ کرتے ہین۔ اسلئے فقرا پر محمول کرنا جائز ہے۔

| شیعہ مذہب | (سید امیر علی) شیعہ مذہب مین اپنے اقربا کے لیے وصیت کرنا بہت |
|---|---|

[۱] فتاوی عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۶۹۰ شمار کی تعریف امام ابو یوسف سے اسطرح مروی ہے کہ اگر وہ لوگ بدون حساب تحریر شمار نہ کیے جاوین تو بے شمار ہین امام محمد نے فرمایا کہ اگر وہ سو سے زیادہ ہین تو بے شمار ہین۔ بعض نے کہا کہ یہ قاضی کی راے پر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ گو امام محمد کا قول آسان ہے۔ فتوی قاضی خان

مناسب ہے۔ خواہ وے وارث ہون۔ یا نہ ہون۔ اگر کوئی شخص اپنے اقربا کے حق مین وصیت کرے تو اقرب کے ہوتے ابعد محجوب ہوگا۔ جیسے میراث مین اقربا مین وہ جملہ اشخاص شامل ہین جو موصی کے نسب سے ہون اور بعض نے کہا کہ اوسکا ہر قرابت دار جو مان باپ کی طرف سے اوسکی جانب منسوب ہے اس وصیت مین داخل ہوگا اور انتہا اوسکی اوس دادا یا نانا تک ہوگی جو اسلام مین اوسکا جد اعلی ہے اگر وصیت کسی قوم کے لیے ہے تو اوسمین وہ کل اشخاص شامل ہونگے جو ایک ہی زبان بولتے ہین۔ و اگر اپنی اہلبیت پر وصیت کی تو اسمین اوسکی اولاد و باپ و دادا داخل ہونگے۔

شرایع مین لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک ثلث کی وصیت ایک شخص کے حق مین کی چہارم حصہ کی دوسرے کے لیے و ششم حصہ کی تیسرے کے لیے۔ اور ورثا وصیت کی اجازت نہین دیتے تو صرف ایک ثلث پہلے موصی لہ کو دیا جائیگا اور باقی دو وصیتین باطل ہین۔ لیکن اگر کسی نے ایک ثلث کی وصیت ایک شخص کے لیے کی اور پہر ایک ثلث کی یعنی اوسی حصہ کی جسکی وصیت کر چکا تہا دوسرے کے لیے وصیت کی تو یہ پہلی وصیت کو منسوخ کرتا ہے۔ اور اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ موصی نے درحقیقت کس کے حق مین وصیت کرنی چاہی تہی تو اسکا تصفیہ قرعہ اندازی سے کیا جائے گا۔ اگر کسی شے کی وصیت دو شخصون کے لیے کی گئی اور اوس شے کی مالیت ثلث ترکہ سے زیادہ ہے اور ورثا اجازت نہین دیتے تو صرف ایک ثلث کی مالیت تک وہ شے دونون موصی لہما کی مشترکہ ملکیت ہوگی۔ اگر اوس نے دو شخصون کے حق مین الگ الگ وصیت کی تو ابتدا اوس شخص سے کیجائیگی جسکے حق مین اول وصیت کی اور کمی جو کچہہ ہوگی وہ دوسرے موصی لہ کے حصہ مین ڈالی جائیگی۔

حنفی مذہب

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر کسی نے زید کے واسطے اپنے چوتھائی مال کی اور عمرو کے واسطے نصف مال کی وصیت کی اور اوس شخص کے وارثون نے اجازت دیدی تو زید و عمر دونون کو مطابق وصیت کے ملیگا۔ اگر وارثون نے اجازت نہ دی تو تہائی مال کے سات حصہ کرکے دونون کو اسطرح ملین گے کہ عمر کو چار حصہ اور زید کو تین حصہ دے جائینگے۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔ صاحبین کے نزدیک تین حصہ ہوکر تقسیم کیا جائیگا جسمین سے دو حصہ عمرو کو اور ایک حصہ زید کو دیا جائیگا (صاحبین نے عمر کی وصیت کی مقدار پر خیال کرکے جو زید کے وصیت سے دوچند تھی عمر کو دو حصہ دلایا اور زید کو ایک حصہ) امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ جس شخص کے واسطے تہائی سے زیادہ وصیت کی گئی وہ تہائی سے زیادہ کا شریک نہ کیا جائیگا کیونکہ تہائی سے زیادہ وصیت ہو نہین سکتی اس قاعدہ کی روسے عمر جسکے واسطے نصف کی وصیت ہے وہ فقط تہائی کے حساب سے حصہ دار کیا جائیگا اور زید پوری چوتھائی کا[۱۵] اگر کسی نے کہا کہ میرا تہائی مال فلان و فلان کے واسطے ہے یعنی ایک

[۱۵] امام اعظم کے قاعدہ مین تین مستثنیات ہین یعنی وصیت العتق و محاباۃ۔ و دراہم مرسلہ۔ وصیت العتق یعنی غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تفسیر کرنیکی ضرورت نہین ہے کیونکہ غلامی کا قاعدہ اب نہین رہا۔ محاباۃ کی مثال یہ ہے کہ موصی کے پاس دو شے ہین اون مین سے ایک کی قیمت ایکہزار ایکسو درم ہین اور دوسرے کی قیمت چھہ سو درم ہین۔ اور موصی نے وصیت کی کہ ایک شے زید کے ہاتھ سو درم کو و دوسری عمر کے ہاتھ سو درم کو فروخت کیجائے۔ تو اسصورت مین ایک مشتری کے واسطے ایکہزار درم کے محاباۃ و دوسرے کے لیے پانسو درم کی محاباۃ حاصل ہوئی۔ اور یہ دونون محاباۃ وصیت کی گئی ہین۔ پس بحالت نہ اجازت دینے وارثون کے دونون کی محاباۃ بقدر تہائی کے جائز ہوگی۔ اور یہ تہائی دونون مین بقدر ہر ایک کے محاباۃ کے تقسیم ہوگی۔ یعنی ایک مشتری کو دو دوسرے کو ایک ثلث تہائی محاباۃ سے ملے گا دراہم مرسلہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو ہزار درم کی و دوسرے کو دو ہزار درم کی وصیت کی مگر موصی کا تہائی مال صرف ہزار درم ہے۔ تو ایک ہزار درم دونوں مین تہائی ہوکر دو ثلث ایک کو اور ایک ثلث دوسرے کو دیا جائیگا۔

کے واسطے سو درم ہین اور دوسرے کے واسطے پچاس درم ہین - لیکن موصی کا تہائی
مال تین سو درم نکلا تو ہر ایک کے واسطے اوس قدر ہوگا جو بیان کر دیا ہے - اور باقی
ڈیڑھ سو درم دونون کو نصفا نصف ملیگا - اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ اوسکا پورا مال
زید کو دیا جاے اور عمر کو تہائی مال دیا جائے - پس اگر اوسکے وارث نہ ہون یا وارثون
نے اجازت دیدی تو امام اعظم کے نزدیک اوسکا مال دونون مین بطریق منازعت
کے تقسیم ہوگا - پس تہائی سے جس قدر زیادہ ہے یعنی دو تہائی زید کو بلا منازعت
دیا جائیگا - باقی ایک تہائی مین دونون کی منازعت برابر ہے - پس ایک تہائی
مین دونون نصفا نصف پائینگے - لیکن صاحبین کے نزدیک بطور عول دونون مین
تقسیم ہوگا یعنی ہر ایک اپنی وصیت کے مقدار پر اوسمین شریک کیا جائیگا - پس عمر
اپنے تہائی کے مقدار پر جبکا ایک حصہ قرار دیا جائیگا - اور زید اپنی پوری مقدار مال
پر جسکے تین حصے قرار دیے جاینگے - یعنی پورا مال دونون مین چار حصہ ہوکر تقسیم ہوگا -
اگر صورت مذکورہ بالا مین وارثون نے اجازت نہ دی تو تہائی مال سے وصیت جائز
ہوگی - اور وہ مال دونون مین امام اعظم کے نزدیک نصفا نصف تقسیم ہوگا - بدین وجہ
کہ جس شخص کے واسطے تہائی سے زاید کی وصیت ہے وہ صرف بقدر تہائی کے
شریک کیا جائیگا و صاحبین کے نزدیک تہائی کے چار حصے ہوکر زید کو تین چہارم اور
عمر کو ایک چہارم ملے گا -

ہدایہ - اگر کسی نے زید و بکر کے واسطے سو سو درم کی وصیت کی - پھر خالد سے کہا
کہ مین نے تجھے اِن دونون کے ساتھ شریک کیا تو خالد کو ہر سیکڑہ کی تہائی ملے گی
اسواسطے کہ لغت مین شرکت واسطے مساوات کے ہوتی ہے - اور طریقہ مذکور سے
ان تینون مین مساوات ثابت ہے - کیونکہ ان مین سے ہر ایک کو ایکسو درم کی دو تہائی

ملکئی۔ بخلاف اسکے اگر یہ صورت واقع ہو کہ زید کو چار سو درم و بکر کو دو سو درم کی وصیت
کی پھر خالد کو شریک کیا تو ان سب مین برابری ثابت کرنی ممکن نہین کیونکہ دونون تعداد
متفاوت ہین۔ پس ہمنے شریک کرنے کے لفظ کو اس معنی پر محمول کیا کہ سب سمجھے
ان دونون مین سے ہر ایک کے ساتھ اس طرح مساوی کیا کہ ہر ایک اوسکی
مقدار وصیت مین سے نصف لے لے تاکہ جہان تک ممکن ہو لفظ شرکت پر
بقدر امکان عمل ہو۔

اگر کسی نے زید و بکر کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی درحالیکہ بکر مر چکا ہے
تو پوری تہائی زید کے واسطے ہوگی۔ اسواسطے کہ میت اس قابل نہین کہ اوسکے
واسطے کچھ وصیت ہو تو وہ زید کا مزاحم نہ ہوگا جو وصیت کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ ایسے
ہی ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے واسطے وصیت کی۔ امام ابو یوسف سے
روایت ہے کہ اگر موصی کو بکر کی موت کا علم نہ ہو تو اس صورت مین زید کے واسطے
تہائی کا نصف ہوگا۔ کیونکہ موصی کے نزدیک بکر کے واسطے وصیت صحیح نہین ہے۔
تو وہ زید کے واسطے صرف تہائی کے آدہے پر راضی ہوا ہے۔ بخلاف اول صورت
کے کہ موصی کو بھی بکر کی موت کا علم ہو کہ اسصورت مین پوری تہائی زید کے واسطے ہوگی
اسواسطے کہ میت کے لیے وصیت کرنا لغو ہے تو موصی خود اس امر پر راضی تھا کہ پوری
تہائی زید کے واسطے ہو۔ اگر موصی نے یون کہا کہ میرا تہائی مال زید اور بکر کے درمیان
ہے حالانکہ بکر مر چکا ہے تو بالاتفاق زید کے واسطے تہائی کا نصف ہوگا۔ کیونکہ الفاظ
"درمیان زید و بکر کے" مقتضی ہے کہ زید اور بکر مین سے ہر ایک کے واسطے
تہائی کا نصف ہو بخلاف پہلی صورت کے۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر موصی کے مرنے کے قبل منجملہ چند موصی لہم کے ایک مر گیا۔

تو متوفی موصی لہٗ کا حصہ موصی کی طرف واپس ہو جائیگا۔ مگر شیعہ مذہب مین اسکے خلاف ہے۔ یعنی موصی لہٗ کے مرنے کے بعد وصیت اوسکے وارثون کو ملیگی و اگر اوس نے کوئی وارث نہ چھوڑا تو موصی کے ورثا کو ملیگی۔ امیر علی صفحہ ۱۵۵۔ ایک عورت اپنا شوہر چھوڑ کر مری اور نصف مال کی وصیت ایک اجنبی کو کی تو جائز ہے شوہر کو ایک تہائی مال ملیگا اور موصی لہٗ کو نصف اور بقیہ چھٹا حصہ بیت المال کا حق ہوگا۔ اسواسطے کہ ایک ثلث تک کی وصیت میراث سے مقدم ہوگی۔ بقیہ دو تہائی مین سے شوہر کو نصف ملیگا وہ کل مال کا تہائی ہوا۔ باقی بچا تہائی مال جسکا کوئی وارث نہین۔ پس اسمین سے بقیہ وصیت نافذ ہوگی۔ اور موصی لہٗ کو نصف پورا کر دینے کے بعد جو چھٹا حصہ باقی رہا اوسمین نہ وصیت ہے نہ کوئی میراث۔ پس یہ چھٹا حصہ بیت المال کا حق ہے۔ اسیطرح اگر مرد نے اپنی بی بی چھوڑی اور کل مال کی وصیت کسی اجنبی کے لیے کی مگر بی بی نے اجازت نہ دی تو عورت کو چھٹا حصہ ملیگا۔ بقیہ پانچ حصے اجنبی کو۔ اسواسطے کہ تہائی مال تو بلا نزاع موصی بہٖ کو ملیگا بقیہ دو تہائی مین شرکت رہی جسمین عورت کا چوتھائی حصہ ہے اور بقیہ پھر موصی لہٗ کو ملیگا اسواسطے کہ وصیت بیت المال سے مقدم ہے۔

ہر شے جو لائق تملیک ہو وصیت کیجا سکتی ہے خواہ عین ہو یا منافع۔ ہدایہ مین ہے کہ اپنے غلام کی خدمت یا اپنے گھر کی سکونت کسی شخص کے حق مین ایک معین

زمانہ کے لیے یا ہمیشہ کے لیے وصیت کرنی جائز ہے۔[۱۵]

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وصیت کی تہائی کا اعتبار اوس مال سے ہوگا جو موصی نے
وقت وفات کے چھوڑا ہے نہ کہ اوس مال سے جو وصیت کرنے کے روز اُس کے
قبضہ مین تھا۔ اگر کسی نے حاصلات باغ وسکونت دار کی وصیت کی اور یہ چیزین
اوسکے تہائی مال ہین تو موصی لۂ کے تمام زندگی کے لیے یہ چیزین اوسکی ہو گئین۔ اگر
زید کے لیے اپنے باغ کے پہلون کی وصیت کی تو اسمین دو صورتین ہین یا تو کہا
ہمیشہ کے واسطے یا ایسا نہ کہا۔ آخر الذکر صورت مین اگر موصی کی موت کے وقت
اوسمین پہل موجود ہون تو موصی لۂ کو یہ پہل اوسکے تہائی مال سے ملیگا۔ بشرطیکہ باغ
اوسکا تہائی مال ہو اور پہر آیندہ کچھ نہ ملے گا۔ و اگر موصی کی موت کے وقت پہل موجود
نہ ہون تو قیاس یہ ہے کہ وصیت باطل ہوجائے لیکن استحساناً یہ حکم ہے کہ بعد موت
موصی کے جو پہل موصی لۂ کی موت تک پیدا ہون سب موصی لۂ کو ملینگے بشرطیکہ
باغ اوسکا تہائی مال ہو۔ و اول الذکر صورت مین جو پہل باغ مین بعد موت موصی کے
موجود ہون یا جو اوسکے بعد پیدا ہون سب موصی لۂ کو ملینگے (بشرطیکہ باغ اوسکا تہائی
مال ہو) جس شخص کے لیے سکونت مکان یا خدمت غلام کی وصیت ہے اوسکو
یہ اختیار نہین ہے کہ اونکو کرایہ پر چلائے۔ اگر زید کے واسطے اپنے باغ کی حاصلات
کی وصیت کی اور عمر کے واسطے اوسکے رقبہ کی (یعنی ملکیت باغ) اور باغ اوسکا تہائی

---

[۱۵] اگر زمانہ معین مخصوص ہی ہے مثلاً سنہ ۱۸۹۰ء کے لیے سکونت وغیرہ کی گئی اور موصی سنہ مذکور سے پہلے
مرا تو وصیت باطل ہے و اگر کچھ زمانہ پہلے مرا تو بقیہ حصہ سال کی نسبت جائز ہے۔ جس غلام کی خدمت کی وصیت
کی اگر وہ تہائی مال سے زیادہ ہے اور وارث اجازت نہین دیتے تو غلام مذکور تین سال تک ایک روز
موصی لۂ کی خدمت کریگا اور دو دو روز وارثون کی۔ فتاوی عالمگیری۔

مال ہے تو باغ مذکور عمرو کا ہوگا - اور اوسکے حاصلات زید کے لیے اور اوسکی آبپاشی کا صرف وخراج و درستی وغیرہ سب زید پر ہوگا - لیکن اگر باغ سے ہنوز کچھہ منفعت نہین ہوئی تو اوسکے سینچنے وپرداخت وغیرہ کا صرف عمرو پر ہوگا پھر جب پھل آنے لگے تو زید پر - موصی بہ مین بعد موت موصی کے وقبل اسکے کہ موصی لۂ وصیت کو قبول کرے جو زیادتی پیدا ہو - جیسے بچہ یا کرایہ - تو وہ بہی موصی بہ ہوجائیگی - حتی کہ اوس کا اعتبار بہی تہائی سے ہوگا - اگر موصی لۂ کے قبول کرنے کے بعد وتقسیم سے پہلے زیادتی حادث ہوئی تو وہ مطابق قدوری کے موصی بہ نہ ہوگی - مگر ہمارے مشایخ نے فرمایا کہ وہ بہی موصی بہ ہوجائیگی - اور صرف تہائی مال تک معتبر ہوگی - اگر موصی کی موت سے پہلے زیادتی ہوئی تو وہ جزو وصیت نہ سمجہی جائیگی - اگر موصی بہ نے کچھہ مال کمایا تو حسب صراحت بالا اسکے لیے حکم ہوگا - اگر موصی کے ترکہ کے تقسیم کے بعد موصی بہ مین زیادتی پیدا ہوئی تو وہ زیادتی بالاتفاق موصی لۂ کی ہوگی - اگر مال عین ونوع معین کا ایک تہائی مثلاً بکریون کی ایک تہائی کی وصیت ہوئی - لیکن یہ بکریان موصی کے موت کے قبل تلف ہوگیئن تو وصیت باطل ہوجائیگی - حتی کہ اگر اوسکے بعد موصی نے دوسری بکریان یا مال عین پیدا کیا - تو موصی لۂ کا حق اوس سے متعلق نہ ہوگا - لیکن اگر وصیت کے وقت بکریان نہ تہین اور بعد مین موصی نے حاصل کین تو وصیت صحیح ہے - اگر کہا کہ میرے مال سے ایک بکری وصیت ہے - حالانکہ موصی کے پاس بکری نہین ہے - تو موصی لۂ کو ایک بکری کی قیمت دیجائیگی - اور اگر کہا کہ میری بکریون مین سے ایک بکری حالانکہ اوسکی بکری نہین ہین تو وصیت باطل ہوگی - اگر مقدار موصی بہ مجہول ہو مثلاً کوئی اس طرح پر وصیت کرے کہ بعض از مالِ من یا شے از مالِ من - تو مقدار کی وضاحت مین موصی کا بیان مانا جائیگا - اگر وہ زندہ ہے - اور اوسکے مرنے کے بعد اوسکے ورثا کا بیان -

اگر کسی نے اپنے پسر یا دختر کے حصہ کی وصیت کی۔ اور موصی کے بیٹا یا بیٹی موجود ہو تو وصیت صحیح نہ ہوگی۔ اگر بیٹا بیٹی نہین ہے۔ تو صحیح ہوگی۔ اگر اپنے پسر یا دختر کے حصہ کی مثل کی وصیت کی۔ اور موصی کے بیٹا و بیٹی موجود ہین تو جائز ہے۔ کیونکہ مثل کسی چیز کا اوسکا غیر ہوتا ہے۔ عین وہی چیز نہین ہوتی۔ پس ترکہ سے پہلے پسر کا حصہ دیا جائیگا۔ پھر اوسکا مثل موصی لہ کو دیا جائیگا۔ اگر وہ تہائی سے زیادہ نہین ہے بحالت زیادہ ہونے کے ورثا کی اجازت کی ضرورت ہوگی اگر کسی نے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی پھر مر گیا اور موصی کا کوئی وارث نہین ہے تو اوسکو نصف ملیگا اسواسطے کہ بیت المال بمنزلہ ابن کے ہے۔ اگر کسی کیواسطے ایک سہم کی وصیت ہے تو موصی لہ کو وارثون مین سے جسکا سب سے کم حصہ ہے اوسکی برابر دیا جائیگا۔ یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔ لیکن اگر یہ مقدار ششم حصہ سے کم ہے تو پورا چھٹا حصہ دیا جائیگا[۵۱]۔ اگر ایک مکان دو شخصون مین مشترک ہے اور ایک نے ایک مخصوص کمرہ زید کے واسطے وصیت کی تو مکان مذکور تقسیم کیا جائیگا۔ پس اگر وہ کمرہ موصی کے حصہ مین پڑا تو امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک پورا کمرہ موصی لہ کو دیا جاویگا۔ و امام محمد کے نزدیک نصف۔ اگر وہ کمرہ دوسرے شریک کے حصہ مین آیا تو اول الذکر امامون کے نزدیک اوس کمرہ کی پیمائش گزون سے کرکے اوسکی برابر موصی کے حصہ مین سے موصی لہ کو دیا جاویگا۔ اور امام محمد کے نزدیک نصف مقدار دیجاویگی۔

**تقسیم وصیت کی مثال۔** (۱) امام محمد نے فرمایا کہ کسی شخص نے نصیب دختر کی اگر ہوتی وصیت کی اور ماں اور ایک پسر چھوڑ کر فوت ہو گیا تو اوسکے مال کے سترہ سہام کیے جائینگے۔ کیونکہ اگر وصیت

[۵۱] مثلاً عصبہ کو سب سے کم ملا اور کم سے کم چھٹا حصہ اللہ مفروض ہے اسواسطے سہم کے لفظ سے چھٹا حصہ سمجھا جائیگا۔

نہ ہوتی تو مسئلہ ۶ سے ہوتا یعنی ماں کو ایک سہم و لڑکے کو پانچ مگر ایک لڑکی کے حصہ کی یعنی نصف حصہ پسر کی جو ڈہائی سہم ہے وصیت ہے پس مسئلہ مین ڈہائی بڑہایا تو ساڑہے آٹھ ہوئے اور کسر کے دور کرنے کے لیے اسے دوچند کر کے سترہ کیا پس ہر ایک کے سہام بہی دوچند ہو گیے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| حصہ ماں = | $\frac{1}{6}$ | نسب نما=۱۲ | حصہ ماں = | $\frac{2}{12}$ |
| حصہ پسر = | $\frac{5}{6}$ | | حصہ پسر = | $\frac{10}{12}$ |
| حصہ دختر = | $\frac{5}{12}$ | | حصہ دختر = | $\frac{5}{12}$ |
| | | | جسکی وصیت ہوئی | |

یہ مسئلہ عائلہ ہے۔ اسلیئے منجملہ ۱۷ اسہام کے ماں کو دو سہام ملینگے اور پسر کو دس سہام اور پانچ سہام موصی لہ کو۔

(۲) ایک شخص نے دوسرے کے لیے نصیب پسر کی اگر ہوتا وصیت کی اور ایک بہائی و بہن چہوڑا اگر دونون نے اجازت دیدی تو موصی لہ کو پورا مال ملیگا (کیونکہ بحالت ہونے پسر کے بہائی و بہن کو کچہہ نہین ہے) اگر مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کی تو موصی لہ کو نصف مال ملیگا۔ بشرطیکہ دونون اجازت دیدین۔ (کیونکہ کل مال دو لڑکون کے درمیان تقسیم ہوتا ایک تو اصلی پسر اور دوسرے موصی لہ جسکو مثل حصہ پسر کے وصیت کی گئی) اور بقیہ نصف بہائی بہن کے درمیان تین تہائی ہو کر تقسیم ہون گے اگر دونون نے اجازت نہ دی تو موصی لہ کو ایک تہائی ملیگی اور بقیہ بہائی بہن کو تین تہائی ہو کر تقسیم ہوگا۔

(۳) اگر دختر و بہن چہوڑا اور ایک شخص کے واسطے نصیب دختر کی اگر ہوتی وصیت کی تو موصی لہ کو ½ مال ملیگا خواہ دونون اجازت دین یا نہ دین و اگر مثل نصیب دختر کے اگر

ہوتی وصیت کی تو موصی لہٗ کو چوتھائی مال ملیگا خواہ وارث اجازت دین یا نہ دین۔

(۴۴) اگر ایک شخص اپنے باپ و بیٹے کو چھوڑکر مرا اور دوسرے کے واسطے مثل نصیب دختر کے اگر ہوتی[۵۱] یا مثل نصیب پسر کے اگر ہوتا وصیت کی تو بحالتِ اجازت دینے و نہ اجازت دینے ورثاء کے موصی لہٗ کو کیا ملیگا اور اوس صورت مین کیا ملیگا جب منجملہ ورثاء کے کسی ایک نے اجازت دی۔

## بحالت اجازت دینے ورثاء کے

باپ کا حصہ = $\frac{1}{6}$ ۔ و ایک لڑکا = $\frac{5}{6} \div 2 = \frac{5}{12}$ و موصی لہٗ = ایک لڑکا = $\frac{5}{12}$ ۔

## یہ مسئلہ عائلہ ہے

باپ = $\frac{1}{11}$ و لڑکا = $\frac{5}{11}$ و موصی لہٗ = $\frac{5}{11}$ ۔

## بحالت نہ اجازت دینے ورثاء کے موصی لہٗ کو $\frac{1}{3}$ تک ملیگا لہذا

موصی لہٗ = $\frac{1}{3} = \frac{3}{9}$ ۔ و باپ = $\frac{2}{3}$ کا $\frac{1}{6} = \frac{1}{9}$ ۔ لڑکا = $\frac{9}{9} - \frac{4}{9} = \frac{5}{9}$ ۔ اجازت و عدم اجازت کی حالت مین جو حصہ اشخاص مذکورہ بالا کو ملے تھے اونکا نسب نما ایکسان کیا تو ۹۹ ہوا۔

## بحالت اجازت ورثاء کے

باپ = $\frac{9}{99}$ و لڑکا = $\frac{45}{99}$ ۔ و موصی لہٗ = $\frac{45}{99}$

---

[۵۱] مثل نصیب دختر و مثل نصیب پسر مین بحالت ہونے ایک پسر کے کوئی فرق نہین کیونکہ ہر دو صورت مین پسر کے حصہ کو نصف کرنا ہوگا و اگر بجائے مثل نصیب دختر کے نصیب دختر کہتے تو حصہ پسر کی نصف کی برابر موصی لہٗ کو ملتا جیسا کہ مثال نمبر ۱ مین ہے۔ مثل نصیب کہنے سے عین نصیب پسر یا دختر مقصود نہین ہوتا پس مثل نصیب دختر کا مقصد یہ ہوا حصہ پسر کا نصف اور جب نصف اوسمین سے موصی لہٗ کا ہوا تو صرف نصف بچ رہتا ہے جو لڑکے کا حصہ $\frac{5}{11}$ ہوگا۔

## بحالت عدم اجازت ورثاء کے

باپ = $\frac{11}{99}$ ۔ ولڑکا = $\frac{55}{99}$ ۔ وموصی لہٗ = $\frac{33}{99}$

عدم اجازت ورثار کی حالت مین موصی لہٗ کو ۳۳ حصہ ہے اور ورثار کی اجازت دینے
کی صورت مین ۴۵ ۔ اور دونون مین ۱۲ کا فرق ہے جسمین سے ۲ حصہ تو باپ کے
حصہ مین زائد ہو گئے اور باقی ۱۰ لڑکے کے حصہ مین ۔ پس جیساکہ ذکر کیا گیا اگر لڑکا
اجازت دے تو دس حصہ اوسکے حصہ سے خارج کرکے موصی لہٗ کو دینگے ۔ جس سے
موصی لہٗ کا حصہ ۴۳ ہوگا ۔ اور اگر صرف باپ نے اجازت دی تو دو حصہ موصی لہٗ کو
ملیگا یعنی ۳۵ حصہ منجملہ ۹۹ کے ۔

## فصل ششم وصیت سے رجوع کرنا

موصی کا اپنی وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے ۔ خواہ صریحاً ہو یا دلالتہً ۔ صریحاً یہ کہ مثلاً موصی
کہے کہ مین نے رجوع کیا یا اسکی مثل کوئی اور لفظ کہے ۔ دلالتہً یہ کہ کوئی ایسا فعل کرے
جو رجوع کرنے پر دلالت کرتا ہو ۔ پس جو فعل ایسا ہے کہ اگر انسان دوسرے کی ملک
کے ساتھ کرے تو ملک سے مالک کا حق منقطع ہو جاوے گا ۔ اگر ایسا فعل موصی نے
کیا تو اوس سے رجوع کرنا متصور ہوگا ۔

ہدایہ مین ہے کہ موصی کے لئے جائز ہے کہ اپنی وصیت سے رجوع کرے ۔ اسواسطے
کہ وصیت ایک عقد تبرع ہے جو ابھی تمام نہین ہوا ۔ تو ہبہ کی مانند اوس سے رجوع
کرنا صحیح ہے اور اس دلیل سے بھی کہ موصی لہٗ کا قبول کرنا موصی کی موت پر موقوف ہے

یعنی موصی کی زندگی مین اوسکی طرف سے صرف ایجاب ہے - اور قبول سے پہلے ایجاب کا
باطل کرنا صحیح ہوتا ہے - جیسے معاملات بیع ہین - دیکھو قانون معاہدہ -

جو فعل موصی بہ مین زیادتی کا موجب ہو اور بدون اس زیادتی کے تسلیم کرنا ممکن نہ ہو تو یہ فعل
رجوع کرنے پر دلالت کریگا - اسیطرح جو فعل موجب زوال ملک موصی ہو تو وہ رجوع ہے
مثلاً اگر کچھ زمین کی وصیت کی مگر بعد کو بہر اوسپر عمارت بنائی - یا کوئی کپڑا وصیت کیا - مگر
پہر اوسکو قطع کرا کر سلوا لیا تو اس سے رجوع کرنا ثابت ہوگا - وصیت یا تو قول و فعل
دونون سے فسخ ہوسکتی ہے دوسرے قول سے فسخ ہوسکتی ہے مگر فعل سے نہین
تیسرے فعل سے فسخ ہوسکتی ہے مگر قول سے نہین - چوتھے - قول یا فعل کسی سے نہین
فسخ ہوسکتی -

**مثال نمبر اول** - ایک شخص کے واسطے مال عین کی وصیت کی پس قول سے
اوسکا فسخ یہ ہے کہ یہ کہے کہ مین نے وصیت فسخ کردی و فعل سے اس طرح کہ اوسکو
فروخت کردے -

**مثال نمبر دوم** - اپنے تہائی یا چوتہائی مال کی وصیت کی پس اگر اوس سے
بقول رجوع کرے تو صحیح ہے و اگر اوسکو اپنی ملک سے خارج کیا تو وصیت باطل نہ ہوگی
بلکہ دوسرے ثلث سے نافذ ہوگی -

**مثال نمبر سوم** - غلام کو مشروط آزادی کی وصیت کرنی یعنی کسی قید کے ساتھ مدبر
کرنا - پس اگر بقول رجوع کرے تو صحیح نہین ہے و اگر بفعل رجوع کرے یعنی اوسے فروخت
کردے تو صحیح ہے -

**مثال نمبر چہارم** - غلام کو مطلقاً آزاد کرنا جو قول یا فعل کسی سے فسخ نہین ہوسکتا اگر موصی
نے وصیت سے انکار کیا یعنی کہا کہ مین نے وصیت ہی نہین کی - تو امام محمد کے نزدیک

یہ وصیت سے رجوع کرنا نہ ہوگا۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ رجوع ہے[۵۱]۔

**شیعہ مذہب** سید امیر علی محقق نے رجوع کے مسئلہ کو اسطرح بیان کیا ہے۔ وصیت ایک عقد جائز ہے خواہ وہ مال کی ہو یا کسی ولی کے مقرر کرنے کی اور موصی اپنی حیات مین قول یا فعل سے اوس سے رجوع کر سکتا ہے مثلاً اگر موصی نے موصی بہ کو فروخت کر دیا یا اوسکے فروخت کئے جانیکی وصیت کی یا ہبہ کر کے موہوب لہٗ کو قابض کرا دیا تو یہ سب رجوع کرنا ہوگا اسیطرح اگر کوئی ایسا فعل کیا جس سے موصی بہ پر اوسکا پہلا نام صادق نہ ہو۔ تو یہ رجعت ہے مثلاً غلہ کی وصیت کی اور بعد مین اوسکا آٹا پسوایا اور پھر روٹی پکوائی اسی طرح اگر کچھ تیل کی وصیت کی اور پھر اوسکو اوس سے بہتر تیل مین ملا دیا جس سے وہ جدا نہین ہو سکتا تو یہ بمنزلہ رجوع کرنے کے ہے۔

اگر کوئی چیز زید کے لیے وصیت کی گئی اور پھر بکر کے لیے تو دوسری وصیت سے پہلی وصیت خواہ مخواہ منسوخ نہین ہوتی۔ اگر موصی کے بیان سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اوس نے

---

[۵۱] امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہو کہ رجوع فی الحال نفی ہے۔ یعنی گویا فی الحال اس عقد وصیت کو کالعدم کر دیا اور انکار ایسی چیز ہے جس سے فی الحال اور زمانہ ماضی دونون مین نفی ہے۔ تو یہ بدرجہ اولیٰ رجوع ہوگا امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ انکار درحقیقت زمانہ ماضی مین نفی ہے۔ یعنی انکار سے یہ مطلب ہو کہ زمانہ ماضی مین ایسا نہین ہوا تھا۔ اور فی الحال نفی ہونا ضرورتاً ہے یعنی جب ماضی مین نفی ہے تو فی الحال ضرور نفی ہوگی۔ جب ایک چیز فی الحال ثابت ہو تو انکار لغو ہوگا اسوجہ سے کہ رجوع کے معنی یہ کہ زمانہ ماضی مین وصیت تو ضرور تھی مگر فی الحال اوس سے رجوع کر کے اوسکی نفی کر دی۔ اور انکار کے یہ معنی ہین کہ ماضی اور حال دونون مین نفی ہے تو یہ درحقیقت رجوع نہین۔ اسی وجہ سے انکار نکاح سے فرقت نہین ہوتی یعنی اگر نکاح ثابت ہو تو مجرد انکار کرنے سے نکاح فسخ نہوگا۔ بلکہ طلاق دینے سے فسخ ہوگا۔

دونون کو مشترکاً دینا چاہا تو اوسکی نیت کے موافق دونون کو دیجائیگی۔ لیکن اگر موصی کا ارادہ یہ پایا جاسے کہ بکر کو دینا منظور تھا تو زید کی وصیت نسخ ہو جائیگی۔ مگر عام قاعدہ یہ ہے کہ اخیر کی وصیت نافذ ہوتی ہے۔

## فصل ہفتم - وصی اور اوسکے اختیارات

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ وصی تین طرح کے ہین۔ اول امین جو وصیت کے انصرام کرنے پر قادر ہو۔ ایسے وصی کو قاضی معزول نہین کر سکتا۔ دویم امین جو وصیت کے انصرام مین عاجز ہو۔ تو قاضی اوسکے لیئے نائب مقرر کریگا۔ سویم فاسق یا کافر یا غلام۔ ایسے وصی کو معزول کرنا اور بجاے اوسکے دوسرا مقرر کرنا قاضی پر واجب ہے۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ وصی مقرر کرنیکا مقصود یہ ہے کہ موصی کی اولاد کی تعلیم اور اوسکی وصیت کا انصرام کرے اسلئے شرع کسی صورت مین حربی کو وصی مقرر کرنے کی اجازت نہین دیتی اگر کسی نے کسی کافر حربی کو وصی مقرر کیا تو قاضی پر واجب ہے کہ اوسے معزول کر دے۔ ذمی کو وصی مقرر کرنا جائز ہے مگر قاضی اوسکو معزول کر سکتا ہے پس ظاہر ہے کہ کسی کافر حربی کا وصی ہونا ابتدا ہی سے باطل ہے۔ لیکن ذمی کا اوسوقت تک وصی ہونا جب تک قاضی اوسے معزول نہ کرے صحیح ہے[۵۱] سنہ ۱۸۲۵ء مین صدر دیوانی نے مقدمہ محمد امین الدین بنام محمد کبیر الدین[۵۲] قاضیان عدالت سے وصیت

---

[۵۱] جہان خان بنام سندسے بنگال لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۶ یا ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۵ یا خلاصہ نظائر ۳۶ / ۳۷ [۵۲] سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۷۹ لغایتہ ۵۵۔

کے متعلق چند مسائل دریافت کیے۔ مقدمہ مذکور مین ایک مسلمان عورت نے اپنا کل ترکہ ایک اجنبی کے لیے وصیت کی اور ایک ہندو شخص کو وصی مقرر کیا۔ قاضیون کا فتویٰ یہ تہا (الف) اگر موصی کا کوئی وارث نہ تھا تو کل جائداد کی وصیت کر سکتی تہی (ب) اگر اوسکے وارث تہے تو بلا اونکی اجازت کے ایک ثلث سے زیادہ وصیت ناجائز تہی (ج) گو ایک مسلم نامسلم کو اپنا وصی مقرر کرسکتا ہے لیکن اوسکو معزول کرنا قاضی پر واجب ہے۔ اسی اصول پر بمقدمہ سنہری الملک بنام مسماۃ ظہور النسا خانم عمل کیا گیا۔[۵۱] قاضی کو نامسلم وصی کی معزولی کا اختیار اسوجہ سے دیا گیا کہ شاید وہ موصی کی نابالغ بچون کی مذہبی تعلیم کی طرف کچھہ توجہ نہ کرے یا کچھہ خرابی پیدا کرے۔ اس زمانہ مین بہی اگر کوئی وصی نابالغ یتیم کے مذہب مین کچھہ خرابی پیدا کرنی چاہے تو عدالت اوسکو معزول کرے گی لیکن اگر یہ وجہ نہین ہے تو فی زماننا شاید ایک نامسلم وصی معزول نہ کیا جائیگا اور تاوقتیکہ وہ باضابطہ معزول نہ ہو اوسکی تقرری اور تصرف سب جائز ہے عالمگیری مین ہے کہ اگر موصی کی زندگی مین وصی نے سکوت کیا۔ تو موصی کے مرنے کے بعد اوسکو اختیار رہے گا کہ وصی ہونا قبول کرے خواہ رد کرے۔ اگر موصی کے مرنیکے بعد کسی شخص کو اپنے وصی مقرر کیے جانیکا حال معلوم ہوا اور اوس نے کہا کہ مین وصی ہونا نہین قبول کرتا۔ پھر کہا کہ قبول کرتا ہون تو یہ جائز ہے۔ تاوقتیکہ اوسکے قبول کرنے سے پہلے سلطان نے اوسے خارج نہ کیا ہو اگر وصی نے موصی کی زندگی مین وصی ہونا قبول کرلیا تو موصی کی موت کے بعد اوسے لازم ہو جائیگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ علحدہ ہونا چاہے تو نہین ہو سکتا۔ بشرطیکہ اِسکے خلاف موصی نے وصی کو اختیار نہ دیا ہو۔ اگر موصی کی زندگی مین اوس نے رد کیا اور اوسکا رد کرنا موصی کو معلوم ہو گیا تو صحیح ہے واگر معلوم نہ ہوا تو صحیح نہین ہے۔

---

۵۱ سیل صاحب کی رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۳۰۱۔

اگر وصی نے موصی کے سامنے انکار کر دیا اور بعد موت موصی کے وصی ہونا قبول کرتا ہے تو قبول صحیح نہین ہے۔ و اگر سامنے قبول کر کے موصی کی لاعلمی مین رد کیا تو اوسکا رد کرنا باطل ہے۔

قبول کرنا یا رد کرنا صراحتًا یا دلالتہً ہوسکتا ہے۔ دلالتہً اسطرحپر کہ مثلاً وصی کی موت کے بعد وصی موصی کے لئے کفن خریدلایا یا اور کوئی دوسرا فعل اسی قسم کا کیا امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی طفل وصی نہین ہوسکتا۔ مگر صاحبین کے نزدیک ہو سکتا ہے مگر قاضی کو چاہیے کہ بجائے اسکے دوسرا وصی مقرر کرے اور جب طفل بالغ ہوجائے تو قاضی اپنے مقرر کردہ وصی کو خارج کردے

منجملہ دو وصی کے تنہا ایک وصی کا تصرف

ایک شخص نے دو آدمیون کو وصی مقرر کیا تو امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک دونون مین سے ایک وصی تنہا تصرف نہین کرسکتا و اگر تصرف کیا تو بدون اجازت دوسرے کے نافذ نہوگا[۵۱]۔ مگر امام ابویوسف اسکے خلاف فرماتے ہین۔

اگر موصی نے دو وصی مقرر کیے اور کہا کہ ان مین سے ہر ایک پورا وصی ہے تو ہر ایک کو تنہا تصرف کا اختیار ہے۔ اگر کئی وصیون کو مختلف کامون کا الگ الگ وصی مقرر کیا تو امام اعظم و امام ابویوسف کے نزدیک ہر ایک وصی تمام قسم کے کامون کا وصی ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک ہر وصی اوسی خاص کام کا وصی ہوگا جس کام کے واسطے مقرر کیا گیا ہے

۵۱ مگر چند صورتون مین ایک وصی کا تصرف بھی جائز ہے۔ مثلاً تجہیز و تکفین و ادائے قرضہ میت بشرطیکہ ترکہ از جنس قرضہ ہو۔ مال عین کی وصیت نافذ کرنی۔ مال مغصوبہ و امانت کا واپس دینا میت کے حقوق کی نالش کرنی۔ صغیر کی طرف سے اوسکا ہبہ قبول کرنا۔ صغیر کو کسی کام کی اجازت دینی۔ جس مال کے تلف ہونیکا اندیشہ ہو اوسکو فروخت کرنا وغیرہ۔۔۔

اگر زید کو اپنے ایک پسر کا وصی مقرر کیا اور عمر کو دوسرے پسر کا۔ پس اگر یہ شرط لگادی ہے
کہ ایک وصی کو دوسرے وصی کے کام مین کچھہ اختیار نہین ہے تو بالاتفاق موافق
شرط موصی کے حکم ہوگا۔ اگر ایسی شرط نہ لگائی تو مسئلہ مین اختلاف مذکور جاری
ہوگا۔ فتوی امام اعظم کے قول پر ہے۔
اگر منجملہ دو وصی کے ایک مرگیا تو امام اعظم و امام محمد کے قول کے مطابق زندہ کو تنہا اوسکے
مال مین تصرف کا اختیار نہ ہوگا۔ بلکہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوگا۔ وہ چاہے
زندہ کو تنہا وصی کر کے تمام اختیار دیدے۔ خواہ دوسرا وصی اوسکی مدد کے لیے مقرر
کردے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جسطرح متوفی وصی کی زندگی مین ایک
وصی کو تنہا تصرف کا اختیار تھا اسیطرح اوسکے مرنے کے بعد بھی اختیار ہے۔
ہدایہ مین ہے کہ جب منجملہ دو وصی کے ایک مرگیا تو قاضی کو بالاتفاق دوسرا وصی
مقرر کرنا چاہیے۔

وصی کا وصی مقرر کرنا۔ | ایک شخص نے زید و عمر کو وصی مقرر کیا۔ پھر زید مرگیا اور اوس نے
عمر کو اپنی طرف سے وصی کردیا تو یہ جائز ہے[۱]۔ اسواسطے کہ اگر تنہا ایک وصی باجازت
دوسرے کے اوسکی زندگی مین تصرف کرتا تو جائز تھا۔ اسیطرح بعد موت کے بھی اوسکی
اجازت سے تنہا تصرف جائز ہے۔ وصی کو اپنی موت کے وقت اختیار ہے کہ دوسرے
کو بجائے اپنے وصی مقرر کرے۔ گو موصی نے اوسے ایسا اختیار نہ دیا ہو۔
اگر کسی شخص نے وصی سے کہا کہ فلان شخص کی آگاہی سے کام کرنا۔ تو وصی کو اختیار
ہوگا کہ بدون اوسکی آگاہی کے کام کرے۔ و اگر یہ کہا کہ بدون آگاہی فلان کے کام نکرنا
تو وصی کو بدون آگاہی اوسکے کام کرنا روا نہین ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔ اگر موصی نے

[۱] حفیظ الرحمن بنام خادم حسین ہائی کورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ ایا خلاصہ نظائر ۳۶۷۔

وصی سے یہ کہا کہ فلان شخص کی راے وحکم سے کام کرنا - تو وصی وہی ہے جسکو وصی
کیا ہے - واگر کہا کہ بدون رائے وحکم فلان کے کام نہ کرنا تو دونون وصی ہوجاینگے
ہدایہ - اگر وصی مرگیا اور مرنے کے وقت اوس نے دوسرے کو وصی کیا تو میت اولی
ومیت ثانی دونون کے ترکہ کا وصی ہوگا - امام شافعی کے نزدیک وہ صرف میت ثانی
کے ترکہ کا وصی ہوگا -

شیعہ مذہب

وصیت کے قبول یا رد کرنے کی بابت جو احکام حنفی مذہب مین ہین وہی شیعہ مذہب کے
ہین اگر کوئی وصی اپنے فرایض کے انصرام مین عاجز ہے تو قاضی اوسکا ایک مددگار
مقرر کرے گا واگر وہ خائن ثابت ہوا تو قاضی معزول کرکے دوسرا وصی مقرر کریگا -
جب دو وصی ہون تو ایک وصی کو امامیہ مذہب مین تنہا تصرف کرنیکا اختیار نہین ہے
اگر دونون نے الگ الگ تصرف کیا تو اونکے افعال جائز نہین ہین الا اوس صورت
مین کہ وہ کام نہایت ضروری تہا مثلاً موصی کے نابالغ بچون کو کہانا و کپڑا دینا - ایسی
صورتون مین قاضی پر واجب ہے کہ اون دونون وصیون کو مجبور کرے کہ بالاتفاق
کام کرین اگر وہ ایسا نہ کرین تو قاضی اون دونون کو معزول کرکے اونکی جگہہ دوسرا وصی
مقرر کرے گا اگر ایک وصی بیمار پڑ گیا یا کسی اور وجہ سے اپنے فرایض کو انجام نہین
دیسکتا تو قاضی ایک دوسرے شخص کو اوسکا مددگار مقرر کریگا - لیکن قاضی کو دوسرا
وصی مقرر کرنیکا اختیار اس صورت مین نہین ہے جب ایک وصی فوت ہوجاوے
یا وصیت کے انتظام کرنیکے بالکل ناقابل ہوجائے - اگر موصی نے اپنے چند وصیون کو
بالاتفاق والگ الگ تصرف کرنیکا اختیار دیا ہو تو اوس صورت مین اونکا تنہا تصرف
کرنا جائز ہے اگر موصی نے اپنے وصی کو وصی مقرر کرنیکا اختیار نہ دیا ہو تو موصی کی جائداد
اپنے مقرر کیے ہوئے وصی کے انتظام مین نہ دیسکیگا - اگر موصی نے اپنی جائداد کے

انتظام کی نسبت کوئی شرط وصیت مین نہین بیان کی تو وصی کے مرنے کے بعد اوسکی جائداد کا انصرام قاضی کریگا۔

اختیارات وصی

شرع مین وصی کے اختیارات کے متعلق قریب ایسے قواعد ہین جیسا کہ انگریزی قانون مین اگر موصی کے ورثا نابالغ ہین تو چند صورتون مین وصی کے اختیارات غیر محدود ہین۔ ضرورت کے وقت اوسے اختیار ہے کہ موصی کی کوئی جائداد فروخت کرڈالے اور نابالغ کی پرورش مین جو صرف ہوا ہے وہ اور موصی کے ذمہ کا قرض ادا کرنے کے بعد اگر کچھ روپیہ بچ رہا ہے تو اوسکو کسی دوسرے کام مین لگا سکتا ہے۔ بیع کرنے کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ واقعی قیمت پر فروخت کیا جاسے اور وصی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اوس جائداد کو خود خرید کرے یا کسی اپنے قرابت مند کے نام خریدے۔

اگر وصی نے نابالغ وارثون کا حق موصی لہٗ سے بٹائی کرالیا اور دو تہائی حصہ وارثون کا اپنے پاس رکھا تو جائز ہے۔ حتی کہ وارثون کا مال وصی کے قبضہ مین تلف ہو گیا تو وارث لوگ موصی لہٗ سے کچھ واپس نہین لے سکتے۔ ورنہ اسکا ضمان وصی پر واجب ہوگا۔ اگر وارث سب بالغ ہین یا بعض بالغ ہین اور وہ سب حاضر ہین تو بالغ کی طرف سے وصی کی تقسیم خواہ عقار مین ہو یا منقول مین باطل ہے۔ لیکن اگر حصہ وارث بالغ وصی کے پاس تلف ہو گیا تو اوسپر ضمان واجب نہ ہوگی۔ لیکن موصی لہٗ سے جو اوس نے پایا ہے اوسکا دو تہائی واپس لینگے۔ بشرطیکہ موصی لہٗ کے پاس خود وہ شے موجود ہو۔ و اگر موصی لہٗ نے جو کچھ پایا ہے وہ بھی تلف ہو گیا تو وارث بالغ کو اختیار ہے چاہے اپنے حصہ کی ضمان وصی سے لے یا موصی لہٗ سے۔ و اگر وارث بالغ ہے مگر غائب۔ اور موصی لہٗ کے ساتھ وصی نے بٹائی کرلی تو غیر منقول کی تقسیم باطل ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے

وامام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔ ومال منقول مین اوسکی تقسیم جائز ہے۔ اگر وصی نے وارثون کے واسطے بٹائی کرائی اور ترکہ مین کسی شخص کے لیے وصیت ہے اور موصی لہٗ غائب ہے تو وصی کی تقسیم موصی لہٗ غائب کے حق مین جائز نہ ہوگی۔ اور موصی لہٗ کو اختیار رہیگا کہ وارثون کے ساتھ شریک ہوجائے یعنی ایک تہائی واپس لے لے۔

**اختیارات وصی جسکو ماں وغیرہ نے مقرر کیا ہو**

ماں یا بھائی یا چچا کے مقرر کیے ہوئے وصی کے اختیارات بہت محدود ہین۔ اوسکو یہ اختیار نہین ہے کہ صغیر نے جو مال اپنے باپ کے ترکہ مین پایا ہے اوسمین سے کچھ فروخت کرے خواہ عقار ہو یا منقول۔ خواہ قرضہ مین محیط ہو یا نہ ہو۔ جو مال صغیر کو ماں کے ترکہ سے ملا ہے۔ اگر وہ ترکہ وصیت سے خالی ہے تو وصی منقول کو فروخت کرسکتا ہے مگر غیر منقول کو نہین۔ لیکن اگر ترکہ قرضہ یا وصیت مین پھنسا ہوا اور قرضہ مین مستغرق ہو تو وصی کو کل ترکہ بشمول غیر منقول کے فروخت کرنے کا اختیار ہے۔ واگر قرضہ محیط نہ ہو تو بہ قدر قرضہ کے فروخت کرسکتا ہے لیکن اگر صغیر نے مال منقولہ اپنی ماں سے میراث مین پایا ہے تو وصی اوسکو تقسیم کراسکتا ہے۔ بشرطیکہ باپ یا اوسکا وصی زندہ نہ ہو۔ اگر وصی نے وارثون مین میراث تقسیم کرکے ہر وارث کا حصہ الگ کردیا تو اوسمین پانچ صورتین ہین۔

**اوّل**۔ وارثون مین کوئی بالغ نہ ہو تو تقسیم بالکل جائز نہ ہوگی۔[۵۱]

**دویم**۔ سب وارث بالغ ہین مگر بعض غائب۔ اگر حاضر وارثون کا حصہ وصی نے تقسیم کردیا تو عروض مین یعنی مال منقول مین تقسیم جائز ہوئی وعقار مین ناجائز۔

---

[۵۱] اس صورت خاص مین وصی کے اختیارات باپ سے کم ہین کیونکہ اگر باپ اپنے نابالغ لڑکون کا حصہ الگ کردے تو جائز ہوتا ہے۔

**سویم** - وارثون مین بالغ ونابالغ دونون ہین اور بالغ سب غائب ہین تو وصی کی تقسیم سب ناجائز ہوگی

**چہارم** - اگر وارثون مین صغیر وکبیر دونون ہین - بالغ سب حاضر ہین اور اونکو وصی نے اونکا حصہ دیدیا و وارثان صغیر کا مجموعی حصہ جدا کرلیا مگر ہر ایک صغیر کا حصہ الگ الگ نہ کیا تو جائز ہے

**پنجم** - اگر صغیر وکبیر ہر وارث کا حصہ الگ کر دیا تو کل تقسیم فاسد ہے - اگر اوس نے بالغون کو اونکا حصہ دیدیا ونابالغون کا کل حصہ رکھہ لیا اور بعد اونکے بلوغ کے باہم اونکے درمیان تقسیم کر دیا - تو بالغ ونابالغ سب کے حق مین تقسیم صحیح ہوگی -

وصی کا اختیار بیع

اگر باپ کے وصی نے موصی کے ترکہ مین سے کوئی چیز فروخت کی تو اوسمین دو صورتین ہین - اول یہ کہ میت پر قرضہ نہ ہو اور نہ اوس نے کچھہ وصیت کی ہو دویم - یہ کہ اوسپر قرضہ ہو یا وصیت ہو - پس اول صورت کے واسطے کتاب مین یعنی مختصر قدوری مین لکھا ہے کہ وصی کو اختیار ہے کہ جب وارث لوگ نابالغ ہون تو ترکہ کی متاع وعروض وعقار مین سے ہر چیز فروخت کرے - شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ سلف کا قول ہے ومتاخرین کے نزدیک نابالغ کا مال عقار فروخت کرنا صرف اوس صورت مین جائز ہے جب میت پر اس قدر قرضہ ہو کہ بغیر عقار فروخت کرنے کے وہ نہ ادا ہوسکے یا صغیر کو ایسی ضرورت ہو کہ بغیر فروخت عقار کے رفع نہ ہو - یا مشتری کو اوس عقار کی ایسی ضرورت ہے کہ دوچند قیمت ادا کرنا منظور کرتا ہو - اسی پر فتوی ہے - یا ترکہ مین وصیت مرسلہ (یعنی زرنقد کی) جسکے ادا کرنے کے لیے عقار کے ثمن کی ضرورت ہے یا عقار کا فروخت کرنا یتیم کے حق مین بہتر ہو مثلاً اوسکا خراج وخرچ اوسکے حاصلات سے زیادہ ہو - یا عقار ایسا مکان یا دوکان ہے کہ گری پڑتی ہو - تو عقار کو اوسکی برابر قیمت پر

یا خفیف نقصان پر فروخت کرے - لیکن اس قدر نقصان کے ساتھ جو عام طور پر لوگ گوارا نہیں کر سکتے وصی کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے - اگر وارث سب بالغ و حاضر ہوں تو ترکہ میں سے بلا اوسکی اجازت وصی کا کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں اگر بالغ وارث غائب ہوں تو وصی عقار کے علاوہ دوسری چیزیں فروخت کر سکتا ہے اور عقار اور غیر عقار سب کو اجارہ پر وصی دے سکتا ہے[۵۱] - اگر سب وارث بالغ ہوں مگر بعض غائب ہیں - تو غائب کے حصہ میں سوائے عقار کے حفاظت کی غرض سے دوسری چیز کی بیع کا وصی کو اختیار ہے اور اسمیں اتفاق ہے - اور جب غائب کے حصہ کی بیع بالاتفاق جائز ہے تو امام اعظم کے نزدیک حاضر کے حصہ کی بیع بھی جائز ہے لیکن صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے - یہ اوسوقت ہے کہ ترکہ پر قرض نہ ہو لیکن اگر قرضہ تمام ترکہ کو محیط ہے تو ترکہ بالاجماع فروخت کیا جائیگا - اگر محیط نہ ہو تو بقدر قرضہ کے و قرضہ سے زائد میں امام اعظم کے نزدیک باقی کو بھی وصی فروخت کر سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں - اگر وارثوں میں ایک صغیر ہو اور باقی کبیر ہوں اور ترکہ پر نہ قرضہ ہے نہ وصیت - اور ترکہ مال منقول ہے تو بالاتفاق وصی کو حصہ نابالغ کے بیع کا اختیار ہے اور امام اعظم کے نزدیک بالغ وارثوں کے حصہ کی بیع کا اختیار بھی وصی کو ہے مگر صاحبین کے نزدیک نہیں - ماں و بھائی کے وصی کو ایسے اختیارات نہیں ہیں - اگر نابالغ کو ماں یا بھائی سے میراث ملی ہے تو اونکے وصی کو اختیار ہے کہ ماسوائے عقار کے اور چیزیں فروخت کرے - اگر اوس ترکہ پر میت کے قرضہ و وصیت کا بار ہے تو بقدر

---

[۵۱] وجہ یہ ہے کہ غائب کے مال کی حفاظت کا وصی کو اختیار ہے اور منقول کا فروخت کرنا داخل حفاظت ہے اور عقارات خود ہی محفوظ ہوتے ہیں لیکن اگر عقار کے تلف ہونے کا احتمال ہو تو یہ بھی بمنزلہ عروض کے ہے۔

قرضہ و وصیت کے عقار کو بھی فروخت کر سکتا ہے اور اوس سے زائد فروخت کرنے مین وہی اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا - کھانا اور کپڑے کے سوا صغیر کے واسطے اور کوئی چیز نہین خرید سکتا - باپ کے ترکہ سے اگر نابالغ کو کچھ میراث ملی ہے تو مان کا وصی اوسے فروخت نہین کر سکتا - اگر کوئی شخص اولاد صغیر و باپ چھوڑ کر فوت ہوا اور کوئی وصی مقرر نہ کیا تو دادا بمنزلہ وصی کے ہوگا - لیکن اگر میت پر قرضہ کثیر ہے تو اسکا باپ یعنی نابالغون کا دادا ایہ اختیار نہین رکھتا ہے - کہ ادائے قرضہ کے لیے ترکہ فروخت کرے - امام اعظم نے وصی میت و پدر میت کے اختیارات مین فرق کیا ہے کہ وصی میت کو اختیار ہے کہ ادائے قرضہ و تنفیذ وصیت کے لیے ترکہ فروخت کرے - لیکن پدر میت کو یہ اختیار نہین ہے[ل۵]۔

وصی کو مال یتیم سے یتیم کے نفع کے واسطے تجارت کرنا درست ہے لیکن یہ جائز نہین ہے کہ وصی یتیم کے یا میت کے مال سے اپنے واسطے تجارت کرے اگر کرے گا اور نفع حاصل کریگا تو وصی راس المال کا ضامن ہوگا اور نفع کو صدقہ کرنا پڑیگا - یہ امام اعظم و امام محمد کا قول ہے - اگر وصی یا باپ نے اپنے ذاتی قرضہ مین مال یتیم رھن کیا تو قیاساً

---

ل۵ امام شافعی کے نزدیک باپ کے وصی پر دادا مقدم ہے کیونکہ شرع نے باپ کے ہوتے کی حالت مین دادا کو اوسکا قایمقام کیا ہے حتیٰ کہ دادا سب میراث لیتا ہے - جامع صغیر مین ہے کہ صغیر کے مال مین دادا سے باپ کے وصی کا حق زیادہ ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی مقرر کرنے سے باپ کی ولایت بجانب وصی منتقل ہوئی - باپ کی ولایت از راہ معنی کے قایم ہے گو بظاہر باپ مرگیا ہے تو وصی کو دادا پر تقدیم ہوگی جیسے خود باپ کو اوسپر مقدم تہا - اور اس مین نکتہ یہ ہے کہ جب دادا کی موجودگی کے باوجود موصی نے وصی مقرر کیا تو یہ دلیل ہے کہ وصی کا تصرف اپنی اولاد کے حق مین بہ نسبت اپنے باپ کے زیادہ بہتر جانتا ہے -

جائز نہین ہے لیکن استحساناً جائز ہے اگر وصی نے اپنا قرضہ یتیم کے مال سے ادا کیا
تو نہین جائز ہے واگر باپ نے ادا کیا تو جائز ہے۔ میت نے اپنی بی بی کو وصی کیا
اور بی بی کا دین مہر اوسکے ذمہ باقی ہے۔ پس اگر میت نے ترکہ مین درم یا دینار یعنی زر نقد
چھوڑا ہے تو بی بی اوس سے اپنا مہر ادا کرے واگر نہین چھوڑا تو جو مال فروخت کرنے کی
لایق ہے اوسے فروخت کر کے وصول کرے۔ اگر وصی نے نابالغ کے واسطے
کھانا کپڑا اپنے مال سے خرید کیا یا بغیر اجازت وارث کے قرضہ میت اپنے پاس سے
ادا کیا اور گواہ کر لیے تو مال و ترکہ میت سے وصی واپس لے سکتا ہے وصی کو اختیار
ہے کہ بدون حکم وارثان کے میت کا قرضہ ادا کرے اور اوسکو کفن دے اور مال
میت سے اوسکو واپس لے۔
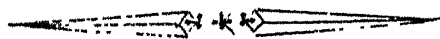
مسلمانون کے عقائد و معاملات باہم اس قدر ملے جلے ہین کہ اگر کوئی شخص اپنے عقائد مذہبی بدلکر کسی دوسرے مذہب کے عقائد کا پابند ہوجائے تو ساتھہ ہی اوسکو اپنی پہلی شرع بہی تبدیل کرنی لازم ہوگی جسکا تعلق صرف معاملات دنیوی سے ہے - یعنی اگر کوئی شیعہ سنی ہوجائے تو اوسکو سنیون کی شرع کی پابندی کرنی ہوگی - اسیطرح اگر کوئی حنفی شافعی ہوجائے یا اخباری وصولی ہوجائے تو اوسکو شافعی و وصولی کے قواعد کی پابندی کرنی ہوگی نہ صرف عقائد مذہبی مین بلکہ جملہ معاملات دنیوی مین بہی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانون مین ہر شخص کا قانون اوسکا ذاتی قانون ہے - شرع نے موروثی و مکسوبہ جائداد مین کوئی امتیاز نہین رکہا ہے - مالک جائداد خواہ وہ اوسکی ذاتی مکسوبہ ہو یا اوسکو وراثتاً ملی ہو اپنی حیات مین اپنی جائداد کا مستقل مالک ہے - اور وہ مختار ہے جس طرح چاہے اوسکا انتظام کرے - بشرطیکہ اوسکی حیات مین اوس انتظام کا نفاذ بہی ہوگیا ہو - مگر وصیت کے ذریعہ سے جائداد کے انتظام کرنے کی بابت موصی کے اختیارات ورثا شرعی کے باعث محدود ہین -

چنانچہ اس اصول کو احکام پریوی کونسل نے بمقدمہ رانی کہجور النسا بنام روشن جہان صیح

۵۷ لا رپورٹ اپیلہاے ہند جلد ۲ صفحہ ۱۹۲

تسلیم کیا ہے۔ حکام ممدوح تحریر کرتے ہین کہ "شرع محمدی کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ وراثتاً ورثا رشتہ می کو جسطرح جائداد ملنی چاہیئے اوسمین موصی کو وصیت کے ذریعہ سے دست اندازی کرنے سے باز رکھے۔ اگرچہ موصی ایک معین حصہ یعنی ایک ثلث جائداد کا ایک غیر شخص کو دیسکتا ہے۔ لیکن یہ بہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک جائداد اپنی حیات مین منجملہ چند لڑکون کے ایک لڑکے کو کل جائداد یا کوئی خاص حصہ جائداد کا دیکر شرع کے اس اصول کو توڑ سکتا ہے۔"

گو عورتون کا حصہ بمقابلہ مردون کے کم ہے مگر مثل مردون کے وہ بہی اپنے شرعی حصہ کی مستقل مالک ہین۔ بخلاف اہل ہنود کے مسلمان بیوہ اوس جائداد کی مستقل مالک ہے جو اوسکو اپنے شوہر سے ملی ہے۔ جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے طریقہ توریث مین کوئی فرق نہین ہے۔ البتہ شیعون مین لاولد بیوہ کو جبکی اولاد اوسکے شوہر کی وفات کے وقت زندہ نہو جائداد غیر منقولہ مین کوئی حصہ نہین ملتا۔ اوسکو صرف جائداد منقولہ و مکانات مین حصہ ملیگا۔

ہندوستان کے چند حصہ مین مسلمانون نے ہندؤن کے خاندان مشترکہ کا اصول اختیار کیا ہے جب کوئی ہندو خاندان نے اسلام قبول کیا اور وہ مثل سابق مشترکہ رہکر اپنی قدیم رسم ورواج پر قایم رہا ہے تو اوس سے ہندو خاندان مشترکہ کے اصول متعلق ہونگے مگر اس امر کا بار ثبوت کہ پورانی رسم ہنوز قایم ہے اوس شخص پر ہوگا جو اوسے بیان کرتا ہے اگر کسی اہل اسلام کے خاندان مین چند اشخاص بالاشتراک رہتے ہین اور اونکی جائداد بہی مشترکہ ہے تو یہ خاندان اون معنون مین مشترکہ نہ کہا جائیگا جن معنون مین یہ لفظ ہندو خاندان کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور شرع مین مثل شاستر کے یہ قیاس نہوگا کہ خاندان کے جملہ اشخاص نے جو کچھ پیدا کیا وہ کل خاندان کے فائدہ کے لیے پیدا

کیا[۵۱]۔ لیکن اگر کسی اہل اسلام کے خاندان کے چند ممبر شراکت مین رہتے ہون۔ اور یہ
ثابت ہو کہ جو جائداد اونکو اپنے مورث اعلی سے پہونچی ہے اوسکا منافع مشترکا سب کے صرف
مین آتا ہے تو اس صورت مین منتظم خاندان کل جائداد کا مالک نہین ہو سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا
کہ دیگر شرکار خاندان کے حقوق مین تمادی عارض ہے[۵۲] صرف اندراج کاغذات ثبوت
قطعی اس امر کا نہین ہے کہ وہ شخص جسکا نام کاغذات سرکار مین درج ہے وہ اوس حقیت
کا مالک ہے اور جو شخص مدعی وراثت ہے وہ یہ کہسکتا ہے کہ باوجود اس قسم کے اندراج کے
وہ جائداد پر مشترکاً قابض تھا اور اوسپر یہ ثابت کرنا ضرور نہین ہے کہ وہ اپنا منافع برابر پاتا رہا
ہے[۵۳]۔ لیکن جب خاندان کا کوئی شخص اس بیان سے کہ جائداد موروثی ہے اپنا حصہ
دلا پانے کا دعوی کرے اور مدعا علیہ اوسے اپنی خاص مکسوبہ کہے تو مدعا علیہ کو یہ
ثابت کرنا ضروری نہین ہے کہ اوسکے پاس اس قدر سرمایہ تھا جس سے اوس نے وہ حقیت
خرید کی بلکہ مدعی کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ حقیت کل اہل خاندان کے فائدہ کے لیے

---

۵۱ حکیم خان بنام گل خان کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۸۲۳ و ذاکر علی چودھری بنام راجندر سین صفحہ ۱۳۱ جلد مذکور
و عبدالودود بنام محمد اکس کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۵ چنانچہ اسی اصول کی بنا پر یہ تجویز ہوئی کہ مد ۱۲۷ قانون تمادی
ایسے خاندان مشترکہ سے متعلق ہے جو حسب مفہوم دہرم شاستر اہل ہنود کے مشترکہ ہو اسلیئے یہ مد اہل اسلام
کے خاندان سے متعلق نہ ہوگی۔ دیکھو پاچا بنام محی الدین مدراس جلد ۱۵ صفحہ ۴۰۳ و محمد رحیم بنام ضیاء احمد
الہ آباد جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۲ جسمین بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۷۰ سے اختلاف کیا گیا ۵۲ ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۷۵۔
اچھنیہ بی بی بنام عزیز النسا بی بی۔ اسمین یہ تجویز ہوئی کہ اگر کوئی عورت معہ اپنی لڑکیون کے اپنے بھائی کے
ساتھ رہتی تھی اور جائداد موروثی سے کھاتی پیتی تھی تو اس سے صحیح طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ
عورت مع اپنے بھائی و لڑکیون کے اوس جائداد پر قابض تھی اور بھائی مثل منتظم کے کاروبار کرتا تھا ۵۳ حیدر حسین
بنام محمد حسین ایلہاسے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۴ صفحہ ۴۰۱۔

اخریدی گئی اور سب اوسپر بالاشتراک قابض ہیں[۵۱] اگر باپ نے اپنی حیات میں کوئی قیمت اسکے لڑکے کے نام جو اوسکے شریک رہتا ہے خرید کی تو اس سے مسلمان خاندان مین ایسا کوئی قیاس نہ پیدا ہوگا جیسا کہ اوس حالت مین پیدا ہوتا۔ اگر خریداری کسی ہندو خاندان کے باپ نے کی ہوتی اور لڑکا یہ ثابت کرتا کہ وہ زمین ہی کہ اوس نے اپنے خاص سرمایہ سے وہ جائداد خرید کی اور اوسکا باپ درحقیقت اوس کا مالک نہ تھا[۵۲]۔

سرمایہ مشترکہ سے منتظم خاندان نے اگر کچھ پیدا کیا ہے اور وہ بلا کسی امتیاز کے سب مین مشترک ہے تو وہ چیز کل خاندان کی ہوگی[۵۳]- لیکن جب یہ نہ معلوم ہو کہ سرمایہ مشترکہ سے پیدا کیا گیا یا آنکہ پیدا کرنے کے وقت ہی سے جائداد مشترکہ سے وہ بالکل علیحدہ ہے تو دیگر ممبران کو اسمین کوئی حق نہین ہے۔

بمقدمہ جوالا بخش بنام دہرم سنگھہ[۵۴] حکام پریوی کونسل نے ایک خاندان ہنود کے وراثت کے متعلق جو مسلمان ہوگئے تھے چند قواعد بیان کیے ہین جو کام ممدوح حسب ذیل تحریر فرماتے ہین۔ "اس مقدمہ کے انفصال کے لیے اب تک یہ امر فرض کر لیا گیا ہے اور اس بات کو مدعیان نے بھی اپنے مقدمہ کا جزو قرار دیا ہے کہ گو یہ خاندان مسلمان ہوگیا ہے مگر ہنوز وہ ہندو شاستر و رسم کے تابع ہے اور اس لیے اس مقدمہ کے حقوق متنازعہ کا تصفیہ ہندو شاستر کے بموجب ہونا چاہیے۔ لیکن ہم حکام کے نزدیک یہ نیت صحیح نہین ہے۔ "بمقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم[۵۵] سے یہ مقدمہ لایق امتیاز کے ہے۔ مقدمہ مذکور کے فریقین دیسی عیسائی تھے جنکی وراثت کے متعلق کوئی قانون نہ تھا۔ اور بوجہ عدم موجودگی

[۵۱] محمد آفاق بنام کرم علی ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۳۷۴ [۵۲] غلام نند دہرم بنام ہتما النسا ویکلی رپورٹر جلد ۷ صفحہ ۴۸۹ یا جلد ۳ خلاصہ نظائر ۳۶۹ [۵۳] مدراس جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ یا جلد ۳ خلاصہ نظائر ۳۶۹ [۵۴] اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۶ [۵۵] اپیل ہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۹ صفحہ ۱۹۵۔

کسی قانون کی اس کمیٹی نے اوس قانون پر عمل کیا جسکی اتباع کرنے کی نیت جیسا کہ شہادت سے ثابت ہوتا ہے اس مخصوص خاندان نے کی تھی - لیکن ہندوستان کے تحریری قانون مین بالفاظ وسیع یہ درج ہے کہ معاملات وراثت مین ہنود سے دہرم شاستر متعلق ہوگا اور مسلمانون سے شرع محمدی - اور مقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم مین جو تجویز لارڈ کنگسڈون کی ہے اوسمین یہ لکھا ہے کہ وہ یہ اصول صرف پیدایشی ہندو ومسلمان سے متعلق نہین ہے بلکہ اون سے بھی جو مذہباً ہندو یا مسلمان ہین ؎ وہ میکناٹن صاحب کے اصول دہرم شاستر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ اور ۱۳۲ مین وہ مقدمون کا ذکر ہے جو ایسے ہندوؤن سے متعلق ہے جنہون نے دین اسلام قبول کرلیا تہا اور اون مقدمون مین یہ تجویز ہوئی کہ تبدیل مذہب کے وقت متوفی جس جائداد کا مالک تہا وہ اوسکے وارثون مین بموجب دہرم شاستر کے تقسیم ہوگی - یہی مقدمات اسبات کی سند ہین - کہ متوفی نے تبدیل مذہب کے بعد جو کچھہ پیدا کیا اوسمین بموجب شرع محمدی کے میراث جاری ہوگی[۵۱] اس مقدمہ مین کوئی ثبوت قطعی اس امر کا نہین ہے کہ مورث اعلی نے کب اور کیونکر جائداد حاصل کی اس مقدمہ مین بخلاف مقدمات محولہ بالا کے ہندو ومسلمان وارثون کی وراثت کی بابت نزاع نہ تہی - یہ مسلمہ ہے کہ مورث کے پاس جو کچھہ تہا وہ اوسکی اولاد کو ملا جو مثل اوسکے سب کے سب مسلمان تہے اور یہ امر اصول کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اولاد کے درمیان وراثت سواے شرع محمدی کے کسی اور قانون کے تابع کیجاے

[۵۱] ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۷ - اختلاف ملت جیسا آیندہ آئیگا مانع ارث ہے یعنی مسلمان کسی مشرک کا وارث نہین ہوتا - اس لیے اگر کسی شخص نے کچھہ مال حالت شرک مین کمایا اور کچھہ بعد اسلام قبول کرنے کے اور اوسکے وارثون مین مشرک ومسلمان دونون ہین تو حالت شرک کی کمائی مشرک وارثون کو ملیگی اور مسلمان ہونے کیحالت مین جو کمایا ہے وہ مسلمان وارث کو ملیگی -

یہ سوال کہ ایک ہندو خاندان جس نے دین اسلام قبول کیا ہے کئی نسل تک ہندو رسم و رواج کا پابند رہ سکتا ہے یا نہیں اور پابند ہوئے کی بابت مین اوس رسم و رواج کی بنا پر کوئی خاص قانون وراثت اپنے لیے قایم کر سکتا ہے یا نہیں۔ ایسا سوال ہے جو اسوقت تک ہمارے علم مین طے نہین ہوا ہی۔ مگر اس اپیل کے فیصل کرنے کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ سوال مذکور کا جواب بصیغہ نفی دیا جائے اور اسلئے ہم حکام ایسا کرنے سے باز رہتے ہین۔ لیکن حکام ممدوح یہ ضرور کہین گے کہ عام قانون کے مسدود کرنے کے لیے بشرطیکہ شرع محمدی اس قسم کی دست اندازی کو جائز بہی رکھے کسی خاص رسم و رواج کے وجود کے متعلق بہت ہی قوی شہادت کی ضرورت ہوگی جو اس مقدمہ مین نہین ہے"

اون پورانی رسم و رواج کی نسبت جو بعض ہندو خاندان نے اسلام قبول کرنے بعد بہی اپنے درمیان جاری رکہا عدالت ہاے ہند ایک حد تک یہ خیال کرتی ہین کہ وے ایسے مستحکم ہین کہ اون مین کسی قسم کا تغیر یا تبدیل نہین ہوسکتا۔ لیکن یہ راے فریقین کی ذاتی قانون کے خلاف ہے اور حکام پریوی کونسل کی راے کے تو بالکل مغائر ہے۔ بمقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم[۵۱] حکام ممدوح نے حسب ذیل اپنی راے بیان کی ہے۔

"وومیتہو ابراہام نے اپنی جائداد کا اصل حصہ خود ہی پیدا کیا تہا۔ اپنی مرضی کے مطابق اپنی جائداد کے تصرف کرنے مین اوسے کسی قانون کی کوئی قید نہ تہی۔ یہ بات ثابت نہین ہوئی کہ اوسکے مورثون نے تبدیل مذہب کے بعد اپنی جائداد کو کیونکر استعمال و تصرف کیا یہ واضح ہے کہ اگر اوسکے مورث اپنی جائداد کے استعمال و تصرف مین کسی خود خواستہ اصول کے پابند رہے ہون تو وہ اوسکی اولاد پر جس نے اپنی دولت خود حاصل کی ہے

[۵۱] اپیلہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۹ صفحہ ۹۵ ا۔

لازمی طور پر واجب التعمیل نہین ہے۔ اگر ہندو خاندان مشترکہ کا ایک ممبر اپنی تنہا
پیدا کی ہوئی دولت کو الگ رکہہ سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ بلاشبہہ کر سکتا ہے تو ایک
عیسائی بدرجہ اولی ایسا کر سکتا ہے۔

"جائداد کے تصرف کے متعلق کسی خاص رسم و دستور کو (بشرطیکہ وے کسی قانون پر
مبنی نہ ہون) جیسے ہر شخص اپنی خوشی سے قبول کرتا ہے ویسی ہی وہ اوسکو تبدیل
کر سکتا ہے یا اوسکو قطعاً ترک کر سکتا ہے۔ مسٹر ملوائل نے کیا خوب کہا ہے کہ رواج
مین قدامت کا مفہوم داخل ہے۔ اگر کسی خاندان نے جس نے تبدیل مذہب
کیا ہے اپنے مورثون کی پورانی رسم و رواج کو ایک حد تک اختیار کیا ہے تو کیا
اون کا یہ اختیار ناقابل تبدیل ہے۔ کیا وہ یا اوسکی اولاد ان باتون کو تبدیل نہین کر سکتی
جو قدرتی طور پر اس وجہہ سے انقلاب پذیر ہین کہ وے انسان کے آنے والی نسلون
کے متلون خیالات و جذبات و مختلف ذمہ داریون کے تابع ہین۔

"اگر اس مذہب کی تعلیم نے اپنے نو مریدون کے اخلاق کو زیادہ مہذب بنایا اور اونہون
نے صدق دل سے اوس رسم و رواج کو ترک کر دیا جسکو اونکے مورثون مین سے
اول تبدیل مذہب کرنے والے نے جاری رکہا تہا تو کیا وہ متروک رسم و رواج اب
بہی کسی قانونی اصطلاح کی وجہہ سے اوس خاندان مین مروج خیال کیا جائیگا؟ یقیناً
ایسے امورات مین جو فی نفسہ نہ بہلے ہین نہ بُرے ایسی عدالتین جنکو اختیار تمیزی حاصل ہے
موجودہ باتون پر عمل کریگی نہ کہ ایسی باتون پر جو کسی زمانہ سابق مین تہین اور اپنے قیاسات
قایم کرنے پر اوس شخص کی طرز معاشرت پر خیال کریگی نہ کہ اوسکے مورثون کی طرز معاشرت
پر۔ نسب کسی شخص کی خواہش کے تابع نہین ہے مگر رسم ہے۔ جہان تک ہم حکام
واقف ہین کوئی قانون کسی نو عیسائی کو اپنا درجہ تبدیل کرنے مین مانع نہین ہے۔

تبدیلی درجے سے جو وقت وراثت مین پیدا ہوتی ہے وہ اوس وقت سے زیادہ نہین
ہے جو تبدیلی مرزوبوم سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے وقت کی بنا پر اس تبدیل کے جواز کی
نسبت اعتراض کرنا لاحاصل ہے۔ اگر درحقیقت اس قسم کی تبدیلی ہوتی ہے تو
قانون اسکو معدوم کیون خیال کرنے لگا؟ ہم حکام کی یہ رائے ہے کہ متھیو ابرہام گو وہ
پیدائشی و بچپنے مین دیسی عیسائی تھا اور جائداد کے معاملہ مین ہنود کے شاستر و رواج کا
پابند تھا اس امر کا مجاز تھا کہ اپنے دیسی عیسائی کے درجہ کو تبدیل کر کے اوس درجہ کا
عیسائی ہو جائے جس درجہ کی اوسکی بیوی تھی۔ یہ کوئی آسان امر نہ تھا جسپر بلا سمجھے
بوجھے عمل کیا گیا اور بلا سمجھے بوجھے ترک کیا جا سکتا ہے۔ شہادت سے ہمکو ثابت
ہوتا ہے کہ ابتدا مین احتیاط سے کام لیا گیا۔ غور و خوض کے بعد تبدیلی واقع ہوئی۔ پھر
علانیہ طور پر اپنی زندگی کے ۲۰ برس یا زیادہ تک اوسپر قایم رہا۔ اوسکا خاندان مثل ایسٹ
انڈین خاندان کے رہتا تھا اور اوسی طور پر اوسکا انتظام ہوتا تھا۔ ایسے خاندان مین خاندان
مشترکہ کا مفہوم اون معنون مین جیسا اوپر مذکور ہوا بالکل لامعلوم شے ہے۔ پھر کیونکر
ہو سکتا ہے کہ وہ مفہوم اوس خاندان پر عائد کیا جائے جسکا میتھیو ابرہام بحیثیت ہونے
باپ کے مکھیا تھا۔ رضامندی سے نہین ہو سکتا کیونکہ رضامندی نہین تھی۔ کسی واجب التعمیل
قانون کے زور سے نہین کیونکہ کوئی قانون نہ تھا۔ اختیار کرنے کی وجہ سے نہین کیونکہ
اونہون نے ہندو رسم و رواج کو اختیار نہین کیا۔ بلکہ برعکس اسکے اونہون نے ترک
کر دیا۔ ہم حکام کی رائے مین مفہوم مذکورہ صرف اوس صورت مین عائد کیا جا سکتا ہے
کہ اس نکاح کی اولاد سے چشم پوشی کر کر اس خاندان کے جملہ ممبرون کو اوس ابتدائی خاندان
مین محو کر دین جسکے ممبر دونون بھائی تھے اور تمام موجودہ رسم و رواج و طرز معاشرت سے
چشم پوشی کیجائے اور خلاف واقع یہ فرض کر لیا جائے کہ رسم ہنود ہنوز جاری ہے جو بعد

غور وخوض کے ترک کردی گئی ہے۔ اسلئے ہم حکام کی راے ہے کہ خاندان مشترکہ کا جسپر مدعا علیہ نے جوابدہی مین استدلال کیا ہے ایسے معنی مین وجود نہین تہا جو اس مقدمہ کے انفصال مین کسی طور پر اہم ہو یا اوس سے کچہہ مدد ملسکے۔

بمقدمہ علیم النساخاتون بنام حسن علی[۵۷] کلکتہ ہائی کورٹ نے تجویز کی کہ اوس صورت مین بہی جب چند مسلمان بالاشتراک رہتے ہون اور کسی خاص ممبر کے فائدہ کے واسطے کچہہ صرف کیا گیا ہے تو اوس صرف کا بار دیگر ممبران خاندان کے ذمہ نہ ڈالا جائیگا۔ اس مقدمہ کے واقعات یہ ہین کہ مدعی و مدعا علیہ کا جو باہم بہائی بہن تہے۔ خور ونوش وکار بار سنہ ۱۸۷۲ء تک ایکجائی تہا اوسی سال مین وے علیحدہ ہوئے وبروقت علیحدگی یہ اقرار نامہ لکہا گیا ”اگر جائداد مشترکہ کی بابتہ کوئی نالش اس بناء پر ہو کہ قرضہ اوس زمانہ کا ہے جب ہم لوگ مشترک تہے تو منمقر الف ومنمقر ب اوس قرض کو بحصہ مساوی ادا کرین گے اگر ہم مین سے کوئی نہ ادا کرے اور ایک کو دوسرے کا قرضہ ادا کرنا پڑے تو وہ شخص جس نے ادا کیا ہے فریق ثانی سے وہ روپیہ وصول کرلیگا جو اوس نے فریق ثانی کے حصہ کی بابت ادا کیا ہے“ بعد علیحدگی کے الف کے اوپر کپڑے کی قیمت کی بابت ڈگری ہوئی جو اوسکی یعنی الف کی شادی مین جو بحالت اشتراک ہوئی تہی صرف ہوا تہا الف نے کل ڈگری ادا کرکے ب پر نصف زر ڈگری کے دلاپانے کا دعوی کیا۔ تجویز ہوئی کہ چونکہ قرض ایسی ضرورت کے لئے نہین لیا گیا تہا جو خاندان کے قیام کے لیے ضروری تہا بلکہ صرف بہائی کے فائدہ کے واسطے لیا گیا تہا اور چونکہ خاندان اہل اسلام مین صرف وہ شخص جو قرض سے مستفید ہو اوس قرض کا ذمہ دار ہے اس لیے تنہا بہائی قرض کا ذمہ دار تہا۔ اور یہ بہی تجویز ہوئی کہ اقرار نامہ مذکور صرف ایسے قرضہ جات سے

---

[۵۷] کلکتہ لارپورٹ جلد ۸ صفحہ ۳۷۸۔

متعلق ہے جسکی ذمہ داری کل اہل خاندان پر مشترکاً ہو۔
اس امر کے دریافت کرنے کے لیے کہ متوفی کے چند رشتہ دارون مین کونسا رشتہ دار مستحق وراثت ہے ذیل کے قواعد مفید ہین۔

(۱) اگر متوفی نے دو ایسے رشتہ دار چھوڑے کہ ایک کو دوسرے کے توسط سے متوفی کے ساتھ قرابت ہے تو پہلا شخص بحالت حیات اوس شخص کے جسکے توسط سے وہ دعویدار قرابت ہے محروم الارث ہوگا۔ مثلاً اگر متوفی کے لڑکا و پوتا ہے تو بحالت حیات لڑکے کے پوتا محروم الارث ہوگا۔ یہ قاعدہ شیعہ سنی دونون ایکسان مانتے ہین۔ ایک استثنا ہے وہ یہ ہے کہ مان کی حیات مین بھائی و بہنین محروم الارث نہین ہوتین۔

(۲) رشتہ دار قریبی رشتہ دار بعید کو محروم کرتا ہے۔ یہ قاعدہ درحقیقت قاعدہ نمبر ایک ہے جو دوسرے پیرایہ مین بیان ہوا ہے۔ اور شیعہ و سنی دونون کا اسپر عمل ہے۔ مگر چونکہ دونون مذہبون مین ورثاء شرعی کی ترتیب مین اختلاف ہے اس لیے اس قاعدہ کو عملی طور پر متعلق کرنے مین بھی اختلاف واقع ہوتا ہے مثلاً اہل سنت وجماعت مین اس قاعدہ پر عمل درآمد صرف اوس حالت مین ہوتا ہے جبکہ ترکہ مذکر عصبون مین تقسیم کرنا ہے و اہل شیعہ اس قاعدہ پر ہر حالت مین عمل کرتے ہین بلا خیال تذکیر و تانیث کے۔ مثلاً اگر متوفی کے رشتہ دارون مین متوفی کے بھائی کا لڑکا و متوفی کے بھائی کا پوتہ و خود متوفی کی لڑکی کا لڑکا (نواسہ) ہو تو مطابق شرع اہل سنت وجماعت کے بھائی کے لڑکے یعنی بھتیجہ کو جو بوجہ اسکے کہ مذکر عصبہ بمقابلہ بھائی کے پوتہ کے اقرب ہے وراثت مین ترجیح دیجائیگی۔ برعکس اسکے اہل شیعہ نواسہ کو ترجیح دینگے اور اوسکے ہوتے بھتیجہ و بھائی کے پوتہ کو کچھ حصہ نہ ملے گا کیونکہ باعتبار خون کے نواسہ کو زیادہ نزدیکی ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف حالات سے رشتہ دارون کے حق وراثت
مین اختلاف پیدا ہوتا ہے - قاعدہ مذکورہ بالا کی وجہ سے چند رشتہ دار تو کلیتہً وراثت
سے محروم ہوجاتے ہین اور بعض حالتین ایسی بھی ہین کہ بوجہہ موجودگی دوسرے رشتہ دارون
کے جیسا ہے خود انکا کوئی حق ترکہ مین ہو یا نہ ہو ایک وارث کے حصہ مین کمی
واقع ہوتی ہے - لیکن اہل سنت وشیعہ دونون کے نزدیک چند ایسے شرعی
ورثار بھی ہین جو کبھی کلیتہً وراثت سے محروم نہین ہو سکتے گو اونکے حصو نمین کمی بیشی
واقع ہوسکتی ہے - اس قسم کے ورثار شرعی یہ ہین - باپ - مان - لڑکا - لڑکی -
شوہر یا زوجہ -

شیعہ وسنی دونون نے وراثت مین قایمقامی کے اصول کو نہین مانا ہے - مثلاً
اگر متوفی نے ایک لڑکا و چند پوتے اپنی وفات پر چھوڑے اور پوتون کا باپ متوفی کی
حیات مین فوت ہو چکا تھا تو اس حالت مین پوتے کلیتہً وراثت سے محروم ہونگے
کیونکہ چچا بقید حیات ہے - اسیطرح پر اگر متوفی کے دو پوتے ایک لڑکے سے اور
تین پوتے دوسرے لڑکے سے ہون مگر متوفی کے دونون لڑکے اوسکی حیات مین
فوت ہو چکے ہون تو پانچون پوتون کو برابر برابر حصہ ملیگا - یہ نہو گا کہ دو پوتون کو نصف
ملے اور بقیہ نصف دوسرے تین پوتون کو ملے جیسا کہ اوس حالت مین ہوتا جب کہ
متوفی کے دونون لڑکے متوفی کے فوت ہونے کے وقت زندہ ہوتے - لیکن قایمقامی
کا اصول کسی قدر ذوی الارحام کے ساتھ متعلق کیا جاتا ہے - مثلاً مان کی طرف
کی بہنون یعنی اخیافی بہنون کو مان کا حصہ ملے گا - اسی طرح کی چند اور شکلین ہین شیعہ
وشافعی ومالکی بڑے لڑکے کو باپ کا گھوڑا و اسلحہ و قرآن حصہ مین زیادہ دیتے ہین تاکہ
اس سے متوفی کے چند لڑکون مین سے بڑے لڑکے کو ایک قسم کا اعزاز ہو - مگر حنفی

اس قاعدہ کو نہین مانتے ہندوستان کے چند خاندانون مین کل جائداد متوفی کے بڑے لڑکے کو ملتی ہے اور اسمعیلیون مین بھی بڑے لڑکے کو کل ترکہ ملتا ہے جب والدین مین سے کوئی ایک مسلمان ہے تو لڑکا بھی مسلم قیاس کیا جائیگا تاوقتیکہ یہ اپنے عقائد کو اسکے خلاف نہ ظاہر کرے۔ اور وراثت کی تخریج بموجب شرع شریف ہوگی مختلف مذہب کے مسلمان باہم ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین مگر تخریج وراثت اوس مذہب کے مطابق ہوئی جسکا متوفی وقت وفات کے پابند تھا۔ [۵۱]

وراثت ایک قانونی حق ہے جو وارث کے انکار سے زایل نہین ہو سکتا۔ اس لیے اگر وارث نے اپنا حصہ لینے سے انکار کیا تو اس وارث کا وارث اوس حق سے محروم نہ ہوگا بشرطیکہ وہ اپنا دعویٰ میعاد کے اندر پیش کرے۔ لیکن اگر کسی وارث نے کچھ لیکر اپنے حق وراثت سے دست برداری کی ہے تو پھر اوسنے میراث نہ ملیگی (الف) [۵۲] متوفی کے ترکہ پر اول بار تجہیز و تکفین کا ہے۔ بعدہٗ اوس سے متوفی کے ذمہ کا قرضہ ادا کیا جائیگا پھر بقیہ سے اگر متوفی نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ شرعاً جائز ہو تو اوسکی تعمیل کیجائیگی اور ان سب کے بعد جو بچ رہے گا وہ ورثاء شرعی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

تجہیز و تکفین | اٹیکور لا کالج رس ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۶ لغایتہ ۸۸۔ تجہیز و تکفین مین نہ بیجا شخرچ

---

۵۱ حیات النسا بنام محمد علیخان الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۹۰ (فیصلہ پریوی کونسل) اس مقدمہ مین مورثہ سنی المذہب باپ کی لڑکی تھی۔ مگر ایک شیعہ سے بیاہی تھی۔ شوہر کی حیات مین عورت بظاہر شیعہ مذہب کی معتقد تھی۔ مگر بعد وفات اپنے شوہر کے پھر سنی ہوگئی اور اسی مذہب پر مری۔ تجویز ہوئی کہ تخریج وراثت اوس مذہب کے مطابق ہوگی جسپر متوفیہ مری۔

۵۲ (الف) مدراس جلد ۱۹ صفحہ ۱۷۶ و لوز علی بنام ابا من بیفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۴ء صفحہ ۳۲

ہونا چاہیے و نہ کم۔[۵۱] اگر متوفی کے ذمہ زیادہ قرض ہے تو قرضخواہ ورثا سے متوفی کو اس
امر سے روک سکتا ہے کہ وے متوفی کو کفنِ سنت نہ دین بلکہ اس تعداد کا کفن دین
جس سے متوفی کی ستر پوشی ہو سکے۔ اس قسم کے کفن کو کفن کفایہ کہتے ہین۔
جو نئیے یا دھوئے کپڑے سے مرد کے لیے تعداد مین دو ہوتا ہے اور عورت کیلئے
تین۔ اگر متوفی نے کوئی ترکہ نہین چھوڑا تو اوسکی تجہیز و تکفین کا بار اوس شخص کے ذمہ
ڈالا جائیگا جو قانوناً متوفی کی پرورش کرنے پر مجبور کیا جاتا اگر متوفی زندہ ہوتا۔ اگر کوئی ایسا
شخص نہ ہو یا ہو مگر وہ بھی مفلس ہو تو تجہیز و تکفین کا صرف بیت المال سے ادا کیا جائیگا
کفن سنت وہ ہے جو مطابق حدیث کے ہے[۵۲] لیکن اگر مردہ کا کفن لاش کے
خراب ہونے سے پہلے ضایع یا بوسیدہ ہو جاسے تو مردہ کو از سر نو اوسکے کل
ترکہ سے کفن دیا جائیگا۔ در المختار۔

---

۵۱ شریعت نے اپنی کتاب شریفیہ کے صفحہ ۲ پر صرف بیجا و کم کے متعلق یہ تحریر کیا ہے۔ صرف بیجا یا تو بخیال تعداد
پارچہ کفن کے ہے اس صورت مین اگر مرد کو تین کپڑون سے زیادہ کفن مین دے گیے یا عورت کو پانچ سے زیادہ
تو یہ صرف بیجا کہا جائیگا۔ اور اگر تعداد مذکورہ بالا سے کم دے گیے تو ضرورت شرعی سے کم ہونا کہا جائیگا یا صرف بیجا کا اطلاق
بخیال قیمت کفن کے ہوگا مثلاً اگر کوئی متوفی اپنی حیات مین دس درم کا قیمتی کپڑہ پہنا کرتا تھا اور اوسکو اس قیمت سے
زیادہ یا کم قیمت کا کپڑہ کفن مین دیا گیا تو کہا جائیگا کہ اصراف یا کمی کی گئی۔ لیکن اگر متوفی عیدین مین خاص کپڑا پہنتا تھا
اور دوستون سے ملنے جلنے مین دوسری قسم کا اور اپنے مکان مین کم قیمت کا تو اسصورت مین متوفی کو دوسری
قسم کے کپڑہ سے کفن دیا جائیگا جو متوسط قیمت کا ہے پہلی قسم مین اصراف بیجا ہوگا اور تیسری قسم مین
نہایت کمی ہے ۵۲ کفن سنت مردون کے لیے تہمند یا ازار و کفنی جسے قمیص یا کرتہ بھی کہتے ہین جو بلا جیب
و کلی و آستین کے ہوتی ہے و چادر ہے و عورتون کے لیے تعداد مین پانچ ہے تین تو وہی جو مردون کے لیے اور دو سے
سینہ ڈھانکتے ہین جسے خمار یعنی اوڑھنی و خرقہ یعنی سینہ بند کہتے ہین در المختار صفحہ ۱۲۹۔

قرضہ مورث

سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۴۲۴ - اگر کسی میت کے قرض خواہ نے میت کے
چند ورثا میں سے صرف ایک کے مقابلہ میں ڈگری حاصل کی جسکا علم دوسرے ورثا
کو نہیں ہے وہ دے اوس نالش مین فریق کیے گئے تو وہ ڈگری اونپر لایق پابندی
نہیں ہے - مقدمہ عصمت النسا بی بی بنام لچھمی پت سنگھ[ف۱] کے حالات یہ تھے -
بذل الرحیم مورث متوفی مقروض مرا تھا صدر النسا منجملہ وارثون کے ایک تھی دیگر وارثون پر نالش کرکے داین
نے بذل الرحیم کی حقیت نیلام کرائی تھی بعدہٗ صدر النسا نے اپنے حصہ شرعی کا دعوی
کیا تجویز کا اہم حصہ حسب ذیل ہے -
"پس بحث نسبت اس امر کے پیدا ہوتی ہے کہ آیا وہ ڈگری جو اس طرح پر حاصل کی گئی تھی
صدر النسا پر جس نے اوسکی نسبت رضامندی نہین ظاہر کی تھی موثر تھی یا نہین اور یہ امر
میری راے مین بموجب شرع محمدی کے جہان تک کہ قانون مذکور اس معاملہ مین
متعلق ہوسکے تجویز ہونا چاہیے -
مسٹر جیکسن نے منجانب اپیلانٹ کے ہمارے روبرو اس بات پر بہت اصرار کیا کہ چونکہ
بذل الرحیم کی کل جائداد غیر منقولہ مقدمہ بالا کے مدعا علیہم کے قبضہ مین تھی لہذا بموجب
شرع محمدی کے وہی مدعا علیہم بذل الرحیم کے کل ترکہ کے قایمقام تھے - اور جو ڈگری
اون پر صادر ہوئی اوسکا اثر صدر النسا کے حصہ پر ویسا ہی ہے جیسا خود اونکے حصہ پر
ہے - اور بتائید اس حجت کے ہدایہ کے فقرات ذیل پر استدلال کیا -
"کتاب ۲۰ باب ۴ (درباب فرایض قاضی) مین یہ تحریر ہے "متوفی کے وارثون مین
سے ہر وارث منجانب دیگر ورثا کے ہر ایسی شے کی بابت جو متوفی کی یافتنی یا اوسکے

[ف۱] کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۱۴۲ یہ فیصلہ اجلاس کامل کا ہے جسمین متعدد اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کل فیصلہ لایق پڑھنے کے ہے - نیز دیکھو امبا شنکر ہر پرشاد بنام علی رسول بمبئی جلد ۱۹ صفحہ ۲۷۳ -

ذمہ ہو خواہ وہ قرضہ ہو یا کوئی اور شے الخ فریق نالش ہو سکتا ہے ،، اسکی نسبت یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ " اگر ایک وارث سب کی طرف سے خصم ہو سکتا ہے تو یہ نتیجہ ہو گا کہ ہر داین مستحق ہو گا کہ اپنے قرضہ کا مطالبہ اوسی ایک وارث سے کرے مگر قانوناً ہر شخص صرف اپنا حصہ ادا کرنیکا ذمہ دار ہے ۔

جواب " منجملہ چند وارثون کے صرف ایک سے داینیان اوس صورت مین مطالبہ کرنے کے مستحق ہین ۔جب کل مال اوس وارث کے قبضہ مین ہو جامع کبیر مین بھی یہی مسئلہ لکھا ہے اور وجہہ اسکی یہ ہے کہ گو منجملہ چند وارثون کے ایک وارث سب کی طرف سے بحیثیت مدعی عمل کر سکتا ہے لیکن بطور مدعا علیہ کے اون سب کی طرف سے عمل نہین کر سکتا تا وقتیکہ کل مال اوسکے قبضہ مین نہ ہو ،،

دو لیفرجی اس امر کے کہ فقرات مذکور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بموجب شرع محمدی اگر مدیون متوفی کی کل جائداد غیر منقولہ اوسکے وارثون مین صرف ایک وارث کے قبضہ مین ہو تو داین اوس وارث پر بحیثیت قابض کل جائداد کی نالش کر سکتا ہے اور اوس ڈگری کی جو اوسپر حاصل کیجاے دیگر ورثا پر بھی پابندی ہو گی لیکن ہدایہ کے متن سے یہ واضح نہین ہوتا ہے کہ وہ قاعدہ جو اسطرح پر قایم کیا گیا ہے اوس صورت مین کس قدر متعلق ہو گا جب چند ورثا مین سے دو یا زیادہ پر جو قابض جائداد ہون نالش کی گئی ہو ۔ نہ یہ واضح ہوتا ہے کہ اوس وارث پر جسپر نالش کی گئی ہے صریحاً بطور قابض کل جائداد متوفی کے مواخذہ کرنا چاہیے یا نہین اور نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آیا وارثان غیر حاضر کا نام کارروائیات مین درج کرنا چاہیے یا نہین ۔

دو مگر ہدایہ کے ایک دوسرے فقرہ سے جسپر ہماری توجہ مائل کی گئی ہے یہ صاف ظاہر ہے کہ غیر حاضر وارث یقیناً اوس ڈگری کا پابند نہ ہو گا جو ایسی نالش مین حاصل کیجاے

بجز اوس صورت کے کہ کارروائی باضابطہ عمل مین آئی ہو اور مدعی نے اپنا دعوی عدالت عام مین ثابت کیا ہو - اور جو ڈگری کہ اوس وارث کی رضامندی سے صادر ہوئی ہے جسپر نالش تھی وہ دیگر ورثا کو پابند نہین کرتی - کتاب ۹ ۳ باب ایک مین جو در باب تقسیم ہے یہ لکھا ہے -

"مثلاً جب کوئی شخص قرضہ کی نالش ترکہ پر کرے اور ایک وارث یا چند ورثا دین سے اقبال کرے تو اوس صورت مین چونکہ وہ اقبال دیگر ورثا کے نسبت ناطق نہین ہے بلکہ مدعی کو لازم ہے کہ قاضی کے روبرو اپنی نالش مین اوس وارث یا ورثا کے مقابلہ مین بھی شہادت پیش کرے ورنہ وہ اپنا دعوی بمقابلہ کل ترکہ کے جس سے دیگر ورثا کی مضرت ہے ثابت نہین کرسکتا"

"مسئلہ مذکور میرے نزدیک اس بات کی صریح سند ہے کہ مدیون متوفی کے ایک وارث کے اقبال سے جو ڈگری صادر ہو وہ دیگر ورثا کو پابند نہین کرتی اور یہ قاعدہ صریح انصاف پر مبنی ہے - گو بخیال سہولت ایسی کارروائیون سے جو عدالت عام مین باضابطہ عمل مین آئی ہون غیر حاضر وارث کے حصہ پر مواخذہ عاید ہو سکتا ہے - کیونکہ اوس صورت مین حاکم کی منظوری و موجودگی اور کارروائی کا جلاس عام مین ہونا شخص غیر حاضر کی حفاظت کے ذریعے ہین اور یہ باتین اس امر کی ضامن ہین کہ ڈگری انصافاً و نیک نیتی سے صادر کی گئی ہے لیکن وہ ڈگری جو کسی شخص کے اقبال پر صادر ہوئی ہے اوسکی حالت صریحاً بالکل مختلف ہے کیونکہ اس صورت مین شخص غیر حاضر کے حقوق بالکل اوس فریق مقبل کے اختیار مین ہین اور ڈگری کے صحیح ہونے کے لیے اور غیر حاضر شخص کو کسی فریب یا سازش سے جو اوسکو نقصان پہونچانے کے لیے کیجاے محفوظ رکھنے کا کوئی ذریعہ نہین ہے"

بمقدمہ جعفری بیگم بنام امیر محمد خان[۵۱] الہ آباد ہائی کورٹ نے اصول مذکورہ بالا کی تقلید کی لیکن

[۵۱] الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۸۲۲ و نیز دیکھو محمد ولیس بنام ہر سہاے الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۶۱ -

یہ تجویز کی کہ جو وارث فریق نالش نہ تھا وہ ترکہ مورث مین اپنا حصہ صرف اوس حالت مین
پا سکتا ہے جب وہ قرض کا حصہ رسدی ادا کرے - یہ بھی تجویز کی کہ ترکہ فوراً ورثاء کی ملکیت
مین آگیا اور میراث کا پہونچنا قرض کی ادائگی پر مشروط نہین ہے - و نہ اوسکے ادا ہونے
تک معطل رہتا ہے - یعنی اگر داین نے مورث کے قرضہ کی ڈگری اون ورثاء
کے مقابل مین حاصل کی جو کل یا بعض ترکہ پر قابض تھے عام اس سے کہ وہ ڈگری
نزاعی مقدمہ مین صادر ہوئی یا غیر نزاعی مین وہ ڈگری اون ورثاء کو پابند نہین کرتی جو بوجہ
غیر حاضری یا اور کسی سبب سے ترکہ پر قابض نہ تھے اور اس قسم کی ڈگری کے اجراء مین
اگر جائداد نیلام ہوگئی ہے تو وہ نیلام اون اشخاص کے حقوق پر موثر نہ ہوگا جو فریق ڈگری
نہین ہین[۵۱] مگر اس امر مین بھی تمام فیصلجات ہمشکل نہین ہین - بمقدمہ موتی جان بنام احمد علی[۵۲]
داین نے متوفی کی بیوہ و ایک دختر پر جو اوسکے ترکہ پر قابض تھین نالش کرکے ڈگری
حاصل کی اور بعلت اوس ڈگری کے کچھ ترکہ نیلام کرایا بعدہٗ متوفی کی دو منکوحہ دختران
نے جو اپنے شوہرون کے ساتھ اپنی مان و بہن سے علحدہ رہتی تھین جائداد نیلام شدہ
مین اپنے حصہ شرعی کا دعوی کیا - کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ تجویز کی کہ جب ترکہ متوفی اوسکے
ذمگی قرضہ مین نیلام ہوا تو نالش مدعیان ڈسمس ہونی چاہیئے کیونکہ جب مدیون متوفی کے
داین نے وارث قابض پر نالش کرکے ترکہ پر ڈگری پائی تو وہ نالش اہتمام ترکہ کی متصور ہونی چاہیئے
اور جو ورثاء کہ فریق نالش نہ تھے تاوقتیکہ فریب نہ ثابت کرین اوس سے زیادہ نہین پا سکتے

---

۵۱ وحید النساء بنام شبراتن بنگال لا ربورٹ جلد ۶ صفحہ ۵۴ و مظہر علی بنام بدھ سنگھ الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۲۹۷
و بچن سنگھ بنام کچھن الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۵۸۳ و ہمیر سنگھ بنام زکیہ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۷ -

۵۲ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۳۷۰ -

ورثہ نہین ملتا تھا۔ دختر کو اس وجہ سے نہین کہ اوسکی ولادت بدبختی کی علامت خیال کیجاتی تھی اور نیز اس وجہ سے کہ بعد نکاح کے وہ دوسرے خاندان کی ممبر ہو جاتی تہی متوفی کی بیویون کی حیثیت غلام سے زیادہ نہ تھی کیونکہ وے بہی بشمول املاک کے وارثون کو ورثہ مین ملتی تہین۔

و نابالغ کو اس وجہ سے نہین کہ اپنے قبیلہ کے حقوق کی حفاظت کرنے کے ناقابل تہا لیکن رسول عربی نے اس قاعدہ کی اصلاح کر کے بیوہ و مان و بہنون کو مستحق میراث قرار دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتین جو سابق مین ہمیشہ مردون کی دست نگر و محتاج ہوتی تہین مردون کی غلامی سے نکلکر خود اپنے مال و دولت کی مستقل مالک ہو گئین قانون وراثت کلام مجید کے پارہ چہارم کے ذیل کے احکام پر مبنی ہے[۱]۔

(۱) مان و باپ و اور رشتہ دارون کے ترکہ مین تھوڑا ہو یا بہت مردون کا حصہ ہے اور ایسا ہی مان باپ و اور رشتہ دارون کے ترکہ مین عورتون کا بہی حصہ ہے اور یہ حصہ ہمارا ٹہرایا ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہاری اولاد کے حصون کے بارے مین) اللہ تم سے کہے رکہتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیون کی برابر (حصہ دیا کرو) پھر اگر لڑکیان (دو یا) دو سے بڑہکر ہون تو ترکہ مین اونکا (حصہ) دو تہائی اور اگر اکیلی ہو تو اوسکا ادہا اور میت کے مان باپ کو (یعنی) دونون مین ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اس صورت مین کہ میت کے اولاد ہو۔ اور اگر اوسکے اولاد نہ ہو اور اوسکے (صرف) مان باپ ہون تو اوسکی مان کا حصہ ایک تہائی (باقی باپ کا) (لیکن) اگر (مان باپ کے علاوہ) میت کے (ایک سے زیادہ) بہائی (یا بہنین) ہون تو مان کا چھٹا حصہ (باقی سب باپ کا اور بہائیون کو کچھ نہین)۔ (مگر یہ حصے) میت کی وصیت (کی تعمیل) اور دادا سے قرضہ کے بعد (دیے جائین) تم اپنے باپ (دادون یعنی اصول) اور بیٹون (پوتون یعنی فروع) کو نہین جان سکتے کہ نفع رسانی کے اعتبار سے ان مین کونسا تم سے زیادہ قریب ہے (پس تم اپنی رائے کو دخل نہ دو اور یون نے کہم)

---

[۱] قرآن صفحہ ۱۲۳ لغایتہ ۱۲۵ مترجمہ شمس العلما مولانا نذیر احمد طبع اول۔

حصون کا قرار داد اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے ۔ اللہ بلاشبہ (سب کچھہ) جانتا اور (سب مصلحتون سے) واقف ہے

اور جو ترکہ تمہاری بیبیان چھوڑ مرین اگر اونکی اولاد نہین تو اونکے ترکہ مین تمہارا آدہا ہے اور اگر اونکی اولاد ہے

تو اون کے ترکہ مین تمہارا چوتھائی (مگر) اون کی وصیت (کی تعمیل) اور (ادا) ئے قرض کے بعد اور تم

کچھہ ترکہ چھوڑ مرو اور تمہاری کوئی اولاد نہو تو بیبیون کا حصہ چوتھائی اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ مین بیبیون

کا آٹھوان حصہ (اور یہ حصے بہی) تمہاری وصیت (کی تعمیل) اور ادائے قرض کے بعد دیے جائین

اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اوسکے باپ بیٹا (یعنی اصل وفرع) نہ ہو اور اوسکے بہائی یا بہن ہو تو

بہائی بہنون مین ہر ایک کا چہٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہون تو ایک تہائی مین سب شریک (یہ حصے

بہی) میت کی وصیت (کی تعمیل) اور (ادائے) قرض کے بعد دیے جائین بشرطیکہ میت نے

کسیکو نقصان نہ پہنچانا چاہا ہو"

احکام مذکورہ بالا کی نسبت مسٹر میگناٹن لکہتے ہین "فطرتاً جن لوگون سے ہمکو محبت ہوسکتی ہے اون کے حقوق کی پوری نگہداشت ان احکام مین موجود ہے اور کسی ایسے دوسرے قانون کا وجود خیال مین آنا مشکل ہے جسمین ان سے زیادہ عدل وانصاف کے قاعدے درج ہون"

## فصل دوم ۔ فرایض[۵۱]

اہل سنت وجماعت مین ورثائے شرعی کی تین قسم ہین ۔ اول ذوی الفروض دوم عصبہ سوم ذوی الارحام ۔

---

۵۱ فرایض جمع ہے فریضہ کی جو فرض سے ماخوذ ہے ۔ لغت مین فرض کے معنی تقدیر وقطع وبیان کے ہین اور شرع مین فرض وہ ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو اور اوس نوع فقہ کو فرایض اسوجہہ سے کہتے ہین کہ یہ سہام نص قطعی یعنی قرآن مجید سے ثابت ہین ۔ ارث کے لغوی معنی بقا کے ہین اور شرع مین ایک شخص کے مال کو دوسرے کی طرف بطریق خلافت منتقل کرنے کو وارث کہتے ہین

ذوی الفروض ہر ایسے وارث کو کہتے ہین جسکا حصہ قرآن مجید یا رسول اللہ کی سنت مین یا باجماع
امت مقرر ہو۔ ذوی الفروض کو اون کا معین حصہ ملتا ہے۔ بعد اوسکے اگر ترکہ کچھہ بچ رہا
تو عصبون مین تقسیم ہوتا ہے۔ اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو بقیہ ترکہ ورثائے ذوی الفروض مین
تقسیم ہوتا ہے اگر ذوی الفروض و عصبہ نہ ہون تو ترکہ ذوی الارحام کو ملتا ہے۔

ورثائے ذوی الفروض تعداد مین بارہ[۱۲] ہین منجملہ اونکے چار[۴] مذکر ہین و آٹھہ[۸] مؤنث۔

ان ذوی الفروض کے حصص مین بوجہہ خاص خاص حالتون کے کمی بیشی ہوتی ہے
اور بعض صورتون مین بالکل محروم ہو جاتے ہین۔ قسم ذکور مین جو چار ذوی الفروض ہین
وہ یہ ہین۔ باپ[۱]۔ جد[۲] یا دیگر مورث اعلی۔ اخیافی بھائی[۳]۔ شوہر[۴]۔ مونث ذوی الفروض
یہ ہین۔ زوجہ[۱]۔ لڑکی[۲]۔ لڑکے کی لڑکی یعنی پوتی[۳]۔ مان[۴]۔ دادی[۵]۔ حقیقی بہن[۶]۔ علاتی بہن[۷]۔ اخیافی بہن[۸]

نمبر۱۔ باپ۔ اسکی تین حیثیت قرار دی گئی ہے۔ اول محض ذوی الفروض جبکہ متوفی نے
کوئی اولاد از قسم ذکور چھوڑی ہے۔ دوم محض عصبہ۔ جبکہ باپ کے ساتھہ کوئی اور ذوی الفروض
ہو مثل شوہر یا زوجہ یا مان یا دادی کے۔ اس حالت مین ذوی الفروض کو
حصہ دینے کے بعد بقیہ ترکہ باپ کو ملیگا۔ سوم۔ ذوی الفروض و عصبہ دونون جیسا
اوس حالت مین جب متوفی نے باپ و لڑکی چھوڑی۔ اس صورت مین باپ کو اول اوسکا
معین حصہ ملے گا۔ اور بعدہٗ لڑکی یا لڑکیون کا حصہ دیکر اگر کچھہ بچا تو وہ پھر باپ کو بحیثیت عصبہ
ملے گا۔ باپ کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے۔ اگر متوفی نے لڑکا یا لڑکے کا لڑکا چھوڑا۔

نمبر۲۔ جد صحیح یا بعید درجہ کا بشرطیکہ وہ باپ یا کسی اور قریب مورث کے سبب سے
محروم الارث نہ ہو = $\frac{1}{6}$۔

وراثت کے اغراض کے لیے شرع حنفی مین جد کی دو قسم قرار دی گئی ہین۔ صحیح و فاسد
جد صحیح وہ ہے جسکے رشتہ قرابت مین کوئی اناث داخل نہ ہو جیسے باپ کا باپ جد صحیح ہے

برعکس اسکے مان کا باپ جد فاسد ہے۔ جدہ صحیحہ وہ ہے جسکا رشتہ قرابت متوفی کے ساتھ بلا توسط جد فاسد کے ہو جیسے مان کی مان یا باپ کی مان یا باپ کے باپ کی مان جد صحیحہ ہین برعکس اسکے مان کے باپ کی مان جدہ فاسدہ ہے[۵]۔ اس قسم کا کوئی امتیاز شیعہ مذہب مین نہین ہے۔

نمبر ۳۔ اخیافی بھائی جب ایک ہو (اور متوفی کے کوئی اولاد یا اولاد پسر یا باپ یا جد صحیح نہو) ۱/۶

جب ایک سے زیادہ ہون ایضاً ۱/۳

---

[۵] جدہ فاسدہ وہ ہے جسکے نسب بیان کرنے مین دو مان کے درمیان باپ آوے جیسے مان کے باپ کی مان۔ عالمگیری صفحہ ۱۱۴ بحالت عدم موجودگی باپ جد صحیح کو بجز چار صورتون کے وراثت مین وہی حقوق حاصل ہوتے ہین جو باپ کو ہین۔ چونکہ جد صحیح کی قرابت متوفی سے بوساطت باپ کے ہے اس لیے بمقابلہ باپ کے وہ رشتہ دار بعید ہے و باپ کی حیات مین اوسکو کچھہ ورثہ نہ ملے گا چار استثنائی حالتین یہ ہین۔ اول باپ کی مان کو باپ کے ساتھ کچھہ حصہ نہین ملتا۔ لیکن جد صحیح کے ساتھ ملتا ہے۔ دوم۔ اگر متوفی نے والدین و زوجہ (و اگر متوفیہ عورت ہے تو شوہر) چھوڑے ہون تو اس حالت مین بعد دینے حصہ زوجہ یا زوج کا جیسے صورت ہو باقی ماندہ کا ایک ثلث مان کو ملے گا لیکن اگر بجاے باپ کے جد صحیح ہو تو مان کو کل ترکہ کا ایک ثلث ملے گا۔ سوم۔ تمام بھائی بہنون کو بموجودگی باپ کے کچھہ نہ ملے گا (اسپر جملہ علما کا اتفاق ہے) مگر بجاے باپ کے اگر جد صحیح ہو تو وے محروم نہ ہونگے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کی حالت مین بھی محروم ہونگے اور اسی پر فتوی ہے۔ چہارم۔ ابویوسف کے قول کے مطابق غلامی سے آزاد کرنے والے کا باپ اگر آزاد کنندہ کے لڑکا بھی ہے تو غلام آزاد شدہ کے ترکہ سے ۱/۶ پائیگا مگر جد صحیح کی حالت مین یہ بات نہین ہے بلکہ کل ترکہ آزاد کنندہ کے لڑکے کو ملے گا۔ مگر دیگر ائمہ کے نزدیک باپ و جد صحیح مین کوئی فرق نہین رکھا گیا ہے اور دونون مین سے کسیکو کچھہ حصہ ترکہ غلام آزاد شدہ سے نہین ملتا۔ ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء صفحہ ۹۶ بحوالہ شریفیہ صفحہ ۱۸۔

**نوٹ** اخیافی یعنی مادری بہائیون کے ساتھہ مادری بہنین ہون تو یہ سب اسی تہائی مین مساوی حقدار ہونگے یعنی ان مین مرد و عورت کا حصہ برابر ہے۔ ہدایہ صفحہ ۸۷۵۔

**نمبر ۴ شوہر** (جب متوفی کی اولاد ہو یا پسر کی اولاد چاہے کسی قدر بعید ہو) ۱/۴

جب کوئی اولاد وغیرہ نہو . . . . . . . . . . . . ۱/۲

**نمبر ۵۔ زوجہ** (جب متوفی کے اولاد ہو یا پسر کی اولاد چاہے کسی قدر بعید ہو) ۱/۸

جب اولاد یا پسر کی اولاد نہ ہو . . . . . . . . . ۱/۴

**نوٹ۔** اگر شوہر یا زوجہ کے ساتھہ متوفی کی دختر کی اولاد ہو تو اس صورت مین اونکو اونکا پورا حصہ ملتا ہے اگر متوفی کے ایک سے زیادہ زوجہ ہون تو سب اوسی حصہ مین شریک ہونگی جو ایک زوجہ کو ملے گا۔

**نمبر ۶۔ دختر۔** جب ایک ہو د کوئی لڑکا نہ ہو . . . . . . . . . ۱/۲

ایک سے زیادہ ہون و کوئی لڑکا نہ ہو . . . . . . . . . ۲/۳

**نمبر ۷۔** لڑکے کی لڑکی یا پوتے کی لڑکی یا اور بعید درجہ کی (جبکہ تنہا ہو اور متوفی کی کوئی اولاد یا پوتہ نہو) ۱/۲

جب ایک سے زیادہ ہون ایضاً . . . . . . . . . . ۲/۳

جب متوفی کی پوتی و ایک لڑکی ہو اور لڑکا یا پوتا نہ ہو تو پوتی = ۲/۳ - ۱/۲ = ۱/۶ [۵۱]

**نمبر ۸۔ مان** (جبکہ متوفی کے کوئی اولاد ہو یا اوسکے پسر کی اولاد چاہے کسی قدر بعید۔ یا دو یا دو سے زیادہ بہائی بہنین ہون چاہے وہ اخیافی ہون یا علاتی) . . . . . . ۱/۶

---

[۵۱] بحالت نہ ہونے اولاد سلبی کے دختران پسر مثل دختران صلبی کے ہین پوتی کے حق کی بابتہ ۶ شکلین ہوسکتی ہین اگر خود متوفی کے لڑکی نہین ہے تو ایک پوتی کو نصف ملیگا اور دو اور دو سے زیادہ کو دو ثلث۔ اگر متوفی کی دو لڑکیاں ہین تو پوتی یا پوتیون کو کچھہ نہ ملے گا تا وقتیکہ پوتیون کے مساوی الدرجہ یا بعید کوئی لڑکا نہ ہو جسکی موجودگی مین پوتیان عصبہ ہو جائینگی اور اوس صورت مین مرد کو عورت سے دوچند حصہ باقیماندہ سے ملے گا۔ اگر متوفی کے کوئی لڑکا ہو تو پوتیان کلیتہً محروم ہو جائینگی۔ سراجیہ صفحہ ۱۰۔

اور جب یہ صورت نہ ہو . . . . . . . . . . . $\frac{1}{3}$

لیکن جب باپ کے ساتھہ ہوگی تو زوجہ یا شوہر متوفی کے حصہ کی منہائی کے بعد بقیہ کا $\frac{1}{3}$ ماں کو ملیگا - اور اگر دادا کے ساتھہ ہوگی تو کل ترکہ کا $\frac{1}{3}$ ماں کو ملے گا -

نمبر ۹ - جدہ صحیحہ خواہ کسی قدر بعید ہو بشرطیکہ وہ کسی اور مورثہ صحیحہ کے باعث محروم الارث نہ ہوگئی ہو $\frac{1}{6}$ اور اگر ایک سے زیادہ جدہ صحیحہ ہین تو اون سب کو بھی $\frac{1}{6}$ ملے گا - (۱۵)

(۱۵) ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ع دادی و نانی دونون ماں کے ہوتے محروم الارث ہین - باپ کی طرف سے جو مورثہ از قسم اناث ہو وہ باپ کے باعث بھی محروم ہو جاتی ہین - اور جد صحیح کے باعث بھی مگر باپ کی ماں یعنی دادی چاہے رشتہ مین کتنی ہی بعید ہو بوجہ اسکے کہ اوسکا رشتہ جد کے توسط سے نہین ہے بلکہ دادا کی زوجہ ہونے کی حیثیت سے ہے - اس لیئے جد و جدہ دونون مستحق وراثت ہین جیسے باپ کے ساتھ ماں کو بھی ورثہ ملتا ہے - دادی اوس حالت مین محروم ہوتی ہے جبکہ دادا رشتہ مین ایک درجہ بعید ہو - لیکن جب دادا رشتہ مین دو درجہ بعید ہو جیسے باپ کے باپ کا باپ تو اس صورت مین دو بیبدی مورثہ کو اوس دادا کے ساتھ ورثہ ملیگا یعنی باپ کے باپ کی ماں کو جو زوجہ باپ کے باپ کے باپ کی ہے دوسرے باپ کی ماں کی ماں کو جو کہ دادا کی زوجہ کی ماں ہے -

ذیل کی تشریح سے یہ امر بخوبی ظاہر ہوگا - ۶×۲ = ۱۲

باپ کے باپ کی ماں = ۱ -
باپ کی ماں کی ماں . . = ۱
} باپ کے باپ کا باپ = ۱۰

جیسے جیسے دادا رشتہ مین بعید ہوتا ہے ویسے ہی اون دادیون کی تعداد جو باپ کی طرف سے ہون اور دادا کے ساتھ مستحق وراثت ہون بڑہتی ہے - مثلاً اگر دادا متوفی سے تین درجہ بعید ہو تو باپ کی طرف تین ہی دادیان جو اوس دادا کے مساوی الدرجہ ہین اوسکے ساتھ مستحق وراثت ہونگی جیساکہ ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہوگا -

۶×۳ = ۱۸

باپ کے باپ کی ماں کی ماں = ۱
باپ کے باپ کے باپ کی ماں = ۱
} باپ کی ماں کی ماں کی ماں . . . . . . . . . = ۱
باپ کے باپ کے باپ کا باپ . . . . . . . . = ۱۵

نمبر ۱۔ حقیقی یا عینی بہن (جبکہ تنہا ہو اور کوئی لڑکا یا لڑکے کا لڑکا خواہ کسی قدر بعید ہو یا باپ یا جدہ صحیحہ یا دختر یا لڑکے کی دختر یا بہائی نہو) . . . . . . . $\frac{1}{2}$

جب دو یا دو سے زیادہ ہون اور کوئی حجب نہو . . . . . . . . . $\frac{2}{3}$ [۹۵]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵ قریب تر جدہ بعید درجے کی جدہ کو چاہے وہ باپ کی طرف سے ہو یا مان کی طرف سے محروم الارث کرتی ہے گو جدہ قریبہ کو ترکہ مین کچھہ حصہ ملے۔ یا آنکہ خود محروم ہو۔ مثلاً باپ کی مان کو بحالت حیات باپ کے ترکہ مین کچھہ نہ ملے گا لیکن اوسکی وجہ سے مان کی مان کی مان محروم الارث ہوجائیگی۔ اسیطرح اوس حالت مین جبکہ متوفی نے باپ و باپ کی مان و مان کی مان کی مان چھوڑی ہو تو کل ترکہ باپ کو ملے گا کیونکہ جدہ بعید قریبی جدہ کی وجہ سے محروم الارث ہے و قریبی جدہ بوجہہ باپ کے اسی طرح متوفی کی بہنون کے باعث مان کا حصہ ایک ثلث سے $\frac{1}{6}$ ہوجاتا ہے گو خود بہنین مان کی وجہ سے محروم الارث ہوجاتی ہین۔ شریفیہ صفحہ ۳۴ و ۳۵۔ اگر منجملہ دو جدہ صحیحہ کے ایک متوفی سے دو رشتہ قرابت رکھتی ہے اور دوسری صرف ایک تو امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک $\frac{1}{6}$ حصہ دونون مین برابر تقسیم ہوگا اور امام محمد دو رشتہ والے جدہ کو ایک حصہ والی سے دوچند دلائین گے امام مالک و شافعی کی بہی وہی رائے ہے جو امام ابوحنیفہ کی ہے۔

[۹۵] ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء صفحہ ۲۳۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کی موجودگی کے باعث بہی حقیقی و علاتی بہنین محروم الارث ہوجاتی ہین اور امام موصوف ہی کے قول پر فتوی بہی ہے لیکن امام ابویوسف و امام محمد کے نزدیک ایسا نہین ہے چنانچہ اسکے متعلق در المختار مین اس طرح لکہا ہے "دو حقیقی بہائی بہنین تین شخصون سے محروم الارث ہوتی ہین یعنی متوفی کے پسر و پسر کے پسر سے چاہے کتنا ہی بعید ہو اور باپ کیوجہ سے باتفاق جملہ علما اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کے باعث بہی۔ اور فتوی امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے" فتاوی عالمگیری مین لکہا ہے کہ پسر و پسر کے پسر سے چاہے وہ کتنے ہی بعید ہو اور باپ کے باعث جملہ بہائی بہنین محروم الارث ہوتی ہین اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جد صحیح کے باعث بہی اور باپ کی اولاد یعنی علاتی بہائی بہنین اشخاص

نمبر ۱۱- علاتی یعنی پدری بہن - جب تنہا ہو اور کوئی شخص منجملہ اشخاص مذکور (یعنی نمبر ۱) نہ ہو و نہ حقیقی بہن ہو . . . . . . . . . . . . ۱/۲

جب دو یا دو سے زیادہ ہون اور کوئی باعث محرومی کا نہ ہو . . . ۲/۳

اگر عینی بہن ایک ہو تو اوسکو نصف دیگر بقیہ دو تہائی کا یعنی چھٹا حصہ علاتی بہن یا بہنون کے واسطے ہوگا - اگر عینی بہنین موجود ہون اور علاتی بہنون کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو عینی واحد یا زیادہ کو اون کا قرض دیگر جو بچے اوسکے واسطے علاتی بھائی عصبہ ہے پس وہ اپنی بہنون کو اپنے ساتھ عصبہ کرے گا اور اس صورت مین بھائی کو بہن سے دو چند ملیگا - ہدایہ صفحہ ۶۷۸ [۵۱] -

نمبر ۱۲ - اخیافی بہن کو مثل اخیافی بھائی کے حصہ ملتا ہے -

# فصل سوم - عصبہ

ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء - عصبہ لغت مین رگ و پٹھے کو کہتے ہین اور شرع مین اس کے معنی ایسے قرابت دارون کے ہین جنکو میت کا ترکہ بعد دینے حصص ذوی الفروض کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۶ - مذکورہ بالا حقیقی بھائی کے باعث بھی محروم الارث ہو جاتی ہین و اخیافی بھائی بہنین متوفی کی اولاد کے باعث گو وہ دختر ہو یا پسر کی اولاد کے باعث و باپ و جد صحیح کے باعث محروم الارث ہوتے ہین -

[۵۱] ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء - حقیقی بھائی و نیز حقیقی بہن درحالیکہ وہ بوجہ موجودگی لڑکی یا پوتی کے عصبہ ہو جائے تو علاتی بھائی و بہن کو محروم الارث کرتے ہین -

وراثتاً ملتا ہے۔ عصبہ ہی درحقیقت اصل وارث شرعی ہین۔ کیونکہ فرع مین عصبہ میت کی اولاد نرینہ ہے۔ اور اصل مین میت کے باپ وجد صحیح چاہے رشتہ مین کتنے ہی بعید ہون۔ بحالت نہ ہونے کسی ذوی الفروض کے عصبہ کو کل ترکہ ملتا ہے

عصبہ کی دو قسم ہین۔ عصبہ نسبی و عصبہ سببی۔

عصبہ نسبی — عصبہ نسبی کی تین قسم ہین۔ اول عصبہ بنفسہ۔ دوم عصبہ بغیرہ۔ سوم عصبہ معہ غیرہ۔ عصبہ بنفسہ ہر ایسا مذکر ہے جسکا نسب میت کی جانب بیان کرنے مین کوئی مونث بیچ مین نہ آوے۔ فتاوی عالمگیری۔

**نوٹ**۔ سراجیہ نے مذکر کی قید اسوجہ سے لگائی ہے کہ کوئی مونث عصبہ بنفسہ نہین ہو سکتی۔ بلکہ وہ عصبہ بغیرہ و معہ غیرہ ہوتی ہے۔

عصبہ بنفسہ — عصبہ بنفسہ کی چار قسم ہین۔

**اول**۔ فرع یا جزو میت جیسے۔ بیٹا۔ پوتا۔ پرپوتا۔ جہان تک نیچے ہو۔ **دوم**۔ اصل میت جیسے باپ دادا۔ **سوم**۔ جزو پدر میت جیسے حقیقی یا علاتی بھائی۔ **چہارم**۔ جزو جد میت جیسے حقیقی یا علاتی چچا یا اونکی اولاد ذکور۔

(سراجیہ کی یہ عبارت ہے وَهُمْ اَرْبَعَةُ اَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ وَاَصْلُهٗ وَجُزْءُ اَبِيْهِ وَجُزْءُ جَدِّهٖ)

**نمبر ۱**۔ ہر صنف بہ ترتیب مذکورہ بالا میراث پاتی ہے یعنی اول فرع میت جب وہ نہ ہون تو اصل میت و جب وہ نہ ہون تو فرع پدر میت و جب وہ بھی نہ ہون تو فرع جد میت۔

**نمبر ۲**۔ رشتہ دار قریبی رشتہ دار بعید کو محروم کرتا ہے جیسے بحالت موجودگی پسر کے پوتے و پرپوتے محروم ہونگے و باپ کے ہوتے دادا محروم ہوگا و بھائی کے ہوتے بھتیجہ محروم ہوگا و چچا کے ہوتے چچا کی اولاد محروم ہوگی۔

نمبر ۳- اگر قرابت وار درجہ مین برابر ہون تو حقیقی قرابت کو ایک جہتی قرابت والے پر ترجیح ہے جیسے حقیقی بہائی کو علاتی بہائی پر ترجیح ہے۔

نمبر ۴- اگر عصبات مین سے ایک جماعت ایک ہی درجہ کی ہے تو ترکہ اونمین باعتبار ابدان کے تقسیم ہوگا یعنی جتنے نفر ہین ہر ایک کو ایک وارث شمار کیا جائیگا اور اون کے اصول کی تعداد پر ترکہ تقسیم نہ ہوگا مثلاً میت کے ایک بہائی کے ایک لڑکا ہے اور دوسرے بہائی کے دس لڑکے ہین تو مال کے دو حصے نہ ہونگے بلکہ مال کے گیارہ حصے کرکے بہتیجون کو دیا جائیگا۔ عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۱۱۶

عصبہ بغیرہ — عصبہ بغیرہ چار عورتین ہین۔ جنکا حصہ نصف اور دو ثلث قرآن مجید مین مقرر ہے۔ یعنی بیٹی۔ پوتی۔ حقیقی بہن۔ علاتی بہن۔ بیٹی بیٹے کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے و پوتی پوتے کے ساتھ حقیقی بہن حقیقی بہائی کے ساتھ و علاتی بہن علاتی بہائی کے ساتھ بحالت عصبہ ہونے کے ان عورتون کو اون مردون کے حصے سے نصف ملے گا۔ جن مردون کے باعث وہ عصبہ ہوئی ہین۔ چار عورات مذکورہ بالا کے علاوہ کوئی دوسری عورت عصبہ نہین ہوسکتی یا بالفاظ دیگر جو عورات ذوی الفروض نہین ہین وے اپنے بہائی کے باعث عصبہ نہین ہوسکتین۔ اگرچہ وہ بہائی خود ہی عصبہ ہو۔ مثلاً اگر متوفی نے اپنی بیوہ و چچا و پہوپی چہوڑی چاہے پہوپی حقیقی ہو یا علاتی تو بیوہ کا حصہ دینے کے بعد جو بچیگا وہ کل چچا کو ملے گا کیونکہ پہوپی بہتیجہ کے ورثا ذوی الفروض سے نہین ہے۔

عصبہ معہ غیرہ — عصبہ معہ غیرہ وہ عورتین ہین جو اور عورتون کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہین۔ حقیقی بہن متوفی کی لڑکیان یا پوتیون سے عصبہ ہوجاتی ہے اور علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے۔ مثلاً اگر متوفی نے ایک حقیقی بہن اور چند علاتی بہائی و بہنین چہوڑی ہین تو اس حالت مین حقیقی بہن کو نصف ترکہ ملے گا اور بقیہ نصف علاتی بہائی

بہنون مین اس طرح پر تقسیم ہوگا کہ ہر بہائی کو بہن سے دوچند دیا جائیگا۔ اگر بجائے ایک حقیقی بہن کے چند حقیقی بہنین متوفی نے چہوڑی ہین تو حقیقی بہنون کو دو ثلث ملیگا اور باقی ایک ثلث علاتی بہائی بہنون مین بطریق مذکور تقسیم ہوگا۔

عصبہ بغیرہ و عصبہ معہ غیرہ مین یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ ایسے شخص کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے جو عصبہ بنفسہ ہے اور عصبہ معہ غیرہ کے ساتھ یہ خصوصیت نہین ہے۔

اگر متوفی نے اپنے قرابت دارون مین مختلف قسم کے عصبہ چہوڑے ہین یعنی بعض تو عصبہ بنفسہ ہے و بعض عصبہ بغیرہ و معہ غیرہ تو اس حالت مین اوس عصبہ کو جو متوفی کا قریب ترین رشتہ دار ہے وراثت مین تقدم ہوگا بلا خیال قسم عصبہ کے۔ مثلاً اگر متوفی نے ایک لڑکی و ایک حقیقی بہن و علاتی بہائی کا ایک لڑکا چہوڑا ہے تو نصف ترکہ لڑکی کو ملے گا۔ و بقیہ نصف حقیقی بہن کو اور بہائی کے لڑکے کو کچہہ نہین ملے گا کیونکہ حقیقی بہن لڑکی کے باعث عصبہ معہ غیرہ ہے اور وہ بمقابلہ علاتی بہائی کے لڑکے کے قریب ترین رشتہ دار ہے۔ اسیطرح اگر بہائی کے لڑکے کے ساتھ چچا ہو تو چچا کو کچہہ نہ ملے گا۔ اور اگر بجائے بہائی کے لڑکے کے علاتی بہائی ہو تو علاتی بہائی کو کچہہ نہ ملے گا (فتاوی عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۶۲۹)۔

**عصبہ سببی** زمانہ سابق مین اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرتا تو اسکی وجہ سے اوسکو غلام مذکور کے ترکہ مین حق عصوبت حاصل ہوتا تہا جسکو ولاء العتق یا عصبہ سببی کہتے ہین لیکن ولا کا مضمون اب ایک تاریخی واقع کی حیثیت سے زیادہ دلچسپی نہین رکہتا۔ کیونکہ دفعہ ۳۔ ایکٹ ۵ سنہ ۱۸۴۳ع کی رو سے عصبہ سببی کا وجود نہین تسلیم کیا گیا اور غلام آزاد شدہ کے ذوی الارحام مستحق وراثت قرار دے گئے ہین۔ حکام پریوی کونسل نے بمقدمہ سید میر ثناء الدین خان بنام ضیاء النسا بیگم[۱] یہ قرار دیا ہے کہ ایکٹ مذکور کی رو سے

[۱] اپیلہائے ہندلا رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۱۳۲۔

عصبہ سببی یا ولا کا حق وراثت کالعدم ہو گیا۔

فتاوی عالمگیری ۔ ولد الزنا و ولد ملاعنہ[51] کے عصبات اوسکی مان کے عصبات ہین اور وہی اپنی مان کا وارث ہو گا۔[52] پس اگر اوس نے بیٹی دختر اور مان چھوڑی اور ملاعن چھوڑا تو دختر کو نصف اور مان کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور باقی پہر اون دونون پر بقدر اونکے حصے کے رد کیا جائیگا۔ اور ملاعن کو کچھہ نہ ملے گا گو یا اون کا باپ کوئی نہ تہا۔ اسیطرح اگر ان دو وارثون کے ساتھ شوہر یا زوجہ ہو (یعنی متوفیہ کی زوجہ یا شوہر) تو اوسکا فریضہ حصہ [illegible] دیکر باقی دختر مان مین بطریق فرض ورد کے تقسیم ہو گا۔ اگر اوس نے مان چھوڑی اور مان کی طرف سے ایک بہائی چھوڑا اور ملاعن کا بیٹا چھوڑا تو مان کو تہائی اور مان کی طرف سے بہائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی پھر اونپر رد کیا جاوے گا اور ملاعن کے بیٹے کو کچھہ نہ ملے گا اسواسطے کہ باپ کی طرف سے اوسکا کوئی بہائی نہین ہے اگر ملاعنہ کے پسر کا فرزند مر گیا تو اوس کے باپ کی توام یعنی بہائی وارث ہونگے اور اوسکے دادا کی توام یعنی چچا اور اونکی اولاد وارث نہ ہونگی یہی حکم ولد الزنا کا ہے لیکن ان دونون مین یہ فرق ہے کہ اگر ولد الزنا کا توام بہائی مر گیا تو ولد الزنا کو اوسکی وراثت مثل اخیافی یعنی مادری بہائی کے ملیگی اور ولد ملاعنہ کا توام بہائی مر گیا تو ولد ملاعنہ مثل حقیقی بہائی کے وارث ہو گا۔

# فصل چہارم - ذوی الارحام

ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء۔ ذوی الارحام ہر ایسے نسبی رشتہ دار کو کہتے ہین جس کے لیے

---

[51] اگر بقاعدہ لعان قاضی زن وشو مین تفریق کرائے تو مرد ملاعن کہا جائیگا اور عورت ملاعنہ۔

[52] ولد الزنا وغیرہ صرف مان سے و اخیافی بہائی سے میراث پائین گے باپ سے نہین کیونکہ اوس سے اونکا نسب ثابت نہین ہے۔ ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء بحوالہ رمز الحقائق۔

کوئی حصہ فریضہ نہیں ہے اور نہ وہ عصبہ ہے وجب کوئی وارث نہ ہو تو سب ترکہ ذوی الارحام کو ملتا ہے۔ مگر شوہر یا زوجہ متوفی سے باوجودیکہ وہ ذوی الفروض سے ہے ذوی الارحام محروم نہیں ہوتے۔

## ذوی الارحام کی چار صنف ہیں

**نمبر ۱**۔ اولاد دختر (یعنی نواسہ نواسی) یا اولاد دختر پسر (یعنی پوتیوں کی اولاد) یعنی فروع منسوب بجانب میت۔

**نمبر ۲**۔ اجداد فاسدین یا جدات فاسدات مثلاً نانا و نانا کا باپ یا نانا کی ماں چاہے جس قدر بعید ہو یعنی جنکی طرف میت منسوب ہے۔

**نمبر ۳**۔ اولاد ہمشیرہ و دختر برادر (خواہ ہمشیرہ و برادر حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی) و پسران برادر اخیافی یعنی جو میت کی مادر و پدر کی جانب منسوب ہے۔

**نمبر ۴**۔ متوفی کے دادا و نانا دادی و نانی کی اولاد یعنی باپ کی ہمشیرگان برادران اخیافی دادا نکی اولاد و متوفی کے ماموں و خالائیں دادا نکی اولاد۔ یعنی جو منسوب بجانب جد و جدہ میت ہو۔ پس ان میں اعلیٰ درجہ صنف اول کا ہے گو وہ میت سے کتنا ہی دور ہو۔ پھر دوسری صنف پھر تیسری صنف پھر چوتھی صنف۔ جیسے کہ عصبات میں ترتیب ہے ویسے ہی ان میں۔

**نمبر ۱**۔ صنف اول میں مستحق وراثت وہ ہوگا جو متوفی سے رشتہ میں قریب تر ہو مثلاً متوفی نے اگر لڑکی کی لڑکی و لڑکے کی لڑکی کی لڑکی چھوڑی تو لڑکی کی لڑکی کو کل ترکہ ملے گا گو وہ تعداد میں ایک ہی ہو کیونکہ وہ رشتہ میں زیادہ قریب ہے۔

**نمبر ۲**۔ اگر چند رشتہ دار متوفی سے مساوی درجہ کی قرابت رکھتے ہوں تو جو رشتہ دار کہ ذوی الفروض

یا عصبہ کی اولاد سے ہوگا اوسکو ترجیح دیجائیگی جیسے لڑکے کی لڑکی کی لڑکی کو لڑکی کی لڑکی
کے لڑکے پر ترجیح ہے۔

نمبر ۳۔ چند وارثان جو درجہ وجہت کے اعتبار سے مساوی ہین تو اون مین سے جو اولاد
ذوی الفروض یا عصبہ کی ہوگی اوسکو ترجیح ہے لیکن اگر جہت مین فرق ہے تو جو شخص باپ
کی طرف سے قرابت رکھتا ہے اوسکو دو ثلث اور جو ماں کی طرف سے قرابت رکھتا ہے
اوسکو ایک ثلث حصہ ملے گا۔

نمبر ۴۔ جب چند وارثان مساوی درجہ وجنس واحد کی اولاد سے ہون اور اون مین سے
کوئی اولاد ذوی الفروض یا عصبہ کی نہ ہون یا ہون تو سب ہون تو اوس صورت مین تخریج
وراثت باعتبار جنس وتعداد وارثان کے ہوگی۔ یہان تک امام ابو یوسف وامام محمد متفق الرائے ہین۔ لیکن اگر
وارثان کے اصول کی جنس مختلف ہو تو ایسی صورت مین وارث کی جنس کا لحاظ نہ ہوگا بلکہ اصول یعنی
مورث کی جنس کا خیال کیا جاوے گا یعنی اولاد مورث ذکور کو ۲/۳ و اولاد مورث اناث کو ۱/۳
ملیگا۔ یہ قول امام محمد کا ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک اصول کی جنس پر لحاظ
نہ ہوگا۔ بلکہ وارثان کی جنس پر خیال رکھکر مذکر کو دو ثلث اور مونث کو ایک ثلث دیا جائیگا
ہندوستان کے اہل سنت وجماعت مین امام محمد کے قول پر عمل ہوتا ہے مگر مغربی
حصہ ایشیا مین امام ابو یوسف کا قول مانا جاتا ہے جو اس قدر پیچیدہ نہین ہے جیسا کہ
امام محمد کا قول ہے۔

دونون امامون کے قول کی وضاحت ذیل کے شجرہ سے ہوتی ہے

**نمبر ۱**

متوفی

| | |
|---|---|
| لڑکی | لڑکی |
| لڑکی | لڑکا |
| لڑکی | لڑکی |

ایک ثلث = لڑکی    لڑکی = دوثلث - مطابق قول امام محمد کے

مگر ابویوسف کے نزدیک دونون وارثون کو نصف نصف ملے گا -

**نمبر ۲**

| ۱ | ۲ | ۳ | ۴ | ۵ | ۶ | ۷ | ۸ | ۹ | ۱۰ | ۱۱ | ۱۲ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| پسر | پسر | پسر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر |
| دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر |
| پسر | دختر | دختر | پسر | پسر | پسر | پسر | دختر | دختر | دختر | دختر | دختر |
| دختر | دختر | دختر | پسر | دختر | دختر | پسر | پسر | پسر | دختر | دختر | دختر |
| دختر | پسر | دختر | دختر | دختر | دختر | پسر | دختر | دختر | پسر | دختر | دختر |
| دختر ۱ [illegible] | دختر ۲ [illegible] | دختر ۳ [illegible] | دختر ۴ [illegible] | دختر ۵ [illegible] | پسر ۶ [illegible] | دختر ۷ [illegible] | دختر ۸ [illegible] | پسر ۹ [illegible] | دختر ۱۰ [illegible] | پسر ۱۱ [illegible] | دختر ۱۲ [illegible] |

چھٹی پشت مین مختلف جنس مگر مساوی درجہ کے بارہ وارث ہین جن مین تین پسر ہین اور نو دختر - امام ابویوسف ترکہ کے پندرہ سہام کرکے ایک ایک سہم ہر دختر کو دینگے اور دو دو سہام ہر پسر کو -

مگر امام محمد ترکہ کے ساٹھہ سہام کرینگے - منجملہ اوسکے دختر نمبر ۱ کو بارہ سہام دینگے - دختر نمبر ۲ کو آٹھہ سہام دختر نمبر ۳ کو چار سہام دختر نمبر ۴ کو نو سہام - دختر نمبر ۵ کو تین سہام - پسر نمبر ۶ کو چھہ سہام - دختر نمبر ۷ کو چھہ سہام

دختر نمبر ۸ کو دو سہام - پسر نمبر ۹ کو چار سہام - دختر نمبر ۱۰ کو تین سہام - پسر نمبر ۱۱ کو دو سہم - دختر نمبر ۱۲ کو ایک سہام یہ تقسیم ذیل کے قواعد کے مطابق ہو گی -

خانہ اول مین تین مذکر ہین و نو مونث - ترکہ کے پندرہ سہام کئے جسمین ایک سہم ہر مونث کو ملا اور دو دو سہام ہر مذکر کو - خانہ دوم مین جس سے بطن ثانی مراد ہے کل مونث ہین اس لیے اونکا لحاظ نکیا جاویگا خانہ سوم یعنی بطن ثالث مین خانہ اول کے تین مذکر کے تحت مین ایک مذکر ہے و دو مونث اون تین مذکر کے چھہ سہام کو خانہ نمبر ۳ کے ایک مذکر و دو مونث مین اسطرح تقسیم کیا - کہ مذکر کو مونث سے دو چند دیا اس لیے مذکر کو تین سہام ملے اور دونون مونث کو ڈیڑہ ڈیڑہ سہام -

خانہ اول کے نو مونث کے تحت مین خانہ سوم مین تین مذکر و چہہ مونث ہین - ہر مذکر کو مونث سے دو چند دینے کے لیے نو کو بارہ کیا مگر بارہ سہام نو وارثون مین بلا کسر کے تقسیم نہین ہو سکتا - اسلیے نو و بارہ کے مقسوم علیہ اعظم یعنی تین سے بارہ کو تقسیم کیا اور خارج قسمت یعنی چار کو ابتدائی تعداد سہام یعنی پندرہ سے ضرب کیا تو حاصل ضرب ساٹھہ ہوا - اس لیے بطن اول یعنی خانہ اول کے وارثون مین ساٹھہ سے مسئلہ کیا تو ہر مذکر کو آٹھہ آٹھہ سہام یعنی کل چوبیس سہام ملے و ہر مونث کو چار چار یعنی کل چھتیس سہام ملے -

خانہ اول کے تین مذکر کے چوبیس سہام کو خانہ تین کے ایک مذکر و دو مونث مین لڑکے کو لڑکی سے دو چند دیکر تقسیم کیا - تو پسر کو بارہ سہام ملے و دختر دن کو چہہ چہہ سہام - پسر کے یہ بارہ سہام اوسکے چوتھی بطن کی دختر نمبر ۱۱ کو ملینگے کیونکہ نیچے کی تین پشتون کے مورثون کی جنس مین اختلاف نہین ہے - اسیطرح خانہ تین کے دو دختر دن کے بارہ سہام اونکے اون وارثون مین جنمین جنس کا اختلاف واقع ہوا ہے - یعنی خانہ نمبر پانچ کے پسر و دختر مین مذکر کو مونث سے دو چند دیکر تقسیم کیا - یعنی آٹھہ سہام پسر کو دیا اور چار سہام دختر کو - اور یہ سہام اون کے ورثا دختر نمبر ۲ کو و دختر نمبر ۳ کو جو خانہ چہہ مین ہین ملین گے -

چھتیس[۳۶] سہام جو خانہ اول کی نو[۹] عورتون کو ملے تھے اونکے تیسرے بطن کے وارثون مین بحساب ایک و دو[۲] کے مونث و مذکر مین تقسیم کیا کیونکہ بطن دوم کے کل وارث ایک جنس کے ہین۔ اس لیے اٹھارہ سہام تین[۳] مذکر پاوینگے اور بقیہ اٹھارہ سہام چھ[۶] مونث۔ خانہ چہارم مین تین پسر کے نیچے ایک مذکر و دو مونث ہین۔ اونکے اٹھارہ سہام ان مین تقسیم کیا تو نو[۹] سہام پسر کو ملے۔ اور چونکہ اوس کے اور دختر نمبر چار[۴] مندرجہ خانہ چہ کے درمیان اختلاف جنس نہین ہوا۔ اس لیے وہی نو سہام دختر نمبر چار کو ملینگے۔ اور خانہ چار کے دو[۲] مونث کے نو[۹] سہام اونکے ورثا رخانہ چہ کے درمیان بحساب ایک و دو[۲] کے مونث و مذکر کو ملینگے۔ اس لیے دختر نمبر پانچ[۵] کو تین سہام ملے اور پسر نمبر ۶ کو ۶ سہام تین پسر کے بارہ سہام اون کے ورثا مین تقسیم کیا۔ مگر ان کی جنس مین اختلاف ہے اس لیے پسر کو چھ[۶] سہام ملے جو اوسکی دختر نمبر سات کو ملے بقیہ چھ[۶] دو دخترون کو ملے۔ مگر چونکہ آخری پشت مین اونکے جنس مین اختلاف ہے اس لیے چار سہام پسر نمبر نو[۹] کو ملے و بقیہ دو[۲] دختر نمبر آٹھ کو۔

خانہ اول کی آخری تین مونث کے تحت مین خانہ پانچ مین جنس کا اختلاف ہوا۔ اس لیے اون کے چھ[۶] سہام دو[۲] دختر و ایک پسر مین اس طرح تقسیم کیے کہ تین[۳] پسر کو ملے جو اوسکی دختر نمبر دس کو ملے۔ و بقیہ تین[۳] سہام دو[۲] دخترون کو ملے۔ مگر چونکہ خانہ چھ[۶] مین اختلاف جنس واقع ہوا اس لیے دو سہام پسر نمبر گیارہ کو دیے اور ایک (۱) سہم دختر نمبر بارہ[۱۲] کو۔

نمبر ۵۔ درمختار جلد ۴ صفحہ ۵۰۱۔ امام محمد کا قول ہے کہ اگر فرع متعدد نہین ہے تو اوسکو اصل کی جنس کا تعدد کر کے تخریج سہام کرینگے اور اگر فرع مین تعدد ہے تو اوس تعداد کو اصل کی جنس کے ساتھ جمع کرینگے مثلاً۔

لڑکا — لڑکی — لڑکی
لڑکا شادی ہوئی لڑکی — لڑکی
دو لڑکیان — لڑکا
(الف) — (ب)
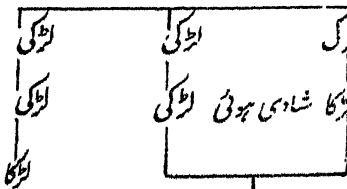
امام محمد کے نزدیک اس صورت مین ترکہ چودہ ۱۴ سہام پر تقسیم ہوگا جسمین سے گیارہ ۱۱ سہام دو دخترون (الف) کو ملینگے اور تین سہام لڑکا (ب) کو بموجب قاعدہ مذکورہ بالا کے لڑکیون کی تعداد جو دو ہی اوسکو اوسکی اصل یعنی باپ کی جنس کا یعنی مذکر خیال کیا تو دو ۲ لڑکے ہوئے یعنی برابر چار ۴ لڑکیون کے۔ پھر دو لڑکیون کو اونکی مان کے جنس کے ساتھ جمع کیا تو دو ۲ مؤنث ہوئین۔ اور لڑکا (ب) چونکہ متعدد نہین ہے اس لیے اوسکو اوسکی اصل یعنی مان کی جنس کا یعنی مؤنث قرار دیا تو ایک لڑکی ہوئی اس لیے کل سات لڑکیان ہین جنمین سہام تقسیم کیا جائیگا۔ یعنی چار سہام تو اوس لڑکے کو جو دوسرے لطن مین ہے یعنی دو لڑکیون (الف) کے باپ کو اور باقی تین سہام اونکی مان کو اور لڑکا (ب) کی مان کو مساوی دینگے۔ یعنی ۳/۲ اون مین سے ہر ایک کو ملیگا۔ اس خیال سے کہ حصہ مین کسر نہ واقع ہو نسب نما کو سات سے زیادہ کرکے چودہ ۱۴ کیا جسمین سے آٹھ سہام جو دو لڑکیون (الف) کے باپ کا تھا وہ اونکو ملا اور تین سہام جو اونکی مان کا تھا جملہ گیارہ ۱۱ سہام ملے اور تین سہام لڑکا (ب) کو ملے۔

مگر امام ابویوسف جو صرف فرع موجودہ مین دو ۲ یا زیادہ جہتون کی قرابت کا اعتبار کرتے ہین اور اصول کی جہت کا اعتبار نہین کرتے مسئلہ مذکورہ بالا مین ترکہ تین مساوی حصہ مین تقسیم کرینگے کیونکہ دو لڑکیان جو دو ۲ جہت سے قرابت رکھتی ہین وہ بمنزلہ دو ۲ لڑکون کے متصور ہونگی اس لیے کل وارث تین لڑکے ہوئے۔

دوسری مثال قاعدہ نمبر ۵۔

فرض کرو زید کے دو ۲ لڑکیان تھین جو اوسکی حیات مین فوت ہوگئین۔ ایک نے ایک لڑکا (الف) چھوڑا۔ دوسری نے ایک دختر (ب) چھوڑی۔ ان دونون کا نکاح ہوا جس سے ایک لڑکا (ج) پیدا ہوا۔ بعدہٗ (ب) نے اپنے شوہر (الف) کے مرنے کے بعد دوسرے شخص (د) سے نکاح کیا۔ اور اس نکاح سے ایک دختر (ہ) پیدا ہوئی۔ اب زید مرگیا تو اوس کا ترکہ (ج) و (ہ) مین کس طرح تقسیم ہوگا۔

زید

لڑکی — لڑکی

لڑکا (الف) — لڑکا (ج) — لڑکی (ب) — (ہ) — (د)
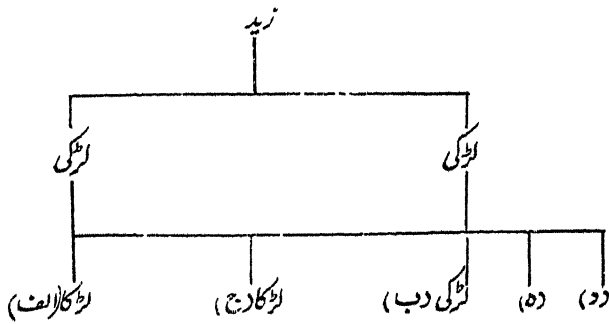
اس مسئلہ مین امام ابو یوسف لڑکا (ج) کو جو دو جہت سے قرابت رکھتا ہے دو لڑکا قرار دینگے جو مساوی چار دختروں کے ہین اور ترکہ کو اونکے ابدان (تعداد) پر تقسیم کرینگے یعنی چار سہام لڑکا (ج) کو اور ایک سہام دختر (ہ) کو دیا جائیگا۔

لیکن امام محمد اصول کے جنس کا خیال کر کے (کیونکہ فرع مین تعدد نہین ہے) (الف) کو ۳/۴ دین گے جو کل اوسکے پسر (ج) کو ملے گا اور بقیہ ۱/۴ (ب) کو دینگے اور چونکہ قاعدہ مذکور کے خیال سے لڑکا (ج) اپنی اصل یعنی ماں کی جنس یعنی مونث قرار دیا جائیگا۔ اس لیے وہ برابر ایک لڑکی کے ہوا۔ اور (ب) کی ایک دوسری لڑکی (ہ) (د) کے نطفہ سے اور ہے اس لیے اوسکا حصہ ان دو لڑکیون مین مساوی تقسیم ہوگا۔ اسیطرح پر (ج) کو ۳/۴ + ۱/۸ = ۷/۸ ملے اور باقی ۱/۸ (ہ) کو ملا۔

صنف دوم یعنی اجداد فاسد وجدات فاسدہ۔ ان مین مستحق میراث وہ ہوگا جو میت سے زیادہ قریب ہے۔ جیسے ماں کا باپ اور ماں کی ماں کا باپ و باپ کی ماں کا باپ ہو تو ترکہ اول الذکر کو ملے گا[ا] پھر جن کے ذریعہ سے میت تک قرابت ہے اگر اونکی جنس مین اختلاف ہو تو جس پشت مین اختلاف ہوا ادسکی صفت لیکر مال تقسیم ہوگا مثلاً جدات مادری وجدات پدری

[ا] اگر نزدیکی مین سب برابر ہین تو وارث کے ذریعہ سے تقرب تقدیم کا موجب نہ ہوگا یہی اصح ہے۔ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۸۸۷ و فتاوی عالمگیری۔ مگر ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء مین بحوالہ شریفیہ صفحہ ۱۱۴ و ۱۱۵ مین لکھا ہے کہ جس جد یا جدہ کی قرابت بذریعہ کسی وارث کے ہے اوسکو ترجیح ہوگی۔

مین سے جدات پدری کو دو حصہ اور جدات مادری کو ایک حصہ دیا جائیگا جیسے قسم اول مین تہا۔ پہر جو کچہہ جدات مادری کو ملا اگر اس جانب جد وجدہ دونون ہون توان مین سے مذکر کو مؤنث سے دوچند دیا جاسے گا۔ ہدایہ۔[۹۱]

صنف سوم | ہدایہ جلد ۴۔ صنف سوم کی تین قسم ہین۔

**قسم اوّل**۔ عینی بہائی بہنون کی لڑکیان واونکی اولاد۔

**قسم دوم**۔ علاتی بہائی بہنون کی لڑکیان واونکی اولاد۔

**قسم سوم**۔ اخیافی بہائی بہنون کی اولاد وا ونکی اولاد۔ کیونکہ قسم سوم مین مذکر ومؤنث برابر ہین۔

اگر قسم اول یا دوم کے ذوی الارحام ہین تو صنف اول کی طرح مساوات درجہ وقرب میت وتقرب بوارث مین اعتبار ہوگا۔ پہر اگر وصف اصول مین اختلاف ہوگا تو ابو یوسف اونہین کے ابدان کی شمار پر تقسیم کرینگے و محمد کے نزدیک ابدان کے ساتھ اصول کا وصف لیا جائیگا مثلاً بہن کی لڑکی بہ نسبت بہن کی لڑکی کی لڑکی کے اولی ہے اسواسطے کہ وہ اقرب ہے۔ بہائی کے پسر کی لڑکی بہ نسبت بہائی کی دختر کی لڑکی کے اولی ہے اسواسطے کہ وہ وارث کی لڑکی ہے کیونکہ بہائی کا لڑکا

[۹۱] مثلاً کسی شخص نے باپ کے باپ کی ماں کے باپ کی ماں و ماں کے باپ کے باپ کے باپ کی ماں چہوڑی تو دو ثلث اول الذکر کو ملے گا کیونکہ وہ جدہ پدری ہے اور ایک ثلث دوسرے جدہ کو کیونکہ وہ جدہ مادری ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اجداد وجدات یا تو مساوی الدرجہ ہونگے یا نہین۔ اگر نہین تو جو قریب تر ہے اوسکو ترجیح دیجائیگی۔ پہر یہ دیکہا جائیگا کہ اونکی جنس مختلف ہے یا واحد۔ اگر مختلف تو دو ثلث وایک ثلث کر کے ترکہ تقسیم ہوگا۔ واگر وے ایک جنس کے ہین اور اونکے مورث کی جنس مین بہی اختلاف نہین ہے تو ترکہ اونکے ابدان پر تقسیم ہوگا واگر اونکے اصل کی جنس مین اختلاف ہے تو ابتداً جس مورث کی جنس مین اختلاف ہوا اوسکی صفت لیکر ترکہ تقسیم ہوگا۔ شریفیہ صفحہ ۱۱۶۔

عصبہ ہے۔ اگر میت کی قرابت مین صرف بہن کی لڑکی و بہن کا لڑکا ہے تو مال ان دونون مین مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

اگر میت کے بھائی کے پسر کی دختر اور بھائی کی دختر کا پسر اور بہن کی دختر کی دختر ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک ابدان پر اعتبار ہوگا اور امام محمد کے نزدیک مال کے پانچ سہام کر کے بہن کی نواسی کو ایک سہم دیا جائیگا اور باقی چار سہام مین سے بھائی کی دختر کے پسر کو دو تہائی دیا جائیگا اور ایک تہائی بھائی کے پسر کی دختر کو۔

اگر کسی نے تین مختلف بھتیجون کی لڑکیان چھوڑی ہون یعنی (۱) حقیقی بھائی کے پسر کی لڑکی (۲) علاتی بھائی کے پسر کی لڑکی (۳) اخیافی بھائی کے پسر کی لڑکی۔ اس حالت مین جملہ علما کا اتفاق ہے کہ کل ترکہ وارث نمبر (۱) یعنی حقیقی بھائی کے پسر کی لڑکی کو ملے گا۔ کیونکہ وہ لڑکی عصبہ کی دختر ہے اور نیز اس وجہ سے کہ حقیقی ہونے کے باعث اوسکا رشتہ قرابت بمقابلہ علاتی بھائی کے پسر کی لڑکی سے زیادہ ہے۔ اخیافی بھائی و بہن کی اولاد کو برابر حصہ ملتا ہے کیونکہ ایسے بھائی و بہن کے حصے مین مذکر و مؤنث کے باعث کچھ فرق نہین آتا اس لیے اونکی اولاد کے حصص مین بھی اون کے اصول کی جنس کا اختلاف کچھ فرق نہ ڈالیگا یہ قول امام محمد کا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف ورثا کی جنس پر لحاظ کر کے مذکر کو دو ثلث و مؤنث کو ایک ثلث دلاتے ہین۔ سراجیہ۔

**صنف چہارم** منجملہ چند ورثا ذوی الارحام صنف چہارم کے جو شخص قوی ترین قرابت متوفی سے رکھیگا اوسکا حق وراثت مقدم ہوگا چاہے وہ از قسم ذکور ہو یا از قسم اناث جیسے حقیقی پھوپی کو علاتی پھوپی پر ترجیح ہے اور نیز اخیافی پھوپی و چچا پر اس لیے حقیقی پھوپی کو کل ترکہ ملیگا اسیطرح علاتی پھوپی کو اخیافی چچا و پھوپی پر ترجیح دیجائیگی کیونکہ اوسکی قرابت زیادہ قوی ہے ماموں و خالون کے ساتھ بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا جائیگا۔ شریفیہ

نمبر ۲۔ اگر وارثون مین ذکور و اناث دونون جنس کے ہون۔ اور باعتبار قربیت دونون برابر

ہون تو مذکر کو دو حصہ و مؤنث کو ایک حصہ ملیگا۔ جیسے اخیافی چچا و پھوپی ہون تو چچا کو دو حصہ و پھوپی کو ایک حصہ۔ علیٰ ہذا القیاس حقیقی ماموں کو دو حصہ و حقیقی خالہ کو ایک حصہ ملیگا۔ امام ابو یوسف و امام محمد دونون صاحب اس امر مین متفق ہین کہ اگر وارثون کے اصول کی جنس مین فرق نہین ہے تو خود وارثون کی جنس پر جو تقسیم ترکہ کے وقت موجود ہین لحاظ کیا جاے گا۔ شریفیہ۔

**نمبر ۳**۔ اگر ورثا مین جہت کے اعتبار سے فرق ہے تو قربت پر خیال نہ ہوگا۔ بلکہ باپ کی طرف کے وارث کو دو ثلث ملے گا۔ اور مان کی طرف والے کو ایک ثلث۔ مثلاً اگر حقیقی پھوپی و اخیافی خالہ ہو یا حقیقی خالہ و اخیافی پھوپی ہو تو دو ثلث باپ کی طرف کے قرابت دار کو ملیگا اور ایک ثلث مان کی طرف کے قرابت مند کو۔ پھر جو ہر ایک فریق کو ملا ہے وہ اونکی اولاد مین تقسیم ہوگا۔ سراجیہ۔

# فصل پنجم۔ دربیان عول ورد و مناسخہ

عول بفتح اول و سکون ثانی لغت مین بمعنی جور و غلبہ و رفع و زیادت کے مستعمل ہے اخیر معنی اصطلاحی معنی کے زیادہ مناسب ہے۔

صاحب درالمختار نے عول کے قاعدہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عول رد کا ضد ہے عول ایک یا دو سہامون کے زیادہ کرنے کو کہتے ہین جبکہ مخرج کل مجموعی تعداد سہام سے کم ہوتا ہے تاکہ جملہ ورثا کے حصو نمین بمقدار اونکے حصو ںکے کمی ہو جیسے کہ بحالت کمی متروکہ کے قرضخواہون کے قرضہ کی تعداد مین بحصہ رسدی کمی کیجاتی ہے حضرت عمرؓ

نے اول اول عول کا قاعدہ جاری کیا - یا بالفاظ دیگر عول ضد ہے رد کا اسواسطے کہ عول سے ذوی الفروض کے سہام گھٹ جاتے ہین اور اصل مسئلہ بڑھجاتا ہے اور رد سے سہام بڑھجاتے ہین اور اصل مسئلہ گھٹ جاتا ہے یا یون کہئے کہ عول مین سہام فاضل ہوجاتے ہین مخرج پر اور رد مین مخرج فاضل ہوجاتا ہے سہام پر -

مخرج سات ہین - ۲ و ۳ و ۴ و ۸ و ۶ و ۱۲ و ۲۴ تین آخر الذکر مخرج مین عول کیا جاتا ہے -

قاعدہ نمبر ۱ - جفت یا طاق عددون کے بڑہانے - سے ۶ کے مخرج کو ۱۰ تک بڑہا سکتے ہین - مثلاً اگر وارث شوہر و دو حقیقی بہن ہین تو مخرج کو سات کر دینگے اگر ان وارثون کے ساتھ متوفیہ کی مان بہی ہو تو مخرج کو بڑہا کر ۸ کر دینگے اور اگر مان و اخیافی بہن اون وارثون کے ساتھ ہو تو مخرج کو ۹ تک بڑہائینگے اور اگر ان سب کے ساتھ اخیافی بہائی بہی ہو تو مخرج ۱۰ تک بڑہایا جائیگا درالمختار صفحہ ۸۶۸

نمبر ۲ - صرف طاق عددون کے بڑہانے سے ۱۲ کے مخرج کو ۱۷ تک بڑہا سکتے ہین - مثلاً اگر کسی شخص نے زوجہ و دو حقیقی بہنین و مان کو وارث چہوڑا تو اوس صورت مین ۱۲ مخرج کو ۱۳ کر دینگے اور اگر اشخاص مذکورہ بالا کے ساتھ ایک اخیافی بہائی بہی ہے تو مخرج کو بڑہا کر ۱۵ کرینگے اور اگر بجاے ایک اخیافی بہائی کے دو اخیافی بہائی یا ایک اخیافی بہائی و ایک اخیافی بہن ہو تو مخرج کو بڑہا کر ۱۷ کر دیتے - درالمختار صفحہ ۸۶۸ -

قاعدہ نمبر ۳ - مخرج ۲۴ کو ۲۷ کر دیتے ہین ۲۷ سے زیادہ یا کم نکرینگے - مثلاً اگر کسی شخص نے زوجہ و ۲ لڑکیان و والدین کو وارث چہوڑا[۱] -

رد رد عول کا عکس ہے - اگر ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد ترکہ کچہہ بچ رہے

---

[۱] اس مسئلہ کو ممبریہ کہتے ہین - ممبریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کوفہ کی مسجد مین ممبر پر خطبہ پڑہ رہے تہے تو ایک شخص نے اسی شکل کو پیش کیا حضرت علی علیہ السلام نے فی البدیہہ جواب دیا - اس پر سائل نے کہا کہ کیا زوجہ کا ⅛ فرض نہین ہے اسپر یہ جواب دیا کہ اس شکل خاص مین ⅛ کو صرورتاً $\frac{1}{9}$ کر دیا گیا اور یہ کہکر خطبہ مین پہر مشغول ہوگئے حاضرین مسجد کو حضرت علی علیہ السلام کی تبحر پر بڑا استعجاب ہوا - شریفیہ صفحہ ۵۸ -

اور کوئی عصبہ نہو تو بقیہ ترکہ اون ذوی الفروض کو بمقدار اون کے حصہ اصلی کے ملے گا باستثنا ر زوجین کے جو اشخاص کہ مستحق رد کے ہین اونکی تعداد ۷ یا ۸ ہے۔

(۱) مان (۲) دادی (۳) لڑکی (۴) لڑکے کی لڑکی (۵) حقیقی بہن (۶) علاتی بہن (۷) اخیافی بہائی (۸) اخیافی بہن اگر اخیافی بہائی وبہن کو ایک شمار کرین تو تعداد ۷ ہوتی ہے اور رد ایک یا دو یا تین وارثون کو ملسکتا ہے اوس سے زیادہ کو نہین۔

زید بن ثابت کا قول ہے کہ ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے تو بیت المال مین دیا جاوے گا امام مالک وشافعی کا بہی یہی قول ہے۔

سید امیر علی۔ تعداد مذکورہ بالا چند اصحاب رسول وتابعین کی قرار دی ہوئی ہے اور نیز اون ائمہ کی جو اون کے بعد ایسے زمانہ مین ہوئے جب بیت المال منتظم حالت مین تہا۔ لیکن موخر زمانہ کے عالمون نے یہ دیکہکر کہ بیت المال کا روپیہ بادشاہ وقت یا اونکے عمّال کی بے انصافی سے اصلی مقصد مین نہین صرف کیا جاتا یہ فتویٰ دیا کہ زوجین پر بہی رد کیا جاوے۔ ان موخر علمار مین مولانا زین العابدین وابراہیم بن نجوم بہی ہین۔ ابراہیم بن نجوم نے اپنی کتاب اشباہ ونظائر کے باب وراثت مین زیلعی کا ایک قول نقل کیا ہے جسکا وہ جز دجورد سے متعلق ہے یہ ہے۔

"زوجین مین سے ایک کو اوسکا حصہ مفروضہ دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے وہ شوہر یا زوجہ کو رد کے قاعدہ سے ملے گا۔ طحطاوی مین بہی مندرج ہے کہ حضرت عثمان علیہ السلام کے قول کے مطابق رد شوہر یا زوجہ کو بہی ملتا ہے۔ ذخیرہ مین بہی یہ درج ہے کہ زوجین کو اون کا حصہ دینے کے بعد جو بچ رہے وہ بیت المال مین نہ دیا جائیگا۔ بلکہ زوج یا زوجہ کو دیا جائیگا۔ کیونکہ بوجہ ہونے ذوی الفروض سببیہ کے وہ دوسرون پر مقدم ہین"

امام عبد الواحد شہید نے بہی اپنی کتاب وراثت مین تحریر کیا ہے کہ شوہر یا زوجہ کو حصہ دینے کے بعد جو بچ رہے وہ بیت المال مین نہ دیا جاوے گا بلکہ شوہر یا زوجہ کو ملے گا۔ جمیدیہ مین

بھی یہ قول تحریر ہے[٥١]۔

اب فی زمانہ یہہ امر طے شدہ ہے کہ جب کوئی ذوی الفروض نسبی نہ ہو تو شوہر یا زوجہ کو بھی رد ملتا ہے[٥٢]۔

نمبر ١۔ اگر وارث ایک لڑکی و مان ہین۔ اونکے حصہ شرعی $\frac{1}{2}$ و $\frac{1}{6}$ ہین۔ بقیہ $\frac{2}{6}$ اون کے درمیان اونکے حصص شرعی کے تناسب سے تقسیم ہوگا یعنی $\frac{3}{12}$ لڑکی کو و $\frac{1}{12}$ مان کو بطور رد کے ملینگے یعنی $\frac{1}{2} + \frac{3}{12} = \frac{3+6}{12} = \frac{3}{4}$ حصہ لڑکی کو و $\frac{1}{6} + \frac{1}{12} = \frac{1+2}{12} = \frac{1}{4}$ حصہ مان کو۔

طریقہ مذکورہ بالا سے ذیل کا قاعدہ مختصر اور سہل ہے۔

مان : لڑکی $= \frac{1}{6} : \frac{1}{2} = 1 : 3$ یعنی اگر مخرج کو ٤ قرار دین تو لڑکی کو تین ملینگے اور مان کو ایک

نمبر ٢۔ اگر وارث ٢ زوجہ و ایک مان و ٣ لڑکیان ہین۔

زوجون کو $\frac{1}{8}$ حصہ ملیگا اور باقی $\frac{7}{8}$ مان و لڑکیون کو حصہ شرعی و رد مین ملیگا۔

مان : لڑکیون $= \frac{1}{6} : \frac{2}{3}$ یعنی $1 : 4$ یعنی اگر مخرج ٥ قرار دین تو مان کو $\frac{1}{5}$ ملیگا اور لڑکیون کو $\frac{4}{5}$۔

$\therefore$ مان کا حصہ . . . . . . . . . . $= \frac{7}{8}$ کا $\frac{1}{5} = \frac{7}{40}$

---

[٥١] اوپر کی عبارت مولوی کبیر الدین کی کتاب سراجیہ و شریفیہ مین ابو القاسم عبد الحلیم کی شرح کے خلاصہ سے ماخوذ ہے۔ [٥٢] دیکھو فیصلہ پریوی کونسل بمقدمہ رحمت النسا بیگم بنام اللہ دیا خان ویکلی رپورٹر جلد ١٧ صفحہ ١٠٨ و محمد ارشد چودھری بنام ساجدہ بانو کلکتہ جلد ٣ صفحہ ٧٠٢۔ ان ہر دو مقدمات مین تجویز ہوئی کہ بحالت نہ ہونے ذوی الفروض نسبی کے زوجہ کا استحقاق رد مین بیت المال سے مقدم ہے لیکن جب دوسرے وارث موجود ہون تو زوجہ کو رد مین حق نہین ہے۔ دیکھو تاری بی بی بنام دلم بی بی کلکتہ جلد ١١ صفحہ ١٤٢۔

۳ لڑکیون کا حصہ = $\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۴}{۵}$ = $\frac{۷}{۱۰}$ ہر لڑکی کا حصہ = $\frac{۷}{۱۰}$ ÷ ۳ = $\frac{۷}{۳۰}$

نسب نما . . . . . . . . . . = ۲۴۰

ایک زوجہ کا حصہ = ۱۵ و ۲ زوجون کا = ۳۰

مان . . . . . . . . . . = ۴۲

ہر لڑکی = ۵۶ و ۳ لڑکیان . . . . = $\frac{۱۶۸}{۲۴۰}$

نمبر ۳ - وارث زوجہ و ۴ دادیان و ۶ - اخیافی بہنین ہین۔

زوجہ = $\frac{۱}{۴}$

دادی : اخیافی بہنون = $\frac{۱}{۶}$ : $\frac{۱}{۳}$ = ۱ : ۲

۴ دادیان = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۴}$

ایک دادی = $\frac{۱}{۴}$ ÷ ۴ = $\frac{۱}{۱۶}$

۶ - اخیافی بہن = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۲}$

ایک بہن = $\frac{۱}{۲}$ ÷ ۶ = $\frac{۱}{۱۲}$

نسب نما = ۴۸

زوجہ . . . . . . = ۱۲

ایک دادی = ۳ و ۴ دادیان = ۱۲

ایک اخیافی بہن = ۴ و ۶ بہنین = ۲۴

۴۸

نمبر ۴ - ۴ زوجہ و ۹ لڑکیان و ۶ دادیان ہین۔

۴ زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ ایک زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ ÷ ۴ = $\frac{۱}{۳۲}$

دادی : لڑکیان = $\frac{۱}{۶}$ : $\frac{۲}{۳}$ = ۱ : ۴

۶ دادیان = $\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۷}{۴۰}$

ایک دادی = $\frac{۷}{۴۰}$ ÷ ۶ = $\frac{۷}{۲۴۰}$

۹ لڑکیان = $\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۴}{۵}$ = $\frac{۷}{۱۰}$

ایک لڑکی = $\frac{۷}{۱۰}$ ÷ ۹ = $\frac{۷}{۹۰}$

نسب نما - ۱۴۴۰

ایک زوجہ = ۴۵ و ۴ زوجہ = ۱۸۰

ایک دادی = ۴۲ و ۶ دادیان = ۲۵۲

ایک لڑکی = ۱۱۲ و ۹ لڑکیان = ۱۰۰۸

۱۴۴۰

مناسخہ یعنی نقل و تحویل ورثہ

در المختار جلد چہارم صفحہ ۵۰۳ مناسخہ کے لغوی معنی ازالہ و تغیر اور

نقل و تحویل ہے جب کسی شخص کے مرنے پر اوسکا متروکہ اوسکے وارثون کے درمیان ہنوز تقسیم نہ ہوا تہا کہ وارثون مین سے بہی کوئی مرگیا تو اوسکے حصہ کو اوسکی وارث کی طرف نقل کرینگے اور اسی کو مناسخہ کہتے ہین۔

مثلاً نمبر ۱ - ایک عورت اپنے شوہر و لڑکی و مان کو چہوڑ کر مری۔

نمبر ۲ - بعدہ شوہر ایک زوجہ و باپ و مان چہوڑ کر مرا۔

نمبر ۳ - بعدہ لڑکی نے دو لڑکے و ایک لڑکی اور نانی یعنی میت اول کی مان کو اپنی وفات پر چہوڑا۔

نمبر ۴ - بعدہ نانی نے شوہر و دو بہائیون کو مرنے کے بعد چہوڑا۔

**مسئلہ اول** - وارث شوہر و ایک لڑکی و مان۔

شوہر کا حصہ = $\frac{۱}{۴}$ جسکا حصہ دینے کے بعد $\frac{۳}{۴}$ بچا جو لڑکی و مان کو ملے گا۔

لڑکی : مان = $\frac{۱}{۲}$ : $\frac{۱}{۶}$ = ۳ : ۱ یعنی اگر مخرج ۴ قرار دیا جائے تو لڑکی کو $\frac{۳}{۴}$ ملیگا و مانکو $\frac{۱}{۴}$

∴ لڑکی کا حصہ = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۳}{۴}$ = $\frac{۹}{۱۶}$

مان کا حصہ = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۶}$

نسب نما = ۱۶

شوہر = ۴
لڑکی = ۹
مان = ۳
۱۶

**مسئلہ دوم** - وہ شوہر جسکو $\frac{۴}{۱۶}$ سہام اوپر ملے تہے فوت ہو گیا اور ایک زوجہ و والدین کو وارث چہوڑا۔ زوجہ = $\frac{۴}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۱}{۱۶}$ = ۱

بعد منہائی حصہ زوجہ کے مان = $\frac{۳}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۱۶}$ = ۱

باپ = $\frac{۳}{۱۶}$ کا $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۲}{۱۶}$ = ۲ منجملہ ۴ کے جو شوہر کو ابتداءً ملے تہے

چونکہ نسب نما برابر ہے لہذا نسب نما یکسان کرنے کی ضرورت نہین رہی۔

**مسئلہ سوم** - لڑکی نے دو لڑکے و ایک لڑکی و نانی کو وارث چھوڑا -
لڑکی کو مسئلہ اول سے منجملہ ۱۶ کے ۹ سہام ملے تہے جو اوسکے وارثون مین تقسیم ہونگے
پسران و دختر عصبہ ہین و نانی ذوی الفروض -
نانی = $\frac{9}{16}$ کا $\frac{1}{6}$ = $\frac{3}{32}$ بقیہ حصہ یعنی $\frac{9}{16} - \frac{3}{32} = \frac{18-3}{32} = \frac{15}{32}$
مابین عصبہ تقسیم ہوگا -
دو لڑکے و ایک لڑکی برابر ہین پانچ لڑکیون کے -
∴ ایک لڑکی = $\frac{15}{32}$ کا $\frac{1}{5}$ = $\frac{3}{32}$
لڑکا = $\frac{15}{32}$ کا $\frac{2}{5}$ = $\frac{6}{32}$
لڑکا = $\frac{15}{32}$ کا $\frac{2}{5}$ = $\frac{6}{32}$
نانی = $\frac{9}{16}$ کا $\frac{1}{6}$ = $\frac{3}{32}$ و $\frac{3}{16}$ سہام نانی کو
مسئلہ اول سے ملے ∴ مجموعی حصہ نانی = $\frac{3}{32} + \frac{3}{16} = \frac{9}{32}$

**مسئلہ چہارم** - نانی نے شوہر و دو بہائی چھوڑے -
مجموعی سہام نانی کے $\frac{9}{32}$ ہین جو اوسکے شوہر و دو بہائی کو ملینگے -
شوہر = $\frac{9}{32}$ کا $\frac{1}{2}$ = $\frac{9}{64}$ بقیہ $\frac{9}{64}$ دو بہائیون کو -
∴ ایک بہائی = $\frac{9}{64} \div 2 = \frac{9}{128}$
دوسرا بہائی = $\frac{9}{64} \div 2 = \frac{9}{128}$

جملہ وارثان حی القایم کے سہام کا نسب نما ایکسان کیا - واضح ہو کہ مسئلہ اول کے کل وارث فوت ہو گئے ہین و مسئلہ دوم کے کل وارث حیات ہین و مسئلہ سوم کے وارثون مین نانی یعنی مسئلہ اول کی مان کے علاوہ بقیہ حیات ہین و مسئلہ چہارم کے کل وارث حیات ہین - اونکو جو اوپر حصے ملے ہین وہ حسب ذیل ہین -

$\frac{1}{16}$ و $\frac{1}{16}$ و $\frac{2}{16}$ و $\frac{3}{32}$ و $\frac{6}{32}$ و $\frac{6}{32}$ و $\frac{9}{64}$ و $\frac{9}{128}$ و $\frac{9}{128}$ ۔۔نسب نما . . . . . = ۱۲۸

∴ زوجہ میت اول یعنی مسئلہ ثانی کا $\frac{1}{16}$ نئے نسب نما کے مطابق = ۸

مان ایضاً . . . . . . . . . . = ۸

باپ ایضاً . . . . . . . . . . = ۱۶

لڑکی میت ثانی یعنی مسئلہ سوم کو $\frac{3}{32}$ نئے نسب نما کے مطابق = ۱۲

لڑکا ایضاً . . . . . . . . . = ۲۴

لڑکا ایضاً . . . . . . . . . = ۲۴

شوہر مسئلہ چہارم . . . . . . . . = ۱۸

بھائی مسئلہ چہارم . . . . . . . . = ۹

بھائی ایضاً . . . . . . . . . . = $\frac{9}{128}$

اگر وارثون مین سے کوئی وارث ترکہ سے کوئی خاص چیز لیکر اپنے حق وراثت سے دست بردار ہو جائے تو اوس وارث کے سہام کو خارج کر کے باقی ترکہ دوسرے وارثون کو ملیگا مثلاً اگر کسی عورت نے شوہر و مان و چچا کو وارث چھوڑا۔ فرض کرو کہ شوہر نے اپنے ذمگی دین مہر کے عوض حق وراثت سے دست برداری کی تو دین مہر کو ترکہ سے خارج کر کے بقیہ متروکہ مان و چچا کے درمیان اونکے حصہ شرعی کے مطابق تقسیم کرینگے۔ شکل مفروضہ مین اگر شوہر اپنے حق وراثت سے دست بردار نہ ہوتا تو مسئلہ ۶ سے ہوتا جو وارثون مین مستقیم ہے جسمین سے تین شوہر کو ملتے اور دو مان کو اور بقیہ ایک چچا کو بحیثیت عصبہ۔ مگر چونکہ شوہر نے دین مہر کے عوض وراثت سے دست برداری کر لی تو اوسکے سہام کو تصحیح سے خارج کر دینگے اور باقی ترکہ سوا اسے دین مہر کے مان و چچا مین تین تہا ذکر کے یعنی قبل تخارج کے جو اونکے سہام کی تعداد تھی اوسکے مطابق بقیہ ترکہ کو تقسیم

کر کے دو ثلث مان اور ایک ثلث چچا کو دینگے ۔ تقسیم ترکہ کے وقت شوہر کو وارثون مین نہ شمار کرنے سے دیگر وارثون کی تعداد حصص مین کمی بیشی ہو جائیگی ۔ مثلاً فرض کرو کہ عورت نے چھ۶ لاکھ روپیہ کا اثاثہ چھوڑا جسمین سے دو لاکھ لیکر شوہر نے وراثت سے دست برداری کر لی ۔ اگر شوہر کا شمار تقسیم ترکہ کے وقت نہ کیا گیا تو مان کو $\frac{۱}{۳}$ چار لاکھ کا ملے گا اور اگر شوہر کو شامل کر کے تقسیم کیا جائیگا تو مان کو $\frac{۱}{۳}$ چھ لاکھ کا ملے گا اور باقی چچا کو بحیثیت عصبہ ملیگا ۔

## قاعدہ تقسیم ترکہ مابین دائنان

ہر دائن کے دین کو بمنزل سہام وارث و سب دیون کو بمنزلہ مسئلہ قرار دو مثلاً ایک شخص نے نو۹ روپیہ کا ترکہ چھوڑا اور اوسکے ذمہ دس روپیہ ایک شخص کے اور پانچ روپیہ دوسرے کے قرض ہین

دس۱۰ روپیہ کے دائن کا حصہ = ۹ کا $\frac{۱۰}{۱۵}$ = $\frac{۳۰}{۵}$ = چھ۶ روپیہ

پانچ۵ روپیہ والے دائن کا حصہ = ۹ کا $\frac{۵}{۱۵}$ = $\frac{۱۵}{۵}$ = تین روپیہ

## فصل ششم ۔ دربیان میراث حمل یا جنین و مفقود و اسیر و غرقی و حرقی

مذہب حنفی مین سب سے زیادہ مدت حمل دو سال کی قرار دی گئی ہے اور سب سے تھوڑی چھ مہینہ کی ۔ امام شافعی و امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک چار سال ۔ جو بچہ پیٹ مین ہے وہ وارث ہوتا ہے ۔ اور اوسکا حصہ رکھہ چھوڑا جائیگا اسپر صحابہ رضی اللہ عنہم کا

اجماع ہے ۔
لیکن حمل دو حال سے خالی نہین یا تو وارثان موجودہ کو بہ حجب حرمان یا بہ حجب نقصان
محجوب کریگا یا ایسا نہ کریگا اور دیگر وارثون کے ساتھ حصہ مین شریک ہوگا پس اگر
وارثان موجودہ کو بہ حجب حرمان محروم کرنا معلوم ہو جیسے وارثان موجودہ اگر بھائی و بہن
و چچا و اولاد چچا ہون تو تمام ترکہ وضع حمل تک موقوف رکھا جائیگا کیونکہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو وہ
سب وارثان موجودہ کو وراثت سے محروم کرے گا اور اگر فقط بعض کو محروم کرتا ہو مثلاً
وارثان موجودہ بھائی و دادی ہون تو دادی کو چھٹا حصہ دیکر باقی موقوف رکھین گے ۔
اور اگر بہ حجب نقصان محروم کرتا ہو مثلاً اگر وارث شوہر یا زوجہ ہو تو اوس وارث کو سب سے
کمتر حصہ جسکا وہ مستحق ہے دیکر باقی موقوف رکھینگے اگر حمل سے کوئی وارث موجودہ مین
سے محروم نہوتا ہو جیسے اگر وارث دادا و دادی ہین تو اونکا حصہ دے دیا جائیگا اور باقی
کو رکھ چھوڑین گے اور اگر وارثان موجودہ کو محجوب نکرتا ہو بلکہ اونکے ساتھ شریک ہوتا
ہو تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جنین کے واسطے ایک لڑکا یا ایک لڑکی کا
حصہ جو دونون مین زیادہ ہو محفوظ رکھا جائیگا اور اوسکی ضمانت وارثان سے لیجائیگی
اسی قول پر فتوی ہے اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو وہ وارث نہ ہوگا[1] ٹیگور لا لکچر سن ۱۸۷۳ع فتاوی عالمگیری

[1] بچہ کا زندہ پیدا ہونا اس طرح پر معلوم ہوگا کہ وہ پیدا ہوتے ہی سانس لے یا چھینکے یا روے یا اوسکے کسی
عضو کو حرکت ہو ۔ اگر نصف سے زیادہ جسم بچہ کا زندہ باہر نکلا اور پھر وہ مرگیا تو اس صورت مین وہ وارث ہوگا اور
اگر نصف سے کم زندہ باہر نکلا تو وارث نہ ہوگا ۔ کیونکہ اکثر پر حکم ہوتا ہے ۔ اگر بچہ سیدھا سینہ تک زندہ نکل آیا تو وارث
ہوگا اور اگر اولٹا نکلا تو ناف تک نکلنے کی شرط ہے ۔ اور پھر بچہ کے مرنے کے بعد اوسکے وارثون کو میراث
ملیگی ۔ اگر حاملہ عورت کے پیٹ مین کسی نے ضرب پہونچایا اور اسوجہ سے اسقاط حمل ہو تو جنین کو وراثت
پہونچیگی اسواسطے کہ شرع نے صدمہ پہونچانیوالے پر غرہ دیت واجب کی ہو اور دیت اوسی صورت مین واجب ہوتی ہے
جب زندہ کو صدمہ پہونچا کر ہلاک کیا جائے ۔ مردہ کو صدمہ پہونچانے سے دیت لازم نہین آتی ۔

مفقود | مفقود وہ ہے جو کہین چلا گیا ہو اور باوجود تلاش کے اوسکا پتہ نہ معلوم ہو اور نہ اوسکے زندہ یا مردہ ہونے کی بابتہ کچھہ ظاہر ہو یا آنکہ وہ دشمن کی اسیری مین آگیا اور اوسکے زندہ یا مردہ ہونے کی بابت کچھہ نہ معلوم ہو۔

مفقود کی حیات کی بابتہ مختلف قول ہین۔ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہین کہ تاریخ پیدایش مفقود سے جب تک ۱۲۰ سال نہ گذرلین وہ زندہ متصور ہوگا و امام محمد کے نزدیک ۱۱۰ سال تاریخ پیدایش سے زندہ خیال کیا جائیگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایکسو پانچ ۱۰۵ سال تاریخ پیدایش سے۔ لیکن امام محمد و امام ابو یوسف کا قول کسی کتب مستند مین نہین پایا جاتا۔ ش۔ بقیہ صفحہ ۴۴۔

بعض علما کا یہ قول ہے کہ جب تک شخص مفقود کے سب ہم عمر جو اوسی موضع یا قصبہ مین رہتے ہین فوت نہ ہو جائین اوسوقت تک وہ زندہ خیال کیا جائیگا۔ ہدایہ کے بموجب تاریخ پیدایش سے نوے ۹۰ برس کی عمر تک مفقود زندہ متصور ہوگا[۵۱] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔

لیکن امام مالک کے قول پر اب حنفیون کا عمل ہے یعنی اگر چار سال تک مفقود کا کچھہ حال نہ معلوم ہو تو وہ مردہ متصور ہوگا مگر شافعی مذہب مین سات سال کی قید ہے۔ امیر علی جلد ۲ صفحہ ۷۳۔

مفقود کے بارہ مین یہ مسئلہ ہے کہ وہ اپنے مال کے حق مین زندہ متصور ہوگا یعنی کسیکو اوسکے مال سے وراثت نہ ملیگی اور دوسرے کے مال کے حق مین مردہ اعتبار کیا جاتا ہے

---

۵۱ مسماۃ نانی بی بی بنام مسماۃ صاحبزادی صدر دیوانی عدالت رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۰۸ و مقدمہ نمبری ۱۳ باب اول نظائر شرع محمدی میگناٹن صاحب مین بھی تاریخ پیدایش سے نوے سال کے گذرنے پر مفقود مردہ تجویز کیا گیا۔ شاما چرن سرکار صفحہ ۱۸۹۔

یعنی وہ دوسرے سے وراثت نہ پائیگا بلکہ اوسکا حصہ اوس وقت تک محفوظ رکھا جائیگا جب تک اوسکی موت یقینی طور پر دریافت تکرلیجائے یا اوسکی موت کی نسبت قیاس شرعی نہ پیدا ہو[لہ] - قیاس شرعی وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا - بعد گذرجانے اوس مدت کے وہ اپنے مال کے حق مین مردہ سمجھا جائیگا یعنی اوسکے وارثان اوسکا مال آپس مین تقسیم کرینگے اور غیر کے مال کے حق مین اس طرح پر مردہ متصور ہوگا کہ گویا وہ اوسی دن مرگیا جس روز گم ہوا تہا - مثلاً اگر زمانہ مفقودی مین کوئی شخص مرا جسکا کہ مفقود بہی وارث ہے تو مفقود کا حصہ رکہہ چہوڑا جائیگا جب تک کہ اوسکی موت کی بابت حکم دیا جائے بعدہٗ اوسکا سب مال اوسکے وارثان موجود کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اور ترکہ غیر سے جو مفقود کا حصہ رکہہ چہوڑا گیا ہے وہ اوس غیر کے وارثون کو واپس دیا جاویگا اور یہ خیال کیا جاویگا کہ مفقود کا وجود ہی نہ تھا -

**غرقی وحرقی** جب ایک جماعت ڈوب کریا جلکر مرگئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلے کون مرا تو سمجھا جائیگا کہ وہ سب ساتھ مرے - اس لیے ہر ایک کا مال اوسکے وارثون کو ملے گا اور اس جماعت سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا - لیکن اگر ان مین موت کی ترتیب معلوم ہو تو پہلے مرنے والے کا وارث پچہلا مرنے والا ہوگا -

## دربیان حجب

حجب دو طرح کا ہوتا ہے - حجب نقصان و حجب حرمان - حجب نقصان یہ ہے کہ زاید حصہ سے محجوب ہوکر کم حصہ وارث کو ملے اور حجب حرمان سے مراد کلیتہً محرومی ہے - حجب حرمان چہہ شخصون کے ساتھ نہین ہے یعنی باپ - بیٹا - شوہر - زوجہ - ماں - بیٹی

لہ گردہاری لال بنام لڈو بیگم ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۰۵ -

ان کے سوا جو وارث ہین اونمین - اول - میت سے زیادہ قربت والا بعید کو محروم کرتا ہے جیسے لڑکا پوتے کو محروم کرتا ہے - دوم - جو شخص کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے قرابت رکھتا ہے وہ اوس دوسرے شخص کی موجودگی مین وارث نہین ہوتا سوا سے اولاد مان کے جو بموجودگی مان کے بہی وارث ہین جو شخص خود محروم ہوتا ہے وہ کسیکو محجوب نہین کرتا ہے جیسے قاتل و کافر کہ وہ بہ حجب حرمان و بہ حجب نقصان کسی وارث کو محجوب نہین کرتے -

لیکن جو وارث محجوب ہو اوہ دوسرے کو بالاتفاق محجوب کرسکتا ہے جیسے کہ دو بہائی یا دو بہنین خواہ کسی جہت سے ہون باپ کے ہوتے محجوب ہونگے ولیکن میت کی مان کو بحجب نقصان محجوب کرینگے کیونکہ بجائے ⅓ کے ⅙ مان کو حصہ ملیگا -

## فصل ہفتم - تقسیم ترکہ کی چند مثالین

اگر وارث صرف باپ ہے تو کل ترکہ اوسکو ملے گا و اگر تنہا مان ہے تو کل ترکہ اوسکو ملیگا - ایک ثلث بحیثیت ذوفرض کے و بقیہ بطور رد کے اگر باپ و مان دونون ہین تو مان کو ایک ثلث و بقیہ باپ کو -

اگر وارث باپ و مان و دو بہائی (یا ایک بہائی دو بہنین یا چار بہنین) ہین تو مان کو ⅙ ملیگا و بقیہ کل باپ کو و بہائیون کو کچھہ نہ ملے گا -

اگر باپ و مان کے ساتھ متوفی کی اولاد بہی ہو تو باپ و مان دونون کو ایک ایک سدس (⅙) ملے گا -

اگر وارث صرف ایک لڑکی ہے و کوئی عصبہ نہین ہے تو نصف ترکہ اوسکو حصہ شرعی مین

ملے گا و بقیہ نصف بطور رد کے۔ واگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہیں وکوئی دوسرا وارث نہیں ہے تو کل ترکہ ان لڑکیوں کو بحصہ مساوی ملے گا یعنی دو ثلث اونکا حصہ مفروضہ ہوگا وایک ثلث بطور رد کے۔

اگر وارث والدین ہیں یا اونمیں سے کوئی ایک ومتوفی کی اولاد۔ تو والدین میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس (۱/۶) ودیگر بقیہ ترکہ اولاد کو اگر سب از قسم ذکور ہیں بحصہ مساوی دیا جائیگا واگر اولاد میں مونث بھی ہوں تو دو مونث کا حصہ ایک مذکر کو دیا جائیگا واگر وارث والدین وصرف ایک دختر ہیں تو والدین کو ایک ایک سدس (۱/۶) و دختر کو ۱/۲ دیگر بقیہ ترکہ باپ کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔ اسیطرح اگر متوفیہ کے وارث اوسکے شوہر ووالدین ہیں تو شوہر کو نصف ترکہ ملے گا وماں کو بقیہ کا ایک ثلث اور پھر جو باقی رہے وہ کل باپ کو ملے گا۔

اگر متوفی نے ایک دختر وایک لڑکے کا لڑکا چھوڑا تو دختر کو ۱/۲ ملیگا وبقیہ نصف پوتا بحیثیت عصبہ پائیگا۔ لیکن اگر بجاے پوتے کے پوتیاں ہیں تو پوتیوں کو ۱/۶ ملے گا لیکن اگر متوفی نے دو یا زیادہ لڑکیاں چھوڑی ہیں تو پوتیوں کو کچھہ نہ ملے گا واگر پوتیوں کے ساتھہ ایک پوتا بھی ہے تو لڑکیوں کو دو ثلث دیگر بقیہ ایک ثلث پوتا و پوتیوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مونث سے دو چند دینگے۔ واگر متوفی نے ایک لڑکا وپوتا وپوتیاں چھوڑی ہیں تو لڑکے کے باعث پوتا وپوتیاں محجوب ہونگی۔ اگر وارث صرف ایک حقیقی بھائی ہے تو کل ترکہ اوسکو ملے گا اگر حقیقی بھائی کے ساتھہ بہن بھی ہے تو بھائی کو دو حصہ وبہن کو ایک حصہ ملے گا۔

واگر حقیقی بھائیوں وبہنوں کے ساتھہ چند اخیافی بھائی بہن ہیں تو اخیافی بھائیوں یا بہنوں کو ایک ثلث ملیگا جو اونمیں بحصہ مساوی بلا خیال جنس کے تقسیم ہوگا اور بقیہ دو ثلث حقیقی

بھائیون وبہنون کو بطریق مذکورہ بالا یعنی للذکر مثل حظ الانثیین سے دوچند دینگے - اگر حقیقی بھائی وبہن نہین ہین تو علاتی بھائی وبہن کو حقیقی بھائی وبہن کے حقوق حاصل ہونگے -

اگر وارث صرف دادا یا نانا یا نانی ہے تو کل ترکہ اوسیکو ملیگا - واگر وارثون مین باپ و مان دونون طرف کے مورث ہین تو باپ کی طرف کے مورث کو (خواہ مذکر ہو یا مؤنث) کُل ترکہ ملے گا -

اگر وارث ایک اخیافی بھائی وحقیقی بھائی کا ایک لڑکا ہے تو اخیافی بھائی کو $\frac{1}{6}$ ملے گا وبقیہ بھتیجہ کو ملے گا -

اگر وارثون مین بھائی وبہن دونون کی اولاد ہین تو بہن کی اولاد کو کچھہ نہ ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام ہین جو بموجودگی عصبہ کے محروم ہوتے ہین

اگر وارث چچا وپھوپیان ہین تو کل ترکہ چچا کو ملے گا - حقیقی چچا کے ہوتے علاتی واخیافی چچا محروم ہونگے - وعلاتی چچا اخیافی چچا کو محروم کرتا ہے -

سوتیلی مان وسوتیلی دختر کو وراثت مین کچھہ حق نہین ہے -

اگر وارث ایک علاتی چچا ومان ودادی ہین تو ایک ثلث مان کو ملے گا اور دو ثلث علاتی چچا کو و دادی محجوب ہوگی - واگر بجاے ایک کے چند علاتی چچا ہین تو دو ثلث اون سبکو ملیگا -

**نمبر ۱ -** وارث دو لڑکیان ایک پوتا وایک پوتی -

حصہ شرعی $\frac{2}{3}$ بقیہ $\frac{1}{3}$ = بحیثیت عصبہ پوتا وپوتی کو -

∴ پوتا = $\frac{2}{3}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{2}{9}$

پوتی = $\frac{1}{3}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{1}{9}$

**نمبر ۲ -** وارث مان - زوجہ - تین بہنین - ایک بھائی

حصہ شرعی $\frac{1}{6}$ و $\frac{1}{4}$ وبقیہ $\frac{7}{12}$ = بہنین وبھائی بحیثیت عصبہ -

بھائی = ۲ بہن - $\frac{۲}{۵}$ کا $\frac{۷}{۱۲}$ = $\frac{۷}{۳۰}$

ایک بہن = $\frac{۱}{۵}$ کا $\frac{۷}{۱۲}$ = $\frac{۷}{۶۰}$ و ۳ بہن = $\frac{۲۱}{۶۰}$

**نمبر ۳** - وارث ایک زوجہ - ۴ لڑکیاں - ایک بھائی - دو بہنیں -

$\frac{۱}{۸}$ و $\frac{۲}{۳}$ وباقیہ $\frac{۵}{۲۴}$ = بھائی و بہنیں بحیثیت عصبہ -

بھائی = ۲ بہن = $\frac{۲}{۴}$ کا $\frac{۵}{۲۴}$ = $\frac{۵}{۴۸}$

ایک بہن = $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۵}{۲۴}$ = $\frac{۵}{۹۶}$

نسب نما . . . . . = ۹۶

زوجہ . . . . . . . . = ۱۲

۴ لڑکیاں . . . . . . = ۶۴

بھائی . . . . . . . = ۱۰

ایک بہن = ۵ و دو بہن . . = ۱۰

۹۶

**نمبر ۴** - وارث ایک دختر و ماں و باپ و شوہر -

شوہر = $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۳}$ یہ مسئلہ عائلہ ہے -

ماں = $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۲}{۱۳}$

دختر = $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۶}{۱۳}$

باپ = $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۲}{۱۳}$

**نمبر ۵** - وارث ایک اخیافی بہن و ایک علاتی بہن -

اخیافی بہن = $\frac{۱}{۶}$ وبقیہ $\frac{۱}{۳}$ مطابق حصہ رسد دونوں کو بطور رد کے ملیگا یعنی $\frac{۱}{۴}$ و $\frac{۳}{۴}$ دونوں کا حصہ ہوا - علاتی بہن = $\frac{۱}{۲}$

**مختصر طریقہ** علاتی بہن : اخیافی بہن = ۳ : ۱

یعنی اگر مخرج کو ۴ قرار دیں تو علاتی بہن کو ۳ سہام ملینگے و اخیافی کو (۱)

**نمبر ۶** - وارث ایک زوجہ - ماں - ایک پسر و ایک بھائی -

حصہ شرعی $\frac{1}{8}$ و $\frac{1}{6}$ و $\frac{17}{24}$ = بقیہ بحیثیت عصبہ پسر کو۔ و بھائی محجوب۔

اگر پسر مر گیا تو میراث حسب ذیل تقسیم ہوگی۔

ماں (یعنی زوجہ متوفی اول) = $\frac{1}{3}$ کا $\frac{17}{24}$ = $\frac{17}{72}$

چچا (یعنی بھائی متوفی اول جو محجوب تھا) بحیثیت عصبہ بقیہ = $\frac{17}{24}$ - $\frac{17}{72}$ = $\frac{34}{72}$

و متوفی اول کی ماں یعنی متوفی ثانی کی دادی محروم ہوگی۔

∴ زوجہ متوفی اول = $\frac{1}{8}$ + $\frac{17}{72}$ = $\frac{26}{72}$

ماں . . . . . . . . = $\frac{12}{72}$

بھائی متوفی اول . . . . . = $\frac{34}{72}$

**نمبر ۷**۔ وارث - شوہر - ایک دختر - ایک بھائی - ۳ بہنیں۔

حصہ شرعی $\frac{1}{4}$ و $\frac{1}{2}$ بقیہ $\frac{1}{4}$ = بھائی و بہنیں بحیثیت عصبہ۔

۳ بہنیں = $\frac{3}{5}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{3}{20}$

بھائی = $\frac{2}{5}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{2}{20}$

**نمبر ۸**۔ وارث - ایک زوجہ - ماں - ۳ حقیقی بہن و ایک اخیافی بھائی و ۲ اخیافی بہن

حصہ شرعی $\frac{1}{4}$ و $\frac{1}{6}$ و $\frac{2}{3}$ اخیافی بھائی و بہن محجوب

یہ مسئلہ عائلہ ہے۔

∴ زوجہ = $\frac{3}{13}$ و ماں = $\frac{2}{13}$ و ۳ حقیقی بہن = $\frac{8}{13}$

مگر ۸ سہام تین بہنوں میں بلا کسر کے تقسیم نہو گا اس لیے نسب نما کو ۳ سے ضرب دیکر ۳۹ کیا

∴ زوجہ = $\frac{9}{39}$ و ماں = $\frac{6}{39}$ و ۳ بہنیں = $\frac{24}{39}$ و ایک بہن $\frac{8}{39}$

**نمبر ۹**۔ وارث ۴ زوجہ و ۱۸ لڑکیاں و ۱۵ جدات و ۶ چچا۔

حصہ شرعی $\frac{1}{8}$ و $\frac{2}{3}$ و $\frac{1}{6}$ و $\frac{1}{24}$ بقیہ بحیثیت عصبہ

∴ حصہ ایک زوجہ = ۱/۸ ÷ ۴ = ۱/۳۲

حصہ ایک لڑکی = ۲/۳ ÷ ۱۸ = ۱/۲۷

حصہ ایک جدہ = ۱/۶ ÷ ۱۵ = ۱/۹۰

حصہ ایک چچا = ۱/۲۴ ÷ ۶ = ۱/۱۴۴

نسب نما = ۴۳۲۰

∴ حصہ ایک زوجہ = ۱۳۵ او ۴ زوجیون کا = ۵۴۰

حصہ ایک لڑکی = ۱۶۰ و ۱۸ لڑکیون کا = ۲۸۸۰

حصہ ایک جدہ = ۴۸ و ۱۵ جدات کا = ۷۲۰

حصہ ایک چچا = ۳۰ و ۶ چچا کا = ۱۸۰

۴۳۲۰

## فصل ہشتم ۔ وراثت اہل شیعہ

شیعہ و سنیون کے قانون وراثت مین اہم اختلاف عصبہ کے متعلق ہے۔ شیعہ حق عصوبت کو نہین مانتے اسیلیے پدری اقربا از قسم ذکور کو جسکو سنّی عصبہ کہتے ہین۔ شیعہ کی شرع مین اون اقربا پر ترجیح نہین ہے جو میت سے بذریعہ کسی مونث کے قرابت رکہتے ہین مثلاً شیعہ مذہب مین دختر کی اولاد کو بہائی کی اولاد پر ترجیح ہے۔

شیعون مین دو وجہ سے حق وراثت حاصل ہوتا ہے اول نسب۔ دوم سبب۔

ورثاء نسبی کی تین قسم ہین۔ اور پہر ان تینون کی دو۲ دو۲ قسم ہین۔

قسم اول کی دو قسم یہ ہین۔ اول والدین میت - دوم اولاد میت چاہے کتنی ہی نیچی ہو
قسم دوئم ایضاً - اول مورث میت چاہے کتنے ہی اونچے ہون - دوم
بھائی بہن و اونکی اولاد -
قسم سوم کی دو قسم یہ ہین۔ اول پھوپی و چچا و اونکی اولاد - دوئم ماموں و خالہ و اونکی اولاد۔
اگر قسم اول کا ایک ہی شخص ہوگا تو دوسرے و تیسرے قسم کے کل وارث
میراث سے محروم ہونگے۔ اسیطرح بحالت موجودگی دوسری قسم کے وارث
کے تیسرے درجہ کے وارث محروم ہونگے۔ لیکن ایک قسم کے دونون درجے کے
وارث ساتھ ہی وراثت پائینگے جیسے والدین میت کو میت کی اولاد کے ساتھ میراث
پہونچیگی و دادا کو بھائی و بہن کے ساتھ - بھائی و بہن و اونکی اولاد کو میت کی اولاد و اولاد
کی اولاد کلیتہً محروم کرتی ہے - اگر ایک سنّی مسلمان ایک نواسی و ایک بھتیجہ چھوڑ کر مرا تو
بھتیجہ بوجہ ہونے عصبہ کے کل ترکہ پائیگا - اور نواسی کو کچھ نہ ملے گا بخلاف اسکے شیعون
مین نواسی کو کل ترکہ ملیگا اور بھتیجہ کو کچھ نہین - اسیطرح اگر کسی سنّی نے ایک لڑکی و
بھائی چھوڑا تو لڑکی کو نصف ملیگا اور بقیہ نصف بھائی کو بحیثیت عصبہ ملے گا - برعکس
اسکے شیعون مین لڑکی کو ایک نصف اوسکا حصہ مفروضہ ملے گا اور دوسرا نصف
اوسپر رد کیا جائیگا اور بھائی کو کچھ نہ ملے گا -
جس سبب کے ذریعہ سے حق وراثت ملتا ہے وہ دو قسم کا ہے - اول سبب
زوجیت - دوسرے سبب ولا - زوجیت کے سبب سے جس شخص کو
میراث پہونچتی ہے وہ ہر حالت مین اپنا حصہ پاوے گا اس لئے شوہر یا زوجہ کبھی
میراث سے محروم نہین ہوتی -
سبب ولا کی تین قسم ہین - اول ولاء العتق یعنی غلام کے آزاد کرنے والے کو غلام کے

ترکہ سے میراث پہونچتی ہے۔ دوم ولاء ضامن الجریرہ[۵۱] یعنی بسبب اسکے کہ میت کا زنگی تاوان ادا کیا ہو۔ سوم ولاء الامامت[۵۲] یعنی امامت کے سبب سے جو ترکہ پہونچا۔ حصہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ حصہ کی قسم کے لحاظ سے وارث تین قسم کے ہوتے ہین۔

[۵۱] امیر علی جلد ا صفحہ ۱۰۱ - ولاء ضامن قریب قریب حنفی ولاء الموالات کے مشابہ ہے جو قاعدہ ولاء انضامن کا شیعہ مذہب مین جاری ہے اوس سے ابتدائی زمانہ کے اسلامی سوسائٹی کے عادات واطوار پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ کسی زمانہ مین یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی غیر ملک مین جاتا تو اپنی خوش چلنی کی اوسے ضمانت دینی پڑتی تھی۔ ازمنہ متوسطہ مین یہی قاعدہ یورپ کے اکثر خود مختار شہرون مین بھی رائج تھا اور اسمین شک نہین ہے کہ ممالک شرقی مین اسی رواج پر ضامن کا حق وراثت مبنی ہے۔ خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین اس رواج نے بہت امتیاز پایا۔ کیونکہ خلفاے مذکو ہمیشہ اون اشخاص سے جو خراسان سے بغداد مین آتے تھے ضمانت طلب کرتے تھے جو لوگ ضامن ہوتے تھے وہ سرکار مین اون اشخاص کے افعال کے ذمہ دار ہوتے تھے جنکی اونہون نے ضمانت کی تھی اور اسکے صلہ مین ضامن اون اشخاص کے مرنے پر وارث ہوتے تھے اگر اونہون نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو۔ لیکن یہ حق وراثت ضامن کے ترکہ مین اوس شخص کو حاصل نہ تھا جسکی ضمانت کی گئی تھی ورنہ یہ حق ضامن کے علاوہ اوسکے ورثاء کو پہونچتا تھا خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ مین امام علی ابن موسی رضا اپنی جماعت کے لوگون کے اکثر ضامن ہوا کرتے تھے اس وجہ سے اونکو امام ضامن کا لقب دیا گیا۔ جب کسی شخص کو لمبا سفر درپیش ہوا تو اوسکے یا زو پر اشرفی یا روپیہ باندھکر امام ضامن کے سپرد کرنا اوسی زمانہ کی یادگار ہے [۵۲] امام کو جو ترکہ پہونچتا ہے وہ بحیثیت سلطان کے نہین بلکہ بحیثیت مذہبی پیشوا کے پہونچتا ہے۔ اس لیے امام کے حق وراثت مین بھی قانون تمادی ویسے ہی متعلق ہے جیسا عام وراثت سے۔ ہندوستان مین اگر کوئی شیعہ لاوارث فوت ہو تو اوس کا مال اوس مجتہد کو ملے گا جو متوفی کے مسکن کے قریب رہتا ہے اگر کسی مجتہد نے ۱۲ سال تک وراثت کا دعوی نہین کیا تو پھر اوسمین تمادی عارض ہو جائیگی۔

اول - وہ جسکا حصہ قرآن مجید مین مقرر ہے جسکو ذو فرض کہتے ہین -
دوم - وہ جو بعض حالت مین بحیثیت ذو فروض و بعض حالت مین بوجہ قرابت میت کے وارث ہوتے ہین -
سوم - وہ جو صرف بوجہ قرابت کے وارث ہوتے ہین اور جسکو ذو قرابت کہتے ہین
اشخاص ذیل ذو فرض ہین -
(۱) ایک یا چند لڑکیان جبکہ اوسکے ساتھ متوفی کا باپ یا لڑکا نہو (۲) حقیقی و علاتی بہن یا بہنین جبکہ اونکے ساتھ دادا اور مساوی الدرجہ کے ایک یا چند بہائی نہ ہون (۳) باپ جب میت کی اولاد کے ساتھ ہو - (۴) مان (۵) شوہر (۶) زوجہ (۷) وہ اشخاص جو مان کی جہت سے قرابت رکہتے ہین -
جب ایک ہی وارث ہو چاہے ذو فرض یا ذو قرابت یا وارث سببی تو اوس ایک وارث کو کل ترکہ ملیگا - مثلاً ایک لڑکی ہو تو نصف بحیثیت ذو فرض کے اور نصف بحیثیت رد کے اوسکو ملے گا - ایک لڑکا ہو تو کل ترکہ بحیثیت ذو قرابت اوسکو ملے گا کیونکہ قرآن شریف مین اوسکا کوئی خاص حصہ مقرر نہین ہے - اگر وارث صرف شوہر ہے تو کل ترکہ اوسکو زوجیت و رد کے ذریعہ سے ملیگا -
اگر وارثون مین ذکور و اناث ہم درجہ و مساوی القرابت ہون تو مرد کو عورت سے دوچند ملے گا - مگر جو وارث مان کی جہت سے قرابت رکہتے ہین مثلاً اخیافی بہائی و بہن تو مذکر و مؤنث دونون کو مساوی حصہ ملیگا -
جب منجملہ وارثون کے چند باپ کی جہت سے قرابت رکہتے ہین و چند مان کی جہت سے تو ہر فریق اوس شخص کا حصہ پائیگا جسکے ذریعہ سے وہ قرابت رکہتا ہے مثلاً اگر وارث بچا و پہوپی و ماموں و خالہ ہین تو باپ کی جہت کے وارثون کو دو ثلث ملیگا اور ایک

ثلث مان کی جہت کے وارثون کو۔ اور جب وارثون مین اختلاف جنس ہو تو جو حصہ ایک فریق کے کل وارثون کو ملا ہے وہ اون وارثون مین باعتبار جنس کے ہر وارث پر تقسیم ہوگا۔ مثلاً مثال مذکورۂ بالا مین چچا و پہوپی کو دو ثلث ترکہ ملیگا۔ لیکن اوس دو ثلث مین سے ہر چچا کو ہر پہوپی کے حصہ سے دو چند ملیگا۔ اسیطرح اگر کسی شخص نے اپنے لڑکے کی اولاد چہوڑی و لڑکی کی اولاد بہی اور ان مین سے کوئی فریق محجوب الارث نہین ہے تو لڑکے کی اولاد کو دو ثلث ملیگا جسکو مذکر و مونث وارثونمین بحساب دو و ایک کے تقسیم کرینگے و لڑکی کی اولاد کو جو ایک ثلث ملا ہے اوسکو بہی اسیطرح تقسیم کرینگے۔

اگر وارث ذو فرض اور ذو قرابت دونون قسم کے ہین تو پہلے ذو فرض کو اونکا حصہ مفروضہ دینگے۔ اگر وارثون مین چند حقیقی و علاتی و اخیافی قرابتدار ہین تو مان کی جہت کے قرابتدارون کو ایک ثلث دینگے جو باہم اونکے درمیان بلا خیال جنس ورثا کے برابر تقسیم کیا جائیگا اور باقی ترکہ حقیقی قرابتدارون مین بخیال جنس وارث کے یعنی ہر مرد کو ہر عورت کے حصہ سے دو چند دیکر تقسیم کرینگے اور باپ کے جہت سے جو قرابتدار ہین وہ بالکل محروم کیے جائین گے۔ مثلاً اگر متوفی نے چند حقیقی و چند علاتی و چند اخیافی بہائی بہنین چہوڑین تو اخیافی بہائی بہنون کو ایک ثلث ملیگا جو اونکے درمیان بلا خیال جنس کے تقسیم ہوگا۔ اگر ایک ہی اخیافی بہائی یا بہن ہو تو صرف ⅙ ترکہ کا اوسکو دین گے۔ اور باقی ترکہ حقیقی بہائی و بہن مین مذکر کو مونث کے حصہ کا دو چند دیکر تقسیم کرینگے اور علاتی بہائی بہن محروم ہوجائینگے۔

علاتی بہائی بہن کو صرف اوس حالت مین ترکہ ملیگا جب حقیقی بہائی بہن نہ ہون۔

اگلے زمانہ مین شوہر یا زوجہ پر رد نہین کیا جاتا تہا مگر اب یہ امر طے شدہ ہے کہ بحالت نہ ہونے کسی وارث کے اونپر بہی رد کیا جاتا ہے۔

جب ایک رشتہ دار صرف باپ کی جہت سے قرابت رکہتا ہے اور دوسرا مان کی جہت سے

اور دونون باعتبار قربت مساوی الدرجہ ہین تو ہر فریق اپنا اپنا حصہ پائیگا اور جو کچھہ بچ رہیگا وہ اونکے درمیان اونکے حصے کے تناسب سے تقسیم ہوگا مثلاً وارثون مین ایک علاتی اور ایک اخیافی بہن ہے تو علاتی بہن کو نصف اور اخیافی بہن کو $\frac{1}{6}$ حصہ دینگے اور باقی $\frac{1}{3}$ اونکے درمیان اسطرح پر تقسیم کرینگے کہ علاتی بہن کو تین حصہ اور اخیافی بہن کو ایک حصہ دینگے۔

حصے شمار مین چھہ ہین۔ $\frac{1}{2}$ و $\frac{1}{4}$ و $\frac{1}{8}$ و $\frac{1}{3}$ و $\frac{2}{3}$ و $\frac{1}{6}$ - اور چونکہ قرآن مجید مین ان حصونکا اور اون اشخاص کا جو اونکے پانے کے مستحق ہین صاف طور پر ذکر آیا ہے اس لئے سنی و شیعہ مذہب مین اونکے متعلق کچھہ اختلاف نہین ہے۔

اہل شیعہ مین ایک لاولد بیوہ کو یا ایسی بیوہ کو جسکے کوئی اولاد وقت وفات شوہر موجود نہ ہو جائداد غیر منقولہ مین کچھہ حصہ نہین ملتا[۵۱] - لیکن جائداد منقولہ و مکانات مین حصہ ملیگا ونیز جملہ مکانات مین اوسکو حصہ ملے گا۔[۵۲]

## فصل نہم۔ موانع ارث

سنی و شیعہ مذہب مین موانع ارث کے تین ہین۔ رق یعنی غلامی۔ قتل۔ اختلاف دین چوتھا مانع ارث سید امیر علی نے غیر صحیح النسبی لکھا ہے۔ سنی مذہب مین اختلاف دار

۵۱ حسین خان بنام امیدی بی بی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۹۲ - جسمین رام پرشاد بنام عبد الکریم الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۵۱۳ سے فرق دکھلایا گیا ۵۲ عمر دراز علی خان بنام ولایت علیخان الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۹ و آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی کلکتہ جلد ۲۵ صفحہ ۹ -

یعنی ملک بھی مانع ارث قرار دیا گیا ہے مگر یہ مسلمانوں سے متعلق نہین ہے جیسا
آیندہ معلوم ہوگا۔ رق مانع ارث ہے یعنی اگر کسی طرح کی مملوکیت وارث مین ہے تو اوسکو
مورث کی میراث نہین ملیگی۔

قتل اگر کسی نے بلا وجہ دوسرے کو قتل کیا ہو تو اوسکو مقتول کی میراث سے کچھ نہ ملیگا خواہ
اوس نے عمداً قتل کیا ہو یا خطا سے۔ جیسے کوئی شخص سونے کی حالت مین
اپنے مورث پر گر پڑا جسکے صدمہ سے مورث مر گیا تو یہ اوسکا وارث نہ ہوگا۔ اسیطرح
اگر چھت سے اپنے مورث پر گر پڑا اور وہ مر گیا یا اگر وارث گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑے
نے مورث کو کچل ڈالا تو وہ وارث نہ ہوگا۔ اگر نابالغ و مجنون قتل کرین تو وہ وراثت سے
محروم نہ ہونگے کیونکہ وراثت سے محروم کیا جانا جزائے قتل حرام ہے اور ان لوگون
کے افعال مین یہ بات نہین۔ کیونکہ وہ مکلف نہین ہین۔ اگر کسی شخص نے قتل کے
اسباب پیدا کئے ہین تو وہ وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے کنوان کھودا
اور اوسکا مورث اوسمین گر کر مر گیا یا اوس نے راہ مین پتھر ڈال دیا جس سے ٹھوکر کھا کر
مورث مر گیا۔ پس ایسا قتل جسکی وجہ سے قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہو اوس سے
محرومی ارث لازم آتی ہے اور جس سے قصاص و کفارہ واجب نہ ہو وہ باعث
حرمان نہ ہوگا۔ جیسے سبب ہلاکت کے باقی ہونے سے قصاص و کفارہ لازم نہین آتا
اگر باپ اپنے لڑکے کو عمداً قتل کرے تو باپ پر قصاص واجب نہین ہے مگر وہ
وراثت سے محروم کیا جائیگا اس استثنا کی بابت سید شریف یہ کہتے ہین کہ گو قتل
عمد سے قصاص لازم ہوتا ہے مگر پیغمبر صاحب کے اس حکم کے باعث کہ "باپ کو
لڑکے کے اور آقا کو غلام کے قتل سے قصاص واجب نہین ہے" باب قصاص
سے بری کیا گیا۔ اگر باپ نے اپنے لڑکے کا ختنہ کیا جسکے باعث لڑکا مر گیا یا تادیباً

مارا و مر گیا تو باپ وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ مگر شیعون مین جو قتل کہ عمداً و بغیر حق کے ہو وہ مانع ارث ہے۔

**اختلاف دین** اختلاف دین مانع ارث ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دونون مین اسلام و کفر کا اختلاف ہو اور کفر کی مختلف ملتون کے اختلاف سے مراد نہین ہے۔ جیسے کوئی مسلمان کافر کا وارث نہین ہو سکتا نہ کوئی کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے لیکن اگر وارث مجوسی ہو اور مورث یہودی تو اوسکو ورثہ ملے گا۔

**مرتد** مرتد کے لغوی معنی ایسے شخص کے ہین جو کسی چیز سے پھر جاتا ہے اور شرع مین دین اسلام سے پھر جانے والے کو کہتے ہین۔ ارتداد یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کوئی شخص دین اسلام کے خلاف کوئی بات کہے۔ جو شخص مرتد ہو گیا وہ مسلمان کا وارث نہ ہوگا اور نہ دوسرا مرتد کا وارث ہوگا۔ مرتد اگر حالت ارتداد مین قتل کیا گیا یا مر گیا یا دار الحرب مین جا ملا پس جو کچھہ اوس نے حالتِ اسلام مین حاصل کیا تھا وہ اوسکے مسلمان وارثون کی میراث ہوگی۔

سید امیر علی۔ کفر کے معنی خدا کی وحدانیت و محمد صاحب کی رسالت سے انکار کرنا ہے یہی وہ دو اصول ہین جن پر دین اسلام کی بنا ہے جو شخص ان دو اصولون کو مانتا ہے وہ دائرۂ اسلام کے اندر داخل اور جو شخص اِن اصولون کا معتقد نہین ہے وہ اسلام کے فوائد سے محروم ہے۔ اسی وجہ سے وہ شخص جو روزِ پیدایش سے اِن اصولون کا معتقد نہین یا آنکہ بعد مین مرتد ہوا ہو اپنے مسلم باپ سے وراثت کا مستحق نہین ہے۔

ایکٹ نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء نے مسلمانون کے قانون وراثت مین ایک اہم تبدیلی پیدا کر دی ہے جس بنا پر کہ کافر وراثت سے محروم کئے جاتے تھے وہ بدرجہ مساوی مرتد و ایسے اشخاص سے متعلق تھا جو دوسرے دین مین پیدا ہوئے تھے یعنی مرتد اور ایک

ایسا شخص جو ابتدا ہی سے مسلمان نہ تھا دونون اس قاعدہ کے اندر آجاتے تھے۔
مثلاً ایک مسلمان متوفی نے تین وارث چھوڑے ایک جو شروع ہی سے مسلمان
نہ تھا دوسرا مرتد ہوگیا اور تیسرا جو مسلمان ہے۔ دو اوّل الذکر وارث شرع محمدی کے
بموجب وراثت سے محروم ہونگے اور کل ترکہ تیسرے وارث کو ملیگا۔ چاہے باعتبار قرابت وہ متوفی سے کتنے ہی بعید کیون
نہ ہو۔ ایکٹ مذکورہ بالا کی روسے جو تبدیل واقع ہوئی وہ بہت اہم ہے۔ اس ایکٹ مین صرف ایک ہی دفعہ ہے[۱]
اس ایکٹ کا یہ اثر ہوا کہ شرع محمدی کے۔ اوس قاعدہ پر جسکی روسے مرتد وراثت سے محروم کئے
جاتے تھے اب عمل درآمد نہین کیا جاسکتا لیکن اس ایکٹ کا اثر اوس قاعدہ پر کچھ
نہین ہے جس سے وہ شخص جو ابتدا ہی سے مسلم نہ تھا محروم الارث ہوتا ہے۔
جیسے اگر کسی مرتد نے ایسی اولاد چھوڑی جسکو اوس نے اپنے عقائد کی تعلیم دی ہے
تو وہ اولاد اپنے مسلمان اقارب کی وارث نہ ہوگی۔ گو اگر مرتد خود ہی زندہ ہوتا تو ایکٹ
مذکورہ بالا کے بموجب اون مسلمان قرابت دارون کا وارث ہوسکتا تھا۔ اگر والدین مین
سے ایک بھی مسلمان ہے تو شرعاً اولاد اوسوقت تک مسلم خیال کیجائیگی جب تک
بچہ اپنا عقیدہ بیان کرنے کے قابل ہے اور میراث بموجب شرع کے جاری ہوگی
امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرتد کی وہ جائداد جو ارتداد سے پہلے حاصل کی گئی ہے اوسکے

---

[۱] ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے تحت حکومت جو ملک ہے اوسمین کسی قانون یا دستور نافذ الوقت کا وہ جزو
جسکے باعث کوئی شخص اس وجہ سے کہ اوس نے اپنا دین ترک کردیا یا آنکہ وہ اپنے دین وذات سے خارج
کردیا گیا ہے اپنے حقوق یا جائداد سے محروم کیا جاسے یا آنکہ اوسکا اثر یہ ہو کہ اوس شخص کے حق مین
وراثت کو کسیطرح پر نقصان پہونچاسے یا کلیتاً محروم کرے تو ایسے قانون یا دستور کا جزو مذکور کمپنی بہادر
کی عدالت ہاے دیوانی یا ایسی عدالتون مین جو بذریعہ رایل چارٹر کے کمپنی بہادر کے ملک مین قایم کی گئی
ہین مثل قانون کے نفاذ پذیر نہین ہوسکتا۔

مسلمان وارثون مین تقسیم ہوگی اور بعد ارتداد جو پیدا کی ہے وہ بیت المال کا حق ہوگا۔ مگر امام ابویوسف و محمد کا قول ہے کہ کل ترکہ مسلمان وارثون کو ملے گا۔ امام اعظم کے قول پر فتوی ہے۔ لیکن مرتدہ عورت کی کل جائداد خواہ وہ قبل ارتداد کے حاصل کی گئی یا بعد مین بالاتفاق مسلمان وارثون کو ملیگی۔

اختلاف دار — فتاوی عالمگیری۔ اختلاف دار بھی مانع ارث ہے۔ یعنی اگر دار الکفر مین ایک شخص ہو اور دار الاسلام مین دوسرا تو باہم اونکے میراث جاری نہ ہوگی۔ لیکن یہ حکم نامسلمونکے حق مین ہی۔ مسلمانون کے حق مین نہین مثلاً اگر کوئی مسلمان دار الحرب مین مرا تو اوسکا لڑکا جو دار الاسلام مین ہے اوس کا وارث ہوگا۔

جن ممالک مین شرع محمدی رائج نہین ہے وہان مسلمانون کے حقوق کا تصفیہ کس قانون کے بموجب ہوگا۔

امیر علی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔ کفایہ مین لکھا ہے کہ وہ ہر مسلمان شرع محمدی کا تابع ہے خواہ اوسکی سکونت کسی مقام پر ہو یا بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیے کہ شرع محمدی ہر مسلمان کا ذاتی قانون ہے۔ یعنی اسکی پابندی اوسپر ہر حالت مین لازم ہے جبتک کہ وہ سلطنت اسلامی کی ایک وفادار رعیت ہے خواہ اوسکی سکونت کا مقام کہین واقع ہو (یہ حال صرف پیدائشی مسلمانون کا نہین ہے بلکہ ہر شخص جو اپنا دین آبائی چھوڑکر اسلام قبول کرتا ہے اوسکے ساتھ بھی شرعی حقوق و ذمہ داریان اوسیطرح پر متعلق ہوتی ہین گویا وہ پیدائشی مسلمان ہے) اس سے واضح ہے کہ صرف ترک وطن سے تاوقتیکہ تبدیل مذہب نہ کیجائے کسی مسلمان کے شرعی حقوق مین کچھہ فرق نہین آتا یہ خصوصیت کچھہ اسلام ہی کی نہین ہے بلکہ چند مغربی ملکون مین بھی یہی اصول پایا جاتا ہے اگر کوئی شخص مذہب اسلام کا پابند ہے تو شرع مین یہ قیاس ہوتا ہے کہ وہ سلطنت اسلامی کی رعیت ہے ملک اطالیہ و فرانس مین بھی یہی قانون ہے یعنی اگر ان دو سلطنتون کی کوئی رعایا اپنے بادشاہ سے منحرف نہین ہوئی ہے تو چاہے وہ کسی جگہہ اپنی سکونت اختیار کرے وہ اپنے بادشاہ کی رعیت متصور ہوگی اور اون کے

حقوق وذمہ داریون کا تصفیہ اوس ملک کے قانون کے بموجب ہوگا جسکی وہ رعیت ہین - اس لئے
انگریزی قانون وشرع محمدی مین اختلاف واقع ہونے کی وجہسے جو دقتین پیش آسکتی ہین وہ
اطالیہ وفرانس ہین واقع نہ ہونگی - اگر کوئی ترک فرانس مین سکونت اختیار کرے مگر اپنے بادشاہ
سے منحرف نہ ہو تو اوسکے حقوق ومیراث کا تصفیہ اوس ملک کے قانون کے بموجب ہوگا جسکی وہ
رعایا ہے - لیکن اگر وہ اپنے بادشاہ سے منحرف ہوکر اوس بادشاہ کی رعیت ہونی منظور کرے
جسکے ملک مین اوس نے سکونت اختیار کی ہے مگر دین اسلام کا پابند ہے تو اوسکے حقوق وذمہ
داریون کا تصفیہ کس قانون کے بموجب ہوگا؟ کیا اپنے بادشاہ سابق سے انحراف کرنا بمنزلہ
ترک کرنے دین اسلام کے خیال کیا جائیگا؟

ان سوالون کا جواب شرعاً یہ ہے کہ وہ شخص شرع محمدی ہی کا تابع رہیگا - لیکن فرانس واطالیہ کی
بموجب ایسا شخص شرع محمدی کے تابع نہ رہے گا - قدیم زمانہ مین چونکہ مسلمانون کو مشرق ومغرب
کی دیگر اقوام سے لڑائی قایم رکھنی پڑتی تھی اسلیے مسلمانون نے تمام مہذب دنیا کو دو بڑے حصونمین
تقسیم کرکے اونکو دار الحرب ودار الاسلام کا خطاب دیا - ان دونون حصون کی نسبت یہ خیال تھا
کہ باہم ان کی عصمت جان ومال منقطع ہے اور ایک دوسرے کا جانی دشمن ہے - اوس زمانہ مین
کوئی مسلمان دار الاسلام کی سکونت ترک کرکے دار الحرب مین سکونت اختیار کرنیکا مجاز نہ تہا - اور اگر
اوس نے ایسا کیا تو پہر وہ مرتد تصور کیا جاتا تہا - اور شرع کی نظرون مین اوسکے دنیاوی حقوق مردہ ہوجاتے
تھے - لیکن کچھہ دنون بعد جب سلاطین اسلام ویورپ کے عیسائی دول مین معاہدے ہوئے اور
عیسائی سلطنتون نے اپنے پورانے تعصب کو چھوڑکر مسلمانون کو بھی اون حقوق کا کسی قدر مستحق
قرار دیا جو معاہدہ کے ذریعہ سے دیگر اقوام کو حاصل ہوسکتے ہین اوسکے بعد سے اس مسئلہ مین جو ایک
قسم کی سختی تہی وہ بہت کچھہ رفع ہوگئی ہے اسیلیے اب مسلمان دار الاسلام کی سکونت ترک کرنے کے
بعد بھی مسلمان رہ سکتا ہے - اس زمانہ مین جب لکھوکہا وکروڑہا مسلمان غیر مسلم سلطنتون کی رعایا ہین

اور مثل مستامن کے اونکے حقوق کی نگہداشت کیجاتی ہے تو شرع کے قدیم فقہی مسائل پر ملکی ضروریات
کا بہت کچھ اثر پڑے گا - فی زمانہ جبکہ ملکی معاملات مین اہم تبدیلیان واقع ہوگئی ہین کوئی مسلمان
کسی سلطنت کے ایک حصہ سے جہان شرع محمدی نافذ ہے اپنی سکونت ترک کرکے اوسی
سلطنت کے کسی دوسرے حصہ مین جہان شرع محمدی براے نام رائج ہے مستقل سکونت اختیار
کرسکتا ہے اور اس سے اوسکے دین مین کچھ فرق نہین آسکتا - مثلاً کوئی مسلمان ہندوستان
چھوڑکر گریٹ برٹین یا ائرلینڈ مین سکونت اختیار کرے تاہم وہ مسلمان ہی رہیگا - کیونکہ اس صورت
مین سکونت کی تبدیلی سے سلطان کی تبدیلی لازم نہین آتی - معلوم ہوتا ہے کہ قدیم فقہا ر نے بھی
ان صورتون کو مدِ نظر رکھا ہے - تاتارخانیہ مین لکھا ہے "کہ گو کوئی مسلمان قطعاً اپنی اصلی سکونت کو
ترک نہین کرسکتا مگر ہر مسلمان ایک ہی سلطان کے ایک حصہ ملک سے نقل مکان کرکے دوسرے
حصہ مین سکونت اختیار کرسکتا ہے" انگریزی قانون کے بموجب بادی النظر مین انسان کے حقوق
اوسکے وطن کے قانون کے تابع ہین جسکو قانون ڈومیسل کہتے ہین - ایک انگریزی مقنن ڈیسی کا
قول ہے کہ "انسان کے حقوق (متعلق نکاح و طلاق و جائداد منقولہ) پر قانون متعلق سکونت کا بہت کچھ اثر
ہے گو کلیتہً اوسکے تابع نہین ہین" اسلیئے ایک مسلمان جو عارضی طور پر ولایت مین مقیم ہے اوسکے
حقوق شرع محمدی کے تابع ہین بشرطیکہ شرع محمدی کے احکام انگریزی قانون یا عام قاعدہ
انصاف کے خلاف نہ ہون - شخص مذکور کے قانونی حقوق اوسکے وطن کے قانون کے تابع ہونگے
شرع محمدی کے بموجب ہندوستان دارالاسلام کا ایک حصہ ہے - چونکہ قانون بست و یکم جارج
نمبر (۳) باب (۱۷) کے بموجب ہندوستان مین مسلمانون کے معاملات سے شرع محمدی متعلق
کیگئی ہے اسلیے یہ تصور کرنا چاہیئے کہ مسلمانون کا قانون ڈومیسل اونکی شرع ہے جب تک کہ کوئی
مسلمان اپنا اصلی وطن ترک نہین کرتا اوسکے قانونی حقوق کا تصفیہ شرع محمدی کے بموجب ہوگا -
لیکن جب اوس نے اپنی اصلی سکونت ترک کردی یا دوسرے سکونت (دارالاسلام کے سوا کسی دوسری

جگہہ) اختیار کی تو پہر وہ اپنی قومی قانون کے تابع نہین رہتا - مثلاً جب کسی مسلمان نے ولایت
مین مستقل سکونت اختیار کرلی یا آنکہ اپنے کسی فعل سے صاف طور پر یہ ثابت ہوسنے دیا کہ ولایت
مین اوسکا قیام عارضی طور پر نہین ہے تو اوسکے بعد اوسکی وراثت اور دیگر ذاتی حقوق انگریزی قانون
کے تابع ہونگے وا وسکے معاملات کا تعلق شرع محمدی سے بالکل منقطع ہوجائیگا - مگر مذہبی و
اخلاقی امورات مین شرع محمدی کی پابندی اوسپر بہی لازم رہیگی مگر ملک اٹلی وغالباً فرانس کے
قانون کے بموجب وہ شرع محمدی کا تابع رہیگا گو اوس نے سکونت تبدیل کردی ہے - بشرطیکہ اوس نے
اپنے قدیم بادشاہ کی رعیت ہونے سے انکار نہ کیا ہو - چونکہ جائداد غیر منقولہ کے جملہ نزاعات کا
تصفیہ ملکی قانون کے بموجب ہوتا ہے اسلئے اگر کسی مسلمان نے ولایت مین کوئی جائداد غیر منقولہ
پیدا کی تو اوس جائداد کی وراثت کے متعلق اوس ملک کے قانون پر عمل ہوگا جس ملک مین وہ جائداد
واقع ہے - عام اس سے کہ مالک جائداد مستقل طور پر اوس ملک مین سکونت پذیر ہے یا عارضی
طور پر - اگر جائداد غیر منقولہ وقف یا ہبہ کی گئی ہے تو اوس جائداد سے بہی ملکی قانون متعلق ہوگا - اس
صورت مین بہی شرع محمدی وانگریزی قانون مین اختلاف ہوتا ہے - شرع محمدی کے بموجب کوئی
شخص اپنی کل املاک کو بہ محرومی ورثاء کے ہبہ نہین کرسکتا - مگر انگریزی قانون کے بموجب
کرسکتا ہے - اسلیے ایک مسلمان جس نے ولایت مین عارضی یا مستقل سکونت اختیار کرلی ہے
اپنی کل جائداد غیر منقولہ کو بہ محرومی اپنے ورثاء کے وصیت کے ذریعہ سے منتقل کرسکتا ہے -
اگر جائداد منقولہ ہو اور موصی نے ولایت مین مستقل سکونت اختیار نہین کی ہے تو اوسکی وصیت سے
شرع محمدی متعلق ہوگی - اسیطرح اگر جائداد غیر منقولہ ولایت مین واقع ہے تو اوسکی وراثت سے
انگریزی قانون متعلق ہوگا - خواہ مالک جائداد نے ولایت مین مستقل سکونت اختیار کی ہے یا نہین
مثلاً اگر کسی مسلمان کی جائداد غیر منقولہ ولایت مین ہے اور اوس نے دو لڑکے چہوڑے مگر بڑا لڑکا
مسلمان نہین ہے تو جائداد اوسی بڑے لڑکے کو ملیگی اور چہوٹا لڑکا کلیتہً محروم رہیگا گو شرعاً اختلاف

مذہب اوسکے لیے مانع ارث ہی۔

انگریزی قانون کے بموجب جائداد غیر منقولہ ''وارث''کو ملیگی اور وارث ہونے کے لیے صرف یہی ضرور نہین ہے کہ وہ شخص اپنے باپ کا سب سے بڑا و زندہ و صحیح النسب لڑکا ہو بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ انگریزی قانون کے مفہوم کے بموجب وہ اولاد جائز نکاح سے ہو۔ مثلاً ایک مسلمان کے جو عارضی طور پر ولایت مین رہتا ہے دو بیبیون سے دو اولاد ہین یعنی پہلی بی بی سے لڑکی ہے اور دوسری بی بی سے ایک لڑکا ہے اور اوس شخص کی کچھ جائداد غیر منقولہ ولایت مین واقع ہے۔ وارث ہونے کے لیے پہلی شرائط انگریزی قانون کے مطابق لڑکے مین پائی جاتی ہین۔ یعنی یہ کہ وہ سب سے بڑا زندہ و صحیح النسب لڑکا اپنے باپ کا ہے اوسکی صحیح النسبی پر انگریزی قانون کا کچھ اثر نہین ہوسکتا۔ بلکہ چونکہ وہ لڑکا اپنے باپ کے قومی قانون کے بموجب صحیح النسب ہے اسلیے انگریزی قانون کے بموجب بھی صحیح النسب متصور ہوگا۔ مگر چونکہ انگریزی قانون مین دو عورتون سے ایک وقت مین نکاح ناجائز ہے اس لیے وہ لڑکا صحیح نکاح کی اولاد متصور نہ ہوگا لہذا وہ جائداد غیر منقولہ واقع ولایت کا وارث بھی نہین ہوسکتا اور نہ اس لڑکے کے ذریعہ سے اوسکے رشتہ داران طرفی جائداد مذکور کے وارث ہوسکتے ہین۔ پس ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ولایت مین مستقل سکونت اختیار کی ہے یا وہان جائداد غیر منقولہ پیدا کی ہے تو اوس شخص سے و جائداد سے ولایت ہی کا قانون متعلق ہوگا۔ لیکن اگر وہ عارضی طور پر ولایت مین رہتا ہے تو اوسکے حقوق اوسکے وطن کے قانون کے تابع ہونگے اس صورت مین بعض اوقات دونون ملکون کے قانون مین تضاد واقع ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مسلمان نے ایک نامسلمہ عورت سے دوسرے ملک مین وہان کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگا۔ کیونکہ شرع مین بھی مثل انگریزی قانون کے عقد نکاح کی قابلیت کا معیار متعاقدین کے ملک کا قانون ہے لیکن طریقہ عقد سے اوس ملک کا قانون متعلق ہوگا جہان عقد واقع ہوا۔ ایک انگریز مقنن کا قول ہے کہ عقد

نکاح کی صحت کی اہمیت کے لحاظ سے جسپر نظام معاشرت مبنی ہے تمام متمدن و مہذب اقوام نے بالعموم یہ امر تسلیم کرلیا ہے کہ عقد نکاح کے لیے متعاقدین کی قابلیت کا معیار اوسکے ملک کا قانون ہے مگر طریقۂ عقد سے اوس ملک کا قانون متعلق ہوگا جہان نکاح ہوا - لارڈ کنیل صاحب نے ایک مقدمہ مین اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے -

"اس عام قاعدہ کے متعلق کچھہ شبہ نہین ہوسکتا کہ غیر ملک کا نکاح اوس ملک کے قانون کے بموجب ہونا چاہیے جہان عقد فی الواقع کیا جاتا ہے لیکن ارکان عقد کا تصفیہ متعاقدین کے وطن کے قانون کے بموجب ہوگا - گو جس طریقہ سے عقد نکاح کیا گیا وہ اوس ملک کے طریقہ کے خلاف ہو جہان زوجین بعد نکاح مستقل طور پر رہین گے تاہم وہ نکاح صحیح ہوگا - لیکن اگر نکاح کے ارکان متعاقدین کے وطن کے قانون کے بموجب ناجائز ہون تو وہ نکاح اوسکے وطن مین ناجائز ہوگا گو جس ملک مین نکاح واقع ہوا وہان کے قانون کے بموجب ناجائز نہ ہو - کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی مہذب سلطنت اس امر کو ہرگز جائز نہ رکھیگی کہ اوسکی کوئی رعایا چند دنون کے لیے کسی غیر ملک مین جاکر ایک ایسا معاہدہ کرے جسکا تعمیل کرنا اوسکے وطن مین قرار پایا ہو اور حال یہ ہے کہ وہ معاہدہ اوسکے وطن کے قانون کے بموجب اس وجہ سے ناجائز ہے کہ وہ خلاف تہذیب یا مذہب یا نظام معاشرت کے ہے" اسی طرح شرعاً متعاقدین نکاح کی قابلیت اسلامی اصول کے تابع ہوگی - لیکن اوس عقد کا انعقاد اوس خاص مقام کی رسم و رواج کے مطابق ہوگا جہان عقد کیا گیا - مثلاً ایک مسلمان شرعاً یہودن یا نصرانیہ عورت سے نکاح کرسکتا ہے خواہ وہ نکاح عورت کے مذہبی رسوم کے مطابق ہو یا مثل ایک تمدنی معاہدہ کی سلطنت کے ایسے افسر کے مواجہ مین کیا جاوے جسکو سلطنت کیجانب سے اس قسم کے معاہدہ کی رسومات ادا کرنیکا اختیار دیا گیا ہو - اگر معاہدہ مقامی قانون و رسم و رواج کے بموجب عمل مین آیا ہے اور باہم متعاقدین کے نکاح کرنے مین کوئی امر شرعی مانع نہین ہے تو شرعاً وہ نکاح جائز ہے - اور انگریزی قانون کے بموجب بھی ایسا نکاح جائز ہے -

انگریزی قانون کے بموجب زوجیت کا مکان شوہر کا مکان ہے۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ عورت نے ایک غیر ملک کے باشندہ سے نکاح کیا خواہ مخواہ یہ نتیجہ نہین پیدا ہوتا کہ عورت نے اپنا وطن چھوڑکر اپنے شوہر کے وطن کی سکونت اختیار کی ہے۔ یہ امر کلیتہً فریقین کی نیت ومنشاء پر موقوف ہے۔ بالفاظ دیگر اگر یہ ثابت ہو کہ عورت نے کبھی اپنے وطن کے ترک کرنیکا ارادہ نہین کیا تھا یا آنکہ مرد نے اوسے یہ یقین دلا کر نکاح کیا تھا کہ عورت بعد نکاح بھی اپنے ملک کے قانون کے تابع رہیگی یا آنکہ خود وہ یعنی شوہر اپنے آبائی وطن کو چھوڑکر زوجہ کے وطن مین سکونت اختیار کریگا تو صرف اس وجہ سے کہ شوہر نے اپنا وطن ترک نہین کیا اور گاہ گاہ اپنی زوجہ کو اپنے وطن مین لے گیا اور پھر واپس لایا زوجہ کے حقوق پر ان باتون کا کچھ اثر نہ پڑیگا اور نہ اوس معاہدہ پر کچھ اثر پڑے گا جو وقت نکاح شوہر نے عورت سے کیا تھا یعنی عورت کے حقوق اور معاہدہ سے عورت کے وطن کا قانون متعلق ہوگا۔

یہ مسئلہ کہ شوہر کا مکان زوجیت کا مکان ہے شرعاً محدود معنی مین مستعمل ہے اور اسکا صرف یہ مطلب ہے کہ شوہر زوجہ کو اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ اسکے خلاف اوس نے کوئی شرط نہ کی ہو۔ اس سے زیادہ اسکا مطلب نہین۔ اسلئے اگر ایک ترک شخص نے کسی ہندوستانی عورت سے نکاح کیا تو صرف نکاح سے عورت کا اصلی وطن متروک نہ ہوگا اور نہ اوس معاہدہ سے جو باہم ان کے ہوا ہے ترکی قانون متعلق ہوگا۔ اسیطرح اگر کسی مسلمان نے ایک کتابیہ عورت سے جو دوسرے ملک کے باشندہ ہے نکاح کیا تو صرف نکاح سے عورت کی قومیت مین فرق نہ آئیگا اور نہ وہ شرع محمدی کے تابع ہو جائیگی۔ ایسی صورت مین عورت کی میراث عورت کے قومی وملکی قانون کے بموجب جاری ہوگی اور مرد کی میراث اوسکے ملک کے قانون کے بموجب مثلاً عورت بوجہ اسکے کہ وہ مسلمان نہین ہے اپنے شوہر کی وارث نہ ہوگی مرد اگر سنی ہو تو وہ اپنی زوجہ کا وارث ہوگا۔

یا احکم الحاکمین

# شرع محمدی

## حصہ دوم


مؤلفہ عالیجناب فضیلت مآب جناب منشی

محمد حسین صاحب بی اے وکیل ہائی کورٹ و

منصف ممالک مغربی و شمالی



در مطبع لامع النور آگرہ طبع شد

نومبر ۱۸۹۹ع

(محمد علیخان بن حسین لکھنوی)

# فصل اول۔ دربیان نکاح

سید امیر علی۔ فقہ کی ایک کتاب مین ہے کہ نکاح ایک نظام ہے جو سوسائیٹی کی حفاظت کے لئے محکوم ہوا ہے اور غرض یہ ہے کہ انسان اپنے کو بیحیائی اور زنا سے محفوظ رکھے۔ نکاح عبادت ہے کیونکہ انسان اسکی وجہ سے برائیونسی محفوظ رہتا ہے اور نوع انسان مین بحکم خدا قایم ہوا ہے۔ اگر نکاح ایک معاہدہ خیال کیا جائے تو اس سے ایک مرد اور عورت کے درمیان (جو باہم شرعاً نکاح کرسکتے ہین) اونکی باہمی رضامندی سے ایک دائمی رشتہ پیدا ہوتا ہے۔ درالمختار۔ فقہائکے نزدیک نکاح اوس عقد کا نام ہے جو ملک تمتع کا فائدہ بخشے یعنی مرد کا اوس عورت سے جس سے عقد ہوا ہے نفع حاصل کرنا حلال کردے۔ نکاح کے لغوی معنی وطی وجماع کے ہین ومجازی معنی عقد کے۔ غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے۔ اگر بدون نکاح کے زنا کا یقین ہو تو اوس صورت مین نکاح کرنا فرض ہے مگر نکاح اوس حالت مین واجب اور فرض ہے کہ انسان کو

نان و نفقہ دینے کی استطاعت ہو اور اگر ایسا نہین ہے تو ترک نکاح سے گناہ نہین حالت اعتدال مین نکاح کرنا سنت ہے اور اگر کسی شخص کو خوف ہو کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ انصاف نہین کر سکتا تو اوسکو نکاح کرنا مکروہ ہے اگر اوسکو یہ یقین ہے کہ وہ عورت پر ظلم کرے گا تو اوسکے لئے نکاح کرنا حرام ہے عورت پر ظلم اور جبر کرکے نکاح پر آمادہ کرنا ناجائز ہے سید امیر علی - کفایہ مین لکھا ہے کہ نکاح ایک معاہدہ ہے جسکا مقصود توالد و تناسل ہے نکاح زندگی کی آسایش کے لیے محکوم ہوا ہے اور انسان کی اصلی ضروریات مین سے ایک یہہ بہی ہے اس لئے اخیر عمر مین جب اولاد کی اُمید بہی نہ ہو تو نکاح کرنا جائز ہے حتیٰ کہ مرض الموت مین بہی جائز ہے -

جامع ترمذی کی ایک حدیث مین ہے کہ مسلمانون کو چاہیئے کہ نکاح مسجد مین کرین اور اسکا اعلان کرین - نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات مین شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے - ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن و معاشرت کے بڑے بڑے نتائج اوسپر متفرع ہوتے ہین معاملات کا نہایت ضروری حصہ ہے اگر نکاح ایک معاشرتی نظام خیال کیا جائے تو شرح محمدی کے بموجب یہ ایک تمدنی معاہدہ ہے اسکی صحت ایک فریق کے ایجاب اور دوسرے کے قبول پر منحصر ہے - عقد نکاح کا کوئی خاص قاعدہ شرع مین معین نہین کیا گیا ہے - اور گو سنیون مین صحت نکاح کے لئے گواہون کی حاضری ضروری رکھی گئی ہے لیکن اون کی عدم موجودگی سے نکاح صرف فاسد ہوتا ہے اور خلوت صحیحہ کے بعد یہ نقص بہی رفع ہو جاتا ہے - مثل ایک معاشرتی نظام کے عقد نکاح اور دیگر معاہدون کے نوعیت مین کچھ فرق نہین ہے - فریقین کے ذاتی حقوق ایک دوسرے کے مقابلہ مین و نیز تمام دنیا کے مقابلہ مین مثل سابق کے قائم رہتے ہین - اور چند مذہبون مین اگر ضرورت واقع ہو تو اس عقد کو منسوخ بہی کر سکتے ہین - عقد سے ایک فریق کو دوسرے کی جائداد پر کچھ

حق نہین حاصل ہوتا زوجہ کا قانونی حق شوہر کے حق مین غرق نہین ہوجاتا اور وہ بعد نکاح کے بھی اپنی جائداد مین اوسی طرح تصرف کرسکتی ہے جیسا قبل نکاح کرسکتی تھی۔ بلا مرضی اپنے شوہر کے اوسکے متعلق معاہدہ کرسکتی ہے۔ خود نالش کرسکتی ہے۔ اور اوس پر دوسرے لوگ نالش کرسکتے ہین۔ حتیٰ کہ وہ خود اپنے شوہر پر بلا رفیق کے نالش کرسکتی ہے۔ اور کسی معنی کرکے اپنے شوہر کے ولایت مین نہین ہے۔

قانون، آئین اور نیز روزمرہ کی گفتگو مین کسی معاہدہ کے باضابطہ طے پانیکو عقد کہتے ہین۔ معاہدہ ایجاب سے شروع ہوتا ہے اور قبول پر ختم ہوتا ہے۔

شرائط

شرع مین صحت نکاح دو شرطون پر منحصر ہے اول نکاح کرنیکے لئے فریقین کی قابلیت اور دوسرے مطابق مقامی رواج کے نکاح کے رسومات کا ادا ہونا یعنی اوس طریقہ کے مطابق جس سے عورت کو معلوم ہوجائے کہ وہ شرعاً منکوحہ ہوگئی۔ قانون کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ نکاح کے ہر فریق کی قابلیت کا معیار اوسکے وطن کے قانون کی بموجب قرار دیا جائیگا اگر فریقین خواہ وہ دونون ایک ہی ملک کے رہنے والے ہون یا غیر ملکونکے اپنے اپنے وطن کے قانون کے بموجب آپس مین نکاح کرسکتے ہین تو اس قاعدہ کی رو سے جس قابلیت کی ضرورت ہے وہ اون مین موجود ہے۔ مختصر یہ کہ نکاح مین بھی مثل دیگر معاہدون کے ہر شخص کی ذاتی قابلیت کا معیار اوسکے وطن کا قانون ہے۔

جس مسلمان نے ولایت مین سکونت اختیار کرلی ہے اوسکی قابلیت کا تصفیہ انگریزی قانون کی بموجب ہوگا لیکن جو شخص بلاد الاسلام مین رہتا ہے اوسکی قابلیت کا تصفیہ بموجب شرع محمدی کے ہوگا اس لئے اس امر کا جاننا بہت ضرور ہوا کہ عقد نکاح کے لئے ضروری شرائط کیا ہین۔

شرع محمدی کا یہ قاعدہ کلیہ سمجھنا چاہیئے کہ نکاح کے لئے بھی اوسی قسم کی قابلیت کی

ضرورت ہے جیسے دیگر معاہدون کے لئے۔

فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے کہ نکاح کی شرطین بہت ہین۔ منجملہ اون کے عقد باندہنے والے کا عاقل اور بالغ اور آزاد ہونا شرط ہے۔ امر اول یعنی عاقل ہونا نکاح منعقد ہونیکے واسطے شرط ہے پس اگر مجنون یا ایسا لڑکا جو عقد نکاح کے فائدون کو نہین سمجہتا عقد کرے تو منعقد نہوگا اور پچہلی دونون شرطین یعنی بالغ اور آزاد ہونا نکاح کے نافذ ہونے کے واسطے شرط ہین اگر طفل نابالغ مگر عاقل نے نکاح کیا تو اوسکا نافذ ہونا اوسکی ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔ پس ظاہر ہے کہ عقد نکاح کے منعقد ہونے کے لئے عاقل ہونا لازمی شرط ہے بچون مین پیدایش کے وقت سے عقل نہین ہوتی بلکہ ایک خاص عمر مین پہونچکر اونکو تمیز حاصل ہوتی ہے اس لئے جو شخص قانون کی نظر مین نابالغ ہو وہ شرعی تصرفات کرنے کے ناقابل ہے اس لئے وہ عقد نکاح بہی نہین کرسکتا۔ مثل انگریزی قانون کے شرع محمدی مین بہی اون دو معاہدون مین فرق ہے جسکو ایک نابالغ مگر عاقل نے کیا ہے اور دوسرے کو ایک لڑکے نے جسکو عقل نہ تہی۔ اگر ایک نابالغ نے جو تمیز نہین رکہتا یا جو اپنے افعال کے نتیجہ کو نہین سمجہہ سکتا نکاح کیا تو وہ کچہہ نہین یعنی منعقد نہوگا۔

شرع مین اوس عمر کا تعین نہین کیا گیا ہے جسمین عاقل ہونے کا قیاس کیا جائیگا۔ انگریزی قانون مین سات برس کی عمر کا لڑکا اپنے افعال کے نتائج سمجہنے کے قابل سمجہا جاتا ہے۔ تعزیرات ہند مین بہی سات برس کی عمر کا لڑکا اگر کوئی جرم کرے تو وہ مجرم ہوگا۔ اسلئے یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ یہی اصول شرع محمدی مین بہی صحیح ہوگا یعنی سات برس سے کم عمر کا لڑکا اگر نکاح کرے تو بالکل ہیچ ہے کوئی غلام بغیر اپنے مالک کی اجازت کے نکاح نہین کرسکتا اس لئے فقہا نے حریت یعنی آزادی کو نکاح کی شرطون مین

قرار دیا ہے۔

حنفی و شیعہ مذہب مین لڑکا و لڑکی پندرہ سال کی عمر کے بعد بالغ متصور ہوتے ہین بشرطیکہ یہ نہ ثابت ہو کہ اوس سے پہلے وے بالغ ہو چکے ستھے۔

اگر کوئی لڑکی یہ کہے کہ مین بالغ ہون اور اوسکے بشرہ سے یہ بیان خلاف نہ معلوم ہو تو اُسکا قول قبول ہوگا۔ ۵۱

نکاح کا رکن ایجاب و قبول ہے۔ ایجاب وہ کلام ہے جو پہلے بولا جاتا ہے خواہ مرد کی طرف سے یا عورت کی طرف سے اور اوس کے جواب کو قبول کہتے ہین۔ فتاوی عالمگیری۔

نکاح ایسے ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے جو بصیغہ ماضی ہو۔ ایجاب و قبول کے الفاظ خواہ کسی زبان کے ہون اون سے عقد منعقد ہوگا۔ اور ایسے لفظون سے بھی منعقد ہو جاتا ہے جس مین سے ایک کی تعبیر ماضی سے ہو اور دوسرے کی مستقبل سے بشرطیکہ مقصود انعقاد حال مین ہو۔ ہدایہ۔

ایجاب و قبول کا لفظی ہونا شرط ہے یعنی الفاظ کے ذریعہ سے اونکا بیان ہونا ضرور ہے اس لئے اگر قبول کرنا بذریعہ کسی فعل کے وقوع مین آیا ہو تو نکاح منعقد نہوگا مثلاً اگر عورت نے زبان سے قبول نہ کیا اور مہر پر قبضہ کر لیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ در المختار جلد ۲۔

الفاظ دو قسم کے ہو سکتے ہین۔ یعنی صریح و کنایہ۔ صریح تو لفظ نکاح و تزویج ہے اور ان دو لفظون کے سوا جو الفاظ ایسے ہین جو فی الحال ملک عین کا فائدہ دیتے ہین وہ کنایہ ہین۔ نکاح لفظ ہبہ و تملیک و صدقہ و بیع سے بھی منعقد ہوتا ہے مثلاً اگر کسی عورت نے مرد سے کہا کہ مین نے اپنے نفس کو تجھے ہبہ کیا یا تیرے ملک مین دیا اور مرد نے کہا کہ

۵۱ شمس النساء بنام اشرف النساء ڈائجسٹ مولفہ مور لی صاحب جلد ا صفحہ ۳۷۔

مین نے ییا تو نکاح ہوگیا۔ اسی طرح لفظ صدقہ اور بیع سے بہی ذات کی ملک حاصل ہوتی ہے بخلاف اسکے اگر عورت کہے کہ مین نے اپنے نفس کو تمکو عاریت دی یا اجارہ دیا یا شریک کیا تو ان الفاظ سے عقد منعقد نہوگا[1] کیونکہ ایجاب کے واسطے خالی قصد کافی نہین بلکہ قصد کے ساتھہ لفظ بہی ایسا ہو جس سے بالفعل معنی نکاح یعنی ملک کے تمتع حاصل کرنیکے پیدا ہوتے ہون۔ ہدایہ۔

ایجاب وقبول مین شرط لگانا صحیح نہین ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ جمعہ کا روز آوے تو مین نے ایجاب قبول کیا۔ یا عورت یون کہے کہ مین تم سے نکاح کرتی ہون بشرطیکہ میرا باپ بہی راضی ہو۔ اور مرد نے کہا کہ مین نے قبول کیا تو نکاح منعقد نہوگا ہدایہ و درالمختار۔

لیکن شرط فاسد سے نکاح باطل نہین ہوتا۔ شرط فاسد یہ ہے جیسے کوئی کہے کہ مین اس شرط پر نکاح کرتا ہون کہ مہر نہ دونگا یا نفقہ نہ دونگا ایسی شرط سے نکاح باطل نہین ہوتا بلکہ خود شرط باطل ہوتی ہے۔ نکاح معلق بشرط اوس وقت جائز ہوتا ہے جب شرط وقت نکاح کے موجود پائی جائے مثلاً اگر کسی شخص نے کہا کہ مین نے اپنی لڑکی کا نکاح تم سے اس شرط پر کیا کہ زید آجائے۔ اور مرد مخاطب نے قبول کرلیا اور قبول کرنے کے وقت زید آگیا تو نکاح منعقد ہوجائیگا کیونکہ جب شرط فی الحال موجود ہے تو نکاح تحقیق ہوگیا معلق نرہا۔ درالمختار۔

گونگا اشارہ سے ایجاب یا قبول کرسکتا ہے۔ ہدایہ۔

---

[1] الفاظ اجارہ وعاریت سے نکاح اسوجہ سے نہین منعقد ہوتا کہ اس قسم کے الفاظ سے تملیک دایمی مفہوم نہین ہوتی بلکہ تملیک منفعت کی ایک وقت کے ساتھہ محدود ہے حالانکہ اس کے لیئے دوام کا ہونا شرط ہے درالمختار جلد ۲ صفحہ ۔

یہہ بہی شرط ہے کہ ایجاب وقبول دونون ایک ہی مجلس مین واقع ہون اگر مجلس بدلی مثلاً دونون بیٹھے تہے اور قبول کرنے سے پہلے دوسرا کہڑا ہوگیا یا کسی کام مین مشغول ہوا جس سے مجلس بدلگئی تو ایجاب باطل ہوگیا اب قبول مفید نہین تو از سر نو ایجاب وقبول ہونا چاہیئے۔ اگر دونون ایک روان کشتی مین سوار ہون تو مجلس نہین بدلتی بخلاف اسکے اگر دونون دو گہوڑون پر سوار ہون تو مجلس ایک نہ ہوگی۔ فتاوی عالمگیری۔

یہہ بہی شرط ہے کہ عورت ومرد جن مین باہم عقد ہو معلوم ہون خواہ اشارہ وغیرہ کے ذریعہ سے یا اون کے باپ دادا کے نام کا ذکر کرنے سے [۵۱]

یہہ بہی شرط ہے کہ دو گواہون کے مواجہہ مین نکاح ہو مگر بعض علماء مدینہ نے بلا گواہ کے نکاح کو بہی جائز رکہا ہے۔ بشرطیکہ اسکا اعلان کردیا گیا ہو۔ فتاوی عالمگیری گواہ دو حُر ہون یا ایک مرد اور دو حُرّہ عورتین اور دونون عاقل اور بالغ ہون۔ درالمختار۔

یہہ بہی شرط ہے کہ دونون گواہون نے دونون عاقدین کا کلام معاً سُنا یعنی اگر ایک گواہ نے سُنا اور اوسنے یا کسی اور نے دوسرے گواہ سے بآواز بلند کہا تو نکاح جائز نہین۔ کیونکہ دونون نے معاً نہین سُنا۔ گواہون کے سُننے کے ساتہہ

---

[۵۱] اگر وکیل نے عورت کے باپ کا نام کہنے کی عوض غلطی سے دوسرے شخص کا نام کہدیا اور عورت مجلس مین موجود نہین تو نکاح صحیح نہوگا بسبب عدم امتیاز کے۔ اگر عورت مجلس مین موجود ہے تو یہ غلطی مضر نہوگی کیونکہ اوسکی موجودگی سے اوسکی طرف اشارہ کرنیسے امتیاز حاصل ہوگیا اگر کسی شخص کے دو لڑکیان ہین اور اوسکا ارادہ بڑی لڑکی کو نکاح مین دینے کا ہے مگر غلطی سے چھوٹی لڑکی کا نام کہدیا تو چھوٹی لڑکی کا نکاح صحیح ہو جائیگا بشرطیکہ کوئی امر مانع نہ ہو۔ واگر چھوٹی لڑکی کسیکی منکوحہ ہو یا زوج کی محرم ہو تو اس صورت مین نہ چھوٹی لڑکی کا نکاح صحیح ہوگا نہ بڑی لڑکی کا۔ اس واسطے کہ چھوٹی لڑکی محل نکاح نہین اور بڑی لڑکی کا نام مذکور نہ ہوا۔ ہدایہ۔

اون کا سمجھنا بھی شرط ہے - ہدایہ -

اگر عورت کے پاس ایلچی یا خط آیا اور اوسنے ایسے دو گواہون کے سامنے جنہون نے ایلچی کا کلام سنا یا خط کا مضمون یا عبارت سُنی قبول کیا تو عقد جائز ہوگا اسوجہ سے کہ مجلس من حیث المعنی متحد ہے - اگر گواہون نے ایلچی کا کلام یا خط کی عبارت نہ سُنی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نکاح جائز نہ ہوگا - مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگا - سا ۱۵ فتاوی عالمگیری -

مذہب شیعہ

سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ - مین لکھتے ہین کہ شیعہ مذہب مین نکاح کے لئے گواہون کی موجودگی ضرور نہین ہے - اگر خود فریقین یا اونکے اولیار پوشیدہ طور پر نکاح کر لین تو نکاح صحیح ہوگا - و اگر متعاقدین نے یہ شرط بھی کر لی ہو کہ نکاح کا اعلان نہوگا تاہم نکاح صحیح ہے اور نکاح کے لئے کسی خاص مذہبی رسوم کا ادا کرنا ضرور نہین ہے -

---

سا ۱۵ اگر کسی شخص نے ایک آدمی سے کہا کہ تو میری صغیرہ لڑکی کا نکاح کر دے اور وکیل نے ایک مرد یا دو عورتون کے روبرو اوس صغیرہ کا نکاح کر دیا اور اوس وقت باپ بھی موجود ہے تو نکاح صحیح ہوگا اسواسطے کہ باپ کو اس صورت مین حکماً عاقد قرار دیا جائیگا کیونکہ جب باپ اوسی مجلس مین موجود ہے تو اس مرد کی وکالت کی ضرورت نہ رہی اور وہ دوسرا مرد یا دو عورتین شاہد نکاح ہوگئین و اگر باپ مجلس نکاح مین حاضر نہین اور وکیل نے ایک مرد یا دو عورتون کے روبرو نکاح کیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا اسواسطے کہ وکیل تو عاقد ٹھیرا اور گواہ صرف ایک مرد یا دو عورتین ہوئین حالانکہ گواہ دو مرد یا ایک مرد و دو عورتین ہونا چاہئے اگر باپ نے اپنی جوان عاقلہ لڑکی کا نکاح ایک شاہد کے روبرو کر دیا تو نکاح جائز ہوگا اگر وہ لڑکی مجلس عقد مین موجود ہے - اس صورت مین خود لڑکی عقد کرنیوالی قرار دیجائیگی اور باپ و دوسرا گواہ شاہد ہونگے - و اگر لڑکی مجلس عقد مین موجود نہو تو نکاح درست نہ ہوگا اس واسطے کہ اس صورت مین باپ عقد کرنیوالا ہوا اور شاہد صرف ایک ہے - ہدایہ -

# فصل دوم۔ دربیان محرمات

فتاوی عالمگیری جلد ۲۔ منجملہ شرائط نکاح کے ایک یہ بھی ہے کہ محل قابل نکاح ہو پس اس فصل مین اون عورتون کا بیان ہے جو قابل نکاح نہین ہین۔

## محرمات کی نو قسم ہین

**قسم اوّل**۔ محرمات نسبی یعنی رحم کی قرابت کیوجہ سے جو عورتین ہمیشہ کے لئے حرام ہین جیسے (۱) اُمہات یعنی مائین و دادیان وغیرہ (۲) دختر چاہے اوس شخص کی صلبی دختر ہو یا پسر کی دختر یا دختر کی دختر یا اور نیچے درجہ کی (۳) بہن خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی (۴) پھوپیان خواہ حقیقی ہون یا صرف باپ یا مان کی جہت سے اور خواہ باپ کی پھوپھی ہون یا اور اونچے درجہ کی (۵) خالہ خواہ حقیقی ہو یا صرف ایک جہت سے

**قسم دوم**۔ محرمات بصہریت[۱] یعنی زوجیت کے رشتہ سے جیسے نمبر ۱ زوجہ کی

---

[۱] واضح ہو کہ حرمت مصاہرہ نکاح صحیح کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ نکاح فاسد سے پس اگر کسی عورت نے نکاح فاسد کیا تو فقط نکاح سے اوس عورت کی مان حرام نہوگی البتہ اگر وطی ہوئی ہوگی تو مان حرام ہو جائیگی خواہ وطی بطریق حلال ہو یا بطریق شبہ یا بطریق زنا۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک زنا حرمت مصاہرہ کی موجب نہین ہے حرمت مصاہرہ جیسے جماع سے ثابت ہوتی ہے ویسے ہی مساس کرنے سے۔ حرمت مصاہرہ مساس بشہوت سے اوسوقت ثابت ہوگی جب مساس منجانب عورت وقوع مین آئے مگر امام شافعی کے نزدیک یہ مساس حکم قربت مصاہرہ کا نہین رکھتا ہی جیسا کہ وطی حرام سے حرمت مصاہرہ پوری نہین ہوتی۔ ہدایہ۔ شیعہ اس مسئلہ مین ح

ح حنفیون سے اتفاق کرتے ہین۔ سید امیر علی جلد ۲۔

ماں و دادی وغیرہ خواہ زوجہ سے وطی ہوئی ہو یا نہیں نمبر ۲ زوجہ کی لڑکیاں اور انکی اولاد کی لڑکیاں چاہے درجہ مین کتنی ہی نیچی ہوں بشرطیکہ زوجہ سے وطی ہوئی ہو اگر وطی نہیں ہوئی تو حرام نہیں۔ نمبر سوم لڑکے یا پوتے یا نواسہ کی زوجہ سے چاہے پسر نے اپنی زوجہ سے وطی کی ہو یا نہ مگر متبنی لڑکے کی زوجہ حرام نہیں۔

**قسم سوم** - محرمات برضاعت یعنی دودھ پلانیکی وجہ سے تقریباً تمام عورتین جو بسبب قرابت نسب وصہریت کے حرام ہوتی ہین وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہین

**قسم چہارم** - محرمات بجمع یعنی جمع کرنیکی حیثیت سے حرام ہین جیسے (۱) چار سے زیادہ زوجہ ایک وقت مین جمع کرنا (۲) ایسی دو عورتون کا ایک ساتھ جمع کرنا جنمین سے اگر ایک کو مذکر فرض کرین تو دونون مین بسبب رضاعت یا نسب کے نکاح ناجائز ہے جیسے دو بہنین [۱] یا بالفاظ دیگر محرم عورتون کا نکاح مین جمع کرنا حرام ہے جیسے خالہ و بھانجی و پھوپھی و بھتیجی۔

**قسم پنجم** - آزاد عورت سے نکاح کرنے کے بعد باندی سے نکاح ناجائز ہے مگر اسکا عکس یعنی اگر پہلے لونڈی سے نکاح ہوا اور بعدہ حُرّہ سے نکاح کیا تو جائز ہے۔ درالمختار۔

**قسم ششم** - عورت منکوحہ یا معتدہ یعنی عدت والی عورت سے نکاح ناجائز ہے خواہ عدت طلاق کی ہو یا وفات شوہر کی یا کسی اور دوسری قسم کی۔ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک زانیہ حاملہ سے نکاح جائز ہے لیکن قبل وضع حمل وطی کرنا حرام ہے لیکن امام ابویوسفؒ کے نزدیک زانیہ سے نکاح ناجائز ہے۔ فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اگر ایسا حمل ہے جسکا نسب ثابت ہے تو بالاجماع نکاح باطل ہے۔ ہدایہ۔

---

[۱] دیکھو عزیز النسار خاتون بنام کریم النسار خاتون کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰۔

امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام حنبلؒ اس امر مین امام ابو یوسفؒ سے اتفاق کرتے ہین۔

اگر زانیہ حاملہ سے زانی نے نکاح کیا تو اوسکو اوس سے وطی کرنا حلال ہے۔

اِس امر مین شیعہ و شافعی بہی امام ابو حنیفہؒ سے متفق ہین اور امام ابو یوسفؒ کا قول بہی ایسا ہی ہے۔

سید امیر علی۔ شیعہ مذہب مین زانیہ حاملہ کے نکاح کی صحت کی نسبت مختلف اقوال ہین فاضل کاشانی کی راے یہہ ہی کہ قبل وضع حمل نکاح ناجائز ہے لیکن ایسے نکاح کے جواز کی نسبت اسناد کا پلہ جھکا ہوا ہے۔ جواہر الکلام مین ہے "اسی طرح اگر کوئی غیر منکوحہ عورت زنا سے حاملہ ہے اور وہ زانی کے سوا کسی اور شخص سے نکاح کرے تو اوس نکاح کے صحیح ہونے مین اختلاف نہین ہے" حدایق مین لکہا ہے۔ "زانیہ حاملہ کے لئے کوئی عدت نہین ہے اور قبل وضع حمل اگر وہ نکاح کرے تو صحیح ہے" مفاتیح مین ہے "یہہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ زانیہ عورت کے لئے خواہ اوسکا حمل زنا سے ہی یا اور طور پر کوئی عدت نہین ہی .... اگر وہ حاملہ ہو تو قبل وضع حمل اوسکا نکاح کرنا صحیح ہے"

**قسم ہفتم** ۔ آتش پرست اور بُت پرست عورتین حرام ہین مگر کتابیہ عورتون سے نکاح جائز ہے کتابیہ عورت سے وہ عورت مراد ہے جو دین آسمانی کی معتقد ہے اور اوسکے لئے کوئی کتاب آسمانی ہے جیسے صحف ابراہیم و زبور وغیرہ[1]

**قسم ہشتم** ۔ محرمات بہ ملک یعنی مملوک مین سے جو حرام ہین۔ پس عورت کیلئے یہ جائز نہین ہے کہ اپنے غلام سے نکاح کرے[2]

---

[1] مگر شیعہ مذہب کے مطابق کوئی مسلمان عورت عیسائی سے نکاح نہین کرسکتی دیکہو بخشی کشن پرشاد بنام ٹہاکر داس الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۲۷۳۔ [2] قسم پنجم و ہشتم کی عورتون کے حرام ہونیکی وجہ ہدایہ کے صفحہ ۲۰ مین یہ لکھی ہی کہ نکاح صرف اس صفت کے ساتہہ مشروع ہوا ہے کہ جو ثمرات نکاح سے حاصل ہون وہ دونون نکاح کرنیوالون مین مشترک ہون

صو یہ بات مالک و مملوک مین حاصل نہین ہوتی ۔ در المختار صفحہ ۱۷۰ مین لکہا ہی کہ مالک کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا اسوجہ سے

قسم نہم ۹ محرمات بہ طلاق یعنی اگر آزاد مرد نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاق دیکے نکاح سے خارج کیا تو جب تک یہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کر کے جماع نکرے اوس سے نکاح کرنا جائز نہین۔

مذہب شیعہ

شیعہ مذہب مین وہ شخص جسنے اپنی زوجہ کو لعان کے طریقہ سے طلاق دی ہے پہر وہ اوس سے کسی صورت مین نکاح نہین کرسکتا۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کا بہی قول ہے لیکن مذہب حنفی مین وہ شخص پہر نکاح کرسکتا ہے۔ سید امیر علی صفحہ ۲۷۹۔

ہدایہ مین محرمات کی تفصیل اسطرح پر لکہی ہے کہ محرمات دو قسم کی ہین ایک تو وہ جو دائمی حرام ہین اور کبہی قابل نکاح نہ ہونگی جیسے مان و بہن ولڑکی وغیرہ اور دوم وہ جو بالفعل حرام ہین اور کبہی حلال ہوسکتے ہین جیسے منکوحہ و معتدہ و مطلقہ و سوائے کتابی عورتون کے مجوسی عورت جو بعد قبول اسلام قابل نکاح ہوسکتی ہے۔

# فصل سوم فصل الرضاع

در المختار جلد ۲ صفحہ ۸۱۔ رضاع بفتح یا بکسر را لغت مین چہاتی چوسنے کو کہتے ہین اور شرع مین عورت کی چہاتی چوسنے کو رضاع کہتے ہین بشرطیکہ وقت معینہ کے اندر ہو وہ وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈہائی برس ہے مگر صاحبین و امام شافعیؒ کے نزدیک دو برس۔ اور فتوی اخیر قول پر ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہہ اختلاف حکم حرمت کے لئے ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈہائی برس کے اندر دودہ پینے سے مرضعہ وغیرہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور صاحبین و امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دو برس کے اندر دودہ پینے سے

لیکن اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دی ہے اور زوجہ بعد طلاق کے اپنے بچہ کو دودہ پلاتی رہی تو بالاجماع اوس عورت کو صرف دو ہی برس کی اُجرت ملیگی زیادہ کی نہین۔

مدت رضاع یعنی دو برس کے بعد دودہ پلانا مباح نہین ہے۔ مگر دو برس سے پہلے باپ کو جائز نہین کہ اپنی زوجہ حُرہ کو دودہ چھٹانے پر جبر کرے کیونکہ پرورش اولاد کا حق مان کو ہے مگر بعد انقضائے مدت کے اوس کو جبر کرنے کا اختیار ہے۔

دودہ پلانے سے انّا پر مان کی تعریف صادق آتی ہے گو دودہ نہایت ہی قلیل ہو بشرطیکہ بچہ کی ناک یا موہنہ کی راہ سے دودہ اوسکے پیٹ کے اندر پہونچا ہو لیکن اگر دوسری راہ سے مثلاً کان مین ٹپکانے سے یا حقنہ وغیرہ سے دودہ پیٹ کے اندر پہونچایا گیا ہو تو حرمت ثابت نہوگی۔

اگر لڑکے نے پستان موہنہ مین لیا اور یہ نہ معلوم ہوا کہ دودہ اوسکے حلق کے اندر گیا یا نہین تو حرمت ثابت نہوگی اسواسطے کہ حلت کے مانع مین شک ہے یعنی حلت اصل ہے و بالیقین ثابت ہے و مانع حلت یعنی دودہ کے شکم کے اندر جانے مین شک ہے تو شک سے یقین زائل نہوگا۔

دودہ پلانے سے جیسا انّا پر مان کی تعریف صادق ہوجاتی ہے اوسی طرح انّا کی زوج پر باپ کی تعریف صادق ہوتی ہے بشرطیکہ وہ دودہ اوسی زوج سے ہو و اگر انّا کا دودہ شوہر سابق سے ہے تو زوج پر باپ کی تعریف صادق نہ آئیگی۔

حرمت رضاعت اوس دودہ سے بھی ثابت ہوتی ہے جو پانی یا دوا مین ملاہو بشرطیکہ دودہ پانی و دوا مین غالب ہو اسی طرح اگر دو عورتون کا دودہ ملاکر بچہ کو پلایا گیا تو

دونون سے حرمت رضاعت ثابت ہے مگر جو دودہ کہ طعام مین مخلوط ہے اوس سے حرمت رضاعت ثابت نہین ہوتی - جو نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے - مگر اس قاعدہ مین چند مستثنیات ہین[1]

# فصل چہارم - ولایت نکاح و اختیارات عورت

درالمختار - نکاح مین ولایت دو قسم کی ہوتی ہے - اول مستحب جیسے بالغہ باکرہ کے نکاح کی ولایت باپ کو مستحب ہے - کیونکہ باپ وغیرہ کو لڑکی پر جبر کرنے کا اختیار نہین ہے دوسری قسم ولایت جبری ہے جیسے باپ کی ولایت چھوٹی لڑکی پر یا بے عقل بالغہ پر یا لونڈی پر اسلئے صغیرہ و مجنونہ و لونڈی کا نکاح بغیر ولی کے درست نہین -

سید امیر علی لکھتے ہین کہ قدیم زمانہ کے عربون و دیگر قومون مین جنہون نے ملک عرب مین سکونت اختیار کی تہی باپ اپنی اولاد و دیگر اہالی خاندان پر مثل رومن لوگون کے

[1] اول پوتے کی ماں - اسکی تین صورتین ہین (۱) بچہ کی رضاعی ماں بچہ کے دادا کو حلال ہے مگر نسبی ماں نہین کیونکہ وہ دادا کی بہو ہے (۲) مثلاً زید کے لڑکے محمود کی زوجہ نے بکر کو دودہ پلایا تو بکر کی نسبی ماں زید کو حلال ہے (۳) اگر بکر کو محمود کی زوجہ کے سوا حلیمہ نے دودہ پلایا ہو تو حلیمہ بھی زید کو حلال ہے -

دوم - لڑکے کی نانی - اسکی بھی تین صورتین ہین (۱) زید کے لڑکے محمود کو حمیدہ نے دودہ پلایا تو حمیدہ کی ماں جو محمود کی نانی ہوئی زید کو حلال ہے بخلاف نسب کے کہ محمود کی نانی زید کی خوشدامن ہوئی (۲) زید کا رضاعی لڑکا خالد ہے تو خالد کی نسبی نانی زید کو حلال ہے (۳) خالد کی رضاعی نانی زید کو حلال ہے - اسیطرح چند اور صورتین ہین جو سب ملا کر اکیس ۲۱ ہوتی ہین اور یہ سب بصراحت درالمختار مین درج ہین -

غیر محدود اختیار رکہتا تہا- اِس اختیار کو رسولؐ عربی نے قیود و شرط لگا کر بہت محدود کیا- زمانہ سابق کے عرب کی مختلف قومون مین باپ کو یہہ اختیار تہا کہ جبتک لڑکا لڑائی مین مسلح ہو کر لڑنے کے قابل نہو تو وہ اوسے نکاح کرنے پر مجبور کر سکتا تہا اور لڑکیون پر اوسوقت تک اوسکو اختیار حاصل تہا جب تک وے نکاح کر کے یا کسی اور طریقہ سے اوس کے اختیار سے خارج نہو جائین- یہودیون مین بہی باپ اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح یعنی جسکی عمر بارہ[۱۲] برس کی نہ ہو بغیر اوسکی اجازت کے کر سکتا تہا- ولایت اجبار یا جبر زمانہ سابق کے باپ کے غیر محدود اختیار کی ایک یادگار ہے-

مسلمانون کے جملہ مختلف مذاہب مین باپ اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح بغیر اوسکی رضامندی کے کر سکتا ہے لیکن بلوغیت کے بعد لڑکا اپنے باپ کی ولایت جبری سے خارج ہو جاتا ہے اور پہر وہ اپنے نکاح کے معاملہ مین خود مختار ہے- لیکن لڑکی کے نکاح کے متعلق مختلف مذہبون مین بہت اختلاف ہے-

شرعًا باپ کو اپنے نابالغ اولاد کے نکاح کے متعلق غیر محدود اختیار حاصل ہے مگر اسکے ساتہہ شرع نے ایسے قیود و شرائط لگا دئے ہین جنکی وجہ سے نابالغ کے ضرر کا بہت کم احتمال رہجاتا ہے-

مذہب حنفی و شیعہ مین اولاد کی بلوغیت کے ساتہہ باپ کی ولایت جبری کا خاتمہ ہے خواہ اولاد مذکر ہو یا مؤنث پندرہ سال ختم ہونے پر انسان بالغ ہو جاتا ہے اگر اوس سے قبل بلوغیت کے کوئی علامت ظاہر نہو- بالغ ہونے کے بعد لڑکا و لڑکی ہر قسم کے تصرفات شرعیہ کر سکتے ہین- چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے- امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ کے نزدیک آزاد عورت جو عاقلہ و بالغہ ہو اپنے اختیار سے نکاح کر سکتی ہے خواہ اوسکا ولی اوس عقد سے رضامند ہو یا نہ ہو- اور خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ

(یعنی ایسی عورت جو پہلے کسی مرد سے وطی کر چکی ہو) اور امام محمدؒ کے نزدیک ایسا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہیگا یعنی ولی نے اجازت دی تو نافذ ہوا ورنہ نہین۔

فتاوی عالمگیری مین اس مسئلہ کو اس طرح لکھا ہے "عاقلہ و بالغہ عورت کا نکاح اگر کسی نے بلا اجازت اوسکے کر دیا خواہ وہ باپ ہو یا سلطان وقت ہی کیون نہو تو یہ نکاح اوسپر نافذ نہوگا خواہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ پس اگر ولی نے ایسا کیا تو یہ نکاح اوس عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا۔" شیعہ مذہب مین بھی مثل حنفی مذہب کے عاقلہ و بالغہ عورت اپنے اختیار سے نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن امام مالکؒ و شافعیؒ یہہ فرماتے ہین کہ باپ کی ولایت جبری لڑکیون پر اوسوقت تک قایم رہتی ہے جب تک اونکا نکاح نہ ہو جاوے اور سفیہہ لڑکی پر اور اوس لڑکی پر جسکا نکاح زمانہ نابالغی مین ہوگیا تھا اور قبل بلوغ کے اوسکو طلاق دیگئی ولایت جبری ہمیشہ قایم رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دو مذہبون کے اصول کے مطابق باپ اگر اپنے اختیار کا بُرا استعمال کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکتا ہی لیکن چونکہ شرع کی رو سے ہر شخص ہر وقت تبدیل مذہب کر سکتا ہے اسلئے شافعی و مالکی مذہب کی عورت حنفی مذہب قبول کر کے اپنے باپ کو اس غیر محدود اختیار سے محروم کر سکتی ہے۔ چنانچہ بمقدمہ محمد ابراہیم بنام غلام احمد[۱] یہہ تجویز کر کے کہ حنفی مذہب مین بالغہ عورت اپنا نکاح باختیار خود کر سکتی ہے مگر مذہب شافعی مین ایسا نہین کر سکتی۔ یہہ قرار دیا گیا کہ چونکہ ہر بالغ شخص کو اپنا مذہب ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کرنیکا حق ہی اِس لئے اگر شافعی المذہب عورت بعد بلوغ کے حنفی مذہب قبول کر کے اپنا نکاح خود کر لے تو جائز ہے۔

---

[۱] بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ و خلاصہ نظائر جلد ۳ کالم ۳۷۰۹۔

گو نابالغ کے نکاح کا اختیار باپ کو پورے طور پر حاصل ہے مگر اس مین چند ایسے قیود ہین جنکی
وجہ سے نابالغ کی مضرت نہین ہو سکتی - چنانچہ فتاوی عالمگیری مین لکھا ہی "اگر کسی شخص نے
اپنی صغیرہ اولاد کو غیر کفو کے ساتھ نکاح کر دیا یا خسارہ کے ساتھ نکاح کیا یعنی مہر مثل سے
کم پر تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے - مگر صاحبین کے نزدیک اوسوقت جائز ہوگا
جب خسارہ قابل برداشت ہو مگر اونکا صحیح قول یہ ہے کہ نکاح باطل ہوگا - امام ابو حنیفہؒ کا
قول صحیح ہے - مگر باپ و دادا کے سوا اور کسیکو ایسا کرنے کا اختیار نہین ہے اسپر اجماع
ہے - لیکن اگر باپ کا یہ فعل از راہ فسق و بیباکی ہو تو نکاح بالاجماع باطل ہوگا اگر زیادتی
و نقصان صرف اس قدر ہے کہ جو ایسے امور مین لوگ برداشت کرتے ہون تو نکاح بالاجماع
صحیح ہوگا -"

سید امیر علی بصفحہ ۲۳۰ لکھتے ہین - اگر باپ نے اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے
بدنیتی سے اسقدر زیادہ مہر دینا قبول کیا جو صغیر کی استطاعت سے باہر ہے تو یہ نکاح
بھی لایق منسوخی ہے - شرع نابالغ کے حقوق کا بہت خیال رکھتی ہے اس لئے وہ کبھی
اجازت نہین دیتی کہ ولایت جبری کا نفاذ اس طرح کیا جائے جس سے نابالغ کی مضرت
ہو - باپ کا کوئی فعل جو نابالغ کے مضر ہے وہ ناجائز ہے اس لئے قاضی اوسکو
کالعدم کر سکتا ہے -

مذہب حنفی و شیعہ مین صغیرہ بعد بلوغیت کے ولایت جبری سے خارج ہو جاتی ہے
اسلئے وہ نکاح خود کر سکتی ہے لیکن اگر اوسنے غیر کفو مین نکاح کیا تو اوسپر اوسکے اولیا
اعتراض کر سکتے ہین - چنانچہ فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے "اگر عورت نے غیر کفو سے
اپنا نکاح کیا تو امام اعظمؒ کے موافق نکاح صحیح ہوگا اور یہی آخر قول امام ابو یوسفؒ و امام
محمدؒ کا ہے - حتی کہ جب تک قاضی بوجہ خصومت اولیا ر دونون مین تفریق نہ کرائے

تب تک نکاح صحیح وجائز ہے - لیکن اولیاء عورت کو اعتراض کا حق ہے - اگر زمانہ دراز تک ولی جدائی کرانیکی مطالبہ سے خاموش رہے تو اوسکا حق زایل نہین ہوتا لیکن اگر عورت کے بطن سے بچہ پیدا ہوجائے تو وہ حق جاتا رہیگا اسکے خلاف بھی ایک روایت ہی[1]

ولایت نکاح

حنفی مذہب مین ولایت نکاح کا مستحق اول عصبہ بنفسہ ہے یعنی نکاح کی ولایت مین عصبات کی ترتیب مثل ترتیب میراث کے ہے یعنی اقرب کیوجہ سے ابعد محجوب ہے یعنی اول لڑکا پھر پوتا پھر پوتے کا لڑکا چاہے کتنے ہی نیچے درجہ کا ہو پھر باپ پھر دادا چاہے کتنا ہی اونچا ہو پھر حقیقی بھائی پھر علاقی بھائی پھر حقیقی بھائی کا لڑکا پھر علاقی بھائی کا لڑکا چاہے درجہ مین کتنا ہی نیچا ہو پھر حقیقی چچا[2] پھر علاقی چچا پھر حقیقی چچا کا لڑکا پھر علاقی چچا کا لڑکا چاہے درجہ مین کتنا ہی نیچا ہو پھر باپ کا حقیقی چچا پھر باپ کا علاقی چچا پھر اونکی اولاد پھر دادا کا حقیقی چچا پھر دادا کا علاقی چچا پھر اونکی اولاد - فتاوی عالمگیری -

---

[1] سید امیر علی صفحہ ۲۴۵ - شاید اس مقام پر یہ لکھنا خالی از دلچسپی نہوگا کہ یورپ کے ممالک مین نکاح کی متعلق کیا احکام ہین - فرنچ قانون کی بموجب مرد قبل ۱۸ سال کے وعورت قبل ۱۵ برس کے نکاح نہین کرسکتی - اگر مرد ۲۵ برس سے کم عمر کا ہو اور عورت ۲۱ برس سے کم تو والدین کی اجازت حاصل کرنی ضرور ہے - باپ اجازت دے و مان نہ دے تو صرف باپ کی اجازت کافی ہوگی - اگر دونون والدین مرگئے ہین تو دادا دادی کی اجازت لینی ضرور ہے - اگر وے بھی نہون تو خاندان کے کسی اور بزرگ کی - اگر مرد کی عمر ۲۵ برس کی ہوگئی اور عورت کی ۲۱ سال کی تاہم دونون پر واجب ہے کہ اپنے والدین کی اجازت حاصل کرنیکی استدعا کرین - اور قبل اسکے کہ مرد کی عمر ۳۰ سال وعورت کی ۲۵ برس کی نہ ہوجائے تو درخواست حصول اجازت تین بار ایک ایک مہینہ کے وقفہ کے بعد کرنی چاہیئے اور تیسری درخواست سے ایک مہینہ بعد بلا اجازت کے نکاح کرنیکا اختیار ہوگا - انگریزی قانون کے بموجب کوئی مرد یا عورت ۲۰ برس کی عمر کے قبل بلا اجازت اپنے والدین کے نکاح نہین کرسکتی [2] اگر دختر صغیرہ کا نکاح مان نے بلا اجازت شرعی ولی (حقیقی چچا) کے کردیا تو وہ نکاح ناجائز ہی اور ولی کی درخواست پر منسوخ ہوسکتا ہی محمد علی بنام مذہبی بی بی ہفتہ وار ۱۸۸۳ء صفحہ ۲۴۸

اگر کوئی عصبہ بنفسہ نہین ہے تو ولی ماں ہے پھر دادی پھر دختر پھر پسر کی دختر پھر دختر کی دختر وغیرہ پھر جد فاسد یعنی نانا پھر حقیقی بہن پھر علاتی بہن - سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۲۹۰-

اولیاء مذکورہ بالا کے بعد مولائے عتاقہ کو یعنی جسنے آزاد کیا ہو ولایت حاصل ہوتی ہے - خواہ وہ مذکر ہو یا مونث پھر مُوَلیِ اَلمُوَلاَۃ کو ولایت حاصل ہوتی ہے مثلاً زید کے ہاتھہ پر خالد مسلمان ہوا اور وہ مجہول النسب تھا اور اپنے مرنے کے بعد اوس نے نابالغ لڑکی چھوڑی تو اوس کے نکاح کی ولایت زید کو ہوگی - ان سب کے بعد ولایت سلطان کو حاصل ہوتی ہے -

وصی نکاح نہین

وصی کو نابالغ کے نکاح کی ولایت نہین ہوسکتی چاہے نابالغ کے باپ نے وصیت کے ذریعہ سے ولی مقرر بھی کردیا ہو - اگر نابالغ کسی کی گود مین پرورش پاتا ہے تو وہ شخص صرف اسوجہ سے نابالغ کے نکاح کرنے کا مختار نہوگا - مسلمان نابالغ کی ولایت کافر کو نہین پہونچتی اور نہ کافر نابالغ کی ولایت مسلمان کو فسق ولی ہونے کا مانع نہین ہے اگر ولی کو جنون ہوگیا جو برابر رہتا ہے - یعنی جنون مطبق ہے تو اوسکی ولایت جاتی رہیگی اور اگر کبھی مجنون رہتا ہے اور کبھی افاقہ ہوتا ہے تو حالت افاقہ مین اوس کے تصرفات نافذ ہون گے - جنون مطبق کی مقدار ایک ماہ کامل ہے[ل۵] فتاوی عالمگیری -

اگر نابالغ کے دو ولی برابر رتبہ کے ہین مثلاً دو حقیقی بھائی تو ہمارے نزدیک اگر دونون مین سے کسی نے نکاح کردیا تو جائز ہے خواہ دوسرا ولی اوسکی اجازت دے یا فسخ کرے

ل۵ درالمختار مین اس طرح لکھا ہے کہ شرع مین ولی اوسکو کہتے ہین جو بالغ وعاقل و وارث ہو اگرچہ فاسق ہو بشرطیکہ پردہ در و حرمت کھونیوالا نہو - اس تعریف سے صغیر خارج ہوگیا کیونکہ وہ بالغ نہین اور دیوانہ اسوجہ سے خارج ہوگیا کہ وہ عاقل نہین اور وصی اسوجہ سے خارج ہوا کہ وہ وارث نہین - وصی مطلقاً نکاح کا ولی نہین ہوسکتا چاہے باپنے اوسکو نکاح کردینے کی وصیت بھی کیون نہ کردی ہو - وارث کی قید سے کافر و غلام بھی خارج ہوگئے -

اگر دختر مذکور کا نکاح دونون مین سے ہر ایک نے ایک ہی وقت مین الگ الگ کردیا یا آگے پیچھے کیا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلے کون نکاح ہوا تھا تو دونون عقد باطل ہوجائین گے۔

اگر نابالغ کا نکاح کسی بعید درجہ کے ولی نے کردیا اور قریب درجہ کا ولی موجود ہے اور ولایت کی لیاقت بہی رکھتا ہے تو نکاح کا جواز اوسکی اجازت پر موقوف رہیگا۔[۵۱] و اگر قریب مرتبہ کا ولی ولایت کی لیاقت نرکھتا ہو یعنی خود نابالغ یا مجنون ہو تو ولی بعید کا نکاح جائز ہوگا[۵۲] یا اگر باپ قید خانہ مین ہے اور مان نے لڑکی کا نکاح کردیا تو صحیح ہے[۵۳]

ولی اقرب کے غائب ہونے سے بعض کے نزدیک اوسکی ولایت باقی رہتی ہے لیکن ولی بعید کو جدید ولایت کا حق پیدا ہوجاتا ہے اور ایسا ہوجاتا ہے گویا عورت کے مساوی درجہ کے دو ولی مثل دو بہائی و دو چچا کے ہوگئے اور بعض کے نزدیک ولی اقرب کی ولایت زائل ہوکر ولی بعید کی جانب منتقل ہوگئی اور یہی صحیح ہے۔ ولی اقرب کے آجانے پر ولی بعید کی ولایت زائل ہوجائیگی مگر جو عقد ولی بعید نے کیا ہے وہ باطل نہوگا کیونکہ یہ عقد اوس نے پوری ولایت حاصل ہونیکی حالت مین کیا ہے اگر ولی اقرب نے ظلم کرنا اور تنگ کرنا شروع کیا ہے تو ولایت ولی بعید کی جانب منتقل ہوگی۔

غیبتہ المنقطع کی حالت مین بہی ولی بعید کو نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

تنویر الابصار و کنز الدقایق مین غیبت المنقطع اوسکو کہتے ہین جب ولی اقرب تین شب و روز کی مسافت پر ہو۔ ملتقط مین لکھا ہے کہ جب کسی دختر یا پسر کا نکاح کفو مین قرار پاگیا

---

[۵۱] محمدی بیگم بنام بیرم خان آگرہ جلد ا صفحہ ۱۳۰ تجویز ہوئی کہ اگر مان و بہائی نے لڑکی کا نکاح غیر کفو مین کردیا تو باپ کو اختیار ہے کہ وہ نکاح فسخ کرادے۔ لیکن اگر باپ اسلام سے مرتد ہوگیا ہے تو اوسکی اجازت نابالغہ دختر کے نکاح کے لیے ضروری نہین ہے بمقدمہ معین بی بی بنگال لا رپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰ [۵۲] کلو بنام غریب اللہ بنگال لا رپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۳ (نوٹ) ویکلی رپورٹر جلد ۱ صفحہ ۱۲ [۵۳] ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۱۔

مگرولی اقرب اسقدرمسافت پر ہے کہ اگر اوسکی رضامندی حاصل کرنیکی کوشش کیجائے تو بسبب تاخیر کے نسبت کے فسخ ہونیکا احتمال ہے تو ایسی مسافت کو غیبت المنقطع کہین گے۔

# فصل پنجم۔ الکفاء یعنی کفو

الکفا جمع ہے کفو کی جسکے معنی ہمسر کے ہین۔

فتاوی عالمگیری۔ نکاح جائز ہونے کے لئے مردون کا عورتون کے لئے کفو ہونا ضرور ہے لیکن عورتون کا کفو ہونا ضرور نہین ہے مثلاً کسی عورت نے اپنے سے بہتر مرد سے نکاح کرلیا تو ولی نکاح فسخ نہین کراسکتا اس لئے کہ اس صورت مین ولی کو کوئی وجہ عار کی نہین ہے۔

شرع مین ہمسری یا برابری چند معنی کرکے ہوتی ہے۔

نمبر ۱۔ نسب ہے جیسے قریش ایک دوسرے کے کفو ہین چاہے ہاشمی ہو یا نہو اور باقی دوسرے قبیلہ عرب ایک دوسرے کے کفو نہین ہین۔ جو شخص حسب والا ہے وہ نسب والے کا کفو ہوسکتا ہے جیسے مرد عالم فقیہہ ایک ہاشمی عورت کا کفو ہوسکتا ہے

نمبر ۲۔ باپ دادون کی اسلام مین برابری مثلاً جو شخص خود مسلمان ہوا ہے وہ ایسی عورت کا کفو نہین ہے جسکے ایک یا دو باپ مسلمان گذر چکے ہین۔

نمبر ۳۔ حریت مین کفو جیسے مملوک آزاد عورت کا کفو نہین۔

نمبر ۴۔ مال مین ہمسری۔ اسکے یہ معنی ہین کہ مرد مہر و نفقہ دیسکے۔ یہی ظاہر الروایتہ کے موافق معتبر ہے۔ جو شخص ان دونون کی یا انمین سے ایک کی استطاعت

نرکھتا ہو وہ کفو نہین چاہے عورت خوشحال ہو یا تنگدست - اگر مرد مہر و نفقہ کی استطاعت رکھتا ہی تو وہ عورت کا کفو ہوگا - اگرچہ عورت بہت مالدار ہی کیون نہو - اگر مرد کمائی کرکے نفقہ دیسکتا ہو اور مہر پر قدرت نرکھتا ہو تو اس مین مشائخ نے اختلاف کیا ہے - اور عامہ مشائخ کا قول ہے کہ وہ کفو نہوگا - مہر سے مراد مہر معجل ہے اور باقی مہر کا اعتبار نہین اور نفقہ سے ایک مہینہ کا روزینہ مراد ہے امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اگر مرد مہر دینے پر قادر ہے اور ہر روز کی کمائی نفقہ کے واسطے کفایت کرتی ہے تو وہ مرد کفو ہوگا -

عورت بالغہ کا نفقہ مرد پر واجب ہے صغیرہ کا نہین - پس ایسی صورت مین صرف مہر پر قادر ہونے سے مرد کفو ہو جائیگا -

**نمبر ۵** - دیانت مین بھی برابری ضرور ہے - پس مرد فاسق عورت صالح کا کفو نہین -

**نمبر ۶** - حرفہ و پیشہ مین برابری - پیشہ کی رذالت باعتبار رواج ہر ملک کے علیحدہ ہے -

**نمبر ۷** - عقل و حسن و جمال کے اعتبار سے کفو ہونے مین اختلاف ہے - ایک شخص نے اپنی دختر صغیرہ کا نکاح ایک مرد سے اس گمان سے کردیا کہ وہ شراب خوار نہین ہے - پھر باپ نے اوسے شراب خوار پایا پھر جب لڑکی بالغ ہوئی اور نکاح پر راضی نہ ہوئی پس اگر باپ کو اوسکے شراب خوار ہونے کا حال نہ معلوم تھا اور اوسکے گھر کے اور لوگ پرہیزگار ہین تو نکاح باطل ہو جائیگا -

واضح رہے کہ پرہیزگاری کے اعتبار سے کفو ہونا وقت نکاح کے ضرور ہے و اگر بعد نکاح کے مرد فاسق یا ظالم ہوگیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا -

قاضی کے حکم سے جو تفریق ہوگی اوس پر طلاق کا حکم نہ ہوگا اسلئے اگر خلوت

صحیحہ یا وطی نہ ہوئی ہو تو عورت مہر کی مستحق نہ ہوگی مگر خلوت صحیحہ و وطی کے بعد کل مہر کی و عدت مین نفقہ کی مستحق ہوگی۔

سید امیر علی۔ مالکی و شیعہ مذہب مین اسلام و شوہر کی استطاعت صرف دو ضروری شرائط ہین۔ اگر کوئی مسلمان اپنی زوجہ کو نفقہ دینے کی استطاعت رکھتا ہے تو وہ ہر عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔ خواہ وہ حسب و نسب مین اوس سے بڑھی ہوئی ہو کیونکہ وے کہتے ہین کہ کیا تمام مسلمان برابر نہین ہین۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ عرب کے سوا دوسرے ملکون مین اسلام و حریت کے علاوہ دیگر شرائط کا ہمیشہ لحاظ نہین کیا جاتا۔

# فصل ششم۔ عورت کی اجازت و رضامندی

فتاوی عالمگیری۔ اگر عورت بالغہ باکرہ ہو تو اوسکی رضامندی شرط ہے۔ رضامندی یا تو صریح ہوگی یا بدلالت۔ اگر اجازت لینے کے وقت باکرہ بالغہ ہنسی یا خبر نکاح پہونچنے کے بعد ہنسی تو اوس سے رضامندی مفہوم ہوگی۔ اگر وہ اسطرح پر ہنسی کہ گویا جو کچھ اوسنے سنا ہے اوسپر استہزا کیا تو یہ رضامندی نہین ہے۔ اگر بجاے ہنسنے و تبسم کرنے کے عورت رونے لگی تو اسمین اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اگر بدون آواز کے آنسو سے روئے تو یہ رضامندی ہوئی اگر چیخ کر آواز سے روئی تو رضامندی نہین۔ اگر ولی نے باکرہ بالغہ سے اجازت طلب کی اور وہ خاموش رہی تو یہ رضامندی ہے۔ مگر جب اوس ولی کی بہ نسبت جس نے اجازت طلب کی کوئی دوسرا اقرب ولی ہے تو

عورت کا سکوت رضامندی مین شمار نہ ہوگا بلکہ اوسکو اختیار ہوگا چاہے راضی ہو یا
رد کرے۔

لیکن اگر ثیبہ عورت سے اجازت طلب کیجائے تو اوسکا زبان سے رضامندی
ظاہر کرنا ضرور ہے۔ اِسی طرح اگر اوسے نکاح کی خبر پہونچی تو اوسے زبان سے رضامندی
ظاہر کرنی چاہیئے۔

رضامندی بدلالت بہی متحقق ہوتی ہی مثلاً اوس نے اپنا مہر طلب کیا یا
نفقہ مانگا یا شوہر کو اپنے ساتھہ وطی کرنے دی یا مبارکبادی قبول کی۔

اجازت لیتے وقت ان باتون کا ذکر کرنا ضرور ہے

عورت سے اجازت لینے مین شوہر کا نام اِس طرح بیان کرنا ضرور ہے جو اوسکی
شناخت کے لئے کافی ہو۔ اس لئے کہ اگر عورت سے یہ کہا جائے کہ مین تمہارا
نکاح ایک مرد سے کر دینا چاہتا ہون اور وہ خاموش رہے تو یہ رضامندی نہ ہوگی
مگر جس صورت مین کہ عورت نے اپنے نکاح کا معاملہ پورے طور پر کسی کو سپرد کر دیا ہے
تو یہ اجازت صحیح ہے۔ اور شوہر کے متعین نہ ہونے سے کچھہ نقصان نہین۔

بعض نے فرمایا ہے کہ مہر کا بیان کرنا بہی شرط ہے۔ مگر ہدایہ مین لکھا ہی
کہ مہر کا بیان کرنا شرط نہین ہے۔ درالمختار مین بہی لکھا ہے کہ جواز نکاح کے لئے
مہر کی تعداد بیان کرنا لازمی شرط نہین ہے کیونکہ نکاح کی صحت مہر کے علم پر موقوف
نہین ہے۔ مگر بعض کے نزدیک تعداد مہر کا بیان کرنا شرط ہے کیونکہ بعض حالت
مین عورت کی رضامندی حاصل کرنے مین تعداد مہر کا سبب اثر پڑتا ہے۔ متاخرین
فقہار کا یہی قول ہے۔

اگر ولی نے کسی مرد سے نکاح کرنے کی اجازت عورت سے چاہی اور اوس نے
انکار کیا پہر ولی نے اوسیکے ساتھہ نکاح کر دیا اور عورت خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی

اگر عورت نے مہلک مرض مین اجازت نکاح دی تو صحیح نہین ہے (سید امیر علی)

خیار

اگر صغیر یا صغیرہ کا نکاح اوسکے باپ دادا کے سوائے کسی دوسرے ولی نے کردیا ہے تو بعد بالغ ہونے کے دونون کو اختیار ہے کہ نکاح پر قائم رہے یا اوسکو فسخ کردے۔ مگر امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے کہ فسخ کرنے کے لیئے قاضی کا حکم حاصل کرنا شرط ہے۔ پس اگر بلوغ کے بعد صغیر یا صغیرہ نے جدائی اختیار کی اور قاضی نے دونون مین تفریق نکرائی ہنوز تک کہ دونون مین سے ایک مرگیا تو باہم ایک دوسرے کے وارث ہون گے۔ اور جب تک قاضی دونون مین تفریق نہ کرائے تب تک شوہر کو اوسکے ساتھہ وطی کرنا حلال ہے۔ واگر باپ یا دادا نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح کردیا تو بالغ ہونے کے بعد اون مین سے کسیکو اختیار نہ ہوگا یعنی نکاح لازم ہوگا۔ جو خیار کہ صغیرہ کو حاصل ہے وہ بعد بلوغ کے اوسکی خاموشی سے باطل ہوگا درحالیکہ وہ باکرہ ہو اور اس خیار کا امتداد آخر مجلس تک جس مین اوسکو نکاح کی خبر پہونچی ہے نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر اوس نے بالغ ہونے پر سکوت کیا اور وہ باکرہ ہے تو خیار باطل ہوگا۔

واگر یہ عورت دراصل شیبہ ہو یا باکرہ لیکن اوسکے خاوند نے اوسکے ساتھہ وطی کری ہو پھر وہ شوہر کے پاس بالغ ہوئی تو سکوت سے اوسکا خیار باطل نہوگا ورنہ مجلس سے کھڑے ہوجانے سے باطل ہوگا بلکہ اوسوقت باطل ہوگا جب وہ صریحًا نکاح پر راضی ہوجائے یا اوسکی طرف سے ایسا فعل پایا جائے جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو جیسے جماع کرنے پر مرد کو قابو دینا یا نفقہ طلب کرنا۔ واگر اوس نے شوہر کا کھانا کھالیا یا بدستور اوسکی خدمت کی تو اوسکا خیار باقی رہے گا۔

اگر بالغ ہوتے ہی اوسکو نکاح کا حال معلوم ہوا کہ فلان مرد کے ساتھہ ہوا ہے لیکن اپنے خیار کی نسبت اوسے جہل طاری رہا اور وہ خاموش ہورہی تو اوسکا خیار باطل

ہوجائیگا۔ اگر بالغ ہوتے ہی اوسکو اپنے نکاح کا حال نہ معلوم ہوا تو بروقت معلوم ہونیکے اوسکو خیار حاصل ہوگا۔

اِس خیار کے اظہار مین نہایت عجلت کرنی چاہیئے۔ جیساکہ اس مسئلہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ "اگر عورت کے واسطے بالغ ہونے پر دو حق مجتمع ہین ایک حق شفعہ دوسرا خیار تو اوسکو یون کہنا چاہیئے کہ مین دونون حق طلب کرتی ہون پھر دونون کی تفسیر بیان کرنے مین پہلے خیار نفس بیان کرے یعنی یہ کہ مین نے نکاح فسخ کیا۔"

ہدایہ مین ہے کہ اگر خیار بلوغ مین اختلاف ہو یعنی عورت نے کہا کہ مین نے بالغ ہوتے ہی نکاح رد کردیا اور شوہر نے کہا کہ نہین بلکہ تو خاموش ہو رہی تو عورت کا قول قبول کیا جائیگا۔ لیکن امام زفر نے کہا کہ مرد کا قول قبول ہوگا[۵۱]۔ فتاویٰ عالمگیری مین بحوالہ محیط لکھا ہے کہ مرد کا قول قبول ہوگا۔

واضح ہو کہ خیار بلوغ کی وجہ سے جو فرقت ہو وہ طلاق نہین ہے کیونکہ اس فرقت کا سبب صرف مرد کے ہاتھ مین نہین ہے بلکہ مرد و عورت دونون مشترک ہین پس جب خیار بلوغ کی وجہ سے فرقت ہوئی اور شوہر نے اوس سے وطی نہ کی ہو تو عورت کو کچھ مہر نہ ملیگا

۵۱ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ سکوت کرنا اصل ہے اور رد کرنا عارض یعنی جو چیز اصل ہے وہ خود ثابت ہے اور جو عارض ہے اوسکا ثبوت ہونا چاہیئے اور یہ مثل اوس بیع کے ہے جسمین بایع کے لیئے ایک مدت کی خیار کی شرط ہو (یعنی جب مدت معینہ منقضی ہوجاوے اور بایع کہے کہ مین نے بیع فسخ کردی تو بایع پر بار ثبوت ہوگا۔) بخلاف اسکے ہم کہتے ہین کہ شوہر دعویٰ کرتا ہے کہ عقد نکاح لازم ہوگیا اور عورت اوس دعویٰ کو رد کرتی ہے تو بار ثبوت شوہر پر ہے اور اسکی مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی حفاظت مین مال ودیعت لیا ہے مگر اوسکے واپس دینے کا مدعی ہے تو اوسپر بار ثبوت ہوگا اور بیع کی مثال صادق نہین آتی کیونکہ بیع تو مدت معینہ کے گذرنے پر ظاہر ہوگئی اور جو شخص اسکے خلاف کہے اوس پر بار ثبوت ہے۔

خواہ مرد نے فرقت اختیار کی یا عورت نے لیکن اگر دخول ہو گیا ہے تو عورت کُل مہر پاسے گی۔

سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۳۴۸ "یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ مسایل مذکور اون صورتوں سے متعلق ہین جب مرد کو ہمبستری کا موقع حاصل ہو۔ لیکن جب شوہر بہت فاصلہ پر ہو یا مفقود الخبر ہو یا مدت دراز کے لئے قید مین ہو تو صرف اسوجہ سے کہ عورت نے معًا بالغ ہونے کے نکاح فسخ نہ کیا اوسکا خیار بلوغ زائل نہوگا بشرطیکہ اوسنے شوہر کے واپس آنے کے قبل اور بالغ ہونے کے بعد صاف وصریح الفاظ مین یا اپنے طرز عمل سے نکاح کو فسخ کر دیا ہو۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک صغیرہ کا نکاح ایک ایسے شخص کے ساتھ ہو جسکو قبل بالغ ہونے لڑکی کے حبس دوام کی سزا ہوئی تو اس صورت مین یہ مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر عورت نے معًا بالغ ہونے کے نکاح فسخ نکیا تو اوسکا خیار ساقط ہو گیا

ایسا اکثر ہوا ہے کہ ہندوستان سے نابالغ لڑکیاں بھگا کر جنوبی امریکہ یا دوسرے مقامات مین بھیجی گئی ہین اور پھر وہان سے واپس نہ آسکین۔ ان لڑکیون کے متعلق یہ مسئلہ پیش ہوا کہ آیا وے اون ملکون مین نکاح کر سکتی ہین یا نہین۔ میرے خیال مین اگر اونھون نے ہندوستان مین خط لکھکر دریافت کیا۔ (اور یہ کہا جاتا ہے کہ اونھون نے خط لکھا) اور اونکو خط کا جواب نہ ملا اور نہ وے کسی اور طریقہ سے یہ دریافت کر سکین کہ اونکے شوہر حیات ہین یا نہین تو معمولی عدت گذار کر دوسرے نکاح کر سکتی ہین۔

اختیار

امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر حرّہ عورت کو اپنے خیار بلوغ کی نسبت جہل ہو تو اوس صورت مین بھی اوسکا خیار زائل ہو جائیگا۔ کیونکہ دار الاسلام دار العلم ہے اور وہ شرعی مسائل دریافت کر سکتی تھی۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اوسکا خیار اوسوقت تک قائم رہے گا جب تک اوسے اپنے خیار کا علم نہو۔ ہندوستان کے ملک مین

جہان عورتین بالعموم جاہل ہوتی ہین اور جو براے نام دارالاسلام ہے امام محمدؒ کے قول پر
فتوی دینا زیادہ تر قرین عقل و انصاف ہوگا۔

مذہب شیعہ

شیعہ مذہب مین اگر نابالغ کا نکاح کسی فضولی نے یعنی باپ یا دادا کے سوائے
کسی اور شخص نے کردیا تو وہ نکاح اوسوقت تک بالکل معطل رہیگا جب تک کہ بعد بلوغ
کے فریقین اوس سے رضامندی نہ ظاہر کرین۔ یعنی اونکی اجازت دینے سے
قبل وہ عقد بالکل بے اثر ہے و اگر فریقین مین سے کوئی فوت ہوجائے تو عقد
باطل ہوجائیگا اور باہم میراث نپائین گے جامع الشتات۔ سلہ

# فصل ہفتم۔ اقسام نکاح

نکاح شغار

نکاح چند قسم کے ہین۔ منجملہ اون کے ایک نکاح شغار ہے۔ اوسکی مثال یہ ہے
کہ کسی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک دوسرے شخص سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی بہن یا
لڑکی کا نکاح اوس سے کردے تا کہ ایک عقد دوسرے عقد کا معاوضہ ہوجائے۔
درمختار مین ہے کہ "نکاح شغار صحاح ستہ کی حدیث سے ممنوع ہے اسوجہ سے
کہ اس قسم کا نکاح مہر سے خالی ہوتا ہے۔ اس لئے اس مین ہمنے مہر واجب کیا"
حنفی مذہب مین شغار جائز ہے۔ کیونکہ اسمین ابتدا ہی سے مہر مثل قیاس کرلیا گیا
لیکن شیعہ و شافعی و مالکی اس قسم کے نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہین۔
دوسرے متعہ۔ سید امیر علی لکھتے ہین اہل سُنت و جماعت نکاح متعہ باطل خیال

سلہ ملکہ جہان صاحبہ بنام محمد عسکری خان اپیلہاے ہندلا رپورٹ جلد ہفتم صفحہ ۱۹۲۔ و ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۷۶

کرتے ہین اور اون کے نزدیک نکاح مُوقت یعنی جسمین وقت کا بیان ہو باطل ہے
خواہ مدت دراز ہو یا کم - لیکن نکاح مُوقت یا متعہ اخباری شیعون کے نزدیک صحیح ہے
اسمین بہی ایجاب وقبول کا ہونا لازمی شرط ہے - مگر کسی باکرہ لڑکی سے جسکا باپ
نہو متعہ کرنا بُرا ہے شرایع مین لکہا ہے کہ اگر کسینے متعہ کیا تو اوسکو چاہیئے کہ اوس لڑکی
سے مجامعت کرنے سے پرہیز کرے اسکا سبب یہ ہے کہ متعہ سے لڑکی کا ضرر ہے
اور چونکہ اوسکو اپنے باپ کا مشورہ نہین ملا اس سلئے اوسکو متعہ سے ذلیل وخوار
نہ کرنا چاہیئے -

شرایع مین لکہا ہے - **نمبر ۱** - جب مدت ومہر دونون مذکور ہون
تو عقد متعہ صحیح ہے - اگر مہر کا ذکر نہ کیا گیا اور مدت کا تعین کیا تو عقد باطل ہے
واگر مدت کا تعین نہین کیا اور مہر معین کیا تو اوس صورت مین بہی عقد متعہ باطل
ہوگا اور وہ عقد دائمی متصور ہوگا -

**نمبر ۲** - جملہ شرائط جو فریقین کو کرنی منظور ہون ایجاب وقبول کے
وقت کرنی چاہیئے - اگر ایسا نہین کیا تو وہ بالکل بے اثر ہین خواہ عقد کے قبل
کے ہون یا بعد کے -

**نمبر ۳** - یہ مسئلہ اکثرون کے نزدیک صحیح ہے کہ ایک بالغہ عاقلہ عورت
خواہ باکرہ ہو یا باکرہ نہو متعہ کرسکتی ہے اور ولی کو اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا - لیکن
نابالغہ لڑکی کو بغیر اجازت اپنے ولی کے نکاح کرنا ناجائز ہے جیسے کہ بلا باپ کے باکرہ
لڑکی کے ساتھہ مرد کو متعہ کرنا بُرا ہے -

**نمبر ۴** - یہ مسلمہ ہے کہ متعہ مین طلاق نہین لیکن زمانہ معینہ کے بعد نکاح ختم
ہوجائیگا - متعہ مین ایلا ریا لعان نہین ہوسکتا - ظہار کی نسبت کچہہ شبہہ ہے لیکن

زیادہ ترصیحح رائے یہ ہی کہ ظہار ہو سکتا ہے -

**نمبر ۵** - اگر عقد متعہ مین یہ شرط قرار پائی ہو کہ فریقین ایک دوسرے کے وارث ہونگے یا اونمین سے ایک دوسرے کا وارث ہوگا تو یہ شرط صیحح ہے اور اسکا نفاذ ہوگا - یہ قول شیخ جعفر طوسی کا ہے - اور صاحب تحریر الاحکام کا قول اسکے خلاف ہے - متعہ سے جو اولاد ہوگی وہ صیحح النسب ہے اور مثل دائمی نکاح کے اولاد کے مستحق وراثت ہے -

**نمبر ۶** - متعہ مین عدت کی میعاد دو طہر ہے اگر وطی ہو گئی ہے - لیکن بیوہ عورت کی عدت چار مہینہ دس روز ہے - اور حاملہ کی وضع حمل تک -

اگر مرد اپنے حقوق کو جو متعہ کی شرائط کی رو سے اوسے حاصل ہے عورت کو قبل دخول کے بخشدے تو عورت نصف مہر کی مستحق ہوگی و اگر دخول ہو گیا ہے تو عورت کل مہر کی مستحق ہوگی بشرطیکہ وہ شرائط متعہ کی پابند رہے اگر مدت معینہ منقضی نہین ہوئی تو مرد کو زمانہ غیر منقضیہ کی بابت بحصہ رسد مہر منہا کرنے کا اختیار ہے

متعہ مین عورت نفقہ کی مستحق نہین ہے تا وقتیکہ عقد متعہ مین اسکی شرط نکی گئی ہو لیکن اگر نفقہ کی شرط کیگئی ہے تو عورت تمام مدت معینہ کی بابتہ نفقہ پانیکی مستحق ہے گو مرد نے مدت مذکور کے اندر ہی اوس عورت سے قطع تعلق کر لیا -

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا متعہ مین طلاق نہین ہی - مگر فریقین مین اسطرح تفریق ہو جاتی ہے کہ مدت معینہ گذر جائے - یا اونمین سے ایک فوت ہو جائے - یا فریقین اپنی خوشی سے فرقت اختیار کرین - متعہ مین طلاق کا نہ ہونا بعض اخباری شیعہ فقہا کو شاق گذرا اور اونہون نے اسکے لئے ایک حیلہ تجویز کیا - شرح لمع مین یہ دلیل مذکور ہے -

"ابرا کے لیے مدیون کی رضامندی ضروری نہین ہے۔ نکاح متعہ مین زوجہ کی حیثیت مدیونہ کی ہے اور شوہر داین ہے۔ اسلیئے شوہر کو اختیار ہے کہ بلا رضامندی زوجہ کے مدت معینہ کے کسی حصہ سے اوسکو بری کردے۔"

اگر یہ دلیل صحیح تصور کیجائے تو کوئی شخص ایک عورت سے یہ کہکر کہ مین تجھسے ننانوے (۹۹) سال کے لیئے متعہ کرتا ہون اپنے ساتھ متعہ کرنے پر راضی کر سکے اور بعد چند دنون کے اوسکو یہ کہکر الگ کر سکتا ہے کہ اوس نے بقیہ مدت ہبہ کر دی۔ لیکن مسئلہ مذکور بمقدمہ محمد عابد علی قمر قدر بنام لڈی صاحبہ[۵۱] صحیح قرار دیا گیا ہے۔ مقدمہ مذکور مین عابد علی قمر قدر نے مدعا علیہا سے پچاس سال کے لیئے متعہ کیا۔ چند ہفتون کے بعد اوس نے مدعا علیہا کو چھوڑ دیا۔ لیکن جب عدالت فوجداری سے اوسے نان و نفقہ دینے کا حکم ہوا تو مدعی نے عدالت دیوانی مین نالش دائر کی کہ یہ استقرار کر دیا جائے کہ اوسکا نکاح ختم ہوگیا کیونکہ اوس نے بقیہ مدت ہبہ کر دی اور اس لیئے وہ مستوجب ادائے نان و نفقہ نہین ہے بحوالہ شرائع و شرح لمع عدالت نے یہ تجویز کی کہ گو شوہر کو متعہ مین طلاق دینے کا اختیار نہین ہے لیکن غیر منقضیہ مدت کو ہبہ کرنے سے وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

حنفی

فتح القدیر مین متعہ و نکاح المؤقت کا فرق اس طرح بیان کیا ہے۔ نکاح المؤقت لفظ نکاح یا تزویج سے ہوتا ہی و متعہ مین لفظ تمتع یا استمتاع مستعمل ہوتا ہے اور اس مین گواہونکی ضرورت نہین ہے۔ اِس مین شک نہین کہ نکاح متعہ ایام جاہلیت مین مروج تھا مگر حجۃ الوداع مین رسولؐ خدا نے اس سے ممانعت کر دی۔ نکاح المؤقت کی نسبت امام زفر کا قول بہت صحیح ہی یعنے یہ نکاح دائمی ہے اور مدت کی شرط باطل ہے۔ کیونکہ نکاح المؤقت

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۱۴ صفحہ ۲۷۶۔

درحقیقت متعہ ہے جو باطل قرار دیا گیا جسکے معنی یہ ہین کہ سابق مین اسکا وجود تھا مگر بعد مین ممنوع ہوا اس لئے امتناع کا یہ اثر ہے کہ مدت کی شرط باطل ہے مگر عقد نکاح صحیح ہے جیسے کہ نکاح شغار صحیح ہوتا ہے۔ متعہ کا مقصود مثل نکاح کے توالد و تناسل و پرورش اولاد نہین ہے [۱]

نکاح فاسد

سید امیر علی لکھتے ہین (صفحہ ۳۲۵) نکاح فاسد قطعاً باطل نہین ہے۔ لیکن وہ قاضی کے حکم سے یا متعاقدین کے فعل سے فسخ ہوسکتا ہے اس لئے خود فریقین کو یا اونکے اولیاء کو چاہیئے کہ وجہ فساد دور کرین۔

نابالغ نے اگر عقد نکاح کیا ہو تو ایسا نکاح تمام مذاہب مین فاسد ہے۔ اگر نابالغ عاقل نے نکاح کیا ہے تو اوسکے ولی کی اجازت سے صحیح ہوجائیگا۔ اسی طرح اگر مجنون یا احمق نے نکاح کیا ہے تو وہ نکاح فاسد ہے اور اوسکے ولی کی اجازت سے صحیح ہوجائیگا۔ لیکن شیعہ مذہب مین مجنون کا نکاح سرے سے باطل ہے۔ شرائع وجامع الشتات۔

اگر کسی شخص نے شراب کے نشہ مین نکاح کیا اور نشہ کے دور ہونے کے بعد اوسکی تصدیق نکی تو سُنی مذہب مین وہ نکاح فاسد ہے اور شیعہ مذہب مین بھی مفاتیح کے بموجب وہ نکاح فاسد ہی۔ مگر شرائع مین لکھا ہے کہ اگر مرد نے حالت نشہ مین نکاح کیا اور بعد دور ہونے نشہ کے اوسکی تصدیق بھی کی تاہم وہ نکاح صحیح نہ ہوگا لیکن اگر عورت نے ایسا کیا تو نکاح صحیح ہوجائیگا۔ لیکن مفاتیح مین جو علامہ کا قول لکھا ہی وہی صحیح ہے کیونکہ جامع الشتات سے اوسکی تائید ہوتی ہے۔ اگر مرض الموت مین نکاح کیا جائے تو وہ فاسد ہے لیکن اگر اوس مرض سے صحت ہوگئی اور شوہر نے زوجہ سے وطی کی تو وجہ فساد دور ہوگئی۔ کیونکہ شرائع مین لکھا ہے کہ مریض کی نکاح کی صحت دخول پر موقوف ہے

[۱] سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۳۰۹۔

اس لئے اگر قبل دخول کے وہ شخص اوسی مرض سے مرگیا تو عقد باطل ہے اور عورت کو مہر یا میراث نہ ملیگی " جامع الشتات مین ہے " اگر کسی شخص نے بیماری مین نکاح کیا اور بعد دخول کے مرگیا یا اوس بیماری سے اوسے صحت ہوگئی اور بعدہ دوسری بیماری سے مرگیا تو نکاح صحیح ہے - اور عورت کو مہر و میراث دونون ملینگی "

فریب یا جبر سے جو نکاح ہوا ہے وہ فاسد ہے اگر بعد رفع ہونے جبر کے اوس نکاح کی تصدیق نکی گئی -

فتاوی عالمگیری - نکاح فاسد مین اگر عورت سے وطی نکی گئی ہو تو اوسکو کچھ مہر نہ ملیگا اور نہ اوسپر عدت واجب ہوگی - لیکن اگر شوہر نے وطی کرلی ہے تو عورت مذکور کو مہر مسمی و مہر مثل مین سے جو کم مقدار ہوگا ملیگا بشرطیکہ نکاح مین مہر کا تسمیہ ہوگیا تھا واگر کچھ مہر نہین قرار پایا تھا تو عورت مذکور کو مہر مثل ملیگا اور اوسپر عدت واجب ہوگی -

نکاح فاسد سے جو اولاد پیدا ہوا اوسکا نسب ثابت ہوتا ہی اور امام محمدؒ کے نزدیک دخول کے وقت سے مدت کا شمار ہوگا - اسی پر فتوی ہے

نکاح فاسد مین دخول سے پہلے کوئی حکم ثابت نہین ہوتا چنانچہ اگر کسی عورت سے بنکاح فاسد نکاح کیا پہر اوسکی ماں سے بشہوت مساس کیا پہر اوس عورت منکوحہ کو چھوڑدیا تو اوسکو اختیار ہوگا کہ چاہے اوسکی ماں سے نکاح کرلے بشرطیکہ کوئی اور امر شرعی مانع نہ ہو - خلاصہ -

نکاح فاسد مین وفات کی عدت واجب نہین ہوتی و نہ نفقہ واجب ہوتا ہے -

قبل وطی کے زوج یا زوجہ نکاح فسخ کر سکتی ہے لیکن بعد وطی کے زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونون کی حضوری مین نکاح فسخ کیا جائے - لیکن فتاوی عالمگیری مین ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عورت کا متارکت سے آگاہ ہونا شرط نہین ہے جیسے طلاق مین شرط

نہین ہے۔ درالمختار مین ہے کہ "نکاح فاسد مین زوجین مین سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ بعدم موجودگی دوسرے کے نکاح فسخ کردے خواہ جماع ہوچکا ہو یا نہ۔ کیونکہ اس سے گناہ سے بچنا ہے۔ اسواسطے کہ عقد فاسد کرنا و پھر قائم رکھنا حرام ہے۔"

سید امیر علی صفحہ ۱۷۲۔ عنائیہ مین لکھا ہے کہ "دو حرام وطی یا نکاح کی دو قسم ہین۔ حرام بعینہ۔ و حرام بغیرہ۔ اول الذکر زنا ہے و دوسرا زنا نہین ہے۔ اگر مرد کا عورت پر کچھ حق نہین ہے یا حق ہے مگر وہ عورت محرمات ابدی مین سے ہے تو وطی بعینہ حرام ہے اور جب حرمت عارضی ہے تو حرمت بغیرہ ہے۔

جب دو عورتون کا جمع کرنا حرام ہو تو یہ حرمت بعینہ نہین ہے بلکہ ایک عارضی سبب سے ہے۔ جو ان عورتون مین سے ایک سے علیحدگی کرنے سے جاتی رہیگی اس لئے اون سے وطی کرنا زنا نہین ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان ایک مجوسی عورت سے نکاح کرے تو یہ نکاح بعینہ حرام نہین ہے کیونکہ حرمت کا سبب عورت کے تبدیل مذہب سے جاتا رہیگا اس لئے ایسی عورت سے وطی کرنا زنا نہین ہے۔ اسی دلیل سے ایک مسلمان مشرکہ و بت پرست عورت سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ تبدیل مذہب سے حرمت کا سبب زائل ہوسکتا ہے۔

حرام نکاح ابتدا ہی سے باطل ہوتا ہے اور متعاقدین مین کسی قسم کے حقوق و ذمہ داری نہین پیدا کرسکتا۔ عورت کو شوہر سے مہر نہ ملیگا (بشرطیکہ وطی نہ ہوئی ہو) اور نہ باہم اونکے میراث جاری ہوگی۔ اس قسم کے نکاح تاریخ عقد سے باطل ہین اور قانونًا یا دیانتًا اوپر نکاح کا اطلاق نہین ہوسکتا۔

محرمات شرعی سے نکاح کرنا شرعًا باطل ہے۔ اس نکاح سے کوئی حقوق یا ذمہ داری نہین پیدا ہوتی۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس قسم کے نکاح کی

حرمت مین فریقین کی نیک نیتی یا لاعلمی سے کچھ فرق نہین آتا - فتوی صاحبین ؒ کے
قول پر ہے - اِس لیئے ایسے نکاح کی اولاد صحیح النسب نہ ہوگی گو عورت پر قبل اسکے
کہ وہ دوسرا نکاح کرے عدت واجب ہوگی - یہہ صاحبین ؒ کا قول ہے [۵۱] مگر امام ابوحنیفہؒ
کے نزدیک اگر حرمت نکاح بغیرہ ہے تو نکاح صرف فاسد ہے اور اولاد صحیح النسب ہوگی
فتاوی عالمگیری - اگر کسی شخص نے دو بہنون کو ایک نکاح مین جمع کیا تو دونون کے
درمیان جدائی کرا دیجائیگی - ... واگر دونون کے ساتھہ دو عقدون مین نکاح کیا
تو اخیر والی عورت کا نکاح فاسد ہوگا - اور مرد کو اسکا چھوڑنا واجب ہوگا واگر قاضی کو
معلوم ہوا تو دونون مین تفریق کرا دیگا -

رد المختار مین نکاح فاسد کی بہت سی مثالین لکھی ہین - منجملہ اون کے یہ ہے
کہ دو بہنون سے ایک عقد مین نکاح کرنا یا ایک بہن کی عدت مین دوسری بہن سے
نکاح کرنا یا کسی عورت سے اوسکی عدت مین نکاح کرنا یا بلا شاہدون کے نکاح کرنا وغیرہ -
مگر فتاوی قاضی خان و ہدایہ مین ہے کہ دو بہنون سے ایک عقد مین نکاح کرنا یا دو
عقدون مین نکاح کرنا صرف فاسد نہین ہے بلکہ باطل ہے - صورت ثانی مین اوس
بہن کا نکاح صحیح ہے جس سے پہلے عقد ہوا اور دوسری بہن کا نکاح باطل ہے - اس مسئلہ
کے متعلق بمقدمہ اعز النسا بنام کریم النسا [۵۲] جملہ اسناد کا حوالہ دیکر یہ قرار دیا گیا کہ اگر ایک
بہن نکاح مین ہے اور پھر دوسری بہن سے نکاح کیا تو نکاح ثانی باطل ہے اور اوس سے
جو اولاد ہوگی وہ صحیح النسب نہوگی -

## فصل ہشتم - نکاح پر ارتداد کا اثر

سید امیر علی - سُنی و شیعہ مذہب کے بموجب اگر شوہر دین اسلام سے مرتد ہوجائے

[۵۱] اعز النسا خاتون بنام کریم النسا کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰ - [۵۲] کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰ -

تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے ایکٹ نکاح دیسی عیسائی (ایکٹ نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۶۶ع) خاصکر اون نو عیسائیون سے متعلق ہے جو ہندو یا ادسی قسم کے دوسری قوم سے عیسائی ہو گئے ہین اور جن کے مذہب مین جب ایک بار نکاح ہو گیا تو پہر وہ کبہی منسوخ نہین ہو سکتا۔ مگر اسکے اثر سے مسلمان و یہودی بری رکہے گئے ہین۔ اس ایکٹ مین ''دیسی شوہر'' کی یہ تعریف کیگئی ہے کہ اوس سے ایسا شخص مراد ہے جسکا نکاح ہو گیا ہوا ور وہ برٹش انڈیا کا رہنے والا ہے۔ اور جسکی عمر پورے ۱۶ برس کی ہو گئی ہو۔ مگر عیسائی۔ مسلمان یا یہودی نہ ہوا ور ''دیسی زوجہ'' کی یہ تعریف کیگئی ہے کہ اوس سے ایسی عورت مراد ہے کہ اوسکا نکاح ہو گیا ہوا ور برٹش انڈیا کی رہنے والی ہوا ور اوسکی عمر پورے ۱۳ برس کی ہو گئی ہو مگر عیسائی۔ مسلمان یا یہودن نہ ہو۔ اور ''دیسی قانون'' کے یہ معنی ہین کہ عیسائی مسلمان یہودی کے علاوہ کسی دوسرے باشندے برٹش انڈیا کا قانون یا رواج جو حکم قانون رکہتا ہو۔

بمقدمہ گوبردہن داس بنام جادومنی داس[۵۱] فریقین ہندو تھے اور اونکا نکاح اوسوقت ہوا تہا جب دونون کا مذہب ہندو تہا۔ بعد مین دونون عیسائی ہو گئے۔ شوہر نے بموجب ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۶۹ع (ایکٹ طلاق) درخواست پیش کی۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ فریقین کے یا اون مین سے ایک کے عیسائی ہو جانے سے نکاح فسخ نہین ہو گیا۔ یہی اصول اون صورتون سے بہی متعلق ہوگا اگر فریقین مسلمان ہون شرع محمدی مین ہے کہ اگر فریقین ساتہہ ہی مرتد ہو جائین تو اونکا نکاح فسخ نہین ہوتا۔ اسی طرح اگر صرف عورت مرتد ہو جائے تو بخارا کے مشائخ نے فتوی دیا ہے کہ نکاح فسخ نہ ہوگا[۵۲] اس لئے ردالمختار کی عبارت جو بصفحہ ۶۴۳ ہے اس تشریح کے تابع ہے ... اگر شوہر مرتد ہو جائے

---

[۵۱] کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۷۵۲۔ [۵۲] ردالمختار جلد ۲ صفحہ ۶۴۴۔

مگر بیوی جو اپنے سابق دین پر ہے شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اونکا تعلق مثل زن وشو کے ناجائز ہے - اگر بت پرست زوجین دین اسلام قبول کرلین تو اونکا نکاح قایم رہیگا اسی طرح اوس صورت مین بہی قایم رہیگا جب شوہر دین اسلام قبول کرے اور زوجہ عیسائی ہوجائے یا یہودن -

اگر شوہر و زوجہ بت پرست ہین اور اونمین سے کوئی دار الاسلام مین دین اسلام قبول کرے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائیگا اگر اوسنے قبول کرلیا تو نکاح قایم رہیگا ورنہ قاضی اون دونون مین تفریق کردیگا - اگر وہ شخص جسپر اسلام پیش کیا جاتا ہی خاموش رہے تو قاضی تین بار اسلام پیش کریگا اور اس پر بہی اگر اوسنے قبول نہ کیا تو تفریق کرادیجائیگی لیکن اگر زن و شوہر مین سے کوئی دار الاسلام کے ایسے ملک مین اسلام قبول کرے جہان شرع محمدی رائج نہین ہے اور نہ فریقین اہل کتاب ہین یا آنکہ اہل کتاب ہین مگر عورت نے اسلام قبول کیا تو انفساخ نکاح عورت کے تین طہر تک ملتوی رہیگا خواہ اوس سے وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو - واگر اوس عرصہ مین شوہر بہی دین اسلام قبول کرلے تو نکاح قایم رہیگا ورنہ بلا حکم قاضی کے اون مین تفریق ہوجائیگی -

# باب دوم - زوجین کے حقوق و ذمہ داری

## فصل اوّل

سید امیر علی لکھتے ہین کہ زمانہ جاہلیت مین یعنی اسلام سے قبل عرب مین عورتون کو قانوناً کوئی حق نہ تہا اور اونکے ساتھ بہت سختی و بیرحمی سے سلوک کیا جاتا تہا - قرآن کے

احکام نے عورتون کی حالت مین اہم انقلاب پیدا کردیا۔ مشرقی ملکون کی تاریخ مین اول اول قرآن پاک ہی مین عورت و مرد کی مساوات تسلیم کی گئی اور اوسپر عمل کیا گیا قرآن مجید مین یہ حکم ہے کہ "عورتون کو عدل کے ساتھہ مردون سے اوسی طور پر پیش آنا چاہیئے جیسا مرد اونکے ساتھہ پیش آتے ہین۔" رسول عربی نے بھی جبل العرفات پر اپنے وعظ مین فرمایا "تم مردون کا حق تمھاری زوجون پر ہے اور تمھاری زوجون کا حق تمپر ہے۔" ان احکام کے بموجب شرع کا یہ حکم ہے کہ زوج و زوجہ خانگی معاملات مین ایک دوسرے کو برابر سمجھین۔ جیسے منکوحہ عورت کو عفت و پارسائی کا خیال رکھنا چاہیئے ویسے ہی مرد کو بھی چاہیئے۔ شرعاً عورتونکی بے عصمتی کا جو نتیجہ ہے وہی نتیجہ مردون کی بدچلنی کا بھی ہے۔

نفقہ

نکاح سے جو حقوق و ذمہ داریان پیدا ہوتی ہین وہ بالتفصیل کتب فقہ مین مذکور ہین۔ چنانچہ منجملہ اونکے ایک نفقہ ہے۔

ہدایہ مین لکھا ہے۔ زوجہ کے واسطے شوہر پر نفقہ واجب ہے خواہ زوجہ مسلمان ہو یا کافرہ۔ جبکہ زوجہ نے اپنی ذات کو شوہر کے مکان مین سپرد کردیا تو اوسکا نفقہ و لباس و سکونت سب شوہر پر واجب ہو گئی۔ نفقہ وہ روزینہ ہے جو قیام زندگی کے واسطے ضروری و لابُد ہے۔ لغت مین نفقہ اوسے کہتے ہین جو انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔ شرع مین طعام و لباس و مکان سکونت کو نفقہ کہتے ہین۔ عرف مین نفقہ فقط طعام کو کہتے ہین۔

زوجہ کا نفقہ واجب ہونے کے لئے قرآن پاک کا یہ حکم کہ "بچہ کے والد پر بچہ کی ماؤنکا کھانا کپڑا بطور اعتدال کے واجب ہے" کافی ہے۔ ایسے ہی حدیث سے ثابت ہے۔ فتاوی عالمگیری مین ہے کہ مرد پر اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہے خواہ زوجہ مسلمان ہو یا ذمیہ

خواہ محتاج ہو یا مالدار - خواہ اوس سے جماع کیا ہو یا نہ - خواہ وہ کبیرہ ہو یا ایسی صغیرہ جو جماع کی صلاحیت رکھتی ہو - اگر وہ بہت ہی صغر سن ہے تو مرد پر اوسکا نفقہ واجب نہین ایسے ہی شیعہ مذہب مین بھی ہے - مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اوسکا نفقہ بھی واجب ہے[۵۱] کبیرہ گو اپنے شوہر کے مکان پر نہین گئی و نہ اوسکے شوہر نے اوسے بلایا تاہم وہ اپنا نفقہ شوہر سے طلب کرسکتی ہے - واگر شوہر نے اوسے اپنے مکان پر بُلایا اور اوسنے آنے سے انکار نہ کیا تو وہ مستحق نفقہ ہے - واگر انکار کیا اور اوسکا انکار حق ہے مثلاً مہر معجل کے وصول کرنے کی غرض سے تو اوس صورت مین بھی وہ مستحق نفقہ ہے واگر انکار کیا اور اوسکا انکار بلا وجہ ہے تو اوسے نفقہ نہ ملیگا - اِسی طرح اگر عورت نے نشوز کیا یعنی اپنے شوہر کے مکان سے چلی گئی اور اپنے نفس پر شوہر کو قابو نہین دیتی تو وہ مستحق نفقہ نہین ہے - لیکن اگر وہ اپنے شوہر کے مکان مین ہے مگر ہمبستری سے منکر ہے تو وہ مستحق نفقہ ہے -

اگر عورت مرد سے ہم بستر ہو چکی ہو مگر بہر مہر وصول کرنیکی غرض سے ہم بستری سے انکار کرتی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ مستحق نفقہ ہے اور ناشزہ نہین مگر صاحبینؒ کے نزدیک نفقہ ساقط ہو جائیگا - و حنفی و شیعہ مذہب مین شوہر صغیر عورت کو جسکا نفقہ اوسپر واجب نہین ہے اپنے ساتھ رکھنے کا مستحق نہین ہے[۵۲]

---

[۵۱] ہدایہ مین اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر زوجہ صغیرہ ہے جس سے تمتع نہین ہوسکتا تو اوسکے واسطے نفقہ نہین ہے کیونکہ متمتع ہونیکا مانع عورت مین ہے وجہ احتباس سے نفقہ واجب ہوتا ہے اوس سے ایسا احتباس مراد ہے جو نکاح کا مقصود حاصل ہونیکا وسیلہ ہو اور ایسا احتباس نہین پایا گیا - امام شافعیؒ کے نزدیک صغیرہ کا نفقہ واجب ہے کیونکہ اونکے نزدیک نفقہ شوہر کے ملک کا عوض ہے جیسے مملوکہ باندی کا نفقہ آقا پر واجب ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک کا عوض تو مہر ہے اور ایک ہی شے کے کئی عوض نہین ہوتے اس لئے صغیرہ عورت

مین ملک نکاح کا عوض صرف مہر ہے نفقہ اوسکا معاوضہ نہین ہے - [۵۲] بمقدمہ خدیجہ بی بی بنگال لار پورٹ جلد ۲ صفحہ ۵۵

خادمہ کو نفقہ وکپڑا دینا واجب ہے

اگر عورت کے ساتھہ اوسکی خادمہ بہی ہے اور مرد خوشحال ہے تو اوس خادمہ کا نفقہ بہی شوہر پر واجب ہوگا اور جب نفقہ واجب ہوا تو اوسکا لباس بہی واجب ہوگا۔

مکان دینا بہی واجب ہے

شوہر کو اپنی زوجہ کو ایسے مکان مین رکہنا واجب ہے جو مکان زوجہ وشوہر دونون کے اہل سے خالی ہو۔ لیکن اگر عورت ان لوگون کے ساتھہ رہنا پسند کرے تو ہو سکتا ہے اور مکان ایسا ہو جو شوہر کی استطاعت کے موافق ہو۔ درالمختار مین لکہا ہے کہ ایک قفل والی کوٹہری کافی ہے مگر بعض علماء کے نزدیک مرافق یعنی پاخانہ و باورچیخانہ بہی عورت کو علیحدہ دینا چاہیئے مگر صاحب ہدایہ نے مرافق کی قید نہین لگائی ہے۔

نفقہ

نفقہ کی تعداد معین کرنے مین زوجین کی حالت پر خیال کیا جائیگا۔ مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا لحاظ کیا جائیگا۔ جو حکم نفقہ کے لئے ہے وہی لباس کے لئے بہی ہے۔ شوہر کی حالت مین تبدیلی واقع ہونے سے نفقہ کی تعداد بہی قاضی تبدیل کریگا۔

اگر شوہر نے عورت کو پیشگی نفقہ دیا ہے مگر اوسکے خرچ ہونے سے پہلے دونون مین سے ایک مرگیا یا شوہر نے طلاق دی تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کو بقیہ غیر صرف شدہ واپس نہ ملیگا۔ یہی حکم لباس کے بارہ مین بہی ہے۔ مگر امام شافعیؒ و امام محمدؒ کے نزدیک بقیہ نفقہ ولباس شوہر کو واپس ملیگا۔ (ہدایہ)

افلاس کا اثر نفقہ پر۔

جو شخص افلاس کے باعث اپنی عورت کو نفقہ نہین دیسکتا تو اونمین جدائی نکیجائیگی بلکہ قاضی اوس عورت سے کہیگا کہ اپنے شوہر کے ذمہ قرض لے۔ مگر امام شافعیؒ و مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک اون دونون مین تفریق کرادیجائیگی۔ و نیز اوس صورت مین جب شوہر اوسے چہوڑکر چلا گیا ہے اور اوسکے نفقہ کا کچہہ انتظام نہ کرگیا۔

اگر شوہر صغیر ہے و عورت کبیرہ تو مرد پر نفقہ واجب ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر عورت کی جانب سے

کوئی امر مانع ہم بستری نہین ہی بلکہ وہ سبب مرد کی جانب سے ہے تو عورت مستحق نفقہ ہوگی مثلاً جب شوہر عنین یا مریض ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو چھوڑ کر غایب ہوگیا تو قاضی کو اختیار ہے کہ اوسکے نفقہ کا حکم اوس مال سے کرے جو شوہر نے کسی کے پاس امانت رکھا ہے یا کسی تجارت مین لگایا ہے۔

اگر عورت اپنے قرضہ کی علت مین قید کیگئی ہو تو شوہر پر اوسکا نفقہ واجب نہین ہی۔

نفقہء

فتاوی عالمگیری مین ہے۔ کہ جو عورت طلاق کی عدت مین ہو وہ نفقہ و مکان مسکونہ کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن خواہ عورت حاملہ ہو یا نہو۔ اصل یہ ہی کہ فرقت جب شوہر کیجانب سے ہے تو عورت کو نفقہ ملیگا و اگر عورت کیجانب سے ہو مگر حق کیوجہ سے ہو تو بھی نفقہ ملیگا و اگر بمعصیت ہو تو اوسکو نفقہ نہ ملیگا۔ و اگر عورت کے سوائے کسی غیر کی وجہ سے فرقت واقع ہوئی تو عورت کو نفقہ ملیگا۔ پس ملاعنہ عورت کو نفقہ و سکنی ملیگا۔ اور جو عورت بسبب خلع کے بائنہ ہوئی یا شوہر کے مرتد ہونیکی وجہ سے ..... تو وہ نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اسی طرح اگر عنین کی عورت نے فرقت اختیار کی تو وہ مستحق نفقہ ہے ..... نیز اگر صغیرہ نے بعد بلوغ کے فرقت اختیار کی یا بسبب غیر کفو ہونے کے بعد دخول فرقت واقع ہوئی تو وہ مستحق نفقہ ہے[۵۱] لیکن اگر عورت مرتدہ ہوگئی یا بدچلن ہوگئی ..... تو وہ مستحق نفقہ نہین ہے۔ الّا اوس صورت مین

---

[۵۱] بمقدمہ شاہ ابوالليث بنام الفت بی بی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۷۳ تجویز ہوئی کہ اگر حسب دفعہ ۴۸۸ یا ۴۹۰ ضابطہ فوجداری زوجہ نان و نفقہ کی درخواست کرے اور شوہر یہ کہے کہ اوس نے طلاق دیدی ہی اسلیے مستوجب ادائی نان و نفقہ نہین ہے تو مجسٹریٹ کو چاہیے کہ طلاق کی نسبت تحقیقات کرے اگر طلاق دینی ثابت ہو تو زمانہ عدت تک اگر منقضی نہوا ہو نان و نفقہ کا حکم دے اسمین مختلف ہائیکورٹون کی فیصلجات کا حوالہ دیا گیا ہے و بعض فیصلجات منسوخ کیے گئے ہین۔ نیز دیکھو بمعاملہ درخواست محمد ظہور ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۵

جب اوسکے ساتھ زبردستی مطاوعت کیگئی ہو اور اس صورت مین وہ مستحق سکنی بھی ہوگی
"اگر کسی عورت پر عدت واجب ہوئی پھر وہ اپنے قرض کی علت مین قید ہوگئی تو اوسکا
نفقہ عدت ساقط ہوجائیگا ۔ ۔ ۔ واگر معتدہ اپنی عدت کے مکان مین برابر نہین
رہتی تو وہ مستحق نفقہ نہین ہے۔"
"اگر عورت اپنے شوہر کی مکان سے سرکشی و نافرمانی کرکے چلی گئی پھر شوہر نے اوسے
طلاق دی تو عورت کو اختیار ہے کہ اپنے شوہر کے مکان مین واپس آکر عدت کا نفقہ لے"
"اگر معتدہ کی عدت کو طول ہوگیا اسوجہ سے کہ حیض بند ہوگیا تو اوسکو برابر نفقہ ملیگا
جبتک کہ وہ آئسہ ہوجائے اور اوسکی عدت مہینوں کے شمار سے نہ گذر جائے۔"

"جس طرح معتدہ نفقہ کی مستحق ہے ویسے ہی لباس کی مستحق ہے۔"
ہدایہ مین ہے کہ شوہر کے مرنے پر وفات کی عدت مین عورت نفقہ کی مستحق نہین ہے کیونکہ
اوسکا احتباس شوہر کے حق سے نہین ہے بلکہ شرعی حق ہے کیونکہ یہ روک شرعی عبادت ہے
لیکن سید امیر علی لکھتے ہین کہ قرآن پاک مین یہ حکم صاف ہے کہ "جب تم مین سے کوئی
بیویان چھوڑکر مرے تو اونکے لئے ایک سال کے نفقہ کی وصیت کرو۔" اس نص کی
بنا پر چند فقہار کا یہ قول ہے کہ بیوہ کو اپنے متوفی شوہر کے ترکہ مین ایک سال کا نفقہ
پانیکا استحقاق ہے اور یہ اوس حصہ کے علاوہ ہوگا جو اوسکو شوہر کی جائداد مین وراثتاً
ملیگا۔ وفات شوہر کی عدت کا شمار سنی مذہب مین روز وفات شوہر سے ہوتا ہے لیکن
شیعہ مذہب مین اوس روز سے جب وفات کی خبر زوجہ کو پہونچی۔
سنی مذہب مین اگر حاملہ عورت سے مفارقت کیگئی تو وضع حمل تک نفقہ دینا پڑیگا مگر
شیعہ مذہب مین وضع حمل کے بعد اوس مدت تک نفقہ واجب ہوگا جس زمانہ کے لئے
عورت کو نفقہ کا استحقاق اوس صورت مین ہوتا جب وہ حاملہ نہ ہوتی۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ

زمانہ گذشتہ نفقہ کسی واجب ہونا

اگر ایک مدت تک شوہر نے اپنی زوجہ کو نفقہ نہین دیا اور عورت نے اوس سے گذشتہ زمانہ کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو عورت کو کچھہ نہ ملیگا مگر دو صورتون مین - ایک صورت یہ ہے کو قاضی نے عورت کے لئے کوئی مقدار نفقہ کی مقرر کردی ہو - دوسرے یہ کہ زوجہ نے شوہر سے کوئی معین مقدار نفقہ کی مصالحت سے لینی منظور کی ہو تو اوسی مقدار سے قاضی زمانہ گذشتہ کے نفقہ کی بابتہ حکم دیگا - کیونکہ نفقہ تو گذارے کے لئے عطیہ ہے معاوضہ ملک نہین [۵۱] پس عطیہ کا واجب ہونا اوسوقت تک مستحکم نہین ہوتا تاوقتیکہ قاضی حکم ندے جیسے ہبہ کی صورت مین تاوقتیکہ قبضہ ندیا جاے موہوب لہ' کی ملک مستحکم نہین ہوتی - و صلح کرنا بمنزلہ حکم قاضی کے ہے [۵۲] -

# فصل دوم

سید امیر علی لکھتے ہین کہ شرع مین یہ حکم ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے ساتھہ رہنا چاہیئے اور جہان وہ لیجاے اوسکے ہمراہ جانا چاہیئے - اگر زوجہ بلا کسی معقول وجہ کی ساتھہ جانے سے انکار کرے تو عدالت سے ساتھہ رہنے پر مجبور کیجا سکتی ہے -

مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر زوجہ اپنے شوہر کے ساتھہ رہنے سے انکار نہین کرسکتی -

نمبر ۱ - وہ اپنے والدین کے ساتھہ رہنا پسند کرتی ہے -

نمبر ۲ - شوہر اوسکو اوسکے والدین سے فاصلہ بعید پر لیجانا چاہتا ہے -

---

[۵۱] دیکھو فٹ نوٹ نمبر ۱ صفحہ ۳۹ - [۵۲] مولوی ابو الفتح بنام زیب النسا خاتون کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۶۳۱ - محمد مسیح الدین خان بنام مسیح الدین ہائیکورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ یا خلاصہ نظائر جلد ۳ کالم ۳۶۹۹ -

نمبر ۳ - وہ اپنے شہر سے بہت دور نہین جانا چاہتی -
نمبر ۴ - جہان شوہر لیجانا چاہتا ہے وہان کی آب وہوا اوسکی صحت کے لئے مضر ہے -
نمبر ۵ - اوسکا اپنے شوہر سے نفرت ہی - لیکن اگر شوہر اوسکے ساتھہ ہمیشہ برا سلوک کرتا ہے اور اوس سے بیرحمی کے ساتھہ پیش آتا ہے یا اوسے عرصہ تک چھوڑ دیا تھا یا مکان سے نکالدیا تھا تو ان صورتون مین شوہر اپنی زوجہ کو اپنے ساتھہ رکھنے پر مجبور نہین کرسکتا ونہ عدالت ان صورتون مین اوسکی اعانت کریگی -

اگر یہ خوف نہو کہ شوہر اپنی بیوی سے بیرحمی کے ساتھہ پیش آئیگا یا اوسکو ضرر جسمانی پہونچائیگا تو عورت پر شرعاً واجب ہے کہ شوہر کے ساتھہ جہان وہ اوسے رکھنا چاہے رہے - لیکن نکاح کے وقت اگر شرط قرار پاگئی ہے کہ زوجہ بعد نکاح کے کسی خاص مقام پر رہیگی تو یہ شرط شرعاً صحیح ہے - مثلاً اگر یہ شرط ٹہیری ہے کہ عورت ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھہ رہیگی تو پہر شوہر اوسے اپنے مکان پر جانے کے لیے مجبور نہین کرسکتا اس قسم کی شرائط کابین نامہ مین مندرج ہونی چاہئین - صرف زبانی قرارداد غالباً قانون مین کافی نہوگا - لیکن اگر بعد مین یہ معلوم ہو کہ وہ مقام جو عورت کے رہنے کے لئے نکاح کے وقت قرار پایا تہا شریف عورت کے رہنے کے لئے مناسب جگہہ نہین ہے یا وہان رہنے سے کسی ضرر و نقصان کا احتمال ہے یا عورت کے والدین اچھے چال چلن کے آدمی نہین ہین تو عورت اوس جگہہ کے چھوڑنے پر مجبور کیجاسکتی ہے - ایک یوروپین مقنن نے لکھا ہے کہ اس امر مین شرع محمدی کے احکام دوسری قومون کے قانون کے بالکل مشابہ ہین - یعنی یہ کہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھہ رہے تاوقتیکہ اسکے خلاف کرنے کے لئے کوئی کافی وجہ نہ ہو - وجہ کا کافی ہونا یا نہ ہونا قاضی یا جج کی رائے پر موقوف ہی جو زوجین کی حالت اور انکے ملک کے رسم و رواج پر خیال کرکے حکم دیگا -

# فصل سوم - نفقۂ اولاد و ذوی الارحام

سید امیر علی لکھتے ہین کہ زمانہ جاہلیت مین والدین اپنی اولاد یا کسی اور قرابت دار کی پرورش اپنے اوپر واجب نہین خیال کرتے تھے بلکہ بخلاف اسکے اوس زمانہ کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کے قبل ولادت اولاد سے باپ کے فرائض مین کچھہ اضافہ نہین ہوتا تھا - اور بالخصوص لڑکی کا ہونا تو بدبختی کی علامت خیال کیجاتی تھی اور اکثر زندہ دفن کردیجاتی تھین تاکہ اوسکے بار سے والدین کا قبیلہ سبکدوش ہوجائے - لیکن پیغمبر خدا نے اس بیرحمی کے قاعدہ کی ملامت سخت الفاظ مین فرماکر باپ پر اولاد کی پرورش فرض ٹھہرادی - اسلیے شرع محمدی مین اولاد کی پرورش کرنی اور اون کو مناسب تعلیم دینی والدین پر فرض ہے - اور یہ فرض صرف باپ پر ہے - چنانچہ ہدایہ مین ہے کہ نابالغ اولاد کا نفقہ صرف اوسکے باپ پر واجب ہے اس مین باپ کے ساتھہ کوئی شریک نہ ہوگا جیسے اوسکی زوجہ کے نفقہ مین کوئی شریک نہین ہوتا - اولاد کا نفقہ باپ پر ہر حالت مین واجب ہے خواہ وے ایک ملت و مذہب کے نہ ہون - چنانچہ فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ کافر اپنے مسلمان صغیر ولد کے نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا اسی طرح مسلمان پر اپنے کافر فرزند کا نفقہ واجب ہے " ذیل کے مسائل فتاوی مذکور سے نقل کیے جاتے ہین -

مفلس آدمی کو قوت بازو سے کما کر بچہ کی پرورش کرنی لازم ہے بشرطیکہ وہ کسب معاش کرسکتا ہے - صغیر کی مان کو بمقابلہ اور اقارب کے اول صغیر کے نفقہ کا حکم دیا جائے گا مثلاً اگر باپ تنگدست ہے مگر مان و دادا دونون خوشحال ہین تو اول مان کو حکم دیا جائیگا کہ

اپنے مال سے صغیر کی پرورش کرے اور وہ نفقہ باپ پر قرض ہوگا واگر باپ اوس قرض کے ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اوس کے متروکہ سے وہ قرض ادا کیا جائیگا واگر تنگدست باپ کا بہائی مالدار ہے تو بہائی کو پرورش کرنیکا حکم دیا جائیگا اور جو کچھ خرچ ہوا ہے وہ اپنے تنگدست بہائی سے واپس لیگا۔

شیعہ مذہب

لیکن شیعہ مذہب مین اگر باپ مفلس ہے تو دادا پر صغیر کی پرورش لازم ہے بشرطیکہ وہ اسکی قدرت رکہتا ہو نہ کہ مان پر گو وہ خوشحال ہو۔ جامع الشتات۔

اولاد زرینہ

اولاد زرینہ جب ایسی عمر کو پہونچ جائین جب وہ کچہہ کما سکین تو باپ کو اختیار ہے کہ اونکو کہین نوکری یا اجرت پر لگا دین اور زر اجرت و تنخواہ سے اونکا نفقہ ادا کرین اور جو کچہہ بچ رہے وہ اولاد کے واسطے محفوظ رکہین جب تک اولاد بالغ نہ ہو۔ اگر باپ مسرف ہے۔ تو قاضی نابالغون کے مال کو اپنی حفاظت مین رکہیگا اور بعد بالغ ہونے کے اونکے سپرد کریگا۔

اولاد اناث

اناث یعنی لڑکیون کا نفقہ باپ پر اوسوقت تک واجب ہے جب تک اونکا نکاح نہ ہو جائے مگر باپ کو اولاد اناث کو کسی کام یا خدمت کے واسطے اجرت پر دینے کا اختیار نہین ہے۔

نرینہ اولاد بالغ کا نفقہ باپ پر واجب نہین ہے لیکن اوس صورت مین کہ لڑکا کسی سبب سے تحصیل معاش کرنے سے معذور ہے اگر معذور ہے تو اوسکی زوجہ کا نفقہ بہی باپ پر واجب ہے اسوجہ سے کہ یہ بہی کفایت صغیر مین داخل ہے۔

بعد دودہ چھوٹنے کے بچہ کا نفقہ بچہ کے مال سے ہوگا اگر بچہ کے پاس کچہہ مال ہو۔ . . . اگر بچہ کی ملکیت مین عقار و منقول ہو بچہ کے نفقہ کے لئے اونکے فروخت کرنے کی ضرورت ہے تو باپ کو اختیار ہے کہ اونکو فروخت کر کے بچہ کی پرورش مین صرف کرے [۵۱]

[۵۱] ہنومان پرشاد پانڈے بنام منراج کنوری ایپلیای ہند مولفہ مور صفحہ جلد ۶ صفحہ ۳۹۳ و کنہیا لال بنام منا بی بی الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۱۳۵ مین تجویز ہو کہ جب کوئی دائن نابالغ کی جائداد پر قرض دے تو اوسکو نابالغ کی ضرورت کی تحقیقات کرنی چاہیئے اور جب ضرورت کا اطمینان ہوجاوے تو خواہ روپیہ فی الواقع اوس ضرورت مین صرف ہوا ہو یا نہ اوسکو دائن

بچہ کو اجرت پر دودھ پلانا باپ پر اوس صورت مین واجب ہے جب بچہ کا کچھ مال نہ ہو واگر بچہ کے پاس کچھ مال ہے تو اوسی سے اجرت دیجائیگی۔

اگر باپ مرگیا مگر اوس نے مال وصغیر اولاد چھوڑا تو اولاد کا نفقہ اونکی میراث کے حصون مین سے ہوگا۔

والدین — ہدایہ مین ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ اپنے والدین واجداد وجدات کو نفقہ دے جب وہ محتاج ہون گو دین مین اوسکے مخالف ہون۔ والدین کے نفقہ مین اللہ تعالے کا یہ حکم ہے "وہ دنیا مین والدین کے ساتھہ تم اعتدال کے طور پر رہا کرو۔" اس آیت کا نزول ایسے والدین کے حق مین تھا جو کافر تھے لہ

ذی رحم — نفقہ ہر ذی رحم محرم کے لئے واجب ہوتا ہے جبکہ وہ صغیر ومحتاج ہو یا عورت بالغہ محتاج ہو یا مرد بالغ محتاج لُنجا یا اندہا ہو کیونکہ احسان کرنا قرابت قریبہ مین واجب ہوتا ہے وقرابت بعیدہ مین نہین اور جو قرابت دار کہ محرم ہین وے قریبی ہین ودیگر قرابت دار بعید ہین۔

شرط و — مگر قبل اسکے کہ کسی شخص پر نفقہ واجب کیا جائے یہہ شرط ہے کہ وہ شخص خوشحال ہو مگر

---

لہ دینی اختلاف کے ساتھہ اور کسیکا نفقہ واجب نہین ہوتا سوئی زوجہ ووالدین واجداد وجدات وفرزند وفرزند کے فرزند کے۔ زوجہ کا نفقہ جیسا اوپر بیان ہوا اسوجہ سے واجب ہوتا ہی کہ زوجہ بوجہ عقد صحیح کے اپنے شوہر کے مقصود کے واسطے احتباس اختیار کرتی ہے یعنی اوسکی قید مین رہنا منظور کرتی ہے اور اسمین دین کے معتقد ہونیکو کچھہ دخل نہین۔ اور اجداد وغیرہ کا نفقہ اس سبب سے لازم ہوتا ہے کہ ایک کا دوسرے کا جزو ہونا ثابت ہے اور ایک شخص کہ جسکے ساتھہ جزو ہونیکا رشتہ ہے وہ مثل اوسکی ذات کے ہے۔ پس انسان جب اپنا نفقہ بوجہ اپنے کفر کے نہین روکتا ایسے ہی اون اشخاص کا نفقہ بھی نہین روک سکتا جس کے ساتھہ اوسکو جزویت کا تعلق ہے اس لئے ان سب کا نفقہ واجب ہوگا بشرطیکہ وے محتاج ہون۔

خوشحال ہونیکی شرط زوجہ و اولاد صغیر کے نفقہ واجب کرنے کے واسطے نہیں۔
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خوشحالی کا معیار یہ ہے کہ وہ شخص مالک نصاب ہو یعنی اوس
شخص کی اصلی حاجت رفع کرنے کے بعد اوسکے پاس دو سو درم مالیت کا مال پس انداز ہو

شیعہ و شافعی و مالکی

شیعہ و شافعی و مالکی مذہب مین اولاد صغیر و والدین و زوجہ کے علاوہ دوسرے
قرابت دارون کا نفقہ کسی شخص پر واجب نہین ہے بلکہ صرف حکم اخلاقی ہے۔ لیکن
بعض علمائے شیعہ کے نزدیک مثل حنفیون کے اجداد و جدات کا نفقہ بہی لازم ہے۔
فتاوی عالمگیری مین لکہا ہے کہ اگر اولاد مین ذکور و اناث ہین اور دونون مالدار
ہین تو والدین کا نفقہ دونون فریق پر برابر ہوگا۔ لیکن بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ
جب دونون کی مالداری مین بہت زیادہ تفاوت ہے تو نفقہ کی تعداد جو ان دونون مین
مقرر کیجائیگی اوس مین بہی وہی تفاوت قایم رکہا جائیگا۔ کوئی مالدار شخص اپنی سوتیلی
مان کے نفقہ دینے پر مجبور نہ کیا جائیگا۔

مقدار نفقہ

ہدایہ مین ہے کہ نفقہ کا واجب ہونا میراث کی مقدار پر ہے اور وہ اوسقدر نفقہ کے
دینے پر مجبور کیا جائیگا۔ کیونکہ بقدر منافع کے آدمی تاوان اوٹہاتا ہے یعنی جسقدر
اوسے میراث ملیگی اوسی حساب سے بالفعل مورث کو نفقہ دے۔
والدین کے نفقہ دینے مین اولاد کے ساتہہ کوئی شریک نہ ہوگا کیونکہ اولاد کا مال
بدلیل حدیث والدین کا مال ہے۔ مثلاً اگر کسی مفلس شخص کا باپ و اولاد دونون مالدار ہین
تو اوسکا نفقہ اوسکی اولاد پر ہوگا گو دونون باعتبار قربت برابر ہین۔ لیکن چونکہ لڑکو نکا
مال باپ کا ہوتا ہے اس لئے لڑکون پر یہ حق مقدم ہے۔ اسی طرح اگر شخص مفلس کی دختر
کی دختر یا دختر کا لڑکا و حقیقی بہائی مالدار ہون تو اوسکا نفقہ اوسکی اولاد پر واجب ہوگا
خواہ لڑکی ہو یا لڑکا گو میراث کا مستحق بہائی ہے نہ دختر کی اولاد لیکن اگر مفلس شخص کی

مان و دادا یا دادا و پوتا مالدار ہین تو اوسکا نفقہ ان دونون پر بقدر حصہ میراث کے واجب ہوگا یعنی اول الذکر صورت مین ایک ثلث مان پر و دو ثلث دادا پر و صورت ثانی مین چہٹا حصہ دادا پر و بقیہ پوتا پر اگر کسی شخص کا حقیقی ماموں و حقیقی چچا کا لڑکا ہو تو نفقہ ماموں پر واجب ہوگا گو میراث چچازاد بہائی کو ملیگی کیونکہ نفقہ اوس شخص پر واجب ہوتا ہے جو ذی رحم محرم اہل میراث سے ہو۔ اگر ذی رحم غیر محرم مثل اولاد چچا کے ہو یا محرم ہو مگر ذی رحم نہ ہو جیسے رضاعی بہائی یا ذی رحم محرم ہو مگر محرم ہونا بوجہ قرابت نہ ہو جیسے چچا کی اولاد بوجہ رضاعت کے محرم ہو گئی تو ان سب صورتون پر نفقہ واجب نہ ہوگا۔ ۵۱

اگر باپ و اوسکی صغیر اولاد محتاج ہے اور بڑا لڑکا مالدار ہے تو بڑا لڑکا اپنے باپ و اوسکے صغیر اولاد کے نفقہ دینے پر مجبور کیا جائیگا۔

اگر لڑکا والدین مین سے صرف ایک کو نفقہ دے سکتا ہے تو مان اوس نفقہ کی زیادہ مستحق ہے۔ و اگر کوئی شخص اپنے باپ و اوسکے صغیر لڑکے مین سے صرف ایک کو نفقہ دے سکتا ہے تو صغیر لڑکے کو وہ نفقہ ملیگا۔ و اگر لڑکا والدین مین سے کسی کو نفقہ نہین دے سکتا تو جو کچھ وہ کہائیگا اوسی مین سے اوسکے والدین بہی کہائینگے۔ ۵۲

اگر قاضی کے حکم سے یا صلح سے نفقہ کی کوئی تعداد مقرر ہو گئی ہے مگر بعد کو فریقین کی حالت مین تبدیلی ہو گئی ہے تو اس تبدیل حالت پر لحاظ کر کے نفقہ کی تعداد از سر نو مقرر ہو سکتی ہے اور قاضی اپنے حکم مین ترمیم کر سکتا ہے۔ ۵۳

---

۵۱ مثلاً کے بعد کی عبارت فتاوی عالمگیری سے نقل ہوئی ہے۔

۵۲ فتاوی عالمگیری۔ ۵۳ سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۳۷۷۔

# باب سوم

## فصل اول مہر

تعریف مہر

سید امیر علی لکھتے ہین کہ شرع مین صحت نکاح کے لیے عورت کو کچھہ معاوضہ دینا ضرور ہے۔ اس معاوضہ کو مہر کہتے ہین۔ مہر کا قاعدہ صرف شرع محمدی ہی مین نہین ہے بلکہ ایک یوروپین متقدر خیال ہے کہ زمانہ قدیم سے شوہر ہمیشہ اپنی زوجہ کو ذاتی صرف کے لیے کچھہ دیا کرتا تھا تاکہ اگر وہ اسے طلاق دیدے تو عورت بالکل محتاج نہو جائے۔ اسی قدیم رواج پر مہر کا اصول مبنی ہے۔

یہودی و اسلامی شرع کا اختلاف۔

یہودیون کی شرع مین مہر کی تعداد قبل نکاح کے نامزد ہونی ضرور تہی۔ اور نکاح بلا بدل فاسد خیال کیا جاتا تھا۔ یہودیون مین جو تعداد عورتون کے لیے معین کیجاتی تہی وہ انکو اپنے ذاتی صرف کے لیے کبھی نہین دیجاتی تہی۔ عورتون کو صرف اوسی صورت مین وہ شے دیجاتی تہی جب اونکا نکاح شوہر کی وفات یا طلاق سے فسخ ہوجاتا تھا اور پہر اونہین اختیار تھا جسطرح چاہین اوسے صرف کرین۔ بخلاف اسکے شرع محمدی مین اگر مہر کا تسمیہ نہ ہو تو نکاح فاسد نہین ہوتا بلکہ جب مہر کی تعداد معین نکی گئی ہو تو مہر مثل کا دینا شرعاً واجب ہوگا۔ اور عورت کو مہر کے یا لخصوص مہر معجل کے وصول کرنیکا فوراً حق ہوجاتا ہے۔

مذہب حنفی

ہدایہ مین لکھا ہے کہ اگر وقت نکاح کے مہر کا کچھہ ذکر نہ آئے تاہم نکاح صحیح ہوتا ہے کیونکہ مہر شرعاً واجب ہے بغرض اظہار شرافت زوجہ کے تو نکاح جائز ہونے کے لیے اس واجب کا ذکر کرنا ضرور نہین ہے۔ فتاوی قاضی خان مین لکھا ہے کہ نکاح کے لیے مہر کا ہونا ایسا ضروری ہے کہ اگر عقد کے وقت اسکا ذکر بہی نہ آئے تاہم صرف عقد نکاح سے اسکے وجود کا قیاس کیا جائیگا۔ ہدایہ مین ہے کہ نکاح کے وقت اگر کسینے یہ شرط بہی کی کہ یہ عقد بلا مہر کے ہے تاہم مہر دینا ہوگا کیونکہ یہ واجب ہے

اور نفی کی شرط سے وہ کالعدم نہین ہوسکتا۔

مذہب شیعہ مذہب مین بہی مہر کا ذکر کرنا صحت نکاح کے لیے ضروری نہین ہے بلکہ مثل اہل سنت وجماعت کے اگر مہر کا کچہہ ذکر بہی نہ اے یا یہ شرط کی گئی ہو کہ عقد بلا مہر ہے تاہم نکاح صحیح ہوگا اور مہر مثل دینا ہوگا۔ سید امیر علی۔

مذہب وشافعی لیکن امام مالکؒ کے نزدیک کوئی نکاح بلا مہر کے جائز نہین ہے۔ و امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی مہر عقد نکاح کے وقت طے نہین ہوا تو عورت کو مہر نہ ملیگا۔

# فصل دوم۔ مہر مثل و جو چیز مہر ہوسکتی ہے

فتاوے عالمگیری مین ہے کہ ہر ایسی چیز جو مال متقوم یعنی قیمتی مال ہے مہر ہوسکتا ہے و منافع بہی مہر ہوسکتا ہے۔

اگر کسی نے اعیان مال کے ایک مدت معینہ کے منافع پر نکاح کیا تو تسمیہ صحیح ہے مثلاً مکان سکونت کے لیے و زراعت کی زمین ایک مدت معینہ کے لیے دیا۔

اگر کسی مرد نے جسکا کچہہ قرض عورت کے ذمہ ہو اس مہر پر نکاح کیا کہ عورت کو قرض ادا کرنیکی مہلت دیگا تو نکاح جائز ہوگا مگر مہر مثل دینا واجب ہوگا۔ اسی طرح اوس صورت مین بہی مہر مثل دینا ہوگا جب عقد مین ایسی چیز مہر بیان کی گئی جو فی الحال معدوم ہے یا جو فی الحال کوئی قیمت نہین رکہتی۔ مثلاً یہ کہا کہ جو پہل اس سال درختون پر آئے یا جو بچہ بکری کے شکم مین ہے۔

ہدایہ مین ہے کہ اگر کسی آزاد شخص نے عورت کا یہ مہر قرار دیا کہ وہ ایک سال تک عورت کی خدمت کریگا یا اوسکو قرآن شریف کی تعلیم دیگا تو نکاح صحیح ہوگا مگر مرد کو مہر المثل دینا ہوگا۔ کیونکہ خدمت کرنی و تعلیم دینی بمنزلہ مال کے نہین ہے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونون باتین بمنزلہ مال کے ہین۔

لیکن اگر کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ ایک سال تک اوس عورت کی خدمت کریگا تو یہ خدمت بالاجماع بمنزلہ مال کے متصور ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا۔

مذہب شیعہ

سید امیر علی لکھتے ہین کہ مثل شافعی مذہب کے مذہب شیعہ مین بھی ایک آزاد شخص کی خدمت مہر ہوسکتا ہے۔ زوجہ کو مذہب یا کسی ہنر و حرفہ کی تعلیم دینے یا حج کرانا یہ سب مہر ہوسکتا ہے ونیز ایسا مال یا منافع جو فی الحال معدوم ہے مہر ہوسکتا ہے۔

فتاوے عالمگیری مین ہے کہ کم سے کم مقدار مہر کی دس درم ہے سلہ خواہ سکہ ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ دس درم وزن کی خالی چاندی پر مہر جائز ہے چاہے وہ قیمت مین دس درم سے کم ہو اور سوائے درم کے جو چیز ہے وہ عقد کے وقت کی قیمت کے حساب سے دس درم کی قائمقام کیجائیگی۔ مثلاً اگر کپڑے یا کسی اور شے کے عوض نکاح ہوا اور اوس چیز کی قیمت وقت نکاح کے دس درم ہے تو نکاح صحیح ہے۔ اگر تسمیہ صحیح ہے تو مہر مسمی واجب ہوگا و اگر مہر مسمی دس درم سے کم ہو تو دس پورے کردیے جائینگے۔ و اگر تسمیہ فاسد یا متنزلزل ہو تو مہر مثل واجب ہوگا تسمیہ فاسد کی مثال یہ ہے کہ حلال و حرام احکام کی تعمیل یا حج و عمرہ وغیرہ عبادات کو مہر قرار دیا مثلاً اگر مہر یہ قرار پایا کہ شوہر اپنی زوجہ کو شہر سے باہر نہ لیجائیگا یا دوسری عورت سے نکاح نکریگا تو یہ تسمیہ صحیح نہین ہے کیونکہ یہ شرائط مال نہین ہین۔

امام مالکؒ کے نزدیک کم سے کم مقدار مہر کی تین درم ہے۔ سید امیر علی لکھتے ہین کہ ایام جاہلیت مین شوہر اپنی زوجہ کو علاوہ بھیڑ و بکریون کے تین درم مہر دیا کرتے تھے مگر زمانہ دراز سے اس کم مقدار پر کچھ توجہ نہین کیجاتی بلکہ شوہر و زوجہ کے خاندانی و دیگر حالات کے لحاظ سے مہر معین کیا جاتا ہے۔

مذہب شیعہ

شیعہ مذہب مین مہر کی کوئی مقدار معین نہین ہے۔ اوسکی مقدار متعاقدین کی خواہش پر

---

سلہ ایک درم تین روپیہ آٹھ آنہ کا ہوتا ہے۔

موقوف ہے چاہے وہ زیادہ مقرر کرین یا کم۔

مہر مثل

ہدایہ مین ہے کہ کسی عورت کا مہر مثل وہ مہر ہوتا ہے جو اوسکی بہنون و پھوپھیون و اوسکی چچازاد بہنون کا مہر ہو۔ یعنی ایسی عورتون کا جو اوس عورت کے باپ کی قوم کی جنس سے ہو ماں یا خالہ کا مہر مہر مثل نہ ہوگا۔ و مہر مثل مین دو عورتون کی عمر و جمال و مال و عقل و دین و شہر و زمانہ کے مساوات پر بھی خیال رکھینگے کیونکہ ان اوصاف مین اختلاف ہونے سے مہر مثل بھی بدل جاتا ہے فتاوی عالمگیری مین ہے کہ مشائخ نے فرمایا کہ شوہر کا بھی اعتبار کیا جائیگا کہ اوسکا شوہر مال و حسب مین ویسا ہی ہے جیسا اسکے مثل عورتون کے شوہر مال و حسب مین ہین۔

سید امیر علی بحوالہ ردالمختار لکھتے ہین "اس لیے مہر المثل کی تعداد عورت کے خاندانی اعزاز و اسکے شوہر کے تمول و خود اوسکی عمر و جمال و اوس وقت کی سوسائٹی کی حالات کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ کوئی ایسا قاعدہ نہین قرار دیا جاسکتا جو ہر حالت سے متعلق ہو اسلئے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر مہر معین نہ ہو تو مہر مثل دینا واجب ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ عورت کے خاندانی مہر کے خیال سے مہر مثل کا تخمینہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ عورت حسن و جمال و عقل وغیرہ مین اپنے خاندان کی دوسری عورتون کے قریب قریب ہو"

مذہب شیعہ

"شیعہ مذہب مین بھی مہر مثل کی بابت یہی قاعدہ ہے۔ تحریر الاحکام و جامع الشتات مین اسکے متعلق یہ لکھا ہے کہ چونکہ مختلف مقامات مین مہر کی بابت مختلف رواج ہے اس لیے مہر مثل کے تعین کرنے مین مقامی رواج اور اوس مقام کی دوسری عورتون کے مہر کی تعداد پر لحاظ کیا جائیگا جو علم و عقل و دولت و حسب وغیرہ مین اوس عورت کے برابر ہین"

"شیعہ مذہب مین مہر تین قسم کا ہوتا ہے۔ اول۔ مہر سنت یعنی جو رسولؐ خدا نے اپنی بیوی کا قرار دیا جسکی تعداد پانسو درم ہے۔ دوم۔ مہر مثل۔ سوم۔ مہر مسمی یعنی جو متعاقدین مین طے پایا ہے"

مقدمہ نجم الدین احمد بنام حسینی ۵۱ کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ تجویز کی کہ مہر مثل کے ثبوت میں زیادہ تر یہ دکھلانا چاہیئے کہ زوجہ کی اہل خاندان عورتون کو کیا مہر ملا کرتا ہے نہ یہ کہ شوہر کے اہل خاندان مرد کسقدر مہر اپنی عورتون کو دیتے ہین چونکہ شرع مین مہر نکاح کا بدل ہے اس سیلئے عورت کی شرافت واوسکے ذاتی اوصاف پر خیال کیا جائیگا بالخصوص اس وجہ سے کہ مسلمان اکثر نکاح مین مساوا کا خیال نہین رکھتے۔ لیکن مہر مثل کی تعداد معین کرنے مین شوہر کا تمول واعزاز بالکل نظر انداز نہین کیا جا سکتا۔

امام مالکؒ کے نزدیک کُل مہر قبل ہمبستری کے ادا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر اون تمام ملکون مین عمل ہے جہان مذہب مالکی رائج ہے۔

مہر معجل و موجل

قرآن مجید یا حدیث مین صاف طور پر یہ حکم نہین ہے کہ مہر کا کسقدر حصہ ہمبستری کے قبل ادا کرنا چاہیے اس لیے مذہب حنفی مین مہر کا ایک جزو معجل و بقیہ موجل خیال کیا جاتا ہے مہر معجل ہر وقت جب اوسکا مطالبہ کیا جائے واجب الادا ہے اور مہر موجل بعد فسخ نکاح کے واجب الادا ہوتا ہے خواہ فسخ نکاح مرد کی طلاق سے ہو یا زن وشو مین کسی کے مرنے سے۔

صدر دیوانی آگرہ نے ایک مقدمہ مین تجویز کی جب نکاح کے وقت مہر کا کوئی حصہ معجل نہین قرار پایا تو ایک ثلث مہر معجل متصور ہوگا و بقیہ دو ثلث موجل لیکن اوس مقدمہ کی رپورٹ سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ فریقین مقدمہ اہل سنت وجماعت تھے یا شیعہ۔

مذہب شیعہ

جب مہر کے ادا کرنیکا کوئی وقت معین نکیا گیا ہو دنہ یہ صراحت کی گئی ہو کہ کسقدر حصہ موجل ہے وکسقدر معجل تو شیعہ مذہب مین کُل مہر معجل متصور ہوگا۔ ۵۲

---

۵۱ ویکلی رپورٹر جلد ۴ صفحہ ۱۱۰۔

۵۲ جامع الشتات۔ دیکھو مرزا سید ارجمند محمد علی بہادر بنام مرزا خرم بخت یحییٰ علیخان بہادر سدرلینڈ صاحب کا پریوی کونسل جرنل جلد ۱ صفحہ ۸۲۳ و ویکلی رپورٹر جلد ۱۹ صفحہ ۳۱۵ (پریوی کونسل)

مذہب

فتاوی عالمگیری مین ہے اگر گواہون نے مہر معجل کی مقدار بیان کی تو اوسیقدر معجل قرار دیا جائیگا واگر کچھہ بیان نہ کیا تو عقد کے مہر مذکور کو دیکھا جائیگا کہ ایسی عورت کیواسطے اس مہر مین سے کسقدر معجل ہوتا ہے پس جو رائے قرار پائے وہی معجل قرار دیا جائیگا اور چہارم حصہ یا پنجم حصہ کی کوئی تقدیم نہ ہوگی بلکہ عرف و رواج پر نظر رکھی جائیگی - واگر اولیاء عورت نے عقد مین پورے مہر کا معجل ہونا شرط کر لیا ہے تو پورا مہر معجل قرار دیا جائیگا و عرف و رواج ترک کیا جائیگا - فتاوی قاضی خان رد المختار مین بھی ایسے ہی ہے -

سید امیر علی بحوالہ رد المختار لکھتے ہین کہ اگر متعاقدین مین یہ شرط قرار پائی ہے کہ کل مہر زوجین مین سے کسی ایک کے مرنے پر واجب الادا ہوگا اور شوہر مر گیا تو عدت کے گذرنے پر کل مہر واجب الادا ہوگا - شرعاً یہ شرط صحیح ہے کہ شوہر جو کچھہ فوراً ادا کر سکتا ہے ادا کر دے و لبقیہ ایک سال کے اندر ادا کر دے -

صدر دیوانی آگرہ کا فیصلہ الہ آباد ہائیکورٹ نے بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین [۵۱] تو فیق النسا بنام غلام قمبر [۵۲] قریب قریب منسوخ کر دیا - اور فتاوی قاضی خان کے مسئلہ پر عمل کیا -

اول الذکر مقدمہ مین مظہر حسین نے اعادہ حق زناشوی کا دعوی کیا - مبلغ پانچہزار روپیہ وقت نکاح کے مدعا علیہا کا مہر قرار پایا تہا - مگر یہ صراحت نہین ہوئی تہی کہ کسقدر معجل ہوگا و کسقدر موجل - مدعا علیہا نے یہ جوابدہی کی کہ مدعی مستحق ڈگری کا نہین ہے تاوقتیکہ وہ مہر معجل نہ ادا کرے - تجویز ہوئی کہ در حالیکہ یہ شرط نہین کی گئی تہی کہ کل مہر موجل ہوگا اس لیے اوسکا ایک جزو معجل متصور ہوگا اور اوسکی مقدار کا تعین رواج کی بنا پر کیا جائیگا - اور جب کوئی رواج نہ ثابت ہو تو عورت کے حالات و تعداد مہر کے لحاظ سے عدالت مہر معجل کا تعین کرے گی - اس مقدمہ خاص مین چونکہ مدعا علیہا قبل نکاح کے مدعی سے ناجائز تعلق رکھتی تہی اس لیے عدالت ماتحت نے صحیح طور پر مہر کا پانچوان حصہ معجل

---

[۵۱] الہ آباد جلد ا صفحہ ۴۸۳ - [۵۲] الہ آباد جلد ا صفحہ ۵۰۶ و نیز دیکھو فاطمہ بی بی بنام صدر الدین بمبئی ہائیکورٹ رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۱۴

قرار دیا یہی اصول مقدمہ ثانی مین صحیح قرار پایا۔ لیکن اسکے بعد ایک مقدمہ مین الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ تجویز کی کہ اگر عقد کے وقت یہ صراحت نکی گی ہو کہ مہر معجل ہے یا موجل تو کُل مہر معجل متصو ہوگا۔ ۵۱

مہر تفویض و مہر تحکیم

اگر عقد کے وقت مہر قرار نہ پایا لیکن لعبہ متعاقدین نے اوسکی تعداد آپس مین طے کر لی تو اوسے مہر تفویض کہتے ہین اور جب ثالث یا عدالت نے تعداد مہر کا تصفیہ کیا تو اوسے مہر تحکیم کہینگے۔

مہر کب متاکد ہوتا ہے

فتادی عالمگیری مین ہے کہ ”منجملہ تین باتون کے ایک کے پائے جانے سے مہر متاکد ہوتا ہے اول جماع۔ دوم خلوت صحیحہ۔ سوم شوہر و عورت مین سے کسیکا مرنا۔ خواہ مہر مسمی ہو یا مہر مثل اور اوس مین سے کچھ ساقط نہ ہوگا“ خواہ شوہر نے اپنی حیثیت سے بہت زیادہ مہر مقرر کیا ہو۔ ۵۲

جب مہر متاکد ہوگیا تو پہر ساقط نہ ہوگا اگرچہ جدائی کا سبب عورت کی جانب سے پیدا ہو مثلاً عورت مرتد ہو جائے اور بعض کے نزدیک ایسی حالت مین تمام مہر ساقط ہو جائیگا (محیط) مگر اسمین کچھ اختلاف نہین ہے کہ زوجہ و شوہر مین سے اگر کوئی قبل جماع کے مرگیا یا قتل کیا گیا خواہ آپسمین ایک نے دوسرے کو قتل کیا یا مرد نے خود اپنے آپ کو قتل کیا یا عورت نے اپنے کو قتل کیا تو

---

۵۱ عنایت حسین بنام محمد حسین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۵۳۔ اس مقدمہ کے دنیز مقدمہ مرزا بیدار بخت محمد علی بہادر بنام مرزا خرم بخت یحیی علیخان بہادر منفصلہ پریوی کونسل کی رپورٹ سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ ان مقدمات کے فریقین شیعہ تہے یا سنی۔ اگر شیعہ تہے تو فیصلہ صحیح ہے۔ واگر سنی تہے تو غالباً صحیح نہین ہے کیونکہ سنی مذہب کی مستند کتابون سے جسکا ذکر اوپر ہوا ہے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے دنیز دیکھو مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۹۔

۵۲ صغیرہ بی بی بنام مقصود بی بی الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۵۰۳۔ و کلکٹر مراد آباد بنام ہربنس سنگہ الہ آباد جلد ۲۱ صفحہ ۱۷ اس مقدمہ مین حکام ہائیکورٹ نے افسوس کے ساتہہ یہ کہا کہ چونکہ ممالک مغربی و شمالی مین مثل اودہ کی عدالت کو بموجب دفعہ ۵۔ ایکٹ نمبر ۱۸ سنہ ۱۸۷۶ء یہ اختیار نہین دیاگیا ہے کہ شوہر و عورت کی حیثیت پر لحاظ کرکے معقول تعداد مہر کی دلائے اسلیے عدالت کو مجبوراً اوس تعداد کی ڈگری دینی ہوگی جو وقت نکاح کے طے پائی ہے۔ خواہ وہ بہت زیادہ کیون نہو پنجاب مین بہی مثل اودہ کے عدالت کو اختیار ہے کہ مہر کی تعداد بلحاظ حالات زوجین کے کم کردے۔ ملکہ دو عالم نواب تاجدار بہو بنام جہان قدر واجد علی شاہ ... ہندمور صاحب جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ و سلیمان قدر بنام مہدی بیگم ثریا بہو کلکتہ جلد ۲۱۔ صفحہ ۱۳۵۔

مہر کچھہ ساقط نہ ہوگا - لیکن مذہب شافعی وشیعہ مین خلوت صحیحہ سے کُل مہر متاکد نہین ہوتا - منجملہ وجوہات مذکورہ بالا کے صرف اول وتیسری وجہ سے مہر متاکد ہوگا -

حنفی مذہب مین اگر قبل جماع یا خلوت صحیحہ کے شوہر وزوجہ مین جدائی ہوگئی تو عورت کو مہر مسمی کا نصف ملیگا لیکن اگر کوئی مہر مسمی نہ کیا ہو تو عورت کو صرف متعہ ملیگا - چنانچہ درالمختار مین لکھا ہے کہ متعہ واجب ہے مفوضہ [۵۱] کے واسطے جسکو قبل جماع کی طلاق دی گئی ہو -

متعہ مذہب

متعہ سے مراد تین کپڑے ہین ایک کرتی دوسری اوڑھنی یا دوپٹہ تیسری چادر جو سر سے قدم تک ہو - اگر شوہر مالدار ہے تو ان تینون کپڑون کی قیمت مہر مثل کی نصف سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہ محتاج ہے تو پانچ درم سے ان کپڑون کی قیمت کم نہ ہو - زوجین کی حالت پر خیال کر کے متعہ دیا جائیگا جیسا نفقہ دینے مین اونکی حالت پر لحاظ کیا جاتا ہے - وفتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر فرقت عورت کی طرف سے ہو تو متعہ واجب نہ ہوگا - مثلاً عورت اسلام سے منکر ہوگئی یا بخیار بلوغ اوس نے الگ ہونا پسند کیا یا غیر کفو ہونیکی وجہ سے جدائی اختیار کی - مہر تفویض ومہر تحکیم کا حکم مثل مہر مسمی کے نہین ہے اسلیے ان صورتون مین بھی عورت کو صرف متعہ ملیگا اگر قبل وطی یا خلوت صحیحہ کے اوس سے تفریق ہوگئی - لیکن مذہب شیعہ مین مہر تفویض ومہر تحکیم کا حکم مثل مہر مسمی کے ہے یعنی عورت کو نصف مہر ملیگا اگر اوس سے قبل وطی کے جدائی کی گئی - [۵۲]

و دوسری باتون مین شیعہ مذہب کے مسائل قریب قریب وہی ہین جو مذہب حنفی کے ہین -

شافعی

مذہب شافعی مین اگر عورت سے جدائی کی گئی تو ہر حالت مین اوسکو متعہ دینا واجب ہے -

مہر کا ہبہ

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنا مہر شوہر کو ہبہ کردے اور عورت کے اولیاء مین سے خواہ باپ ہو یا کوئی اور کسی کو عورت پر اعتراض کرنیکا حق نہین ہے - اور باپ کو یہ اختیار نہین ہے کہ اپنی دختر کا مہر ہبہ کردے . . . . اگر میت کی جورو نے وارثان میت کو اپنا مہر

[۵۱] مفوضہ اوس عورت کو کہتے ہین جسکا نکاح بغیر کسی مہر کے ہوا ہو - [۵۲] جامع الشتات وارشاد العلامہ -

ہبہ کردیا تو بھی جائز ہے۔ اگر عورت نے کسی شرط پر اپنا مہر ہبہ کیا پس اگر شرط پائی گئی تو جائز ہے واگر شرط نہ پائی گئی تو مہر جیسا تھا ویسا ہی عود کریگا۔ سید امیر علی لکھتے ہین کہ صحت ہبہ کے لیے یہ شرط ہے کہ عورت تندرست واپنے ہوش وحواس مین ہو۔ مگر ہندوستان مین عورتین اکثر مرنیکے وقت اپنا مہر بخش دیتی ہین۔ لیکن اس ابراء کی صحت بہت مشتبہ ہے۔

عورت اپنا مہر اجنبی شخص کو بھی ہبہ کر سکتی ہے۔ واگر عورت نے شوہر کے سوائے کسی اجنبی کو اپنا مہر ہبہ کیا اور اوسکو وصول کرنے پر مسلط کردیا اور اوس نے وصول کر لیا پھر شوہر نے قبل دخول کے عورت کو طلاق دی تو نصف مہر عورت سے واپس لیگا۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ مہر شوہر پر قرض ہے۔ ومثل دیگر قرضہ جات کے وہ وصیت ومیراث پر مقدم ہے تاوقتیکہ دین مہر نہ ادا کیا جائے شوہر کی تعیت تقسیم نہین ہو سکتی۔

اگر زوجہ حیات ہے تو وہ خود شوہر کی جائداد سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے اور اوسکے مرنیکے بعد اوسکے ورثاء کو وصول کرنیکا حق ہے۔

بیوہ کا حق کفالت بعوض مہر

شرع مین کفالت بدون قبضہ کے نہین ہوتی اس لیئے زوجہ کو اپنے متوفی شوہر کے متروکہ کے کسی خاص جزو سے مثل مرتہن کے اپنا مہر وصول کرنیکا حق نہین ہے یعنی جیسے مرتہن اپنا زر رہن جائداد مرہونہ سے وصول کر سکتا ہے گو اوسکو کسی شخص نے نیک نیتی سے بمعاوضہ خرید بھی لیا ہو ویسا بیوہ نہین کر سکتی زوجہ کا مہر صرف سادہ قرضہ ہے جو شوہر متوفی کی وصیت یا اوسکے ورثاء کے حق سے مقدم ہے۔ [۵۱] لیکن جب بعوض مہر کے زوجہ اپنے شوہر کی جائداد پر جائز

---

[۵۱] وحید النساء بنام شبراتن بنگال لاء رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۵۴۔ لیکن اگر وہ اپنے مہر کا مطالبہ نکرے اور موصی لہ کو موصی بہ کے لینے سے رضامندی ظاہر کرے تو پھر وہ اپنی رضامندی کو فسخ نہین کر سکتی۔ رضا حسین بنام عفت النساء ویکلی رپورٹر جلد ۲۴ صفحہ ۵۶۔ نیز دیکھو مہر علی بنام آمنہ بنگال لاء رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ وخیراتن بنام آمنہ ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۲ وخیراتن بنام کیسرن بنگال لاء رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۶۰ (نوٹ) یا ویکلی رپورٹر جلد ۱۴ صفحہ ۴۹۔

طور پر قابض ہے تو وہ اوسپر قبضہ رکھنے کی اوسوقت تک مستحق ہے جب تک اوسکا مہر نہ ادا
ہو جائے لیکن اوسکو ورثاء شوہر کو منافع کا حساب دینا ہوگا۔ ۵۱ گو مہر کی تعداد غیر متحقق بھی ہو
تاہم جب تک بیوہ کا کل مہر نہ ادا ہو جائے اوسوقت تک جائداد مقبوضہ پر اوسکو حق کفالت
حاصل ہے ۵۲ جب بیوہ جائز طور پر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہے تو اوسکی حیثیت مثل مرتہن
کے ہے اور تاوقتیکہ اوسکا کل مہر نہ ادا ہو جاوے وہ جائداد سے بیدخل نہین ہوسکتی۔ اور بیوہ کے
مرنیکے بعد اوسکے ورثاء اوسپر قابض ہونیکے مستحق ہین واگر وے بیدخل کیے جایئن تو وہ مداخلت
کا دعوی کر سکتے ہین۔ ۵۳ اور اوسکی یعنی بیوہ کی مقابضت کی نسبت یہ عذر لغو ہے کہ ابتدائً بیوہ
نے برضامندی دیگر ورثاء کے قبضہ نہین حاصل کیا ۵۴ لیکن اگر بیوہ جائز طور پر یعنی باجازت اپنے
شوہر کے اوسکی حیات مین یا اوسکے مرنیکے بعد اوسکے ورثاء کی اجازت سے قابض نہین ہے تو
اوسکو حق کفالت حاصل نہ ہوگا۔ ۵۵ لیکن جب بیوہ اپنے متوفی شوہر کی جائداد پر قابض ہے
اور اوسکا قبضہ کچھ عرصہ سے ہے اور اوسکا مہر ثابت ہے تو بار ثبوت اس امر کا کہ اوسکا قبضہ جائز نہین ہے اوس فریق
پر ہے جو اوسے بیدخل کرنا چاہتے ہین یا جائداد کو تقسیم کرانا چاہتے ہین ۵۶ گو عورت اپنا مہر متروکہ شوہری
سے وصول کر سکتی ہے مگر اوسکو یہ حق نہین ہے کہ بلا اجازت ورثاء کے ترکہ پر قابض ہو جائے
بلکہ اوسکو صرف یہ حق ہے کہ مہر کا دعوی وارثون پر کرے ۵۷ اگر بیوہ بعوض اپنے مہر کے جائداد شوہری

---

۵۱ بیچن بنام حامد حسین بنگال لا رپورٹ جلد ۱ پریوی کونسل صفحہ ۴۵ وایلیہائی ہند مولفہ مورصاحب جلد ۴ صفحہ ۲۷
۵۲ احمد حسین بنام مساۃ خدیجہ بنگال لا رپورٹ جلد ۱۴ صفحہ ۲۸ یا ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۹۔ ۵۳ عزیز اللہ خان بنام
احمد علیخان الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۳۵۳۔ ۵۴ امانی بیگم بنام محمد کریم اللہ خان ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۵ء صفحہ ۵۲۔ والہ آباد
جلد ۱۶ صفحہ ۲۲۵ جسمین چند فیصلون کا حوالہ دیا گیا ہے ۵۵ امانت النسا بنام بشیر النسا ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۴ء صفحہ
یا الہ آباد جلد ۱۷ صفحہ ۷۰۔ بحوالہ چند فیصلجات ۵۶ محمد کریم اللہ خان بنام امانی بیگم ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۵ء صفحہ ۱۶۔
والہ آباد جلد ۱۷ صفحہ ۹۳۔ ۵۷ سلامت بنام مولا بخش ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۹۴ دمیرن بنام تحسین اگرہ جلد ۲ صفحہ ۳۳

پر قابض ہے تو اوسکی بیدخلی کی نالش نہین ہوسکتی اگر یہ نہ بیان کیا جائے کہ اوسکا مہر ادا ہوگیا ہے
کیونکہ جو بیوہ بعوض مہر کے قابض ہے وہ بمقابلہ ورثائے شوہر کے اوس جائداد پر حق کفالت رکھتی
ہے اور اوسوقت تک قابض رہنے کی مستحق ہے جب تک اوسکا مہر نہ ادا ہو ۹۱ لیکن جب بیوہ
کا قبضہ بعوض مہر کے ہے تو وہ اوس جائداد کو منتقل نہین کرسکتی - اور نہ بیوہ کے منتقل الیہ اوسکے
شوہر کے ورثائے کی نالش مین اس بنا پر جوابدہی کرسکتے ہین کہ بیوہ کا مہر ہنوز ادا نہین ہوا کیونکہ
بیوہ کا حق مہر کی نسبت اوسکا ذاتی حق ہے اور منتقل الیہ کو انتقال کی وجہ سے وہ حق نہین حاصل
ہے ۹۲ اور نہ یہ حق بیوہ کے ورثاء کو وراثتاً ملتا ہے ۹۳ جب بیوہ بعوض اپنے مہر کے جائداد
شوہری پر قابض ہو تو اوسکا قبضہ شوہر کے ورثاء کے مقابلہ مین اوسوقت تک مخالفانہ نہوگا جب
کل مہر نہ ادا ہوجائے اور جب کل مہر ادا ہوگیا اور بیوہ پھر بھی قابض ہے تو اوسکا قبضہ مخالفانہ ہوگا
۹۴ جب مہر کی بابت عورت کے وارثون کی طرف سے نالش دائر ہو اور شوہر متوفی کے وارثون
نے شوہر کی کچھ جائداد رہن کردی اور بعدہٗ عورت کے وارثون کے حق مین شوہر متوفی کے متروکہ
پر ڈگری صادر ہوئی تو مرتہن کی ڈگری و نیلام سے مہر کی ڈگری کو تقدم ہوگا - ۹۵

ترتیب نالش

جب بیوہ بعوض مہر کے جائداد پر قابض ہو تو شوہر کے ورثاء صرف حساب فہمی کی نالش
کرسکتے ہین نہ کہ اوسکی بیدخلی کی - اور تاوقتیکہ جائداد کے منافع سے بیوہ کا کل مہر نہ ادا ہوجائے

---

۹۱ ایپلہائے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۲ ۹۲ علی احمد خان بنام عزیز اللہ خان الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۵۰
و بقاعت حسین بنام دولی چند کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۴۰۲ - و چوہی بی بی بنام شمس النسا بی بی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۹۳
و صفحہ ۱۹۶ ایا الہ آباد جلد ۱۷ صفحہ ۱۹ جسمین تجویز ہوئی کہ جس جائداد پر بیوہ بعوض مہر قابض ہے اوسکو وہ رہن نہین کرسکتی
و صفحہ ۱۹۶ کی تطبیق مین طے ہوا کہ وہ بیع بھی نہین کرسکتی - بندہ حسن بنام اصغری جان ہفتہ وار ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۹۶ ۹۳
ہادی علی بنام اکبر علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۸ء صفحہ ۲۳۲ - و محبوب بیگم بنام نذیر احمد ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۰ء صفحہ ۱۱۵ ۹۴
علی حسن خان بنام احمدی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۰۳ ۹۵ یلسین خان بنام محمد یار خان الہ آباد جلد ۱۹ صفحہ ۵۰۴

ونیز دیکھو بقاعت حسین بنام دولی چند کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۴۰۲ -

یا ورثا اوسکے ادا کرنے پر آمادہ نہ ہون بیوہ مستوجب بیدخلی نہین ہے جیسا کہ ذیل کی نظائر سے ثابت ہوتا ہے۔ بمقدمہ مراد النسا بنام امیر النسا(۱) ایک مسلمان (شیعہ) نے بذریعہ ایک دستاویز مہر کے اپنی کُل جائداد پر ایک معین رقم کا بار قایم کیا جو اوسکی زوجہ منکوحہ کو عند الطلب واجب الادا تھا۔ مہر مذکور کا تقاضا شوہر کی حیات مین کبھی نہین کیا گیا۔ لیکن زوجہ نے بعوض مہر جائداد پر قبضہ کر لیا۔ شوہر متوفی کے بھائی نے دخلیابی کی نالش کی۔ اوس نالش کو حکام پریوی کونسل نے ڈسمس کیا اور یہ تحریر فرمایا۔

"آخری سوال متوفی کی جائداد کی تقسیم و اہتمام کے متعلق ہے۔ عرضی دعوے مین اس قسم کی کوئی استدعا نہین ہے۔ مدعی نے بحیثیت تنہا وارث کے اس بیان سے نالش کی ہے کہ مدعا علیہم نے آپس مین سازش کر کے اوسکو بیدخل کر دیا ہے۔ مدعی نے لبیل بدل یہ استدعا نہین کی ہے کہ اگر مساۃ مراد النسا کا نکاح و دستاویز مہر ثابت ہون تو اوسکو اوسکا شرعی حصہ دلایا جاے یہ ممکن ہے کہ عدالت ماتحت اپنے اختیار تمیزی کی رو سے اس امر پر غور کر سکتی تھی مگر یہ اختیار تمیزی صدر دیوانی عدالت کے حاکم کو حاصل تھا۔ لیکن علاوہ اس نقص کے مراد النسا مقامی حکام کی اجازت و رضامندی سے جائداد پر قابض تھی اور اوسکا قبضہ اس ملک کے وصی کے قبضہ سے بہت مشابہ ہے۔ لیکن صرف یہ امر حق کے تصفیہ کے لیئے کافی نہین ہے و نہ مدعی نے حساب فہمی کی استدعا کی ہے۔ علاوہ اسکے مدعی نے بہت سے غیر ضروری اشخاص کو فریق مقدمہ بنایا ہے جسکی وجہ سے حساب فہمی مین بہت دقت پیش آئیگی۔ مدعی نے کُل جائداد منقولہ کو دعوی سے خارج رکھا ہے۔ اور اوس جائداد غیر منقولہ کو بھی جسپر وہ خود قابض ہے۔ اس لیئے ہم حکام کی یہ رائے ہے کہ اون ججون نے جنکے روبرو ہندوستان مین یہ مقدمہ پیش تھا نالش کے ڈسمس کرنے مین و مدعی کو حساب فہمی کی جدید نالش کرنے کی ہدایت کرنے مین صحیح و آسان طریقہ اختیار کیا۔

---

(۱) اپیلہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۶ صفحہ ۲۱۱۔

کیونکہ بلاشبہ اونکے فیصلہ کا یہی مقصود ہے۔ گو صاف لفظون مین یہ نہین کہا گیا۔ اندرین حالا
حکام عالی مقام نہایت انکسار سے قیصرۂ ہند کی خدمت مین جو رپورٹ پیش کرینگے اوسمین یہ عرض
کرینگے کہ اس اپیل کے ڈسمس ہونے سے اپیلانٹ کی ایسی جدید نالش کے حق مین کچھ ضرر نہ ہو
جسمین حساب فہمی کی اور انصرام جائداد کی استدعا اس بیان سے کیجاے کہ انکا ادعا دستاویز سے
ثابت ہے۔“

ممالک مغربی و شمالی کی صدر عدالت نے چند مقدمات مین یہ تجویز کی کہ جب بیوہ جو نا شوہر
بیدخلی مین مدعا علیہا ہے بعوض اپنے مہر کے جائداد پر قابض ہے اور اسوجہ سے تا یہ باقی کل
مہر کے مدعی وخلیابی کی نالش کرنیکا مجاز نہین ہے تو مہر کی تعداد کا تصفیہ کرنا غیر ضروری ہے
اور یہ بھی تجویز کی کہ بیوہ کو اپنی غیر موجودی مہر کی بابت جائداد پر حق کفالت حاصل ہے گو اوسکی تعداد
مین فریقین کو اختلاف ہو اور چونکہ وارث اوسوقت تک جب تک مہر کا کوئی حصہ باقی رہے
مداخلت و واصلات کا مستحق نہین ہے۔ اس لیئے وارث کے لیے زیادہ مناسب طریقہ
یہ ہے کہ جداگانہ نالش مین مہر کی تعداد کا تصفیہ کراے اور یہ استدعا کرے کہ اگر وہ اوسقدر مہر ادا
کرے تو اپنے شرعی حصہ پر دخیل ہو۔[۵۱]

اگر شوہر کے وارثون نے بیوہ کو جو بعوض اپنے مہر کے شوہر کی جائداد پر قابض تھی بیدخل کرکے
خود قبضہ کرلیا تو اونکا قبضہ مواخذہ مہر کے تابع رہیگا۔[۵۲] لیکن اگر وارثون نے مہر کے دعوی سے

---

[۵۱] بلند خان بنام جانی ہائیکورٹ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ یعنی بابت ۱۸۷۰ء صفحہ ۲۱۹ و افضل بیگم بنام لاڈلی بیگم صفحہ ۳۲۵ و امداد حسین بنام حسین بخش صفحہ ۲۲۷۔ رپورٹ مذکور۔ و نیز دیکھو عزیز اللہ خان بنام احمد علیخان الہ آباد جلد ۷ صفحہ ۳۵۳ و احمد حسین بنام خدیجہ بنگال لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۲۰ و نیز دیکھو ویکلی رپورٹر جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۰ و ملکہ دو عالم نواب تاجدار بہو بنام جہان قدر ایپیلہاے ہند موافقہ مور صاحب جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ [۵۲] امید علی بنام صفیہن بنگال لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ و جانی خانم بنام امتہ الفاطمہ ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۵۱۔

پہلے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو بیوہ وارثون کے حصہ شرعی سے اپنا مہر نہین وصول کر سکتی ؀۹۱

تمادی

مہر موجل مین تمادی نہ شروع ہوگی تا وقتیکہ زوجین مین سے کسی ایک کے مرنے یا طلاق سے نکاح فسخ ہوکر مہر مذکور واجب الادا نہ ہو جائے - لیکن مہر معجل ہمیشہ واجب الادا ہے - قیام نکاح کے زمانہ مین اسکا مطالبہ ہو سکتا ہے اور بعد مطالبہ کے وہ یقیناً واجب الادا ہو جاتا ہے -

حکام پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ جب زوجہ صاف و صریح الفاظ مین مہر کا مطالبہ کرے - اور شوہر دینے سے انکار کرے تو بناء مخاصمت پیدا ہوگی اور اوسیروز سے تمادی شروع ہوگی - لیکن جب زوجہ نے صاف طور پر مطالبہ نہین کیا تو مہر معجل مین تمادی شروع نہ ہوگی - شوہر کی حیات مین جسوقت زوجہ چاہے اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے ؀۹۲ اگر زوجہ جائداد شوہری پر بعوض اپنے مہر کے قابض تھی اور پھر وہ بیدخل کر دی گئی تو تاریخ بیدخلی سے اوسکو اپنے مہر کے لئے بناء مخاصمت پیدا ہوگی - ؀۹۳

جب مہر کے حصے ہوکر ورثائے شرعی کو ملگئے تو وہ اونکی جائداد ہو جاتی ہے اور پھر اوسپر مہر کی تعریف صادق نہین ہوتی - ؀۹۴

زوجہ اپنا مہر وصول کرنیکے لیے شوہر سے انکار کر سکتی ہے

فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۸۲ ہر ایسی صورت مین کہ مرد نے عورت کے ساتھہ صحبت کر لی ہے یا خلوت صحیحہ ہوگئی ہے اور تمام مہر متاکد ہوگیا ہے اگر مہر معجل کی وصولیابی کیواسطے عورت اپنے آپ کو روکے اور شوہر کے پاس جانے سے انکار کرے تو امام اعظم رح کے نزدیک

---

؀۹۱ بیگم بنام دولی چند ویکلی رپورٹر جلد ۲۰ صفحہ ۹۳ - ؀۹۲ کبھور النسا بنام سیف اللہ خان بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۶ - نیز دیکھو کبھور النسا بنام رئیس النسا بنگال لا رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۸۴ جسمین تجویز ہوئی کہ دعوی مہر مین تمادی عارض ہے و نیز دیکھو ملکہ بنام جمیلہ بنگال لا رپورٹ جلد ۱۱ صفحہ ۳۷۵ و عنایت حسین بنام محمد حسین ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۵۳ - ؀۹۳ سرمئہ خاتون بنام الطاف النسا خاتون سے ہے صاحب جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ - یا خلاصہ نظائر جلد ۳ کالم ۳۴۶۵ ؀۹۴ حسن الدین چودھری بنام تاج النسا خاتون ویکلی رپورٹر ۱۸۶۴ء صفحہ ۱۹۹ -

عورت کو ایسا اختیار ہے - لیکن صاحبینؒ نے اسمین اختلاف کیا ہے اسی طرح باہر نکلنے اور سفر کرنے اور حج نفل کے واسطے جانے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ممانعت نکیجاویگی اِلّا اوس صورت مین کہ باہر کا نکلنا فاحشانہ ہو - جب تک عورت نے اپنے نفس کو شوہر کی سپرد نہین کیا تب تک بالاجماع اوسکو ایسا اختیار ہے - جیسے اس امر مین اتفاق رائے ہے کہ اگر صغیرہ یا مجنونہ کے ساتھہ صحبت کی یا جبراً یا کراہ صحبت کی گئی تو اوسکے باپ کو اختیار ہے کہ تا ادا ہونے اوسکے مہر معجل کے اوسکو شوہر کے حوالہ کرنے سے انکار کرے - یہ عتابیہ مین ہے -

اختلاف آرا

اگر شوہر عورت کی رضامندی سے اوسکے ساتھہ ہم بستر ہوا یا خلوت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بموجب عورت کو اختیار ہوگا کہ اپنے آپ کو شوہر کے ساتھہ سفر مین جانے سے روکے تا آنکہ پورا مہر وصول کرلے - یہ بنا بر جواب کتاب کے ہے - اور ہمارے دیار کے عرف کی موافق تا آنکہ مہر معجل وصول کرلے - اور امام ابویوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ اوسکو یہ اختیار نہین ہے - اور شیخ امام فقیہ زاہد ابوالقاسم صفار سفر کرنے مین موافق قول امام اعظمؒ کے فتوی دیتے ہین اور اپنے آپ کو شوہر سے روکنے مین صاحبین کے قول پر (یعنی عورت وطی و خلوت کے بعد اپنے آپ کو روک نہین سکتی - مگر شوہر اوسکو اپنے ساتھہ سفر مین نہین لیجا سکتا تا وقتیکہ اوسکا مہر معجل نہ ادا کرے) اور ہمارے بعض مشائخ نے امام صفار کا اختیار پسند کیا ہے - محیط سل

سل اس مسئلہ کے متعلق ہدایہ مین اس طرح لکھا ہے کہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو روکے جب تک کہ اپنا مہر نہ لے لے اور شوہر کو اپنے تئین باہر لیجانے سے یا اپنے ساتھہ سفر مین لیجانے سے روکے - یہ اختیار اسواسطے ہے تاکہ عورت کا حق بدل مین یعنی مہر معجل مین متعین ہو جاوے جیسے شوہر کا حق مبدل یعنی نفع مین متعین ہو چکا اور مثل بیع کے ہوگیا (یعنی جب بیع مین ثمن اودھار نہین ہے تو بائع کو اختیار ہے کہ مشتری کو بیع سے روکے حتی کہ ثمن وصول کر لے) اور شوہر کو بھی اختیار نہین ہے کہ عورت کو سفر کرنے اور اپنے گھر سے نکلنے اور اپنے لوگون کی زیارت کرنے سے روکے یہان تک کہ عورت کو اوسکا پورا مہر ادا کر دے یعنی مہر معجل ادا کر دی دیکھو صفحہ ۹۵

درمختار وفتاوی قاضی خان مین بھی مسئلہ مذکور بہ تبدیل الفاظ اوسیطرح بیان ہوا ہے جیسا کہ ہدایہ وفتاوی عالمگیری مین ہے۔

بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین ۹۱ تجویز ہوئی کہ اگر شوہر اعادہ حق زناشوی کی نالش کرے تو عورت تا ادا ہونے مہر معجل کے انکار کرسکتی ہے اور یہ امر کہ نکاح کے بعد وہ بخوشی اپنے شوہر کے ہم بستر ہوتی رہی ہے اوسکے حق کو کچھ ضرر نہین پہونچا سکتا۔

بمقدمہ ولایت حسین بنام اللہ رکھی ۹۲ تجویز ہوئی کہ جب زوجہ کا مہر معجل ہوا ور ادا نہ ہوا ہو تو شوہر بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ پر اعادہ حق زناشوی کی نالش بعد خلوت صحیحہ بالرضا کے بھی جیسے کہ پانچ سال تک کی خانگی سے ثابت ہوتی ہے نہین کرسکتا۔

یہی اصول بمقدمہ نصرت حسین بنام حمیدن ۹۳ صحیح قرار پایا۔ اس مقدمہ مین تجویز ہوئی

---

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۱ - کیونکہ روکنے کا حق تو اپنا پورا پورا استحقاق حاصل کرلینے کے واسطے ہوتا ہے اور شوہر کو خود اپنی ذکی حق کے ایفاد کرنے سے پہلے اپنا استحقاق حاصل کرنیکا اختیار نہین ہے۔ واگر سبب مہر موجل ہو تو عورت کو یہ اختیار نہین ہے کہ اپنی ذات کو روکے۔ (یہی قول امام شافعیؒ واحمدؒ ومالکؒ کا ہے) کیونکہ عورت نے اپنا حق میعاد دینے سے ساقط کردیا جیسے کہ بیع مین ہوتا ہے۔ اسمین امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے (یعنی بیع اگر ادھار ثمن پر ہوئی ہے تو بایع مبیع کو نہین روک سکتا اور نکاح مین جب مہر میعادی ہے تو عورت کو میعاد وصول مہر تک روکنے کا اختیار رہے) اگر شوہر اپنی زوجہ سے ہم بستر ہوچکا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے (یعنی تا وصول مہر معجل عورت اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے) لیکن صاحبینؒ نے کہا کہ عورت کو ایسا اختیار نہین ہے کہ اپنے نفس کو روکے اور یہ اختلاف اوس صورت مین ہے جب ہم بستری برضاے عورت واقع ہوئی ہو۔ اسی اختلاف کی بناء پر نفقہ کا استحقاق بھی مبنی ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب عورت کو روکنے کا حق ہے تو وہ مستحق نفقہ بھی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ وہ روکنے کی مستحق نہ تھی تو روکنے کی مدت مین وہ سرکش ہوئی اسلیے مستحق نفقہ نہین۔ ۹۱ الہ آباد جلد ۴ صفحہ ۳۸۲ ۹۲ الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۱ ۹۳ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۔

کہ اگر کسی سنی عورت نے شیعہ مرد سے نکاح کیا تو عورت اون کل حقوق کی مستحق ہے جو مذہب اہل
سنت وجماعت مین منکوحہ عورتون کو حاصل ہوتے ہین اور شیعہ مرد کے ساتھہ نکاح کر لینے سے
عورت شیعہ مذہب کے تابع نہین ہوگی اس لیئے جب شیعہ شوہر اوسکے حق زناشوئی کا دعوی کرے
اور زوجہ کا مہر معجل ہنوز باقی ہے تو نالش بموجب مذہب اہل سنت ونیز اثنا عشریہ کے ناقابل پذیرائی ہے

ظاہر ہے کہ مقدمات مذکورہ بالا کا تصفیہ بموجب قول امام ابوحنیفہ کے کیا گیا۔ مگر بمقام الہ آباد
ہائیکورٹ کے اجلاس کامل نے بمقدمہ عبدالقادر بنام سلیمہ [۵۱] امام ابو یوسف وامام محمد کے
قول پر عمل کرکے ایک بے نظیر فیصلہ صادر کیا جس مین متعدد کتب مستند و فیصلجات عدالت کا
حوالہ دیا گیا۔ تجویز کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

عبدالقادر
بنام
سلیمہ

”بموجب شرع محمدی کے جب نکاح کی تکمیل بذریعہ ایجاب وقبول کے ہوگئی تو کل حقوق و
ذمہ داریان جو نکاح سے پیدا ہوتی ہین وہ فوراً و ایک ساتھہ وجود مین آجاتی ہین۔ اس امر کی کوئی سند
نہین ہے کہ ان کل حقوق و ذمہ داریون کے یا اون مین سے بعض کو وجود پذیر ہونیکے لیئے یہ شرط
ماقبل ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کو مہر ادا کرے۔ مہر صرف اوس صورت مین جب وہ صحبت زناشوئی کا
معاوضہ متصور ہو تو معاہدہ بیع کی قیمت کے مشابہ کہا جا سکتا ہے۔ گو مہر معجل بعد نکاح کے ہر وقت
طلب کیا جا سکتا ہے مگر عورت پر یہ لازم نہین ہے کہ دوران قیام نکاح مین کسی خاص وقت پر طلب
کرے۔ اور مہر مذکور صرف اوسوقت واجب الادا ہوتا ہے جب اوسکا مطالبہ کیا جائے۔ زوجہ
اپنا مہر وصول کرنے کے لیئے اس حق کو آلہ بنا سکتی ہے ونیز بطور جواب دعوی ہم خانگی کے استعمال
کر سکتی ہے درحالیکہ شوہر اوسکی خلاف مرضی ہم خانگی کی نالش کرے۔ لیکن گو زوجہ عدم ادائگی کا عذر
کر سکتی ہے مگر دعوی ہم بستری کی نسبت شوہر کا حق عذر مذکور سے قبل وجود پذیر ہوا اور یہ نہین
کہا جا سکتا کہ تاوقتیکہ شوہر مہر معجل نہ ادا کرے اوسکو ہم بستری کا حق نہین حاصل ہوا۔ اوس

[۵۱] الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۱۴۹۔

قاعدہ کی غرض وغایت جسکی بموجب عدم ادا کا عذر منظور کیا جاتا ہے صرف یہ ہے کہ زوجہ مہر وصول کر سکے۔ تا ادا ہونے مہر کے زوجہ کو اپنے شوہر کے روکنے کا حق مشابہ اوس مواخذہ کے ہے جو بایع کو مال فروخت شدہ پر حاصل رہتا ہے۔ درحالیکہ وہ مال اوسکے یعنی بایع کے قبضہ مین ہے اور زرثمن یا اوسکا کوئی جزو غیر مودی ہے۔ اور زوجہ کا اپنے نفس کو شوہر کے حوالہ کر دینا ویسا ہی ہے جیسے مال کا مشتری کو حوالہ کر دینا۔ زوجہ کا مواخذہ بابت مہر غیر اداشدہ کے خلوت صحیحہ کے بعد جاتا رہتا ہے بجز اوس صورت کے کہ وہ اوسوقت نابالغہ یا فاترالعقل ہو یا اوسکے ساتھہ زبردستی وطی کی گئی ہو اور ان صورتون مین اوسکا باپ تا ادا ہونے مہر کے اوسکو حوالہ کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ عدم ادائیگی کے عذر کا ہرگز یہ اثر نہین ہو سکتا کہ اعادہ حقوق زناشوی کی نالش جو ایک فریق کے دوسرے کے ساتھہ رہنے سے انکار کرنے پر دائر ہو سکتی ہے کلیتاً ساقط ہو جائے بلکہ اوسکا صرف یہ اثر ہو سکتا ہے کہ اعادہ حق زناشوی کی ڈگری اس طرح پر ترمیم ہو سکتی ہے کہ ڈگری مذکور کا نفاذ یا اجراء اوسقدر مہر کی ادائیگی پر جو معجل متصور ہو مشروط کر دیا جائے "شرع محمدی کی تعبیر کا یہ قاعدہ ہے کہ بصورت اختلاف رائے درمیان مقننان ابوحنیفہؒ اور اونکے دو شاگرد قاضی ابویوسفؒ و امام محمدؒ کی کثرت رائے کی تقلید کرنی چاہئیے۔ اور اصول قانونی کو معاملات دنیوی سے متعلق کرنے مین قاضی ابویوسفؒ کی رائے سب سے زیادہ وقعت کی لایق ہے" مگر سید امیر علی لکھتے ہین کہ اسکی کوئی سند نہین ہے کیونکہ بہت سی صورتون مین صرف ایک امام کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مقدمہ آخرالذکر وعیدن بنام مظہر حسین وغیرہ مین جنمین امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کیا گیا ہے بلحاظ نتیجہ کے چندان فرق نہین ہے۔ کیونکہ ڈگری کا اجرای جب مہر معجل کے ادائیگی پر مشروط کیا گیا ہے تو تا وقتیکہ مہر معجل نہ ادا ہو شوہر اپنی ڈگری اعادہ حق زناشوی سے کچھہ فائدہ نہین حاصل کر سکتا۔

مقدمہ مذکور کی تقلید بمقدمہ کہتی بنام محی الدین ۵۱ وبمقدمہ حمید النسا بی بی بنام ظہیر الدین ۵۲ کی گئی۔ مگر ان مقدمات مین ڈگری اعادہ حق زناشوی کا اجراء مہر معجل کی ادائیگی پر مشروط نہین کیا گیا۔

مذہب شیعہ

شیعہ مذہب مین اس مسئلہ مین دو مختلف اقوال ہین۔ لیکن مشہور قول یہ ہے کہ جب عورت ایکبار شوہر کی ہم بستر ہو چکی تو پھر وہ ہم بستری سے اس بناء پر انکار نہین کر سکتی کہ اوسکا مہر معجل نہین ادا کیا گیا۔ گو زوجہ کو یہ اختیار ہے کہ اپنے شوہر کی حیات مین اوسپر جسوقت چاہے مہر معجل کی نالش کرے ۵۳

شوہر اپنی زوجہ کے حق مین بیع کر سکتا ہی

شرع محمدی کے بموجب شوہر اپنی حقیت بعوض دین مہر کے اپنی زوجہ کے حق مین منتقل کر سکتا ہے۔ اور مہر موجل بہی قانوناً صحیح معاوضہ بیع کا ہو سکتا ہے۔ گو اوس بیع کا نتیجہ یہ ہو کہ شوہر کے دوسرے قرضخواہون کا قرضہ نہ ادا ہو سکے یا اونکے قرضہ کے وصول ہونے مین تاخیر واقع ہو تاہم یہ بیع صحیح ہوگی بشرطیکہ شوہر نے فریباً اپنے قرضخواہون کی محرومی کے لیے سازشی بیع نہ کی ہو اور اوسکے پاس اور بہی جائداد ہو۔ سازش و فریب کا بار ثبوت قرضخواہ کے ذمہ ہوگا جو بیع کو ناجائز بیان کرتا ہے۔ ۵۴

نکاح کے بعد مہر مین زیادتی

سید امیر علی لکھتے ہین کہ قیام نکاح کے زمانہ مین فریقین باخود ہا رضامندی سے عقد کے شرائط مین کم و بیش کر سکتے ہین۔ زوجہ کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اپنا کل مہر معاف یا ہبہ کر دے یا اوسکی تعداد کو کم کر دے۔ اسی طرح شوہر کو یہ اختیار ہے کہ مہر کی تعداد کو بڑہا دے اور جب اضافہ کیا جائے تو یہ اضافہ مثل ابتدائی مہر کے صحیح متصور ہوگا۔ ۵۵

---

۵۱ مدراس جلد ۱ صفحہ ۳۲۷۔ ۵۲ کلکتہ جلد ۱۷ صفحہ ۶۷۰۔ ۵۳ جامع الشتات ۵۴ صوبہ بی بی بنام بالگوبند داس ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۵ و وہن سنگہ بنام رام سہائے آگرہ جلد ۲ صفحہ ۳۹
۵۵ بنیادی بیگم بنام محمد اصغر علی ہفتہ وار الہ آباد ۱۸۸۵ء صفحہ ۱۹۔

فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ قیام نکاح کی حالت مین ہمارے علماے ثلثہ کے نزدیک مہر کو بڑہا دینا صحیح ہے۔ محیط پس اگر مہر مین بعد عقد کے بڑہایا تو زیادتی بذمہ شوہر لازم ہوگی۔ اور یہ حکم ایسی صورت مین ہے جب عورت نے زیادتی قبول کرلی خواہ یہ زیادتی جنس مہر سے ہو یا نہو خواہ شوہر کی طرف سے ہو یا ولی کی طرف سے ہو اور زیادتی بہی تین باتون مین سے کسی ایک کے پائے جانے سے متاکد ہوتی ہے۔ نمبر اول وطی یعنی جماع نمبر دوم خلوت صحیحہ نمبر سوم زوجین مین سے کیسکا مرنا۔ اگر ان باتون مین سے کوئی نہ پائی گئی مگر دونون مین فرقت ہوگئی تو زیادتی باطل ہوجائیگی پس فقط اصل مہر کی تنصیف کیجائیگی اور زیادتی کی تنصیف نہ ہوگی۔۔۔ قدوری مین ہے کہ عورت کی موت کے بعد مہر مین بڑہانا امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نہین جائز ہے۔

اگر مہر کی تعداد کابین نامہ مین صاف طور پر درج ہے تو اوسکی نسبت کوئی نزاع نہین پیدا ہوسکتی لیکن اگر مہر کا تسمیہ صاف وصریح الفاظ مین نہین کیا گیا ہے تو حاکم متعاقدین کی نیت پر خیال کرکے حکم دیگا کتب فقہ مین ایسی صورتون مین عمل کرنیکے لیے چند قواعد درج ہین۔ چنانچہ ہدایہ مین ہے۔

کہ اگر نکاح اس غلام پر یا اوس غلام پر ہوا اور دونون غلامون کی قیمت کم وبیش ہے پس اگر عورت کا مہر مثل ان غلامون مین سے کم قیمت غلام کی قیمت سے کم ہے تو عورت کو کم قیمت غلام ملیگا و اگر عورت کا مہر مثل زیادہ قیمت کے غلام سے بہی زیادہ ہے تو بیش قیمت غلام ملیگا و اگر مہر مثل بیش قیمت غلام سے کم و کم قیمت غلام سے زیادہ ہے تو مہر مثل ملیگا یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے و صاحبینؒ کے نزدیک ان جملہ صورتون مین کم قیمت غلام ملیگا۔ کیونکہ اونکی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل اوس صورت مین واجب ہوتا ہے جب مہر مسمی کا لازم کرنا ممکن نہ ہو۔ لیکن اس مسئلہ خاص مین مہر مسمی کا لازم کرنا ممکن ہے کیونکہ مہر کی کمتر مقدار متحقق ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہ دلیل ہے

کہ اصل جو چیز واجب ہے وہ مہر مثل ہے کیونکہ مہر مثل کا واجب کرنا سب سے زیادہ قرین انصاف ہے۔ اور مہر مثل سے عدول کرنا تسمیہ کی صحت پر موقوف ہے لیکن اس مسئلہ مین جہالت پیدا ہونے سے تسمیہ فاسد ہوگیا پس مہر مثل سے عدول جائز نہ ہوگا۔ لیکن بات یہ ہے کہ جب مہر مثل بیش قیمت غلام سے زاید ہے تو اوسے غلام کا حکم ہوگا کیونکہ عورت اپنے حق مین کمی پر راضی ہوگی و اگر مہر مثل کم قیمت غلام سے بھی کم ہو تو کم قیمت غلام کا حکم ہوگا کیونکہ شوہر زیادہ مہر پر راضی ہوگیا۔ درالمختار مین امام ابوحنیفہ رح کے قول کو توثیق دیگئی ہے۔

اگر مہر کسی خاص جنس کی چیز قرار پائی ہے مگر اوس شئے کا وصف نہین بیان کیا گیا تو اوس جنس کی متوسط درجہ کی چیز مہر قرار پائیگی۔ مثلاً اگر کہا کہ مہر ایک گھوڑا ہے مگر یہ نہین کہا کہ وہ گھوڑا اعلی قسم کا ہوگا یا ادنے قسم کا تو متوسط قسم کا گھوڑا دیا جائیگا یا اوسکی قیمت۔ و اگر جنس ہی بیان نہ کی مثلاً عورت سے ایک جانور پر نکاح کیا تو تسمیہ صحیح نہین ہے اور مہر مثل واجب ہوگا۔ لیکن امام شافعی رح کے نزدیک دونون صورتون مین خواہ جنس بیان کی یا نہ کی مہر مثل دینا واجب ہوگا۔

تعداد مہر مین اختلاف

جب عورت و شوہر مین تعداد مہر کی بابت اختلاف ہو تو عورت کا بیان پورے مہر مثل تک لائق تسلیم ہوگا اور جو مقدار کہ مہر مثل سے زاید ہے اوس مین شوہر کا قول قبول کیا جائیگا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رح و امام محمد رح کا ہے و امام ابو یوسف رح فرماتے ہین کہ جو شخص زیادہ بیان کرتا ہے اوسپر بار ثبوت ہے اس لیے شوہر کا قول لائق مقبولی ہے۔ جب شوہر و زوجہ مہر مسمی ہونے مین اختلاف کرتے ہین یعنی مرد یہ کہتا ہے کہ کوئی خاص مہر نہین ٹھہرا و عورت کہتی ہے کہ ٹھہرا تھا۔ تو بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا۔

اگر اختلاف مذکورہ بالا شوہر و زوجہ مین سے ایک کی وفات کے بعد واقع ہو تو اس صورت مین بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اگر کسی چیز کی نسبت جو مرد نے زوجہ کو دی ہے زوجہ یہ کہے کہ یہ ہدیہ مین دیا ہے اور مرد کہے کہ نہین مہر مین تو مرد کا قول تسلیم ہوگا۔ یعنی بار ثبوت بذمہ زوجہ ہے۔ ہدایہ

اگر تعداد مہر کے ثبوت مین صرف زبانی شہادت ہے تو وہ شہادت بہت اعلی قسم کی ہونی چاہیئے [۵۱] شخص متوفی کا رجسٹر نکاح جسمین نکاح درج ہے ثبوت مہر مین لایق مقبولی ہے [۵۲]

جہیز

سید امیر علی لکھتے ہین کہ باپ جو جہیز دیتا ہے اوسکی قیمت لڑکی کے مہر سے اوس صورت مین مے سکتا ہے جب کسی خاص ملک مین اوسکی قیمت لینے کا رواج ہو۔ مثلاً الجیریا مین یہ طے ہوچکا ہے کہ باپ پر اپنی لڑکی کا جہیز دینا فرض نہین ہے وا گروہ دے تو لڑکی کے مہر سے اوسکی قیمت وصول کر سکتا ہے۔ لیکن ہندوستان مین لڑکی کے باپ کو جہیز دینا لازم ہے اگر وہ بہت مفلس نہ ہو جو جہیز کہ عورت اپنے ساتھہ لاتی ہے اوسکی وہ قطعی مالک ہے۔ شوہر وقت نکاح کے جو کپڑا تحفہ عورت کو دیتا ہے وہ بہی اوس عورت کی خاص ملکیت ہوتی ہے۔

رد المحتار مین ہے کہ اگر کسی شخص نے منگنی کے بعد کچہہ تحفے عورت کیلیئے بہیجے مگر پہر کسیوجہ سے نکاح نہ ہوا تو وہ شخص اپنے تحفون کی قیمت واپس لے سکتا ہے۔ مگر در المختار مین ہے کہ وہ اوسی خاص چیز کو جو اوس نے دی ہے بشرطیکہ وہ ہنوز موجود ہو لے سکتا ہے۔ باپ جہیز کی چیزون کی قیمت نہین لے سکتا۔

# باب چہارم

## فصل اول - الطلاق

سید امیر علی لکھتے ہین کہ قدیم زمانہ کے کل قومون مین نکاح کے ساتھہ طلاق کا اختیار رہنا لازمی تہا ابتدا مین طلاق کا اختیار صرف شوہرون کو حاصل تہا اور زوجہ کسی صورت مین طلاق کی مدعی نہین

[۵۱] عبد الجبار چودہری بنام کلکٹر میمن سنگہ ویکلی رپورٹر جلد ۱ صفحہ ۶۵ و جلد ۷۔ ایضاً صفحہ ۴۹۵۔ [۵۲] ذاکری بیگم بنام سکینہ بیگم کلکتہ جلد ۱۹ صفحہ ۶۸۹۔

ہوسکتی تہی۔ لیکن جب تہذیب وشایستگی نے ترقی کی تو عورتون کی حالت مین قدرے اصلاح ہو
یعنی چند قیود وشرط کے ساتہہ اونکو بہی طلاق کا اختیار دیا گیا جسکو اوتہون نے اسقدر آزادی کے
ساتہہ استعمال کیا کہ قیصران روم کے عہد مین نکاح وطلاق اپنی آسانی مین ضرب المثل ہو گئے۔

بنی اسرائیل کے قدیم قانون کے بموجب شوہر اپنی زوجہ کو جب وہ اوسکی ناپسند ہو طلاق دے
سکتا تہا اور اوسکے اس اختیار کے روک تہام کے لیے کوئی قید یا شرط نہ تہی۔ یونانیون مین
وروم کے قدیم باشندون مین طلاق کی نسبت شوہر کے اختیارات ویسے ہی وسیع تہے جیسے
قدیم بنی اسرائیل کے۔ لیکن زمانہ مابعد مین اسرائیلیون مین شامی فرقہ نے طلاق کی رسم مین چند
قید وشرط لگا کر اوسکے وسیع دائرہ کو بیقدر محدود کیا۔ لیکن اور فرقون مین طلاق کی رسم ویسی ہی
آزادی وآسانی کے ساتہہ جاری تہی جیسا زمانہ سابق مین۔ پیغمبر عربی کے ظہور کے وقت اون
یہودیون مین جنہون نے عرب مین سکونت اختیار کی تہی طلاق کی رسم ویسی ہی آزادی کے ساتہہ
جاری تہی جیسے زمانہ سابق کے بنی اسرائیل مین۔ اور اون لوگون مین نکاح ایسی آسانی کے ساتہہ
فسخ کر دیا جاتا تہا جیسے زمانہ جاہلیت مین عرب لوگ فسخ کرتے تہے۔ چند خاص صورتون مین
عرب ویہودیون کی شریف خاندان کی عورتین نکاح سے قبل اپنے شوہرون کو طلاق دینے کے
اختیار کی شرط کر لیتی تہین اور جب شرط مذکور کی بموجب اونکو اپنے شوہرون کو طلاق دینی منظور
ہوتی تہی تو اپنا خیمہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر بدل دیتی تہین جس سے اونکے شوہر سمجہہ
جاتے تہے کہ اونکی عورتون نے اونکو اپنے نکاح سے خارج کیا۔

رسول عربیؐ نے طلاق کے متعلق جو اصلاحین کین اون سے ممالک شرقی کے قانون
کی تاریخ مین ایک نمایان تبدیلی پیدا ہوئی۔ ان اصلاحون کے ذریعہ سے شوہر کا اختیار دربارہ
طلاق محدود کیا گیا۔ عورتون کو معقول وجہ پر شوہر سے فرقت حاصل کرنیکا حق دیا گیا۔ رسول مقبول
نے آخر عمر مین شوہر کو با اختیار خود بلا وساطت قاضی یا ثالث کے طلاق دینے سے عملی طور پر ممانعت

کردی - حدیث مین ہے کہ وہ ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق "له یعنی طلاق گو مباح ہے مگر جملہ مباح چیزون مین سے اس مباح سے یعنی طلاق سے اللہ تعالے اسخت غضب ہوتا ہے - کیونکہ وصال زوجین کا قاطع و علت تناسل کا باعث ہے - قرآن مجید کی آیتون سے چونکہ اونکے احکام مطلق مین طلاق کی اجازت ثابت ہوتی ہے مگر ان آیتون کو اوس معنی مین پڑہنا چاہیئے جو رسول مقبول نے بیان فرمایا ہے جب یہ امر ملحوظ رکھا جائے کہ اسلام مین شرع و مذہب باہم کسقدر مخلوط ہین تو اس حدیث کا جو اثر طلاق پر پڑتا ہے اوسکا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے - لیکن یہ امر قدرتی تہا کہ مختلف مذاہب مین طلاق کی نسبت اختلاف آرا ہو چنانچہ ردالمختار مین ہے کہ مشہور فقہاء کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک اگر اشد ضرورت نہ ہو جیسے عورت کا زنا کرنا - تو شوہر کو طلاق دینے کی ممانعت ہے معتزلیون کا یہ مذہب ہے کہ تاوقتیکہ حاکم الشرع اجازت ندے طلاق کسی طرح پر جائز نہین ہوسکتی - وے کہتے ہین کہ اوس ضرورت کے اشد ہونے یا نہ ہونے کا تصفیہ جسکی وجہ سے طلاق مباح کی گئی ہے ایک ایسے حاکم کو کرنا چاہیئے جسکو اوس معاملہ سے کچھ تعلق نہ ہو اور اس رائے کی تائید مین رسول مقبول کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہین کہ جب زن و شو مین نااتفاقی ہو تو باہم اونکے مصالحت کرانے کے لیئے ثالثون سے مدد لینی چاہیئے -

مذہب حنفی - شافعی - مالکی - و شیعہ کے جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق مباح ہے لیکن بلا ضرورت طلاق دینی ممنوع ہے - چنانچہ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ مین ہے - " طلاق دینی گویا خدا کی نعمت کا کفران کرنا ہے اور اسیوجہ سے فقہاء کے نزدیک ممنوع ہے اور صرف ضرورت اشد کی وجہ سے مباح کیا گیا ہے " ردالمختار مین طلاق کے جواز کے دلائل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے - اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر وقت حاجت کے ممنوع نہین ہے -

له اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کی ہے -

یہ اون فقہاء کے نزدیک ہی جو طلاق کو ممنوع کہتے ہین۔ طلاق کی اباحت اوس ضرورت سے پیدا ہوتی ہی جو قید نکاح سے آزاد کرنیکا باعث ہوتی ہے۔ اسلیئے جب کوئی ایسی ضرورت نہین ہے تو آزاد کرنے کی ضرورت بھی نہین ہی۔ "اگر طلاق بلا وجہ دیجاسئے تو یہ حماقت ہے اور خدا کی نعمت کا کفران اور بلا وجہ عورت کو اور اوسکی اولاد اور اوسکے اہل خاندان کو تکلیف دینی ہے .... "اگر طلاق کے مباح ہونیکی کوئی شرعی وجہ نہین ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالے قرآن پاک مین فرماتا ہے "اگر تمہاری بیبیان تمہاری تابعدار رہین تو تمکو اونکو علیحدہ نکرنا چاہیئے"

صاحب ملتقہ یعنی ابراہیم حلبی لکھتے ہین "..... کوئی مسلمان بحالت نہ ہونے اشد ضرورت کے طلاق کو شرعًا یا مذہب اسلام مین جائز نہین ثابت کرسکتا اگر وہ اپنی بیوی سے بلا وجہ یا تلون مزاجی سے علیحدگی کرتا ہے تو وہ اپنے اوپر خدا کا غضب نازل کرتا ہے کیونکہ حدیث مین ہے کہ "جو شخص اپنی بی بی کو بلا وجہ طلاق دیتا ہے اوسپر خدا کی لعنت ہے"

"طلاق مستحب ہے اگر زوجہ قول و فعل سے ایذا رسانی کرے یا تارک الصلوٰۃ ہو" اسکا مفاد یہ ہے کہ بے نمازی عورت کو ساتھہ رکھنے مین گناہ نہین کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو طلاق واجب ہوتی نہ مستحب "طلاق واجب ہے اگر دستور کے موافق رکھنا فوت ہو یعنی شوہر نامرد ہو یا مقطوع الذکر۔"

ایام جاہلیت مین جواز طلاق کے لیئے کوئی خاص قاعدہ نہ تھا اور نہ شوہر کے وسیع اختیار مین کسی قسم کی قید تھی۔ مجرد شوہر کا اپنی زوجہ سے یہ کہنا کہ اوس نے طلاق دی فسخ نکاح کے لیے کافی تھا۔

لیکن ان مذاہب نے بھی جنمین بلا توسط قاضی کے طلاق دینی جائز ہے طلاق کے اختیار کو چند ایسی شرائط سے مقید کیا ہے جن سے شوہر کا اختیار بہت کچھہ محدود ہو جاتا ہی تاکہ بقدر امکان عورت کو اوس مصیبت سے محفوظ رکھین جس سے اوسکو اوس حالت مین

سامنا کرنا پڑتا ہے جب شوہر اونکو تلون مزاجی سے طلاق دیکر علیحدہ کر دیتا ہے - اور بعض صورتون مین عورتون کو بہی فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے -

جب فسخ نکاح شوہر کی جانب سے ہوتا ہے تو اوسے طلاق کہتے ہین اور جب عورت کی جانب سے ہو تو خلع کہلاتا ہے اور جب فریقین کی رضامندی سے ہو تو مبارات کہا جاتا ہے

# فصل دوم

طلاق کے معنی

لغت مین طلاق کے معنی بیڑی کہولنے کے ہین و شرع مین نکاح کی قید سے آزاد کرنیکو طلاق کہتے ہین - خواہ وہ آزادی بذریعہ طلاق باین فوراً دیجائے یا کسی زمانہ آیندہ مین بذریعہ طلاق رجعی کے دیجائے -

سبب طلاق

ہدایہ مین ہے کہ سبب طلاق سے وہ ضرورت یا حاجت مقصود ہے جسکے باعث جدائی کرنی مصلحت ہو - و شرط طلاق یہ ہے کہ شوہر عاقل و بالغ ہو و زوجہ منکوحہ یا ایسی عدت مین جو لائق طلاق ہے -

اقسام طلاق

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ طلاق دو قسم کی ہے - سنی و بدعی - اور انمین سے ہر ایک کی باعتبار عدد و وقت دو دو قسم ہین -

طلاق سنی

طلاق سنی سے ایسی طلاق مراد ہے جو حدیث کی مطابق دیجائے - سید امیر علی لکہتے ہین کہ طلاق سنی ہی درحقیقت ایسی طلاق ہے جسکو رسول مقبول نے اپنے بعثت کے ابتدائی زمانہ مین پسند فرمایا ہے اور اسیوجہ سے اسکا نام سنی ہوا -

طلاق بدعی

طلاق بدعی کی نسبت سید امیر علی لکہتے ہین کہ اس طرح پر طلاق دینی جیساکہ اوسکے نام سے ظاہر ہے بدعت ہے اور یہ طلاق دوسری صدی مین جاری ہوئی - جسکی وجہ یہ ہے کہ

خاندان بنی اُمیہ کے ظالم بادشاہون کو طلاق کے متعلق پیغمبر صاحب کے شرائط وقیود ناگوار گذرے تو اونہون نے اون سے بچنے کا حیلہ تلاش کیا اور فقہاء کی عالمانہ تاویلون نے اونکے لیئے وہ حیلہ پیدا کردیا۔ ابتدا مین شوہرون کو طلاق دینے کا پورا اختیار حاصل تہا مگر اوس اختیار کے بے قاعدہ استعمال کو رسولؐ مقبول سخت ناپسند فرماتے تہے۔ چنانچہ ردالمختار مین ایک حدیث اس طرح پر مروی ہے کہ ایک بار رسولؐ مقبول کو یہ اطلاع ہوئی کہ ایک اصحابی نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت مین تین طلاق دی۔ آپ غصہ مین کہڑے ہوگئے اور فرمایا کہ وہ شخص خدا کے حکمون سے کہیل کرتا ہے اور اوسکو رجعت کرنے پر مجبور کیا۔

شیعہ مذہب مین و امام مالکؒ کے نزدیک طلاق بدعی جائز نہین ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق بدعی سے بہی طلاق واقع ہوجاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ طلاق سنی کی دو قسمین ہین۔ احسن و حسن۔

طلاق احسن

طلاق احسن یہ ہے کہ اپنی زوجہ کو ایک طلاق رجعی ایسے طہر [۵۱] مین دے جسمین اوس سے وطی نکی ہو پہر اوسکو عدت کی منقضی ہونے تک یا اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک چہوڑ دے تو یہ طلاق بائن ہوجائیگی۔ [۵۲]

[۵۱] واضح ہو کہ جس طہر مین وطی نہین کی ہے وہ طلاق سنی ہونیکا محل اوس صورت مین ہوسکتا ہے جب اوس نے اوس طہر سے پہلے جو حیض آیا ہے اوس مین مجامعت نکی ہو و نہ طلاق دی ہو۔ عالمگیری۔ [۵۲] ہدایہ مین ہے کہ طلاق احسن جب بوجہہ گذر جانے عدت کے بائن ہوگئی تو عورت و مرد اگر چاہین تو پہر نکاح کرسکتے ہین اگر پہر مرد کو اوس عورت پر اب دو طلاق کا اختیار رہیگا۔ اوسکی توضیح یہ ہے کہ آزاد منکوحہ پر مرد کو تین طلاق کا حق حاصل ہے پس جب تین طلاق دیدی گئی تو فرض ہوگیا کہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کرکے جماع کرے۔ اگر صرف ایک یا دو طلاق دی ہے تو مرد نکاح کرسکتا ہے کیونکہ ابہی تیسری طلاق کا حق باقی ہے۔ اس طلاق کو احسن اسلیے کہتے ہین کہ مرد کو اگر اپنے طلاق دینے کے فعل پر ندامت ہو تو وہ اوس عورت کے ساتہہ رجعت کرکے نکاح کرسکتا ہے بغیر اسکے کہ وہ عورت دوسرے سے نکاح کرکے جماع کرے اس صورت مین نہ عورت کا کچہہ نقصان ہوگا اور نہ اسمین کسی قسم کی کراہیت ہے۔

طلاق:

طلاق حسن یہ ہے کہ ایسے طہر مین جسمین جماع نکیا ہو عورت کو ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے طہر مین دوسری طلاق دے پھر تیسرے طہر مین تیسری طلاق دے۔ ہدایہ مین ہے کہ یہ طریقہ امام مالک رح کے نزدیک بدعت ہے کیونکہ اصل مقصود تو ایک طلاق سے حاصل ہو گیا یعنی جدائی پھر بعد کے متواتر دو مہینون مین دو طلاق دینی غیر ضروری ہے۔

طلاق:

طلاق بدعی باعتبار عدد وہ ہے کہ ایک ہی طہر مین عورت کو دو یا تین طلاق دے خواہ ایک کلمہ سے یا متفرق کلمات سے۔ ۵ل

طلاق بدعی باعتبار وقت وہ ہے کہ عورت کو جس سے مجامعت کر لی ہو حالت حیض مین یا ایسے طہر مین جسمین جماع کی ہو طلاق دے۔ یہ طلاق واقع ہو گی مگر مرد کو مستحب بلکہ واجب ہے کہ رجعت کرے

حاملہ کو طلا

حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینی جائز ہے کیونکہ ایسی جماع سے عدت کے شمار مین شبہہ نہین ہو سکتا۔ درالمختار مین لکھا ہے کہ حاملہ و آئسہ و صغیرہ کو بعد وطی کے بھی طلاق دینی حلال ہے اسواسطے کہ کراہت طلاق کی حیض والی عورتون مین بسبب احتمال حمل کے ہے اور ان عورتون مین اس قسم کا احتمال بالکل مفقود ہے۔

---

۵ل ہدایہ مین ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاق سے ایک ہی وقت مین طلاق دے تو اس مسئلہ مین کہ ایسی تین طلاق سے تین طلاق واقع ہوتی ہین یا نہین اختلاف ہے بعض کے نزدیک تین طلاق نہین واقع ہوتین صحیح حدیثون مین ہے کہ زمانہ رسول اللہ و ابوبکر صدیق و دو سال خلافت حضرت عمر رضوان اللہ علیہم مین تین طلاق بمنزلہ ایک طلاق کے خیال کی جاتی تھی اور ایسی طلاق دینے والے کو اختیار تھا کہ وہ پھر رجعت کرے مگر بعد اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگون نے طلاق کے معاملہ مین عجلت کی جس مین انکے لئے آہستگی کی مہلت دیگئی تھی تو لاؤ ہم لوگ ان لوگون پر انکی عجلت کو جائز رکھین اور بمشورۂ اصحاب یہ حکم دیا کہ جن لوگون نے اپنی زوجون کو تین طلاق سے ایک ہی وقت مین طلاق دی ہے ان عورتون پر طلاق بائن واقع ہو گی۔

سید امیر علی صفحہ ۱۴۱۴ - جملہ مختلف مذاہب مین رجعت کا اختیار تسلیم کیا گیا ہے یعنی یہ
اگر شوہر غصہ مین یا اضطراب کی حالت مین اپنی زوجہ کو بلا وجہ طلاق دیدے تو وہ تین طہر گذرنے
سے پہلے رجعت کرسکتا ہے جب تک شوہر کو یہ اختیار حاصل ہے اوسوقت تک طلاق رجعی
ہے اور جب یہ اختیار انقضائے مدت سے جاتا رہا تو طلاق بائن ہوگئی - جب طلاق بائن ہوگئی تو
شوہر پھر اپنی زوجہ سے اوسوقت تک نکاح نہین کرسکتا تاوقتیکہ اوس عورت سے کسی دوسرے
مرد نے نکاح و مباشرت کرکے طلاق نہ دیدی ہو - یوروپین مقنن لکھتے ہین کہ اس قاعدہ کا اصل مقصود
یہ تہا کہ وہ عرب مین کثرت طلاق کے رواج کو کچھہ کم کردے - کیونکہ عرب کے غیور مگر تیم وحشی قوم اس
امر کو اپنی شرافت کے خلاف سمجھتے تھے کہ اونکی بیوی کسی دوسرے مرد کے نکاح مین جائے ؎

ہدایہ مین ہے کہ بالغ و عاقل شخص اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے مگر نابالغ و مجنون
وسونے والا ایسا نہین کرسکتا - مکرہ (یعنی وہ شخص جسکی جان یا عضو کو ضرر پہونچانیکی دہمکی یادشاہ
وقت نے دی ہو یا کسی دوسرے شخص نے جو اوسے ضرر پہونچا سکتا ہے) کے طلاق دینے
مین اختلاف ہے - ۵ل

۵ل چونکہ وجوہ اختلاف بہت دلچسپ ہین اس لیئے وہ لکھے جاتے ہین - ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ - امام
شافعیؒ و مالکؒ و احمدؒ کا قول ہے کہ اگر مکرہ طلاق دے تو واقع نہین ہوتی کیونکہ اکراہ و جبر کے ساتھہ اختیار نہین
باقی رہتا اور اختیار ہی کے ساتھہ تصرف شرعی معتبر ہے - بخلاف اسکے جب مذاق مین طلاق دی کیونکہ مذاق
مین کسی مجبوری سے طلاق نہین دی گئی - لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق واقع ہوگی کیونکہ مکرہ نے طلاق
واقع کرنیکا قصد کیا ہے درحالیکہ اوسکو قدرت حاصل ہے اس لیئے اوسکا مقصود ویسے ہی حاصل ہوگا
جیسے کہ کوئی بلا جبر و اکراہ طلاق دے - طلاق دینے سے خاص غرض حاصل کرنی مقصود ہوتی ہے یعنی زوجہ
اگر ناپسند ہو تو اوس سے قطع تعلق کرنا - مکرہ کی حالت مین قطع تعلق کرنیکا گو وہ خاص سبب نہ ہو مگر ایک دوسرا
سبب ہے یعنی اپنے کو اوس ضرر سے محفوظ رکہنا جسکی دہمکی دیجاتی ہے - پس اس صورت مین (دیکھو صفحہ ۷۹)

درالمختار صفحہ ۹۴ - اگر زوج نے خطا ہو سے طلاق دی یعنی اوسکا ارادہ کچھہ اور کہنے کا تھا مگر زبان سے لفظ طلاق کہدیا حالانکہ اوسکے معنی سے آگاہ نہین ہے یا شوہر بولا کم عقل ہے تو اس صورت مین طلاق واقع ہوگی باعتبار قضا کے یعنی باعتبار ظاہری حکم کے نہ باعتبار دیانت کے بخلاف ہنسی و مذاق کرنے والیکے کیونکہ اوسکی طلاق ظاہر و باطن دونون مین واقع ہوتی ہی اسواسطے کہ شارع نے اوسکے ہزل کو حد قرار دیا ہی یعنی طلاق دینے والیکی ہنسی و خوشطبعی کو بجای واقعی کلام کے قرار دیا ہے -

مذہب شیعہ

سید امیر علی صفحہ ۱۴۴ - مگر شیعہ مذہب کے احکام طلاق بمقابلہ سُنی مذہب کے کسیقدر سخت ہین - شیعہ مذہب مین شوہر کے عاقل و بالغ ہونے کے سوائے یہ بھی شرط ہے کہ شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے اور اوس نے نکاح فسخ کرنیکی نیت پورے طور پر کر لی ہے -

اس لیئے اگر کسی شخص نے جبر و اکراہ سے طلاق دی ہے تو وہ ناجائز ہے - جبر و اکراہ مین تین باتون کا پایا جانا شرط ہے - **اول** جبر کرنے والا اوس ضرر پہونچانیکی قدرت رکہتا ہے جسکی وہ دہمکی دیتا ہے - **دوم** - ضرر پہونچنے کا گمان غالب ہے - **سوم** - مکرہ کو یا اوسکے کسی عزیز کے جسم یا جان کو سخت ضرر کی دہمکی دیجاے -

---

**بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۷۸** - مقصود دونون کا ایک ہے یعنی طلاق کا واقع کرنا گو سبب دو ہین اور سبب مختلف ہونے سے نتیجہ پر کچھہ اثر نہ ہوگا - رہی بے اختیاری وہ مکرہ کی حالت مین ثابت نہین کیونکہ منجملہ دو بری باتون کے جو مکرہ کو آسان معلوم ہوئین وہ اوس نے اختیار کیا اور یہ دلیل اوسکے با اختیار ہونیکی ہے - فرق صرف اسقدر ہے کہ مکرہ جدائی کرنے پر راضی نہین ہے یعنی بمجبوری ایسا کرتا ہے تو رضامندی طلاق واقع ہونیکی مخل یا مضر نہین ہے جیسے اگر کسی شخص نے مذاق یا ہنسی مین اپنی زوجہ کو طلاق دی تو یہ طلاق امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک بہی جائز ہے حالانکہ اوس مذاق کرنے والے کا مقصود در حقیقت طلاق دینی نہ تہی -

بمقدمہ ابراہیم مولا بنام عنایت الرحمٰن ویکلی رپورٹر جلد ا صفحہ ۲۶۰ تجویز ہوئی کہ جبر و اکراہ سے اگر کسی نے طلاق دی تو وہ طلاق جائز ہے -

اسیطرح اگر فریب یا ناجائز دباغت کی وجہ سے شوہر نے طلاق دی ہے تو شیعہ مذہب
مین ناجائز ہے کیونکہ طلاق کے جواز کے لیئے نیت کا ہونا شرط ہے - اگر طلاق کی نیت
نہ ہو تو گو طلاق صاف وصریح لفظون مین دیجائے تاہم وہ بالکل بے اثر ہے - جامع الشتات
واگر طلاق دینے کی نیت سے ہے تو تا وقتیکہ طلاق صریح و غیر مشتبہ الفاظ مین ندیجائے تو بہی
کوئی نتیجہ نہین - اگر کسی نے مدہوشی یا نشہ کی حالت مین طلاق دی تو صحیح نہین ہے نہ وہ طلاق صحیح ہے
جو خطا و غفلت سے یا غصہ مین یا مذاق و ہنسی مین شوہر نے دی یا جب خواب مین لفظ طلاق
اوسکے مونہہ سے نکل گیا تہا - لیکن سنیون مین اوس طلاق کی صحت مین اختلاف ہے جو کسی
شخص نے نشہ کی حالت مین دی ہے - لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ طلاق صحیح نہین ہے

طلاق بہ کنایہ

ہدایہ - اہل سنت وجماعت مین طلاق یا تو صریح ہوگی یا بہ کنایہ - کنایہ کے ذریعہ سے طلاق
اوسوقت واقع ہوتی ہے جب طلاق دینے والے کی نیت طلاق دینے کی ہو یا کنایہ سے
طلاق مقصود ہونیکی کوئی دلیل ہو - مختلف زبانون مین کنایہ کے مختلف طریقے ہین -

بمقدمہ حامد علی بنام امتیاز ن[1] شوہر نے اپنی زوجہ سے جبکہ اوس نے خلاف
مرضی اپنے باپ کے گھر جانیکے لیئے اصرار کیا یہ کہا کہ اگر تو جائیگی تو تو میرے چچا کی لڑکی ہے
اوران الفاظ سے اوسکا یہ مطلب تہا کہ وہ اوسکو کسی دوسرے رشتہ مین تصور کریگا اور نہ ہمراہ
بطور اپنی زوجہ کے قبول کریگا - الہ آباد ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ بموجب شرع محمدی کے طلاق بہ کنایہ
واقع ہوگئی اسلیئے اگر زمانہ معینہ کے اندر زوجہ سے رجعت نکی گئی تو وہ قطعی طلاق ہوگئی - اور چونکہ
فریقین سنی ہین اس لیئے شوہر اپنی نابالغہ لڑکی کی حفاظت کا اوسوقت تک مستحق نہین ہے
تا وقتیکہ لڑکی سن بلوغ کو نہ پہونچ جائے -

مذہب شیعہ

لیکن شیعہ مذہب مین طلاق بہ کنایہ جائز نہین ہے گو شوہر نے درحقیقت طلاق دینے کی

---

[1] الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۷۱ -

نیت بہی کی ہو۔ نہ وہ طلاق صحیح ہے جو کسی شرط سے مشروط ہے لیکن مذہب حنفی مین اگر طلاق کسی آیندہ وقت پر موقوف رکھی گئی ہو تو اوسوقت طلاق واقع ہوجائیگی مثلاً اگر شوہر نے زوجہ سے کہا کہ تجہکو کل طلاق ہے تو عورت دوسرے روز علی الصباح طالقہ ہوگی۔ و اگر نیت مین کل کے روز کا کوئی مخصوص جزو مراد ہو یعنی کل دو بجے دن کو تو موافق نیت کے طلاق ہوگی۔ (ہدایہ)

سید امیر علی صفحہ ۴۲۰ - شیعہ مذہب مین اگر تحریر سے طلاق دی گئی تو صحیح نہین ہے و نہ عربی زبان کے سواء کسی دوسری زبان مین طلاق دینی جائز ہے بشرطیکہ شوہر ضروری الفاظ طلاق عربی زبان مین بول سکتا ہو و اشارہ و کنایہ سے بہی طلاق صحیح نہ ہوگی الا اوس صورت مین جب شوہر گونگا ہو (مفاتیح)۔

گونگا لکہکر طلاق دیسکتا ہے۔ اگر شوہر کسی دوسری جگہہ ہے تو وہ بہی تحریر کے ذریعہ سے طلاق نہین دیسکتا (جامع الشتات) بلکہ شوہر کو چاہئے کہ گواہون کے مواجہ مین الفاظ طلاق کو اپنی زبان سے کہے اور یہ بات کہ اوسنے گواہون کے سامنے طلاق دی تحریر کرکے زوجہ کے پاس بہیجے یا کسی اور طور پر اوسکو اوسکی اطلاع دے۔

لیکن حنفی مذہب مین تحریر و تقریر دونون طریقہ سے طلاق دینی جائز ہے۔ اور یہ ضرور نہین ہے کہ زوجہ کے مواجہ مین اوسے طلاق دیجائے لیکن اوسکو اسکی اطلاع ہونی ضرور ہے [۱] اگر طلاق خط کے ذریعہ سے دیجائے تو اوسوقت سے موثر ہوگی جب زوجہ کو خط ملے۔ اگر خط زوجہ کے باپ کو ملا اور اوس نے اوسکو چاک کرڈالا تو طلاق واقع نہ ہوگی الا اوس صورت مین جب باپ اوسکے کل کام کا منصرم ہے یعنی وہ اپنی لڑکی کا مختار ہو اور دونون ایک ہی جگہہ رہتے ہون۔ اگر باپ نے خط کا ذکر اپنی لڑکی سے کیا اور چاک شدہ خط اوسکو دیدیا جسکو ملاکر پڑہنے سے مضمون سمجہہ مین

[۱] بمعاملہ درخواست محمد ظہور ہفتہ وار ۱۸۹۹ء صفحہ ۸۵ تجویز ہوئی کہ سنی مذہب مین تحریر کے ذریعہ سے طلاق دیجاسکتی ہے اور یہ کچہہ ضرور نہین ہے کہ اوس تحریر مین زوجہ کا پتہ مندرج ہو صرف یہ کافی ہے کہ اوس تحریر کا علم زوجہ کو ہو جائے۔

آگیا تو طلاق واقع ہوگی۔ [۹۱]

سید امیر علی صفحہ ۴۲۵ پر لکھتے ہین کہ ذخیرۃ العاد صفحہ ۷۴ مین ہے کہ عورت کو اوسکی غیبت مین طلاق دیجا سکتی ہے لیکن جب تک اوسے طلاق کا علم نہ ہو وہ نان ونفقہ کی مستحق ہے۔ بمقدمہ شریف بی بی بنام اوساتابی بی [۹۲] شریف پر اوسکی زوجہ سنے نان ونفقہ کا دعویٰ کیا مدعا علیہ سنے یہ عذر کیا کہ اوس سنے مدعیہ کو جنوری ۱۸۶۲ء مین طلاق دیدی۔ عدالتین ماتحت نے بحالات ذیل یہ تجویز کی کہ طلاق واقع نہین ہوئی یعنی شوہر جب اپنی زوجہ سے علیحدہ تھا تو اوسکو یہ اطلاع ملی کہ اوسکی بیوی بدچلن ہوگئی۔ یہ خبر پاکر شوہر اوس شہر کے قاضی کے پاس گیا اور ایک خط مین اپنی زوجہ کو طلاق لکھکر روانہ کیا اور قاضی کے روبرو تین بار طلاق دی۔ شوہر نے قاضی سے یہ بہی کہا کہ اوسکا خط اوسکی زوجہ پاس بہیجدیا جائے لیکن اسکا کوئی ثبوت نہ تھا کہ وہ خط زوجہ کو ملا یا نہین۔ مدراس ہائیکورٹ نے اپیل خاص مین تجویز کی کہ طلاق واقع ہوگئی۔ اگر شوہر نے اپنے ارادہ کو ایک جملہ مین بیان کیا تو اس سے طلاق ناجائز نہین ہے۔ گو چند مشائخ اسکی ناجوازی کے قائل ہین۔ لیکن عورت اوس زمانہ تک جب تک اوسے طلاق کا علم نہ ہوا نان ونفقہ پانے کی مستحق قرار پائی۔

مذہب شیعہ

شیعہ مذہب مین یہ ضرور ہے کہ طلاق کے الفاظ دو گواہ اپنے کانون سے سنین۔ یا اگر شوہر گونگا ہے تو اوسکی تحریر یا اشارون کو اپنی آنکھون سے دیکھین۔ گواہون کی صرف موجودگی کافی نہین ہے بلکہ الفاظ طلاق کا سُننا اور اوسکے مفہوم کا سمجھنا بہی لازمی ہے۔ اگر وے طلاق کی صحیح کیفیت یا الفاظ ونشانات کو نہ بیان کرسکین تو طلاق ناجائز ہے۔ یہ بہی شرط ہے کہ دونون گواہ ایک وقت مین موجود رہون۔ اس امر مین شیعہ مذہب اسقدر سخت ہے کہ اگر طلاق کی کارروائی کی ایک نوبت پر ایک گواہ موجود ہو اور دوسری نوبت پر دوسرا گواہ تو طلاق ناجائز ہے یعنی شیعہ مذہب

---

[۹۱] صفحہ ۴۲۱ بحوالہ ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۰۷۔ [۹۲] مدراس ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۴۲۵۔

مین طلاق کے گواہ ایسے ہونے چاہئین جیسے حنفی مذہب مین نکاح کے شاہد ہوتے ہین۔ بخلاف اسکے مذہب سنّی مین طلاق کی صحت کے لیئے گواہون کی موجودگی ضروری نہین ہے۔ صرف اسقدر کافی ہے کہ عورت کو طلاق کا علم ہو جائے۔

صاحب ردالمختار لکھتا ہے کہ شوہر کو چاہئے کہ کسی شخص کو مخاطب کر کے طلاق دے ورنہ وہ بالکل بے اثر ہے۔ چنانچہ اس اصول کو کلکتہ ہائیکورٹ نے بمقدمہ فرزند حسین بنام جان بی بی ۵۱ صحیح تسلیم کر کے تجویز کی کہ بغیر کسی شخص کے مخاطب کیئے ہوئے تین بار طلاق کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ چونکہ مذہب شیعہ مین یہ ضرور ہے کہ جس عورت کو طلاق دینی منظور ہو اوسکو صاف طور پر بیان کیا جائے اس لیئے یہ نظیر شیعہ و سُنّی دونون مذہبون سے برابر متعلق ہو سکتی ہے۔

طلاق صریح

فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔ طلاق صریح اسطرح کہنا ہے کہ تو طالقہ ہے یا مطلقہ ہے یا مین نے تجھے طلاق دی پس ایک طلاق رجعی واقع ہوگی گو کہنے والے نے ایک سے زیادہ کی نیت کی ہو یا طلاق بائن کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی ہو ...... اگر شوہر نے زوجہ سے کہا کہ تو طالقہ و طالقہ و طالقہ ہے اور اوسکو کسی شرط پر معلق نکیا پس اگر عورت مدخولہ ہے تو تین طلاق واقع ہونگی و اگر غیر مدخولہ تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ ۵۲

ہدایہ۔ اگر کسی نے کہا کہ تجھے بدترین طلاق ہے یا تجھے اشد درجہ کا طلاق ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

---

۵۱ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۵۸۸۔ ۵۲ واضح ہو کہ غیر مدخولہ عورت کو یعنی ایسی عورت کو جس سے جماع نہوا ہو طلاق دیجائے تو اوسپر عدت واجب نہین ہوگی اسیوجہ سے غیر مدخولہ عورت کو صرف ایک طلاق سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے بخلاف مدخولہ عورت کے جسپر بعد طلاق و گذرنے زمانہ عدت کے طلاق بائن واقع ہوتی ہے پس غیر مدخولہ عورت کو تین بار طلاق دینی لاحاصل ہے۔

# فصل سوم تفویض طلاق

درالمختار جلد۲ صفحہ ۱۲۵۔ شوہر جیسے خود طلاق دیسکتا ہے ویسے ہی اپنے حکم سے دوسرے
کی معرفت طلاق واقع کرسکتا ہے اسکی تین قسم ہین۔ **اول** تفویض یعنی غیر کو طلاق کا مالک کرنا
**دوم**۔ توکیل یعنی دوسرے کو طلاق کا وکیل کرنا۔ **سوم**۔ رسالۃ یعنی غیر سے طلاق کہلا بھیجنا۔
اگر شوہر نے زوجہ سے کہا کہ تیرا امر تیرے ہاتہہ مین ہے یا یون کہا کہ اختیار کرلے
اور ان جملون سے اوس نے طلاق سپرد کرنیکی نیت کی (اسواسطے کہ یہ جملے کنایتاً طلاق ہین بلا
نیت کے عمل نہین کیا جاسکتا) یا شوہر نے یون کہا کہ اپنی ذات کو طلاق دے لے تو ان تینون
صورتون مین عورت کو اختیار رہے کہ اپنی ذات کو طلاق دے لے علم تفویض کی مجلس مین یعنی
جس جگہہ عورت کو تفویض طلاق کا حال معلوم ہوا وسی جگہہ اوسے اختیار رہے خواہ وہ علم
شوہر سے بالمشافہ ہوا خواہ وکیل یا قاصد سے اوسے اسکی خبر ملی ہو۔ مجلس علم تک عورت کو
اختیار حاصل ہے گو مجلس ایک پورے دن تک یا اوس سے زیادہ طول ہوگئی ہو۔ مگر طویل مجلس
مین اوسوقت تک اختیار ہے جب تک شوہر کا معین کیا ہوا وقت نہ گذر جائے۔ اگر وقت معینہ
قبل علم زوجہ کے منقضی ہوگیا مثلاً شوہر نے اگر یہ کہا تہا کہ زوجہ کو جمعہ تک اختیار رہے اور عورت
کو اس امر کا علم جمعہ کے دن تک نہ ہوا تو تفویض باطل ہوجائیگی۔ واگر شوہر نے زوجہ کو اختیار
دیتے وقت یہ کہا کہ جب توچاہے طلاق دے تو اس صورت مین اوس اختیار کے نافذ کرنے
کے لئے مجلس وغیر مجلس کی کچہہ قید نہین۔ عورت کو اختیار ہے جب چاہے طلاق دے۔ سلہ

سلہ ہدایہ مین ہے کہ جس مجلس مین اختیار دیا گیا ہو اوسی مجلس مین عورت وہ اختیار عمل مین لاسکتی ہے
اور مجلس کے بدلنے کے ساتہہ ہی وہ اختیار جاتا رہیگا۔ یعنی اگر عورت مجلس سے کہڑی ہوگئی (دیکہو بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵)

بمقدمہ اشرف علی بنام اسد علی [۹۱] کلکتہ ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ جب شوہر نے زوجہ کو طلاق کا اختیار دیا اور زوجہ نے اوسپر عمل کرکے طلاق دی تو صحیح ہے۔ اور نیز اوسے اختیار ہے جب چاہے طلاق دے اگر شوہر نے کسی خاص وقت کی قید نہین لگائی تھی۔ بمقدمہ حمید اللہ بنام فیض النسا [۹۲] تجویز ہوئی کہ شوہر زوجہ کو اختیار طلاق تفویض کرسکتا ہے۔

ہدایہ۔ اگر عورت نے اختیار پانیکے بعد اپنے آپ کو طلاق دی تو طلاق بائن واقع ہوگی بشرطیکہ مرد نے طلاق کی تعداد نہ بیان کی ہو۔ واگر تعداد بھی بیان کردی ہے تو اوسی تعداد کے موافق طلاق واقع ہوگی۔ یعنی اگر مرد نے عورت سے کہا کہ مین نے تجھے ایک طلاق کا اختیار دیا اور عورت نے اوسکو منظور کرکے اپنے کو طلاق دی تو یہ طلاق رجعی ہوگی اور مرد کو اختیار ہے کہ زمانہ عدت کے منقضی ہونے سے پہلے رجعت کرے۔ بمقدمہ بدر النسا بی بی بنام مشیت اللہ [۹۳] شوہر نے ایک اقرارنامہ کے ذریعہ سے زوجہ کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر وہ اوسکی حیات مین بلا اوسکی اجازت کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۸۴۔ یا آنکہ اوسی مجلس مین کسی دوسرے کام مین مشغول ہوگئی تو اسے مجلس کا بدلنا کہینگے۔ مجلس بدلنے سے درحقیقت یہ مراد ہے کہ عورت کی جانب سے کوئی ایسا فعل وقوع مین آئے جو منافی اختیار ہو یعنی جس سے یہ ثابت ہو کہ عورت اوس اختیار سے فائدہ اوٹھانا نہین چاہتی مثلاً اختیار پانیکے بعد اگر عورت نے کہا کہ میرے والدین کو بلادو کہ مین اونسے مشورہ کرلون یا گواہون کو بلادو یا آنکہ بیٹھی ہے اور اختیار پانیکے بعد تکیہ لگاکر بیٹھ گئی تو ان باتون سے مجلس نہین بدلیگی و نہ اس صورت مین مجلس بدلیگی جب عورت نے اختیار پانے کے بعد سواری کو کھڑا کرلیا حالانکہ پہلے سواری پر سفر کررہی تھی مگر برعکس حالت مین مجلس کا بدلنا کہینگے یعنی اگر عورت سواری پر کھڑی تھی مگر اختیار کے بعد جانور کو چلایا کیونکہ اس سے اعراض پایا جاتا ہے۔

[۹۱] ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۲۶۔ [۹۲] کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۳۲۷۔ [۹۳] بنگال لا رپورٹ جلد ۷ صفحہ ۴۴۲ یا ویکلی رپورٹر جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۔

وسری عورت سے نکاح کرے تو اوسکو اختیار ہے کہ اپنے کو طلاق دے لے تجویز ہوئی
اگر شوہر نے بلا اجازت اپنی زوجہ اولی کے نکاح ثانی کر لیا تو زوجہ اولی مستحق طلاق کی ہے
یہ مقدمہ شرع محمدی کے مطابق ہے گو مقدمہ محبت علی بنام میمون النسا ؁ ۹۱ کے خلاف ہے
درالمختار - اگر شوہر نے کسی اجنبی شخص سے کہا کہ تو میری عورت کو طلاق دے تو اس صورت
مین شوہر کو اختیار ہے کہ اوس وکالت کو فسخ کردے - اور فسخ کرنیکے لیئے یہ ضرور نہین ہے کہ
اوسی مجلس مین کرے کیونکہ توکیل مین مجلس کی قید نہین جیسا کہ تفویض مین مجلس کی قید ہے لیکن
اگر شوہر نے اوس شخص سے اسطرح پر کہا کہ اگر تیرا جی چاہے تو میری عورت کو طلاق دے تو یہ صورت
توکیل کی نہین ہے بلکہ تفویض ہے یعنی اوس شخص کو طلاق کے معاملہ مین بالکل مالک کردیا
پھر شوہر کو اپنے قول سے رجوع کرنیکا حق نہ باقی رہا مگر مثل تفویض کے مقید بمجلس ہوگا یعنی وہ شخص
اوسی مجلس مین اوس اختیار کو کام مین لاسکتا ہے -

بمقدمہ واج بی بی بنام عظمت علی ؁ ۹۲ تجویز ہوئی کہ اگر شوہر نے زوجہ کے باپ کے مواجہ
مین طلاقنامہ پر دستخط کر کے طلاقنامہ اوسے دیدیا تو طلاق ہو گئی گو عورت کے مواجہ مین دستخط
نہ کیے گئے ہون -

ایک مقدمہ ؁ ۹۳ مین مدراس ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ جب ایک مسلمان عورت اپنے شوہر سے بوجوہات
چند طلاق کی وعویدار ہے مگر اون وجوہات کے ثابت کرنے مین قاصر رہی لیکن عدالت کے ایماء کی
بموجب شوہر نے ایسی شرائط سے جو قاضی تجویز کرے خلع کرنا منظور کیا تو عدالت کا نالش نہ ڈسمس
کرنا بلکہ خلع کرنیکی ہدایت کرنی خلاف قانون نہ تہا اور خلع مذکور گو جبراً دیا گیا تاہم صحیح ہے -

بمقدمہ جان بی بی بنام پیاری ؁ ۹۴ تجویز ہوئی کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کو زنا کا الزام لگائے تو اس سے

؁ ۹۱ مارشل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۶۱ - ۳۶۱ - ؁ ۹۲ ویکلی رپورٹر جلد ۹ صفحہ ۲۳ - ؁ ۹۳ مدراس جلد ۲
صفحہ ۳۴۷ - ؁ ۹۴ ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۹۳ -

طلاق نہ واقع ہوگی۔لیکن اگر وہ الزام جھوٹ ثابت ہو تو یہ شوہر کی بدسلوکی قرار دیجائیگی جسے شوہر کی نالش اعادہ حق زناشوی مین عورت بطور اپنی جوابدہی کے پیش کر سکتی ہے۔اور اگر شوہر واوسکی زوجہ ثانیہ نے زوجہ اولی سے بدسلوکی کی ہے تو زوجہ اولی اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔

بمقدمہ بخش علی بنام امیرن بی بی ۵۱ کلکتہ ہائیکورٹ نے اس مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرنے سے معذوری بیان کی کہ اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ اوس نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ہے تو آیا اوسکے اس کہنے سے طلاق ثابت ہوگی یا نہین۔اگر ذی علم ججون کے پیش نظر ردالمحتار کی عبارت مذکورہ بالا ہوتی تو اونکو کبھی یہ شبہہ نہین ہو سکتا تھا کہ مجرد شوہر کا بیان کافی نہ تھا۔اگر نکاح ثابت ہے تو شوہر کے دوسرے نکاح کر لینے سے یا وصیت نامہ مین اس لکھنے سے کہ اوسکے کوئی اور بیوی نہین ہے طلاق کا قیاس نہ ہوگا۔۵۲

## تعلیق

درالمختار جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۸۔فقہ مین تعلیق سے یہ مراد ہے کہ حصول مضمون کو ایک دوسرے کلام کے ساتھہ مربوط کیا جائے یعنی مضمون جزا کو مضمون شرط سے لٹکانے کو تعلیق کہتے ہین مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ اگر مکان مین داخل ہوئی تو تجہیر طلاق ہے۔اس جملہ مین طلاق کا حصول مکان مین داخل ہونے پر موقوف ہے۔یعنی جب شرط پوری ہوگی تو طلاق واقع ہوگی

نمبر ۱۔صحت تعلیق کی یہ شرط ہے کہ وقت تکلم کے شرط موجود نہ ہو مگر اوسکا ہونا محال نہ ہو۔مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اگر آسمان ہمارے اوپر ہو تو تجہیر طلاق ہے تو یہ تعلیق نہ ہوئی کیونکہ شرط کلام

۵۱ ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۔ ۵۲ نور بی بی بنام نواس خان انڈین جیورسٹ صفحہ ۱۲۱ و خلاصہ تقاریر جلد ۳ کالم ۳۶۴۵۔

کرنیکے وقت موجود ہے اور طلاق اوسیوقت واقع ہوجائیگی - اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ اگر شتر سوئی کے ناکہ مین داخل ہو تو تجھپر طلاق ہے تو یہ تعلیق نہین ہے کیونکہ شرط کا کسی زمانہ مین پایا جانا محال ہے اسلئے طلاق نہ واقع ہوگی -

**نمبر ۲** - دوسری شرط صحت تعلیق کی یہ ہے کہ شرط و مشروط دونون متصل واقع ہون مثلاً کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تجھپر طلاق ہے اور پھر سکوت کرنیکے بعد شرط بیان کی تو صحیح نہ ہوگی لیکن اگر سکوت کسی خاص معذوری سے ہے مثلاً وہ شخص ہکلا ہے تو جائز ہے -

**نمبر ۳** - تیسری شرط یہ ہے کہ مرد کو عورت کے کلام کا بدلہ لینا مقصود نہ ہو - مثلاً اگر عورت نے اپنے مرد کو سفلہ یعنی بے غیرت کہا پھر مرد نے کہا کہ اگر مین ایسا ہون جیسا تو نے کہا تو تجھپر طلاق ہے تو یہ تعلیق نہین اور طلاق اوسیوقت واقع ہوگی خواہ مرد سفلہ ہو یا نہ ہو -

**نمبر ۴** - چوتھی شرط یہ ہے کہ شرط صاف طور پر ذکر کی گئی ہو مثلاً کسی شوہر نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تجھپر طلاق ہے اگر . . . یعنی حرف شرط بغیر فعل شرط کے بولنا لغو ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی

اگر کسی نے کہا کہ جس عورت سے مین نکاح کرون وہ مطلقہ ہے تو عورت بمجرد نکاح کے مطلقہ ہوگی - و اگر کسی نے کہا فلان بنت فلان جس سے مین نکاح کرونگا مطلقہ ہے پھر اوس سے نکاح کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اسواسطے کہ اسمین کوئی تعلیق نہین ہے بوجہ نہ ہونے کسی شرط صحیح کے

اگر کسی شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ اگر تو زید سے ملاقات کریگی تو تجھپر طلاق ہے اور اوسکے بعد اوس عورت سے نکاح کیا اور عورت نے زید سے ملاقات کی تو عورت پر طلاق نہ واقع ہوگی کیونکہ تعلیق کیوقت یہ عورت مرد کی زوجہ نہ تھی

# فصل چہارم - طلاق المریض

ہدایہ - اگر مرد نے اپنی عورت کو مرض الموت مین طلاق بائن دی اور عورت ہنوز عدت مین تھی کہ

شوہر مرگیا تو عورت اپنے شوہر کی میراث پائیگی - واگر عدت گذرنے کے بعد شوہر مرا تو عورت کو کچھہ میراث نہ ملیگی - مگر امام شافعیؒ کے نزدیک دونون صورتون مین زوجہ وارث نہ ہوگی - لیکن اگر مریضہ عورت کو شوہر نے طلاق دی اور ایام عدت مین مرگئی تو شوہر اوسکا وارث نہ ہوگا -

مسئلہ بالا مین تین قیود ہین **اول** یہ کہ مرض موت مین طلاق دے - **دوم** طلاق بائن دے - **سوم** عورت ہنوز عدت مین ہے اور شوہر مرا تو وہ وارث ہوگی ان قیود سے یہ فائدہ ہے کہ اگر حالت صحت مین طلاق دی تو عورت کے حق مین کوئی سبب ارث کا نہین ہے اسی طرح اگر مرض مین طلاق دی اور پہر شوہر کو صحت ہوگئی مگر عورت ہنوز عدت مین تہی کہ شوہر کسی دوسرے مرض سے مرگیا تو عورت وارث نہ ہوگی -

مسئلہ بالا کے اول الذکر صورت مین امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت کے وارث ہونیکا سبب شوہر کا مرض الموت ہے کیونکہ امام موصوف کی یہ دلیل ہے کہ وہ عدت کے اندر بعض آثار کے حق مین نکاح باقی رہتا ہے وعورت کو محروم الارث کرنیکی غرض سے شوہر نے طلاق دینے مین اسقدر تاخیر کی پس اسوجہ سے عورت کی حق تلفی نہ کیجائیگی لا مگر امام شافعیؒ فرماتے ہین کہ طلاق بائن سے تعلق زوجیت بالکل منقطع ہوجاتا ہے اسلئے حق وراثت بہی زائل ہوگیا -

لیکن اگر جدائی کا سبب عورت کی طرف سے شوہر کے مرض الموت مین پیدا ہوا ہو تو عورت کو میراث نہ ملیگی مثلاً اگر عورت نے مرد سے اوسکے مرض الموت مین طلاق کی خواہش کی تو وہ مستحق وراثت نہ ہوگی گو شوہر کے مرنیکے وقت عورت عدت مین ہو - واگر عورت نے طلاق رجعی کی خواہش کی و مرد نے طلاق بائن دی اور عورت ہنوز عدت مین ہے کہ شوہر مرگیا تو عورت کو میراث ملیگی -

سید امیر علی صفحہ ۲۷۸ - اگر شوہر نے مرض الموت مین طلاق رجعی یا طلاق بائن دی اور ایک سال کے اندر شوہر مرگیا تو شیعہ مذہب کے مطابق عورت اوسکی وارث ہوگی بشرطیکہ

عورت نے اس عرصہ مین دوسرا نکاح نہ کیا ہو۔ و اگر نکاح کرلیا تو حق وراثت زائل ہوگیا۔ اور اوس صورت مین بہی زائل ہو جائیگا اگر شوہر کو اوس مرض سے صحت ہوگئی مگر پہر بیمار پڑکر فوت ہوگیا۔ لیکن اگر شوہر کا شفا پانا و پہر بیمار پڑکر مرنا یہ سب باتین عورت کی عدت مین واقع ہون تو وہ میراث پائیگی۔

ہدایہ۔ اگر شوہر نے زوجہ کے حق وراثت سے گریز کرنیکی غرض سے طلاق دی ہے تو عورت کو استحساناً میراث ملیگی۔ گریز کرنیکی نیت ظاہری حالات سے مستنبط کیجائیگی۔ مثلاً اگر شوہر ایسے مرض مین مبتلا ہے جس سے صحت پانیکی اُمید نہ ہو یا کشتی و جہاز ٹوٹ گیا ہو اور مرد ایک تختہ پر رہگیا ہے اس مسئلہ کو درالمختار مین اس طرح لکہا ہے۔ اگر مریض نے طلاق بائن کو کسی وقت معینہ کے آنے پر معلق کیا۔۔۔۔ و تعلیق و شرط دونون حالت مرض مین واقع ہوئین۔ یا طلاق بائن کو اپنے کسی فعل پر معلق کیا اور تعلیق و شرط دونون مرض مین واقع ہوئین یا فقط شرط ہی مرض مین ہوئی۔ یا طلاق کو عورت کے کسی ایسے فعل پر معلق کیا جو اوسے کرنا ضرور ہے خواہ بوجہ بشریت یا باعتبار شریعت کے جیسے کہانا کہانا یا مان باپ سے بات کرنی اور تعلیق و شرط دونون مرض مین ہوئین یا فقط شرط مرض مین ہوئی تو ان سب صورتون مین عورت وارث ہوگی بسبب فرار یا گریز مرد کے۔

ہدایہ۔ اگر عورت کی خواہش پر مرد نے مرض الموت مین تین طلاق دی مگر اوسکا کچہہ قرض اپنے ذمہ قبول کیا یا اوسکے واسطے کچہہ وصیت کی تو قرض و وصیت اسے و عورت کے حصہ میراث سے جو کم ہوگا وہ اوسے ملیگا۔

# فصل پنجم۔ رجعت و عدت

درالمختار صفحہ ۱۶۱۔ اصطلاح فقہاء مین رجعت بفتح را کے یہ معنی ہین کہ ملک استمتاع جو بذریعہ نکاح قایم ہے

بغیر معاوضہ ہمیشہ کے لئے طلب کرنا جب تک کہ عورت عدت مین ہے۔ عدت سے مراد
عدت جماع ہے کیونکہ عدت خلوت بغیر جماع مین رجعت جائز نہین۔ عدت کے اندر رجعت کی
قید اسوجہ سے ہے کہ بعد گذرنے عدت کے نکاح قایم نہین رہتا پھر رجعت کیونکر ہوسکتی ہے
بغیر معاوضہ کے قید اسوجہ سے ہے کہ رجعت ایک تصرف ہے ملک قایم مین یعنی رجعت سے
کوئی جدید ملک نہین حاصل ہوتی جسکے لئے معاوضہ کی ضرورت ہو۔

سید امیر علی لکھتے ہین (صفحہ ۲۶۴) کہ طلاق بلحاظ نتیجہ کے دو قسم کی ہے۔ بائن یا رجعی
طلاق بائن سے نکاح ہمیشہ کے لئے فسخ ہوجاتا ہے اور اوس سے رجعت نہین ہوسکتی لیکن
طلاق رجعی مین شوہر اپنی زوجہ کو پھر اپنی زوجیت مین رکھہ سکتا ہے۔ ذیل کی صورتون مین معاً
طلاق دینے کے طلاق بائن واقع ہوگی۔

**اول**۔ جب زوجہ سے ہم بستری نہوئی ہو۔ **دوم**۔ جب زوجہ کی صغر سنی کی وجہ سے یا شوہر
کی ضعیفی کی وجہ سے مباشرت کرنی غیر ممکن ہو۔ **سوم**۔ جب شوہر و زوجہ نے باخود بارضامندی
سے فسخ نکاح کیا ہو۔

ہدایہ (صفحہ ۲۴۳) اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو ایک یا دو طلاق رجعی دی تو مرد کو اختیار ہے
کہ عورت کے زمانہ عدت مین اوس سے رجعت کرے۔

رجعت یہ ہے کہ عورت سے مخاطب ہوکر کہے کہ مین نے تجسے رجعت کرلی یا گواہون سے
مخاطب ہوکر کہے کہ مین نے عورت سے رجعت کرلی خواہ عورت حاضر ہو یا نہ۔ رجعت فعلی بھی ہوتی
ہے جیسے مرد کی جانب سے ایسے افعال وقوع مین آئین جو زوجہ کے ساتھہ مخصوص ہوتے ہین۔
مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اگر قول پر قدرت ہو تو بغیر قول کے رجعت نہین ہوتی۔

درالمختار۔ جبر و ہزل و خطا سے بھی رجعت ہوسکتی ہے یعنی عورت راضی نہ ہو تاہم مرد اوس
سے رجعت کرسکتا ہے۔ خطا کی یہ مثال ہے کہ مرد و عورت آپسمین کچھہ باتین کرتے تھے کہ مرد کے

موننہہ سے نکل گیا کہ مین نے اپنی عورت سے رجعت کی تو یہ رجعت صحیح ہوگی۔ رجعت جیسے
صریح لفظون سے ہوتی ہے ویسے ہی کنایہ سے بہی ہو سکتی ہے اور ویسے ہی فعل سے بہی
ہدایہ۔ جب تیسرے حیض کا خون بند ہو تو عورت کی عدت طلاق منقضی ہوگئی۔ اور باندی
کی عدت دوسرے حیض سے پاک ہونے پر ختم ہوتی ہے۔

اگر خلوت صحیحہ ہوئی مگر مرد جماع سے انکار کرتا ہے تو اوسکو بعد طلاق دینے کے رجعت کا
حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ غیر مدخولہ بعد طلاق کے بغیر گذرنے زمانہ عدت کے بائنہ ہو جاتی ہے
یہ صورت مہر کے خلاف ہے۔

رجعت کا اثر مہر پر

درالمختار۔ طلاق رجعی سے مہر موجل معجل ہو جاتا ہی اور پہر رجعت کرنے سے موجل نہین ہوتا
شوہر کو چاہیے کہ رجعت کی اطلاع زوجہ کو کردے تا کہ وہ نکاح نکرے۔ اگر مرد نے اطلاع نکی اور عورت نے بعد گذرنے عدت
کے دوسرا نکاح کر لیا تو شوہر ثانی سے عورت کی جدائی کرادیجائیگی گو شوہر ثانی نے اوس سے جماع بہی کر لیا ہو اسلئے
نکاح ثانی فاسد ہے اور شوہر ثانی کو مہر مثل دینا لازم ہوگا اور عورت بعد عدت کے شوہر اول سے بلا نکاح کے رجوع کریگی
اگر شوہر عدت کے اندر رجعت کرنیکا دعوی کرے اور عورت منکر ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔

ہدایہ۔ جن عورتون سے نکاح حلال ہے اگر کوئی شخص اون سے نکاح کرے تو مرد اوسپر
تین طلاق کا مالک ہو جاتا ہے۔ پس اگر مرد نے ایک یا دو طلاق بائن دی (یعنی بدعی طریق سے
طلاق بائن دی۔ سید امیر علی) تو مرد پہر اوس عورت سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ محل نکاح باقی
ہے جو بعد تین طلاق کے زائل ہوگا و نکاح چاہے بعد گذرنے زمانہ عدت کے کرے یا زمانہ عدت
مین۔ کیونکہ عدت کے زمانہ مین نکاح کرنا شوہر کے سواء دوسرے شخص کے لئے ممنوع ہے
اسوجہ سے کہ شاید شوہر اولی کا نطفہ ہو اور شوہر اولی کی حالت مین اس شبہ کے رفع کرنے کی
ضرورت نہین ہے اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاق دی یا باندی کو دو طلاق دی
تو اوس زوجہ یا باندی سے وہ شخص اسوقت تک نکاح نہین کر سکتا تاوقتیکہ وہ زوجہ یا باندی

دوسرے سے صحیح نکاح وجماع نکرلے (اس دوسرے شخص کو شرع کی اصطلاح مین محلل کہتے ہین) اور بعدہٗ اگر شوہر ثانی اوسے طلاق دے یا مرجائے تو شوہر اولی اوس سے نکاح کرسکتا ہے ہدایہ۔ عدت شریعت مین عورت کے اون ایام کو کہتے ہین جو عورت کے اوپر سے شوہر کی ملک تمتع زائل ہونیکے بعد عورت کو گذارنے لازم ہوتے ہین بشرطیکہ اوس عورت سے وطی کی گئی ہو یا اوس سے خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا شوہر مرا ہو۔ درالمختار مین ہے کہ عدت بکسر اول وتشدید ثانی بمعنی شمار وگنتی کے ہے۔ شرع مین عدت اوس توقف وانتظار کو کہتے ہین جو بوجہ پائے جانے سبب انتظار کے مرد وعورت کو اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔ شرعاً انتظار مرد پر بہی عدت کا اطلاق صحیح ہے۔ مگر اصطلاح مین عدت عورت کے انتظار کے لئے مخصوص ہے جس عورت کا نکاح بسبب مانع شرعی کسی مرد پر ممنوع ہے تو مرد کو لازم ہے کہ اوس مانع کے زوال تک انتظار کرے جیسے سالی سے زوجہ کی زندگی یا عدت مین نکاح کرنا۔ عدت کا مقصود اس امر کا معلوم کرنا ہے کہ عورت کو اپنے شوہر سے حمل تو نہین ہے۔

جب مرد نے اپنی زوجہ کو طلاق بائن یا رجعی دی یا دونون مین بلا طلاق کے جدائی واقع ہوئی (مثلاً اگر عورت کو خیار بلوغ حاصل تہا اور اوس نے بعد بلوغ کے اپنا نکاح فسخ کرلیا) اور عورت کو حیض آتا ہو تو اوس عورت کی عدت تین حیض ہے وامام شافعیؒ کے نزدیک تین طہر مراد ہین۔ یہ اختلاف اسوجہ سے پیدا ہوا کہ قرآن مجید مین یہ حکم ہے کہ مطلقہ عورتین تین قروء تک انتظار کرین وقروء کا لفظ اضداد مین سے ہے جسکے معنی حیض وطہر دونون ہین۔

اگر زوجہ ایسی عورتون مین سے ہے جسکو بوجہ صغر سنی یا ضعیفی کے حیض نہین آتا تو اوس عورت کی عدت تین مہینہ ہے۔ اگر عورت حاملہ ہے تو وضع حمل تک عدت ہے چاہے طلاق کے ایک ہی روز بعد وضع حمل ہو یا نو مہینہ بعد۔

احکام مذکورہ بالا آزاد عورتون سے متعلق ہین۔ وباندی کے لئے نصف مدت مقرر ہے یعنی

بجائے تین ماہ کے ڈیڑھ ماہ باستثنائے حیض کے یعنی بجائے تین حیض کے دو حیض عدت کا زمانہ ہوگا۔

مدت وفات

اگر آزاد عورت کا شوہر مرجائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس یوم ہے واگر عورت باندی ہے تو اوسکا نصف۔ واگر بیوہ خواہ آزاد ہو یا باندی حاملہ ہے تو اوسکی عدت وضع حمل تک ہے۔

اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو مرض الموت مین طلاق دی اور عورت اوسکی وارث ہوئی یعنی ایسی صورت ہوئی کہ مرض الموت مین طلاق پائی ہوئی عورت اپنے شوہر کی وارث ہوئی تو عورت کی عدت وہ ہے جو دونون مدتون مین زیادہ ہے۔ مثلاً کسی نے اپنی زوجہ کو مرض الموت مین طلاق دی اور قبل انقضائے عدت طلاق شوہر مرگیا تو عورت اپنے شوہر کی وارث ہوگی پس عورت کو چاہیئے کہ طلاق و وفات کی عدتون مین سے جو زیادہ مدت کی ہے اوسی کو پورا کرے یہ قول امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کا ہے۔ لیکن امام ابویوسفؒ کے نزدیک اوس عورت کی عدت تین حیض ہے۔ یہ اختلاف صرف اوس صورت مین ہے جب طلاق بائن دیگئی ہو یا تین طلاق دیگئی ہون۔ اور اگر طلاق رجعی ہے تو بالاتفاق عدت وفات واجب ہوگی۔ [۹۵]

اگر مطلقہ عورت نے اپنے حیض سے مایوس ہو کر مہینون سے عدت پوری کرنی شروع کی بعدہٗ اوسکو حیض کا خون نظر آیا تو جو کچھ عدت کی مدت گذری ہی وہ کالعدم ہوگی اور عورت کو لازم ہے

[۹۵] مسئلہ اختلافی مین امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کے باعث نکاح موت سے پہلے منقطع ہوگیا اور وفات کی عدت اوس حالت مین لازم ہوتی ہے جب نکاح موت کے سبب زائل ہوا ہو پس اس صورت مین صرف میراث کے اغراض کے لئے ہنوز نکاح باقی تسلیم کیا گیا ہے نہ کہ تبدیل عدت کے لئے وامام اعظمؒ و امام محمدؒ یہ فرماتے ہین کہ جب میراث کے لئے نکاح باقی ٹھہرایا گیا تو عدت کے واسطے بھی احتیاطاً باقی متصور ہونا چاہیئے۔

کہ از سرنو حیض سے اپنی عدت شمار کرے کیونکہ مہینون سے عدت کا شمار تو بحالت نہ ہونے حیض کے قرار دیا گیا تہا اور جب حیض آیا تو مہینہ کا قاعدہ فسخ ہوگیا۔ اگر عورت کو ابتداءً دو حیض آئے پہر وہ حیض سے مایوس ہوگئی تو عورت کو از سرنو مہینون سے عدت شمار کرنی چاہیے

اگر نکاح فاسد کے ذریعہ سے کسی نے اپنی زوجہ سے وطی کی تو جُدائی و موت دونون صورتون مین عدت کی مدت تین حیض ہے بشرطیکہ اوسے حیض آتا ہو اور اگر حیض نہین آتا تو کچہہ بہی واجب نہین۔

طلاق کی حالت مین طلاق دینے کے بعد ہی عدت شروع ہوگئی ایسے ہی وفات کی حالت مین بہی۔ پس اگر عورت کو وفات یا طلاق کا حال نہ معلوم ہو حتی کہ عدت کی مدت گذر گئی تو عدت پوری ہوجائیگی۔

شیعہ مذہب مین طلاق کی عدت عورت پر اوس صورت مین واجب ہوگی جب اوس سے وطی کی گئی ہو کیونکہ خلوت صحیحہ شیعہ مذہب مین حکم وطی کا نہین رکہتی لیکن بیوہ پر خواہ اوس سے وطی ہوئی ہو یا نہ ہر حالت مین عدت واجب ہوگی۔

# باب پنجم

## زوجہ کی جانب سے فسخ نکاح یعنی خلع و مبارات

سید امیر علی۔ اسلام سے پہلے کسی صورت مین عورتون کو فسخ نکاح کا حق نہین تہا۔ ہان البتہ اگر خاص معاہدہ کے ذریعہ سے اونکو یہ حق دیا گیا تہا تو فسخ نکاح کرسکتی تہین مگر بالعموم عورتین اس حق سے محروم رکہی گئی تہین لیکن قرآن مجید نے اونکو یہ حق عطا کیا۔

ہدایہ ۔ خلع بضم اول کے معنی ہین ازالہ زوجیت اور دوسری چیزون مین بفتح اول بولا جاتا ہے ۔ شرع مین اسکے معنی ہین ازالہ ملک نکاح ۔ مبارات یعنی زن وشو کا باہم ایک دوسرے سے حقوق نکاح سے براءت کرلینا۔

جب شوہر وزوجہ کو یہ خوف ہو کہ وے بحیثیت شوہر وزوجہ اللہ تعالے کی مقرر کی ہوئی حد پر قایم نہین رہ سکتے تو اس مین مضائقہ نہین کہ عورت اپنی جانکو بذریعہ مال کے فدیہ کرلے اور شوہر بعوض مال کے اوسے خلع دے ۔ ایسا کرنیکی حالت مین عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور شوہر مستحق پانے مال کا ہوگا جو آپس کے قرارداد سے طے پایا ہو ۔ اگر زن وشوہر ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہون اور باہمی رضامندی سے علیحدہ ہوجائین تو اوسے مبارات کہتے ہین اور زوجین کے حقوق جو نکاح سے پیدا ہوئے ہین ایک دوسرے سے ساقط ہوجاتے ہین ۔ اگر وہ فعل جو باعث ناموافقت ہے شوہر کی جانب سے ہو تو شوہر کو خلع کے عوض معاوضہ لینا مکروہ ہے اور اوسکو چاہئے کہ ایسے ہی طلاق ویدے اور اگر وہ فعل زوجہ کی جانب سے ہو تو خلع کے عوض مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے لیکن اگر قرارداد مہر سے زیادہ پر ہوا تو بموجب قرارداد کے عورت کو دینا ہوگا ۔ جو چیز مہر ہوسکتی ہے وہ معاوضہ خلع بھی ہوسکتا ہے ۔ ۵۱

سید امیر علی ۔ جن ملکون مین مذہب شافعی وحنفی رائج ہے وہان جب زن وشو مین نااتفاقی ہوتی ہے ۔ تو قاضی دو عورتین یعنی ایک زوجہ کی طرف سے دوسری شوہر کی طرف سے مقرر کرتا ہے ۔ تاکہ وے ثالثی کرکے اونکے درمیان صلح کرادین ۔ اگر صلح کی کوشش مین ناکامی ہو تو اونکو اختیار ہے کہ خلع یا مبارات کے طریق پر فسخ نکاح کردین ۔ لیکن معتزلہ مذہب کے

۵۱ درالمختار ۔ مگر اسکا عکس ضرور نہین کہ ہر حالت مین صحیح ہے یعنی جو معاوضہ خلع ہوسکتا ہے وہ ضرور نہین کہ مہر ہونیکی بھی صلاحیت رکھے کیونکہ مہر دس درم سے کم نہ ہوگا ۔

لوگ اس قسم کے تمام مقدمات کا مرافعہ قاضی کے سامنے کرینگے اور وہی اوسکا فیصلہ کریگا۔
عرف مین خلع کے ذکر مین مال مذکور ہوتا سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اگر خلع دیتے وقت مال کا ذکر نہ آیا یا ایسا مال بیان کیا گیا جو مجہول ہے تو شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط ہوگا چنانچہ فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۴۶۴ مین ہے کہ اگر مرد نے کہا کہ مین نے تجھے خلع دیا اور عورت نے کہا کہ مین نے قبول کیا اور مال عوض کا بیان نہ کیا تو صحیح یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے حق سے بری ہو جائیگا و اگر شوہر پر مہر موجل باقی نہ ہو تو جو مہر (معجل) مرد نے عورت کو دیا ہے وہ اوسے واپس کردے گی اسواسطے کہ عرف مین خلع کے ذکر مین گویا مال مذکور ہوتا ہے پس حکم مین معتبر ہوگا۔ ایسے ہی درالمختار مین بھی ہے۔ یا اگر عورت نے خلع لیا اوس متاع پر جو اوسکے گھر مین یا اوسکی ہاتھ مین موجود ہے۔۔۔ پس اگر وہ چیز جو اوس نے بیان کی ہے وہان موجود ہو تو شوہر کو وہی ملیگی اور اگر وہان کچھ نہ ہو تو عورت پر وہ مہر واپس کرنا ہوگا جو اوسکو وصول ہو گیا ہے و اگر عورت نے خلع مین ایسی چیز بیان کی جو مال تو ہے مگر وہ فی الحال موجود نہین ہے مثلاً یہ کہکر کہ امسال اوسکے درخت خرما مین جو پھل آئین تو عورت پر واجب ہوگا کہ جو مہر اوسنے وصول پایا ہے اوسے واپس کردے خواہ پھل آئین یا نہین۔
فتاوی عالمگیری۔ لیکن اگر باہمی رضامندی سے خلع شراب یا سور یا مردار یا خون پر واقع ہوا تو فرقت ثابت ہو جائیگی اور عورت پر کچھ مال واجب نہ ہوگا اور نہ وہ اپنے مہر مین سے کچھ واپس کریگی ۔۔۔۔ اسی طرح اگر خلع مین ایسی چیز بیان کی جسکے مال ہونے و نہ ہونے مین احتمال ہے۔ مثلاً جو چیز اوسکے گھر مین ہے یا جو اوسکے ہاتھ مین ہے اوسپر خلع لیا تو دیکھا جائیگا کہ اگر اوسکے ہاتھ مین یا گھر مین کوئی چیز ہے تو وہ شوہر کی ہوگی و اگر کچھ نہین ہے تو شوہر کو کچھ نہ ملیگا۔
سید امیر علی لکھتے ہین کہ وہ خلع مین عورت جو معاوضہ دیتی ہے وہ صرف ذریعہ سے حصول مدعا کا یعنی فسخ نکاح کے لئے شوہر کی رضامندی حاصل کرنیکا اور معاوضہ کا پایا جانا کوئی لازمی

شرط نہین ہے کیونکہ نکاح اوس حالت مین بھی فسخ ہوجاتا ہے جب زوجین اوسکو فسخ کردین گواسکے لیئے ایک نے دوسرے کو کچھہ معاوضہ ندیا ہو۔ چنانچہ اسی اصول پر ملک الجیریا کی عدالتون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر زوجین نے برضامندی باخود ہا نکاح فسخ کردیا تو اس سے فرقت واقع ہوگی گو زوجہ نے اوس مال کو نہ ادا کیا جسکا ادا کرنا قرار پایا تھا و نہ مہر ہی چھوڑتی ہے اور گو شوہر یہ بھی کہے کہ بوجہ نہ ادا کرنے معاوضہ کے خلع جائز نہین ہے"، چنانچہ اسی بات کو صاحب درالمختار (ایضاً صفحہ ۱۸۴) دوسرے الفاظ مین اس طرح بیان کرتا ہے "اگر مرد نے دعوی کیا کہ مین نے اپنی زوجہ کو بعوض اسقدر مال کے خلع کیا تو عورت کو طلاق ہوجائیگی بوجہ اقبال مرد کے اور مال متدعویہ کا دلایا جانا ثبوت پر موقوف رہیگا" ونیز "اگر عورت یون کہے کہ خلع بلا عوض تھا اور زوج کہتا ہے کہ خلع بعوض تھا تو عورت ہی کا قول معتبر ہوگا۔" [۵۱]

مذہب حنفی

بالغہ عورت بلا توسط کسی ولی کے خود خلع کرا سکتی ہے خواہ وہ صاحب عقل ہو یا نہ ہو۔ اور صغیرہ عورت کی طرف سے اوسکا باپ خلع کرسکتا ہے۔ چنانچہ درالمختار صفحہ ۱۸۷ مین ہے کہ "اگر باپ نے اپنی صغیرہ لڑکی کا خلع اوسکے مال یا مہر کے عوض کیا تو صغیرہ پر طلاق واقع ہوگی جیسے اوس صورت مین واقع ہوگی کہ صغیرہ تمیزدار ہے اور اوس نے قبول کیا لیکن باپ پر یا صغیرہ پر مال دینا لازم نہ ہوگا کیونکہ بعوض مال کے باپ کا خلع کرنا ایک فعل غیر ضروری

---

[۵۱] بذل الرحیم بنام لطف النساء اپیلہائے ہند موئفہ مور صاحب جلد ۸ صفحہ ۲۷۹ - اس مین تجویز ہوئی کہ اگر شوہر کو معاوضہ خلع ندیا گیا تاہم طلاق صحیح ہے کیونکہ طلاق شوہر کا فعل ہے گو عورت کی درخواست پر دیگئی ہو خلع نامہ سے جسمین شوہر کو معاوضہ دینا تحریر ہے طلاق نہین واقع ہوتی بلکہ وہ خود طلاق پر مبنی ہی شوہر نے بیان کیا کہ اوس نے بطریق خلع طلاق دی اور ابرانامہ و خلع نامہ پیش کیا - ابرانامہ کے نسبت قابل اطمینان ثبوت اس امر کا نہ تھا کہ عورت نے اوسپر یہ سمجھکر دستخط کیئے تھے کہ اسکے ذریعہ سے وہ اپنا مہر معاف کرتی ہے - خلع نامہ شوہر نے اپنی زوجہ پر ظلم و تعدی کرکے زوجہ کی مان سے حاصل کیا تھا - تجویز ہوئی کہ ایسی صورت مین یہ خلع نامہ زوجہ کی نالش مہر کا کافی جواب نہین ہوسکتا۔

ہے ؎۱ اسی طرح اگر باپ نے کبیرہ لڑکی کا خلع کیا تو طلاق واقع ہوگی مگر مال دینا لازم نہ ہوگا لیکن اگر کبیرہ نے مال دینا قبول کر لیا ہو تو اوسے دینا لازم ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ماں کی طرف سے صغیرہ کا خلع صحیح نہیں ہے تا وقتیکہ ماں معاوضہ خلع اپنے ذمہ لازم نکرلے کیونکہ ماں ولی نہیں ہوتی۔ صغیر کی طرف سے نہ باپ خلع کر سکتا ہے نہ ماں اسواسطے کہ صغیر طلاق کا مالک نہیں تو ماں باپ اوسکے نائب نہیں ہو سکتے۔ اگر عورت نے بعوض اپنے مال یا اپنے مہر کے خلع کیا اور وہ عورت ہوشیار نہیں ہے یعنی دنیوی امور مین نادان ہے تو اوسپر طلاق واقع ہوگی مگر اوسے مال دینا لازم نہ ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ اگر صغیرہ کا خلع باپنے اپنے مال کی ضمانت پر کیا تو باپ کو مال دینا لازم ہوگا۔ کیونکہ اجنبی شخص اپنے مال کے عوض کسی صغیرہ کا خلع کرا سکتا ہے تو باپ بدرجہ اولے ایسا کر سکتا ہے "

فتاوی عالمگیری "اگر باپ نے اپنے پسر صغیر کی طرف سے خلع دیا تو صحیح نہیں ہے اور صغیر مذکور کی اجازت پر بھی موقوف نہ رہیگا۔ جو شخص نشہ مین ہے یا زبردستی مجبور کیا گیا ہے تو اوسکا خلع دینا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ ۔ ۔ ۔ شوہر و زوجہ جیسے خود خلع کر سکتے ہین ویسے ہی اپنے وکلاء کی معرفت بھی کر سکتے ہین "۔ عورت شوہر کو خلع دینے پر مجبور نہین کر سکتی ؎۲

شیعہ مذہب مین خلع مین بھی مثل طلاق کے شوہر کا بالغ عاقل و مختار ہونا اور خلع کا قصد کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ شرائع مین لکھا ہے کہ "مرد بالغ عاقل و خود مختار ہو۔ اور خلع کا قصد کیا ہو

---

؎۱ ہدایہ بصفحہ ۷۸۔ اگر شوہر نے معاوضہ خلع زوجہ صغیرہ پر شرط کیا حالانکہ خلع اوسکے باپ نے کرایا ہے تو خلع کا جائز ہونا خود صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہے بشرطیکہ وہ قبول کی لیاقت رکھتی ہو یعنی یہ سمجھتی ہو کہ خلع سے نکاح زائل ہوتا ہے مگر مال دینا پڑتا ہے پس اگر صغیرہ نے قبول کیا تو طلاق پڑ جائیگی کیونکہ شرط قبول پائی گئی اور مال دینا واجب نہ ہوگا۔

؎۲ مریم بی بی بنام نور محمد ہفتہ وار ۱۸۸۲ء صفحہ ۸۳۔

اگر نابالغ نے باجازت یا بلا اجازت اپنے ولی کے خلع دیا تو صحیح نہین ہے - اور نہ اس شخص کا خلع دینا صحیح ہے - جس نے جبر و اکراہ سے خلع دیا یا جس سے فریبًا خلع حاصل کیا گیا'' شیعہ مذہب مین یہ بہی ضرور ہے کہ خلع عربی صیغہ مین دیا جاے (اگر شوہر عربی الفاظ بول سکتا ہے) اور اوس مین کوئی شرط نہ ہو اگر خلع کسی شرط پر دیا گیا ہے تو بالکل بے اثر ہے - مثل طلاق کے خلع مین بہی دو عادل گواہون کی موجودگی ضرور ہے - مفاتیح مین ہے جو چیز مہر ہو سکتی ہے وہ معاوضہ خلع بہی ہو سکتا ہے خواہ وہ فی الحال موجود ہو یا نہو مثلاً بچہ کا دودہ پلانا - مان کا حق حضانت - اور اوسکا نفقہ وغیرہ -''

ت مین خلع

فتاوی عالمگیری ''اگر عورت نے اپنے مرض الموت مین اپنے مہر کے عوض جو شوہر پر آتا ہے خلع لیا پہر وہ عدت مین مرگئی تو شوہر کو اپنی عورت کی میراث کی مقدار و مہر مذکور کی مقدار مین سے جو کم ہے وہ ملیگا بشرطیکہ مہر عورت کے تہائی مال سے برآمد ہو - اگر عورت کا سوائے مہر کے کچھہ مال نہ ہو تو شوہر کے حصہ میراث و تہائی سے جو کم مقدار ہو وہ ملیگا - اگر عورت انقضائے عدت کے بعد مری تو مرد کو عورت کے تہائی مال مین مہر مذکور ملیگا .... اگر عورت اوس مرض سے اچہی ہو گئی تو کُل مہر جو عورت نے دینا قبول کیا تہا شوہر کو ملیگا - اگر عورت نے شوہر کے مرض الموت مین خلع لیا اور خود صحیح ہے تو خلع و بدل دونون جائز ہین اور عورت کو مرد کی میراث نہ ملیگی''۔

سید امیر علی صفحہ ۴۴۴ - خلع جیسے بعوض مال ہو سکتا ہے ویسے ہی کسی اور شرط پر ہو سکتا ہے - مثلاً اگر اس شرط پر خلع دیا گیا کہ زمانہ حمل مین عورت اپنے پاس سے نان نفقہ مین صرف کرے یا اولاد پر جو اوسکو حق حضانت حاصل ہے اوس سے دست بردار ہو جائے تو خلع جملہ مذاہب مین صحیح ہے - اسی طرح اوس صورت مین بہی صحیح ہے جب عورت نے اپنے بچہ کے دودہ پلانے پر خلع لیا لیکن شرط یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ تک دودہ پلانے کا اقرار کیا ہو اگر دو سال سے کم مدت تک کے لئے کیا ہے تو صحیح نہین ہے -

اگر شوہر نے خلاف قانون معاوضہ خلع حاصل کیا ہے تو اوسے واپس دینا ہوگا۔ بدل الخلع ذیل کی صورتون مین خلاف قانون ہے۔

اول۔ جب نکاح کسی وجہ سے باطل ہو۔ دوم۔ جب عورت نے خیار بلوغ کی وجہ سے نکاح فسخ کیا۔ سوم۔ جب مرد نے خود اپنی طرف سے طلاق دی۔ چہارم جب عورت عدالت سے فسخ نکاح کرا سکتی ہو۔ چنانچہ الجیریا مین اگست ۱۸۶۳ء مین ایک مقدمہ ہوا۔ ایک شوہر اپنی عورت سے بڑی بیرحمی کے سلوک کرتا تھا۔ عورت نے مجبوراً کچھہ دیکر خلع کرایا لیکن یہ معلوم ہوا کہ شوہر نے اوسے خلع لینے پر مجبور کیا۔ بعد طلاق کے عورت نے معاوضہ واپس دلا پانے کی نالش کی۔ شوہر کو جبر و تعدی کرنے سے انکار تھا مگر اوسکا انکار غلط ثابت ہوا۔ عدالت نے طلاق قایم رکھی اور شوہر سے وہ روپیہ واپس دلایا۔ جو عورت نے اوسے معاوضہ خلع کے نام سے دیا تھا۔

# باب ششم

## فسخ نکاح بحکم قاضی۔ ظہار و لعان

سید امیر علی صفحہ ۹۰۱ ۴۴۔ پچھلے باب مین ہم لکھہ آئے ہین کہ اگر زوجین کو ایک دوسرے کے ساتھہ کوئی خاص وجہ شکایت نہ ہو مگر اختلاف مزاج یا کسی اور سبب سے ایک دوسرے کی صحبت اونکو ناگوار ہے تو سنی و شیعہ دونون مذہب کے بموجب با خود ہا رضامندی سے نکاح فسخ کر سکتے ہین۔ لیکن جب شوہر نے اپنے برے طریق عمل سے عورت کی زندگی تلخ کر رکھی ہے یا جب وہ اپنے شوہری فرایض کے انجام دہی مین قصور کرتا ہے یا اون باتون کو پورا نہین کرتا جنکے

کرنیکا اوس نے نکاح کے وقت عہد کیا تہا تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ حاکم الشرع سے اپنی
شکایت بیان کر کے فسخ نکاح کی استدعا کرے اور جب ثابت ہو کہ شوہر اپنی زوجہ سے بیرحمی
کے ساتھ پیش آنیکا عادی ہے یا اوس نے اپنے اون اقرار دن کو جو وقت نکاح کئے تہے
پورا نہین کیا یا آنکہ مجنون ہے یا قبل نکاح کے عنین تہا تو قاضی کو اختیار ہے کہ نکاح فسخ کر دے

ملک الجیریا کی عدالتون کے فیصلہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذیل کی صورتون مین
عورت و مرد مین جدائی کرادیجائیگی ۔

۱۔ جب شوہر عورت کے نان نفقہ کا انتظام کئے بدون اوسے چھوڑ دے ۔ ۲۔ جب اوسے
کپڑا ندے ۔ ۳۔ جب شوہر زوجہ کو فاقہ سے رکہتا ہو۔ ۴۔ جب شوہر اپنا وطن چھوڑ دے
اور عورت کے لئے کوئی انتظام نکرے ۔ ۵۔ جب اپنی زوجہ سے ملنے مین سخت غفلت کرتا ہو
۶۔ جب زوجہ کو ایسی محنت کرنے پر مجبور کرے جو اسکی حیثیت کے خلاف ہو ۔ ۷۔ جب
زوجہ کی سکونت کا کوئی انتظام نکرے ۔ ۸۔ جب شوہر کی چند زوجہ ہون اور سب کے ساتھ
عدل نکرتا ہو۔ ۹۔ جب شوہر اپنی زوجہ سے بیرحمی کے ساتھ سلوک کرنیکا عادی ہو۔
۱۰۔ جب شوہر اپنی زوجہ کو مارپیٹ کرے یا اوسے ضرر جسمانی پہونچانیکی دہمکی دے ۔

مذکورہ بالا صورتون کے علاوہ جب یہ معلوم ہو کہ شوہر اپنی عورت کو خلع لینے پر مجبور کرتا ہے
تو زوجہ طلاق کی مستحق ہے ۔

اگر افلاس کی وجہ سے شوہر اپنی زوجہ کو نفقہ ندے سکے تو عورت مستحق طلاق نہ ہو گی ۔
(اسکے متعلق دیکھو باب دوم حقوق زوجین صفحہ ۱۴۰)

زمانہ ماضی مین اگر شوہر نے نفقہ دینے سے انکار کیا ہے تو یہ امر فسخ نکاح کے لئے کافی
نہ ہوگا بلکہ انکار ایسا ہو جو مسلسل پایا جائے ۔ مثلاً اگر عورت کی درخواست گذرنے پر شوہر اوسے
نفقہ دینے کی آمادگی ظاہر کرے اور یہ معلوم ہو کہ شوہر نیک نیتی سے کہہ رہا ہے تو عورت

تفریق کی مستحق نہین ہے گو قاضی کو پورا اختیار حاصل ہے جو چاہے حکم کرے۔

عورت اوس صورت مین بہی جدائی کی مستحق ہے جب شوہر اپنی زوجہ کے والدین یا اوسکے اقربا کی ہمیشہ تحقیر کرتا ہے یا بُری زندگی بسر کرتا ہے یا خراب عورتون کی صحبت مین رہتا ہے یا اپنی زوجہ کو بازاری رنڈیون کے ساتھہ رہنے کے لئے یا ویسے ہی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ یا کسی بازاری طوائف کو گہر مین لاکر رکہہ لیا یا اپنی زوجہ کو قتل کرنیکی دہمکی دیتا ہے یا اوسے مارتا ہے یا اوسکی جائداد فروخت کرتا ہے یا اور طور پر اوسکی زندگی تلخ کر رکہی ہے۔

شکایات مذکورہ بالا صرف عورت کے بیان پر صحیح نہ تسلیم کیجائیگی بلکہ ثابت ہونی چاہئے جب عورت کا بیان معتبر شہادت سے ثابت ہو یا ضرر کے نشان اوسکے جسم پر پاسے جائین تو قاضی پر واجب ہے کہ اون مین جدائی کرا دے۔

جب عورت بیرحمی کی بناء پر فسخ نکاح کی استدعا کرے تو اوس نالش کے جواب مین یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ اوس بیرحمی کے سلوک کا باعث خود عورت ہوئی مثلاً اگر مرد یہ کہے کہ اوس نے اپنی زوجہ کو اسوجہ سے مارا کہ اوس نے دین اسلام کی توہین کی تو یہ جواب قانوناً کافی نہ ہوگا۔

وقت نکاح کے شوہر نے جو اقرار و شرائط کئے ہین اگر اونکی تعمیل نکرے یا اونکے خلاف عمل کرے تو جج کے حکم سے تفریق ہوسکتی ہے قدیم زمانہ مین اس ملک مین قاضی کی عدالتین مسلمانون کے معاملات ازدواج کا تصفیہ کرتی تہین مگر یہ عدالتین معہ دیگر ملکی نظام کے انگریزی زمانہ مین بالکل معدوم ہوگئین جو مشکلات کہ سابق مین قاضی بہت آسانی سے رفع کرتے تہے اب اونکے دفعیہ کی کوئی صورت نہین ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے نکاح کے وقت یہ شرط کی ہے کہ وہ بحالت حیات اپنی بیوی کے دوسری عورت سے نکاح نکریگا لیکن بعدہ اوس نے دوسری عورت سے نکاح کیا تو قاضی کو یہ اختیار تہا کہ مرد کو مجبور کرے کہ وہ اپنے عہد کا ایفاء کرے یا عورت کی درخواست پر نکاح فسخ کردے۔

اب انگریزی حکومت مین نکاح فسخ کرنیکا کوئی ذریعہ نہین رہا۔ لیکن غالباً عورت عدالت دیوانی سے اس مضمون کا حکم امتناعی حاصل کرسکتی ہے کہ شوہر اپنے معاہدہ سے بازگشت نکرے۔ بمقدمہ بدرالنسا بنام مشیت اللہ ؎۱ وقت نکاح کے یہ شرط قرار پائی تھی کہ اگر شوہر دوسری عورت سے نکاح کرے تو زوجہ اولے اپنے کو طلاق دیسکتی ہے اور اوس کے مطابق اس شرط کے طلاق دی تو شوہر اعادہ حق زناشوی کی نالش نہین کرسکتا۔

جب شوہر مجبوری کی وجہ سے اپنی زوجہ سے نہ ملسکے مثلاً وہ قید مین ہو تو اسوجہ سے اونکے درمیان تفریق نکرائی جائیگی بشرطیکہ عورت کو اوسکا نفقہ ملا جائے چنانچہ الجیریا کی عدالت نے ایک مقدمہ مین ایسی ہی تجویز کی۔ لیکن شافعی مذہب کے بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ اگر قید پانچ برس سے زیادہ مدت کے لئے ہو تو عورت فسخ نکاح کرانیکی مستحق ہے اور عدت کا زمانہ گذار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

شیعہ مذہب کے بموجب اگر شوہر چار سال تک غائب ہے اور اس عرصہ مین اوسکی کوئی خبر نہ معلوم ہو تو عورت نکاح ثانی کرسکتی ہے۔ امام مالکؒ و امام حنبلؒ بھی ایسے ہی فرماتے ہین۔ لیکن شافعی مذہب کے بموجب عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کا سات سال تک انتظار کرے اور اوس زمانہ کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ قاضی کے حکم سے نکاح ثانی کرے۔ اس امر خاص مین امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بہت تعجب خیز ہے اور اسوجہ سے حنفی مذہب کے پیرو بھی بالعموم امام مالکؒ کے قول پر عمل کرتے ہین۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ عورت کو ایک سو بیس (۱۲۰) سال تک انتظار کرنا چاہئے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نوّے (۹۰) برس تک و امام محمدؒ کے نزدیک ستّر برس تک چونکہ یہ تینون قول ناقابل التعمیل ہین اس لئے بالعموم امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ ہے یعنی جب

؎۱ بنگال لا رپورٹ جلد ۷ صفحہ ۲۲۷۔

شوہر چار سال تک مفقود الخبر ہو [۵۱] اور عورت نے قاضی سے درخواست کرکے اجازت لے لی ہے تو وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

ظہار

ہدایہ۔ ظہار مشتق ہے ظہر سے جسکے لغوی معنی پیٹھ کے ہین۔ زوجہ کو ایسی عورت سے تشبیہ دینے کو جو دائمی حرام ہے ظہار کہتے ہین۔ پس ظہار مین تشبیہ رکن ہے اگر تشبیہ نہ ہو تو ظہار نہ ہوگا۔ نیت کا ہونا ضرور نہین ہے۔

زوجہ کے کسی عضو کو محرمات ابدی کی کسی عضو سے تشبیہ دینی بشرطیکہ یہ عضو ایسا ہو جسکے ساتھہ تمام بدن کی تعبیر کرنی جائز ہے ظہار ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ تو میری مان کی پیٹھہ کی مانند ہے۔ تو یہ ظہار ہوگا۔ [۵۲]

واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت مین ظہار کرنا بمنزلہ طلاق دینے کے تہا۔ شرع نے اوسکی اصلیت برقرار رکہی اور اوسکا حکم بدلکر حرمت کفارہ دینے کے وقت تک موقوف رکہا۔ اور ظہار کو نکاح

---

۵۱ صفحہ ۸۸ جلد ۲ سید امیر علی۔ مفقود الخبر اوس شخص کو کہتے ہین جسکی نسبت یہ نہ معلوم ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا۔ محیط مین لکہا ہے کہ اگر کسی مسلم کو دشمن نے گرفتار کر لیا اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا گویہ معلوم ہو کہ وہ دار الحرب مین قیدی ہے تو وہ مفقود کہا جائیگا۔ لیکن ملتقی و دیگر مستند کتابون مین لکہا ہے کہ مفقود ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اوسکے رہنے کا مقام بہی نہ معلوم ہو۔ صاحب رد المختار لکہتے ہین کہ مفقود کے مقام سکونت کا علم اوسکے زندہ رہنے کے علم کو بہی شامل ہے۔ کیونکہ جب اوسکا مقام سکونت نہ معلوم ہو تو دوسرا امر بہی لا معلوم ہے۔

۵۲ در المختار صفحہ ۱۹۱۔ محرمات ابدی کی قید سے اپنی عورت کو سالی کے ساتہہ یا مطلقہ ثلثہ کے ساتہہ تشبیہ دینی ظہار کی تعریف سے خارج ہو گیا باوجودیکہ سالی و مطلقہ ثلثہ مرد پر حرام ہے۔ لیکن وصف حرمت ایسا نہین ہے جو زائل نہ ہو سکے بلکہ زوجہ کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد سالی کے ساتہہ نکاح جائز ہے بشرطیکہ زمانہ عدت منقضی ہو گیا ہو۔ ایسے ہی مطلقہ ثلثہ بعد نکاح زوجہ ثانی کے شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔

کا زائل کرنے والا قرار نہین دیا - اس لئے اگر کسی شخص نے صریح ظہار کرتے وقت طلاق دینے کی نیت کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی - کیونکہ ظہار نکاح کا زائل کرنے والا نہین ہے -

کفارۂ ظہار

ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ عورت سے مساس وغیرہ کرنے کے قبل مرد ایک بردہ آزاد کرے - و اگر اوسے بردہ نہ میسر ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے و اگر روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اوس پر یعنی مرد پر ساٹھہ مسکینون کا کہانا کہلانا فرض ہے - یہ حکم صاف طور پر قرآن مجید مین مذکور ہے - ظہار کرنا ایک جرم مستوجب کفارہ اسوجہ سے قرار دیا گیا کہ یہ قول فحش و جہوٹ ہے کیونکہ زوجہ مان کی بیٹہ نہین ہے اور مان سے تشبیہ دینے مین فحش گفتگو کی اس لئے زوجہ اوسوقت تک حرام کردیگئی جبتک کفارہ نہ ادا کرے -

اگر شوہر یہ کہے کہ مین نے زوجہ کو مان کی بیٹہ سے باعتبار بزرگی کے تشبیہ دی تو اوسکا قول لائق تسلیم ہوگا تو شوہر کوئی گناہ نہین ہے و نہ یہ ظہار ہوگا یعنی کفارہ دینا واجب نہ ہوگا - درالمختار - اگر عورت اپنے شوہر سے کہے کہ تو مجہپر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی بیٹہ یا مین تجہپر ایسی ہون جیسے تیری مان کی بیٹہ یعنی اگر عورت ظہار کرے تو لغو ہے اس سے نہ حرمت ہوگی و نہ کفارہ ظہار کا -

سید امیر علی صفحہ ۴۵۶ - زمانہ جاہلیت کے عربون مین ظہار کرنیکا ایسا برا دستور پڑ گیا تہا کہ اوسکے برے نتائج سے بچنے کے لئے شرع مین حکمی قواعد مقرر کئے گئے لیکن اسکی ضرورت عملی طور پر اس زمانہ مین کچہہ بہی باقی نرہی - البتہ اب اون سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی عورت کو ہمیشہ فحش طریقہ سے مخاطب کیا جاسئے - تو صرف اسی بناء پر وہ مستحق ہوگی کہ اوسکی جدائی کرادیجائے - اس قسم کے فحش کلمات عوام کے اخلاق کے مخرب ہین اور کتخدائی کی زندگی کے شایان نہین ہے - اس لیئے اگر کسی عورت سے اس قسم کے بدتہذیب کلمات کہے جائین تو بموجب سنی مذہب کے وہ مستحق ہے کہ قاضی سے فسخ نکاح کی استدعا

کرے بشرطیکہ شوہر نے اپنی اس قبیح حرکت کا شرعی کفارہ نہ ادا کردیا ہو۔

لیکن شیعہ مذہب مین ظہار کیوجہ سے قاضی فسخ نکاح نہین کرسکتا۔ شرایع مین ہے "اگر زوجہ سے ظہار کیا جائے تو اوسکو یعنی زوجہ کو اختیار ہے کہ اوسے برداشت کرجائے واگر اوس نے برداشت کرلیا تو کسی دوسرے کو اوسپر معترض ہونیکا کوئی حق نہین ہے یا عورت اس امر کی شکایت قاضی سے کرے۔ آخر الذکر صورت مین شوہر سے کہا جائیگا کہ تین ماہ کے عرصہ مین یا تو کفارہ ادا کرے یا زوجہ سے علیحدگی اختیار کرے۔ اور اگر شوہر نے مدت معینہ کے اندر دونون باتون مین سے کوئی ایک بھی نہ کی تو قاضی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اپنے حکم سے نکاح فسخ کرے یا شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کرے" ۵۱

سید امیر علی۔ ایلاء بھی مثل ظہار کے بالکل متروک ہے مگر چونکہ کتابون مین اسکا ذکر ہے اس لئے کچھہ تھوڑا سا اسکے متعلق لکھنا مناسب ہے۔

ہدایہ۔ ایلاء قسم کھانیکو کہتے ہین کہ مین اپنی منکوحہ زوجہ سے قربت نکرونگا۔ پس اگر چار ماہ سے کم کے لیے قسم کھائی ہے تو ایلاء نہین ہے اس لئے اس سے بحث نہین واگر چار ماہ یا زیادہ ہو یا مدت کا تعین نہ کیا ہو تو اس سے فقہی احکام اخذ ہوتے ہین۔

چارون امامون کے نزدیک بدون قسم وتعلیق کے ایلاء نہین ہوتا۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ واللہ مین تجھہ سے قربت نکرونگا یا چار ماہ تک قربت نکرونگا تو وہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگیا۔ اگر چار ماہ کے اندر مرد نے رجوع کرلیا تو ایلاء ساقط ہوگیا مگر قسم کا کفارہ دینا پڑیگا۔

---

۵۱ شرایع صفحہ ۳۳۵۔ قواعد مذکورہ اب صرف ایک تاریخی دلچسپی رکھتے ہین جن سے زمانہ قدیم کے عربون کے طرز معاشرت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ فی زمانا ظہار کے لفظ سے مسلمان ایسے ہی ناواقف ہین جیسے دوسری قومین۔ اس لئے کتابون مین ظہار کے مسائل پائے جانے سے یہ قیاس نہ ہونا چاہئے کہ اس قسم کے فحش کلمات مسلمانون مین بالعموم رائج ہین۔

اگر چار ماہ گذر گئے اور اوس نے عورت سے قربت نہ کی تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔ اور تفریق کرنیکے لئے قاضی کے حکم کی ضرورت نہین مگر امام شافعیؒ کے نزدیک تفریق کرانے مین قاضی کے حکم کی ضرورت ہے۔

لعان

درالمختار لعان مشتق ہے لعن سے جسکے معنی ہانکنے و پھٹکارنے و دور ڈالنے کے ہین یعنی رحمت الہی یا مراتب صالحین سے دور کرنا۔

اصطلاح شرعی مین لعان عبارت ہے چار گواہیون سے جو موکد و مستحکم ہو قسم سے و مرد کی پانچوین گواہی مقرون بہ لعنت ہو و عورت کی پانچوین گواہی مقرون بہ غضب ہو۔

سید امیر علی۔ زنا کی تہمت شرعاً چار شخصون کی چشم دید شہادت سے ثابت ہو سکتی ہے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے چشم دید شہادت کا ملنا اکثر سخت دشوار ہے۔ لیکن اکثر صورتین ایسی پیش آسکتی ہین کہ شوہر کو اپنی زوجہ کی بداعمالی کا پورا یقین ہے مگر اسکی چشم دید شہادت نہین ملسکتی یا آنکہ صرف شوہر ہی اوس بداعمالی کے ارتکاب سے واقف ہے تو ایسی صورتون مین مرد کو ہر طرح کے چارہ کار سے محروم کرنے مین سخت خرابیون کا اندیشہ تہا۔ اس لئے شرع نے لعان کا قاعدہ قرار دیا۔ اور اس مین صرف مردون ہی کا خیال نہین رکہا ہے بلکہ عورتون کا بہی شرع مین اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کی تہمت لگائے تو وہ حد قذف ؎۵۱ کا مستوجب ہے اس لئے شوہر اپنی زوجہ کو زنا کی تہمت لگائے تو مرد کی گواہیان اوسکے حق مین حد قذف کی قایمقام ہوتی ہین یعنی تہمت زنا کی سزا مرد سے ساقط ہو جاتی ہے اور عورت کی گواہیان اوسکے حق مین حد زنا کی قایمقام ہین۔ یعنی بوجہ گواہیون کی عورت سے زنا کی حد ساقط ہو جاتی ہے۔ (درالمختار)

یہ طریقہ شرعاً بہت مذموم خیال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ متعلق کتب فقہ کے دیکھنے سے

؎۵۱ زنا کی تہمت کیلئے جو شرعی سزا ہے اوسے حد قذف کہتے ہین۔ شرعی سزا اسّی کوڑا ہے۔

ثابت ہوتا ہے مگر جب مرد و عورت اصرار کرین تو مجبوراً اسپر عمل کیا جائیگا۔

ہدایہ مین ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو زنا کی تہمت لگاتا ہے مگر اوسکی بابت کوئی گواہ نہین رکھتا ہے تو اس صورت مین جس قاعدہ سے باہمی نزاع کا تصفیہ ہوگا اوسکو شرع مین لعان کہتے ہین قاعدہ یہ ہے۔ قاضی شوہر و زوجہ کو حاضر کرکے پہلے شوہر سے شروع کرے۔

شوہر چار بار یہ کہکر شہادت دے کہ مین اللہ تعالےٰ کی قسم کے ساتھہ گواہی دیتا ہون کہ جو مین نے اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی ہے اس مین مین سچا ہون۔ پانچوین بار یہ کہے کہ اوس نے (شوہر اپنی طرف اشارہ کرکے کہے) جو اس عورت کو زنا کا عیب لگایا ہے اس مین اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو اوسپر (اپنی طرف اشارہ کرکے کہے) اللہ تعالےٰ کی لعنت ہے۔ پھر عورت چار بار یہ کہکر گواہی دے کہ مین اللہ تعالےٰ کی قسم کے ساتھہ گواہی دیتی ہون کہ اس مرد نے جو زنا کی تہمت مجھپر لگائی ہے اس مین یہ جھوٹھہ بولتا ہے اور پانچوین بار یہ کہے کہ اسنے جو تہمت زنا کی مجھپر لگائی ہے اگر یہ مرد اس قول مین سچا ہے تو اوسپر (عورت اپنی طرف اشارہ کرکے کہے) اللہ تعالےٰ کا غضب ہو۔

قاعدہ مذکور سے بخوبی ظاہر ہے کہ لعان مین قسم رکن اعظم ہے۔ پس جس شخص مین قسم کی اہمیت سمجھنے کی قابلیت نہ ہو وہ لعان نہین کرسکتا جیسے نابالغ و مجنون۔

درالمختار مین ہے کہ شرط لعان قیام زوجیت ہے و نکاح کا صحیح ہونا نہ کہ فاسد۔ و سبب لعان کا یہ ہے کہ مرد اپنی زوجہ کو ایسی تہمت لگائے کہ اگر غیر عورت کو ایسی تہمت لگاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہوتی۔

لعان کا حکم یہ ہے کہ باہم لعان کرنے والون کے وطی و استمتاع حرام ہے گو زوجین مین اوسوقت تک حاکم نے تفریق نہ کرائی ہو منجملہ احکام کے یہ ہے کہ تفریق کرانی واجب ہو جاتی ہے اور بعد تفریق کے طلاق بائن واقع ہوتی ہے مگر عورت زمانہ عدت مین نفقہ و سکنی کی مستحق ہے۔

اگر لعان کرنے والے لعان کی حقیقت پر اصرار کرین تو اونمین بالاتفاق ہمیشہ جدائی رہنی چاہیئے۔ و اگر لعان کے بعد تکذیب کرین تو بعد طلاق بائن واقع ہونے کے امام ابوحنیفہ رح و امام محمد رح کے نزدیک پہر نکاح کرنا درست ہے و امام ابو یوسف رح و امام شافعی رح (و امام مالک رح کے نزدیک و مذہب شیعہ مین) کے نزدیک دونون مین دائمی حرمت ہے۔

اگر شوہر لعان سے انکار کرے تو اوسکو قید کیجائیگی حتی کہ وہ لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے پھر جب اوس نے اپنے آپکو جھٹلایا تو اوسے حد قذف ماری جائیگی یعنی اسّی کوڑے۔

اگر عورت بعد لعان مرد کے لعان سے انکار کرے تو قید کیجائیگی حتی کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اگر تصدیق کی تو زوجہ سے لعان کرنا دفع ہوگیا لیکن عورت کو حد زنا نہ ماری جائیگی کیونکہ تصدیق کرنا قصداً اقرار زنا نہین ہے بلکہ عورت کا مقصود یہ ہے کہ اوسے لعان نہ کرنا پڑے۔

## طلاق العنین

سید امیر علی بشمول انگریزی قانون کے شرع محمدی مین بہی یہ حکم ہے کہ اگر شوہر نامرد ہے تو عورت نکاح فسخ کرانیکی مستحق ہے۔ بشرطیکہ زوجہ کو نکاح کے قبل اس امر کا علم نہ تھا لیکن اگر زوجہ شوہر کی اس ناقابلیت سے واقف تھی اور باوجود اسکے اوس نے نکاح کیا تو وہ مستحق طلاق نہین ہے۔ ونہ اوس صورت مین مستحق ہے جب عورت سے ہم بستری کرنے کے بعد شوہر مین یہ کمزوری پیدا ہوگئی۔

مذہب حنفی

اگر مرد دوسری عورتون سے جماع کرسکتا ہے مگر اپنی زوجہ سے نہین کرسکتا تو اس صورت مین بہی حنفی مذہب کے بموجب عورت کے استحقاق فسخ نکاح مین کچھہ فرق نہ آئیگا۔

مذہب شیعہ

لیکن شیعہ مذہب کے علماء اس امر مین مختلف ہین۔ ایک فریق حنفی علماء سے متفق ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ صورت مذکور مین عورت کو فسخ نکاح کا حق نہین حاصل ہے۔

اگر عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے تو وہ حق اسوجہ سے زائل نہ ہوجائیگا کہ عورت نے اوس حق کے طلب کرنے مین تاخیر کی اس لئے عورت پر اپنے حق کے طلب کرتے وقت عجلت کرنی واجب نہین ہے۔

# باب ہفتم

## نابالغی - ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ء

سید امیر علی صفحہ ۴۷۴ - نابالغی سے جو مجبوری یا ناقابلیت پیدا ہوتی ہے وہ شرع محمدی کی خصوصیات سے نہین ہے - اکثر ملکون کے قانون مین بالغ ہونے کے بعد نابالغ اپنی ذات کا مختار ہوجاتا ہے اور پھر وہ اپنی جائداد مین جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے لیکن شرع محمدی کے بموجب اپنی ذات پر مختار ہونے سے خواہ مخواہ وہ اپنی جائداد کا بھی مختار نہین ہوجاتا - شرع مین بلوغیت کے دو مختلف زمانے قرار دئے گئے ہین - ایک وہ زمانہ جب نابالغ ولایت اجبار سے آزاد ہوجاتا ہے - دوسرا وہ جب وہ اپنی جائداد مین ہر طرح کا تصرف کرنے کا مجاز ہوتا ہے - ان دونون قانون کو بلوغ و رشد یعنی سن تمیز کہتے ہین -

حنفی و شیعہ مذہب مین پندرہ برس کی عمر ختم ہونے پر بلوغیت کا قیاس کیا جائیگا[۱]

---

[۱] شامان چرن سرکار اپنے ٹیگور لا لکچرس مین لکھتے ہین - عورت و مرد پندرہ برس پورے ہونے پر بالغ ہوتے ہین - لیکن اگر اوس سے قبل بلوغ کی کوئی علامت پائی جاوے تو اوسوقت سے جب وہ علامت ظاہر ہو بالغ متصور ہوگا - چنانچہ در المختار مین لکھا ہے کہ مرد اوسوقت بالغ متصور ہوگا جب اوسے خواب مین یا مباشرت مین احتلام ہو یا جب اوسکے نطفہ سے حمل قرار پائے - اور عورت اوسوقت بالغ ہوگی - (دیکھو فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۲)

وامام مالکؒ کے نزدیک ۱۸ برس ختم ہونے پر حنفی و شیعہ مذہب مین بلوغیت کے ساتھہ رشد یعنی عقل و تمیز کا ہونا بھی قیاس کیا جاتا ہے اس لئے جب نابالغ بوجہ بالغ ہونے کے اپنی ذات کا مالک ہوگیا تو اوسکے ساتھہ ہی وہ اپنی جائداد کے قبضہ کا بھی مستحق ہو جاتا ہے -

مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکا و لڑکی بالغ ہون - مگر جائداد کے انتظام کی قابلیت و سمجھہ اون مین نہ ہو - ایسی حالت مین شرعاً نابالغ کی ذات بعد بلوغ کے ولی کے جبر سے آزاد ہو جاتی ہے - مگر نابالغ کے فائدہ کے لئے اوسکی جائداد اوسکے ولی کے اہتمام و انصرام مین رہیگی - اگر بعد بالغ ہونے کے بھی نابالغ مین سمجھہ نہ آئے تو یہ قیاس ہوگا کہ اٹھارہ برس ختم ہونے پر وہ صاحب تمیز ہوگیا - تاوقتیکہ اس قیاس کے منافی کوئی بدیہی ثبوت نہ ہو -

ایکٹ نمبر ۹ بابت ۱۸۷۵ء مین بھی بلوغیت کے دو مختلف زمانے قرار دئے گئے ہین ایکٹ مذکور کی دفعہ ۲ مین لکھا ہے کہ "اس ایکٹ کا اثر کسی شخص کے فعل پر معاملات ذیل مین کچھہ نہ ہوگا یعنی نکاح و مہر و طلاق و تبنیت مین" دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ "معاملات مذکورہ بالا کے سواء اور ہر حالت مین اٹھارہ برس ختم ہونے پر نابالغ بالغ متصور ہوگا اوس سے پہلے نہین بشرطیکہ نابالغ

**بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۱** - جب اوسے خواب مین احتلام ہو یا حیض آئے یا حاملہ ہو - لیکن اگر ان مین سے کوئی بات نپائی جائے تو پورے پندرہ برس ختم ہونے پر بالغ متصور ہونگے - اور اسی پر فتوی ہے - بحوالہ ہدایہ یہ لکھا ہے کہ لڑکے مین بارہ برس سے پہلے و لڑکی مین نو برس سے پہلے بلوغیت کی علامت نہین پائی جاسکتی - جب لڑکا و لڑکی قریب بلوغیت کے ہون اور وے اپنے کو بالغ کہین تو وے بالغ متصور ہونگے اور پھر وے اوس قواعد کے تابع ہو جائینگے جو بالغ سے متعلق ہین - کیونکہ بلوغیت کا اعتبار اونکی شہادت پر موقوف ہے اور جب وے اپنے کو بالغ کہین تو اونکے کہنے کا اوسی طرح پر اعتبار کیا جائیگا - جیسے کسی عورت کا بیان اوسکے حیض کے متعلق صحیح مانا جاتا ہے -

بموجب ایکٹ نمبر ۲۴ سنہ ۱۸۵۸ء (جو اب منسوخ ہوگیا و بجائے اوسکے ایکٹ نمبر ۸ سنہ ۱۸۹۰ء قایم ہوا) یا کورٹ آف وارڈس کے قانون کے بموجب عدالت کی حفاظت مین نہ ہو لیکن جب کسی نابالغ کی ذات یا جائداد کا ولی عدالت سے مقرر ہوا ہو یا جو نابالغ کورٹ آف وارڈس کی نگرانی مین ہو تو وہ ۲۱ برس ختم ہونے سے پہلے بالغ نہوگا۔

ظاہر ہے کہ مثل شرع محمدی کے ایکٹ مذکور مین بھی بلوغیت کے دو زمانے قرار دئے گئے ہین۔ ایک وہ زمانہ جب نابالغ اپنی ذات پر مختار ہوتا ہے۔ دوسرا جب وہ اپنی جائداد کے معاملہ مین مختار ہوتا ہے۔ اس قانون کے ذریعہ سے رشد کا ایک زمانہ معین کردیا گیا۔ یعنی اٹھارہ سال ختم ہونے پر۔ بجز اون صورتون کے جب کورٹ آف جسٹس نے کسی نابالغ کا ولی مقرر کیا ہو یا نابالغ کورٹ آف وارڈس کی نگرانی مین ہو۔ اور آخر الذکر صورتون مین قانون نے شرع سے ایک قدم بڑھکر اکیس ۲۱ برس کے ختم ہونے پر جائداد کے معاملات مین نابالغ کو اختیار دیا ہے۔ لیکن نابالغ کی ذاتی آزادی کے متعلق ایکٹ مذکور نے شرع محمدی کے احکام مین کچھ رد و بدل نہین کیا۔ بلکہ صاف طور پر معاملات نکاح۔ مہر۔ و طلاق۔ اس ایکٹ کے اثر سے خارج کردئے گئے ہین۔ اس لئے اس ایکٹ کے ذریعہ سے بلوغیت کے زمانہ مین جو توسیع ہوئی ہے اوس سے ولایت جبر کے زمانہ مین زیادتی نہین ہوئی اسلئے اس ایکٹ کی وجہ سے باپ اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح بعد پندرہ برس کی عمر کے زبردستی نہین کرسکتا۔ اور اگر نابالغ حنفی یا شیعہ ہے تو بغیر اجازت اپنے ولی کے نکاح کرسکتا ہے و اگر ولی اوسکا نکاح کردے تو اوس نکاح کی صحت اوسکی یعنی نابالغ کی اجازت پر موقوف رہیگی۔

اگر کسی نابالغ کا نکاح اوسکے باپ یا دادا کے سوائے کسی اور ولی نے کردیا تو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ نابالغ (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) پندرہ برس ختم ہونے پر خیار بلوغ پر عمل کرنیکے لئے مجبور ہے۔ یا آنکہ اٹھارہ سال ختم ہونے پر اس خیار پر عمل کرنیکا مستحق ہوگا۔ چونکہ اس ایکٹ کے

ذریعہ سے شرعِ محمدی کے احکام مین جو نکاح و مہر و طلاق سے متعلق ہین کچھہ تغیر نہین واقع
ہوا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نابالغ کا نکاح اوسکے ولی نے کردیا ہے (باپ و دادا
کے سوای کسی اور ولی نے) تو وہ بعد بالغ ہونیکے خیار بلوغ کی وجہ سے فسخ نکاح کرسکتا ہے۔
اگر اوسوقت اس خیار پر عمل نہ کیا تو یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ حق ساقط ہوجائیگا یا اوسپر عمل نکرنے
سے نابالغ کی تسلیم قیاس کیجائیگی - لیکن چونکہ ایکٹ مذکور کے بموجب نابالغی اٹھارہ سال تک
رہتی ہے اور بعض صورتون مین اکیس برس تک - اور ایکٹ مین کہین یہ نہین لکھا ہے کہ اگر
کسی قانون کی رو سے کوئی حق کسی کو حاصل ہو تو وہ حق زائل ہو جائیگا - اگر وہ شخص بموجب احکام
اوس خاص قانون کے فوراً اوس حق کو طلب نکرے اس لیئے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ایکٹ
مذکور کے بموجب جب وہ شخص بالغ ہو - (۱۸ سال یا ۲۱ سال کی عمر کے بعد جیسی صورت ہو)
اور خیار بلوغ کی وجہ سے اوس نکاح کو فسخ کرے جو اوسکے باپ و دادا کے سوائے کسی اور
ولی نے اوسکی طرف سے اوسکی نابالغی مین کردیا ہے تو عدالت انصاف مین اوسکا یہ فعل
ناجائز نہ متصور ہوگا۔

شرع کے بموجب ہر شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) بالغ ہونے کے بعد ہر قسم کا قانونی
معاہدہ کرنیکا مجاز ہے خواہ اوسکا اثر اوسکی ذات پر ہو یا اوسکی جائداد پر - لیکن ایکٹ مذکور کے
بموجب اگر کوئی شخص قانونی بلوغیت کو نہ پہونچا ہو تو وہ اپنی جائداد مین کسی قسم کا تصرف نہین
کرسکتا - مگر اون معاہدون کو اس حکم سے مستثنی کردیا ہے - جس کا اثر ذات پر ہے - اسکا
نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شرعی بلوغیت کے بعد نکاح کرے اور اپنی زوجہ کے حق مین تملیک
نامہ لکھدے تو یہ تملیک صحیح ہوگی - کیونکہ عقد نکاح کا یہ لازمی نتیجہ ہے - اسی طرح ایک شخص
نے جو شرعاً بالغ ہے مگر قانوناً نابالغ اپنی زوجہ کو طلاق دی تو اوسپر مہر واجب الادا ہوگیا اور اوسکی
جائداد سے وصول ہوسکتا ہے گو ایکٹ مذکور کے بموجب ایک معین زمانہ تک نابالغ اپنی

جائداد پر کوئی مواخذہ اپنے فعل سے نہین عائد کرسکتا۔ ذات و جائداد کے متعلق دو مختلف زمانی بلوغیت کیوجہ سے اس قسم کی چند وقتین پیش آسکتی ہین۔

مگر مذہب مالکی مین چونکہ اٹھارہ سال ختم ہونے پر انسان بالغ ہوتا ہے۔ اس لئے اس مذہب مین اور ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ء مین کوئی اختلاف نہین ہوسکتا اور نہ وہ دقتین پیش آسکتی ہین جو اوپر مذکور ہوئین۔

## ولایت قدرتی۔ ولایت بالوصیت

## ایکٹ نمبر ۹ سنہ ۱۸۸۰ء

سید امیر علی۔ ولایت مین تین باتین داخل ہین۔ **اول** ۔ تربیت جب ولایت وحضانت دونون ایک شخص کو حاصل ہون۔ **دوم** ۔ صرف نابالغ کی نگرانی جب حضانت کسی دوسرے شخص کو ہے۔ **سوم** ۔ نابالغ کی جائداد کا اہتمام وانصرام۔

ولی تین قسم کے ہوتے ہین۔ ولی قدرتی۔ ولی بالوصیت۔ ولی بحکم سلطان یا قاضی۔ قدرتی ولی باپ ہے اور باپ کے بعد اوسکا وصی۔ لیکن جب باپ نے کوئی وصی نہ مقرر کیا ہو تو دادا اور دادا کے بعد اوسکا یعنی دادا کا وصی۔ لیکن مذہب شیعہ مین اگر دادا زندہ ہے تو اوسکو باپ کے وصی پر ترجیح ہے۔ اگر باپ و دادا و اونکے وصی نہ ہون تو نابالغ کی جائداد کے انتظام کے لئے سلطان وقت کی طرف سے قاضی ولی مقرر کریگا۔ حنفی مذہب کے بموجب اگر باپ کے عصبات

ذکورمین کوئی لائق شخص ہو تو قاضی اوسکو ولی مقرر کریگا وکسی اجنبی شخص کو نہ مقرر کریگا۔ لیکن باپ
وداداکے سوائے کسی رشتہ دار کو تاوقتیکہ قاضی اوسے ولی مقرر نکرے نابالغ کی جائداد کے
متعلق کچھ عمل کرنیکا حق نہین ہے۔ ایکٹ نمبر ۸ سنہ ۱۸۹۰ع کے بموجب جج ہر شخص کو ولی
مقرر کرسکتا ہے۔ مگر دفعہ ۱۷ مین جو قواعد مذکور ہین وہ شرع محمدی کے احکام سے بہت مشابہ ہین
باپ وصیت کے ذریعہ سے اپنی نابالغ اولاد کی ولایت واوسکے حقوق کی نگہداشت
کے متعلق ہر قسم کا انتظام کرسکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی وصیت اوسی حالت مین صحیح ہوگی جب
اوس نے اپنے ہوش وحواس مین کی ہو۔ لیکن جب وصیت نہایت ضعف کی حالت مین
کی گئی یا اوسوقت جب وہ اپنے دل کی کمزوری کے باعث عرصہ سے اپنے کاروبار کرنیکے
لائق نہ تہا تو وصیت صحیح نہ ہوگی۔ جو وصی مقرر کیا جائے وہ بالغ وعاقل ہو۔ اگر باپ نے کسی
نابالغ یا مجنون کو ولی مقرر کیا تو یہ تقرری کالعدم ہے۔ اور قبل اسکے کہ قاضی اوسے معزول
کرے اگر اس نابالغ ولی نے کوئی فعل یا عمل کیا ہو تو وہ بہی کالعدم ہے۔ اگر باپ کا مقرر کیا ہوا
ولی بعد تقرری کے مجنون ہو گیا تو اوسکی ولایت زائل ہو جائیگی اور قاضی دوسرا ولی مقرر کریگا۔
حربی کسی حالت مین مسلم یا ذمی کا ولی نہین ہوسکتا۔ لیکن ذمی یعنی غیر مسلم جو اوس سلطان کی رعیت
ہے جسکی رعیت موصی ہے اگر ولی مقرر کیا جائے تو حنفی مذہب کے بموجب وہ اوسوقت
تک ولایت کے جملہ کام کو انجام دیسکتا ہے جب تک اوسے قاضی معزول نکرے۔
اور یہ امر قاضی کے اختیار مین رہجاتا ہے اوسے معزول کرے یا نہ کرے مگر نابالغ کی منفعت کے
لحاظ سے قاضی کو چاہئے کہ اوسے معزول کرے۔ معزول کئے جانے سے پہلے جو عمل
ولی کریگا جائز ہوگا۔ مذہب مالکی وشافعی مین ذمی نابالغ کی جائداد کا ولی ہوسکتا ہے مگر اوسکی
ذات کا ولی نہین ہوسکتا۔ شیعہ مذہب مین یہ مسئلہ بہت صاف نہین ہے۔ جامع الشتات مین
لکہا ہے کہ ولایت کے معاملہ مین ذمی وحربی کا ایک حکم ہے۔ شاید اسکا یہ مقصد ہو کہ

نابالغ کی ذات کی ولایت مین ذمی و حربی یکسان ہین - لیکن اگر ان کو وصیت کے ذریعہ سے ولی مقرر کیا ہے تو گو مان نا مسلمہ ہو لیکن جملہ مذاہب کے بموجب اوسکو نابالغ کی ذات و جائداد پر ولایت حاصل ہو گی - اگر اپنے غلام کو وصیت کے ذریعہ سے اپنے نابالغ لڑکون کا ولی مقرر کیا تو صحیح ہے واگر دوسرے شخص کے غلام کو ولی مقرر کیا تو صحیح نہین ہے اگر فاسق کو ولی مقرر کیا جس سے نابالغ کا ضرر متصور ہے تو ولایت فاسد ہے اور قاضی اوس ولایت کو مذہب حنفی و شیعہ دونون کے مطابق فسخ کر سکتا ہے -

بلحوظی شرایط مذکورہ بالا باپ کو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے نابالغ اولاد کا ولی مقرر کر سکتا ہے - اوسکے اختیار پر کچھہ اعتراض نہین ہو سکتا الا اوس صورت مین جب وہ ولی نابالغ کے مضر عمل کرے -

مان قدرتی ولی نہین ہے وہ صرف حضانت کا حق رکھتی ہے اور نابالغ کی جائداد مین اوسے کوئی حق نہین ہے [۱] اگر وہ اپنے نابالغ اولاد کی جائداد کے متعلق بغیر حکم قاضی یا باپ کے کوئی عمل کرے تو اوسکا فعل مثل فضولی کے محض بے اثر ہے - لیکن اگر اوس سے نابالغ کا صریح فائدہ ہو تو جائز رکھا جائیگا ورنہ منسوخ کیا جائیگا -

جو ولی بذریعہ وصیت کے مقرر کیا گیا ہو وہ جملہ باتون مین جو نابالغ کی ذات یا جائداد کے متعلق ہو بجاے باپ کے سمجھا جائیگا - چند صورتون مین بالخصوص جب وصیت بر سبیل تعمیم ہو تو باپ و دادا کا وصی اپنے اختیارات اپنے وصی کو دے سکتا ہے - لیکن الجیریا کے قاضیون نے یہ تجویز کی کہ یہ انتقال اختیار اوسی صورت مین صحیح ہو گا جب بحکم قاضی یا جج کے کیا گیا ہو -

مان اپنے نابالغ بچون کا ولی نہین مقرر کر سکتی - صحیح النسب بچون کا ولی صرف باپ مقرر

---

[۱] بمبئی جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ -

کرسکتا ہے اور غیر صحیح النسب بچون کا ولی قاضی یا جج مقرر کریگا۔ لیکن جب مان کو باپ نے اپنا وصی مقرر کیا ہو تو مان کو اختیار ہے کہ اپنے وصی کو بچون کا ولی مقرر کرے [۵۱]

اگر ولی بحکم عدالت مقرر ہوا ہے یا باپ کی وصیت کے ذریعہ سے تو مان کو نابالغ کی جائداد مین کسی قسم کی دست اندازی کرنیکا حق نہین ہے لیکن اوسے یہ اختیار ہر حالت مین ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنے نام سے نالش کرے۔ اس لئے جب ولی نابالغ کی جائداد مین تغلب و تصرف کرے یا اوسکے متعلق کوئی فریبی کارروائی کرے تو مان کو یہ حق حاصل ہے کہ اوسکی معزولی کی یا اوسکو اس قسم کے افعال سے باز رکہنے کی نالش عدالت مین کرے۔

اختیارات ولی منقول مین

ولی کو نابالغ کی جائداد منقول بقیمت مناسب فروخت کرنیکا اختیار ہے اور نیز یہ اختیار ہے کہ اوس قیمت کو نابالغ کے فائدہ کے لئے کسی کام مین لگائے قیمت مناسب سے یہ مراد ہے کہ مطابق نرخ بازار کے قیمت ہو یا اوس سے کچھہ کم۔ مگر کمی بہت زیادہ نہ ہو اگر کمی اسقدر زیادہ ہو جس سے بادی النظر مین فریب کا شبہہ پیدا ہو یا اوس سے نابالغ کا بہت نقصان ہو یا اوس سے ولی کی سخت غفلت ثابت ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ معاملہ فسخ کردے اور ولی کو اوس کمی کا مواخذہ دار قرار دے۔

ولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ نابالغ کی پرورش و تعلیم کے لئے قرض لے گو اس قسم کے قرض کے لئے نابالغ کی جائداد رہن کرنی پڑے۔ اگر نیک نیتی سے اغراض مذکور کے لئے قرض لیا گیا ہے تو نابالغ کی ذات (بعد بلوغ کے) و جائداد سے وصول کیا جا سکتا ہے اگر ولی و نابالغ دونون کا روپیہ ایک کام مین لگا ہو تو ولی پر واجب ہے کہ نابالغ کا حساب علیحدہ رکہے۔

---

[۵۱] مان کے وصی کے اختیارات کے متعلق دیکہو باب وصیت کی فصل ہفتم۔

اگر وصیت سے یا قاضی کے حکم سے ولی مقرر ہوا ہے تو اوسکو یہ اختیار نہین ہے کہ بعلت اپنے قرض کے نابالغ کی جائداد اپنے پاس رہن کرے کیونکہ ولی صرف نابالغ کا وکیل ہے اور وہ دو حیثیت سے معاہدہ نہین کر سکتا۔

ہدایہ مین ہے کہ باپ بعوض اپنے قرض کے جو نابالغ کے ذمہ ہے اوسکی جائداد منقول کو اپنے پاس رہن کر سکتا ہے یا اپنے ذمگی قرض کے عوض دوسرے شخص کے پاس رہن کر سکتا ہے۔ مگر وہ اوسکی قیمت کا ذمہ دار رہیگا۔ لیکن دیگر فقہاء صاحب ہدایہ سے اخیر مسئلہ مین اختلاف کر کے کہتے ہین کہ باپ مثل اور ولی کے ہے اور اوسکو یہ اختیار نہین ہے کہ اپنے ذمگی قرضہ مین نابالغ کی جائداد رہن کرے یا اوس سے اپنا قرضہ ادا کرے۔ بعض دیگر فقہاء کا یہ قول ہے کہ اگر قرضہ مشترکاً باپ و اوسکے نابالغ لڑکے کے ذمہ ہے تو باپ نابالغ کی جائداد منقول رہن کر سکتا ہے و اگر جائداد مرہونہ تلف ہوجائے تو باپ اوسقدر قیمت نابالغ لڑکے کو ادا کرے جسقدر اوسکے یعنی باپ کے ذمہ قرض تھا۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اسکے خلاف فرماتے ہین۔

لیکن جائداد غیر منقول مین ولی کے اختیارات اور بھی زیادہ محدود ہین۔

۱۔ ولی کسی حالت مین نابالغ کی جائداد غیر منقول اپنے حق مین یا کسی دوسرے کے حق مین جس سے اوسکو کچھ تعلق ہے منتقل نہین کر سکتا۔

۲۔ غیرون کے حق مین دوچند قیمت پر یا صریح فائدہ کی حالت مین فروخت کر سکتا ہے۔

۳۔ جب وصیت کی کُل باتون کا انجام پانا بغیر فروخت غیر منقول کے ممکن نہ ہو تو فروخت کر سکتا ہے۔

۴۔ جب موصی کا قرض ادا کرنا بغیر انتقال جائداد کے ممکن نہ ہو۔

۵۔ جب جائداد کی آمدنی خراج (یعنی مالگذاری سرکار) و دیگر انتظامی اخراجات کیلئے کافی نہ ہو۔

۶۔ جب اوسکے تلف یا ضایع ہونیکا قوی احتمال ہو۔

۷۔ جب نابالغ کے پاس اور کوئی جائداد نہ ہو اور اوسکا فروخت کرنا اوسکی پرورش کے لئے ضروری ہو۔

۸۔ جب جائداد بقبضہ غاصب ہو اور واپسی کی کوئی اُمید نہ ہو۔

بمقدمہ بخشن بنام ملدی کوئری ۵۱ کلکتہ ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ ولی نابالغ کی جائداد صرف اشد ضرورت کی حالت مین یا صریح فائدہ پر فروخت کرسکتا ہے اور اگر ایسا نہین ہے تو مشتری کی یہ جوابدہی کافی نہین ہے کہ اوس نے نیک نیتی سے معاملہ کیا تہا۔ اور بڑا بہائی اپنی نابالغ بہنون کی جائداد نہین فروخت کرسکتا۔

بمقدمہ سیدن بنام ولایت علیخان ۵۲ کلکتہ ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ اگر ولی مسلمان نابالغ کی جائداد فروخت کرے تو خواہ مخواہ یہ سوال نہین پیدا ہوتا کہ قانونی ضرورت تہی یا نہین گو اس قسم کی ضرورت پر اوس صورت مین لحاظ کرنا ضرور ہے جب ولی کی نیک نیتی پر اعتراض ہو شرع صرف نابالغ کے فائدہ کو دیکھتی ہے وبحالت فائدہ کے ولی جائداد منقول کو منتقل کرسکتا ہے اس مقدمہ مین چونکہ انتقال ایک ایسے مقدمہ کے صرف کے لئے کیا گیا تہا جس سے نابالغ کا فائدہ تہا اس لئے جائز قرار دیا گیا۔ یہ تجویز شرع محمدی کے بالکل موافق ہے۔

بمقدمہ حسینی بیگم بنام ضیاء النسا بیگم ۵۳ اس مسئلہ کو کسیقدر کہینچ تان کر یہ تجویز ہوئی کہ اگر بڑے بہائی نے نابالغ کی جائداد کسی افسر سرکاری کی اجازت سے فروخت کی تو صحیح ہے اس مقدمہ کا مورث بہت مقروض تہا۔ اور ورثا کی مالی حالت اسقدر خراب تہی کہ کل متروکہ کا منتقل کرنا ضروری تہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہو ہوا کیونکہ شرعاً جس اجازت کی ضرورت ہے وہ عدالت کی اجازت ہے۔

---

۵۱ بنگال لارپورٹ جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ دینیز دیکہو رتن بنام ددمی خان آگرہ جلد ۳ صفحہ ۲۱ جسمین تجویز ہوئی کہ بہائی ایسے ولی نہین ہین جو نابالغ کی جائداد فروخت کرسکین۔ ۵۲ ویکلی ریورٹر جلد ۱۷ صفحہ ۲۳۹۔ ۵۳ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۶۷۔

بمقدمہ بہو تہنا تہہ بنام احمد حسین ۵۱ صحیح طور پر تجویز ہوئی کہ اگرچہ بالغ ورثاء نے اپنا و نابالغ دونون کا حصہ بعلت اوس بقایا لگان کے رہن کر دیا جو اون سب کے حصے پر واجب الادا تہا تو نابالغ کا حصہ اوس رہن کا پابند نہین ہے۔

الہ آباد ہائیکورٹ نے مختلف مقدمات مین مختلف رائے قایم کی۔ بمقدمہ حسن علی بنام مہدی حسن ۵۲ انتقال صحیح قرار پایا۔ اس مقدمہ مین مورث کے قرض و دیگر جائز ضرورتون کے لئے انتقال بقیمت مناسب کیا گیا تہا۔

مگر ایک دوسرے مقدمہ مین ۵۳ جب کہ مورث کا قرضہ ادا کرنیکے لئے انتقال عمل مین آیا تہا انتقال اس شرط پر ناجائز قرار دیا گیا کہ نابالغان کو باپ کے ترکہ مین جسقدر میراث ملی ہے اوسپر جسقدر حصہ رسدی کی رو سے قرض ہو ادا کرنا چاہئے۔

بمقدمہ سیتارام بنام امیر بیگم ۵۴ سید محمود نے تجویز کی کہ ماں کو گو شرعاً نابالغ بچون کی ذات کی ولایت ایک خاص زمانہ تک حاصل ہوتی ہے مگر اوسکی جائداد کے متعلق تاوقتیکہ عدالت سے ولی نہ مقرر ہوئی ہو۔ وہ کسی قسم کا اختیار نہین رکہتی اس لئے ماں نے اگر نابالغون کی حقیت بیع کی تو وہ ناجائز ہے۔

بمقدمہ کالیدت جہا بنام عبد العلی ۵۵ حکام پریوی کونسل نے ولی کے انتقال کو اسوجہ سے قایم رکہا کہ اسکی وجہ سے نزاع کا خاتمہ ہوتا ہے جس سے نابالغ کا فائدہ ہے علاوہ اسکی قیمت بہی مناسب ادا کی گئی ہے۔

بمقدمہ نظام الدین شاہ بنام انتدی پرشاد ۵۶ نابالغ کے چچا نے نابالغ کی جائداد رہن

۵۱ کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۷۔ ۵۲ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۳۳۔ ۵۳ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۷۵۔ ۵۴ الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۳۲۴۔ ونیز دیکہو بشناتہہ سنگہ بنام اشرف النساء ہفتہ وار ۱۸۹۳ء صفحہ ۶ ۹ وکلکتہ جلد ۱۶ صفحہ ۶۲۷ والہ آباد جلد ۹ صفحہ ۳۴۰۔ ۵۵ کلکتہ جلد ۱۶ صفحہ ۴۲۷۔ ۵۶ الہ آباد جلد ۱۸ صفحہ ۳۷۲۔

اکر کے پھر اوسے نابالغ کے نام بیعنامہ پر لے لیا۔ نابالغ پر مرتہن نے زر لگان کی نالش کی۔ تجویز ہوئی کہ مرتہن مستحق پانے لگان کا نہین ہے کیونکہ چچا رہن کرنیکا مجاز نہ تھا۔ لیکن اگر نابالغ رہن کی منسوخی کا دعوی کرتا تو تاوقتیکہ وہ اوسقدر زر رہن نہ ادا کرتا جو اوسکے یا اوسکی جائداد کے فائدہ مین صرف ہوا وہ مستحق ڈگری نہ ہوتا۔

# باب نہم

## حضانت

حضانت بکسر حا عبارت ہے تربیت ولد سے (در المختار)

فتاوی عالمگیری۔ چھوٹے بچہ کی پرورش یعنی حضانت کے واسطے سب سے زیادہ اوس بچہ کی ماں مستحق ہے [۵۱] ماں و نانی پسر کی حضانت کی اوسوقت تک مستحق ہین جب تک کہ لڑکا مستغنی نہ ہو جاوے [۵۲] اور اوسکی مدت سات برس کی مقرر ہے اور بعض کے نزدیک نو برس کی مگر فتوی اول قول پر ہے [۵۳] و امام مالکؒ کے نزدیک بالغ ہونے تک و لڑکی کی حالت مین اوسوقت تک حضانت کی مستحق ہین جب تک لڑکی کو حیض نہ آئے

---

[۵۱] فتح علی شاہ بنام مصلحت النساء ویکلی ریپورٹر ۲۶ء صفحہ ۱۳۱ ۔ و بیدھن بی بی بنام فضل اللہ ویکلی ریپورٹر جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ ۔ [۵۲] یعنی خود کھا سکے پانی پی سکے اور کپڑے پہن سکے اور پورا استغنا اوسوقت ہوتا ہے جب لڑکا استنجی کرنے پر قادر ہو۔ بعد مستغنی ہونے کے حضانت تبدیل کرنیکا یہ سبب ہے کہ اب بچہ کو آداب و اخلاق سیکھنے کی ضرورت ہے اور مردون کا آداب و اخلاق سکھانے پر باپ زیادہ قادر ہے

ہدایہ۔ [۵۳] عیدو بنام امیرن الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۳۲۲۔

یعنی بالغ نہ ہوجاے ۵۱۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ مذہب شافعی ومالکی وحنبلی مین مان کو لڑکی کی حضانت کا اوسوقت تک حق ہی جب تک اوسکا نکاح نہ ہوجاے۔ مگرچونکہ مشرقی ملکون مین جب لڑکیان لایق نکاح ہوجاتی ہین تو فوراً اونکا نکاح کردیا جاتا ہے اورکبھی قبل بالغ ہونیکے بہی اونکا نکاح ہوجاتا ہی اس لئے درحقیقت مذہب حنفی ومالکی وغیرہ مین کوئی اہم اختلاف نہین ہے۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنے مین عدالتون کو زیادہ سہولیت ہوگی والجیریا کی عدالتون مین حنفی المذہب قاضی نے بہی امام مالکؒ کے قول کی تقلید کی ہے۔

سید امیر علی۔ شیعہ مذہب مین مان کا حق حضانت صرف اوسوقت تک قایم رہتا ہے جب تک بچہ دودہ پیتا ہے خواہ بچہ مذکر ہو یا مونث۔ شیرخوارگی کے زمانہ مین جسکی مدت دوسال ہے بچون کو اونکی مان سے بغیر اونکی اجازت کے کوئی شخص علیحدہ نہین کرسکتا۔ شیرخوارگی ختم ہونے پر پسر کی حضانت کا مستحق باپ ہے اور دختر کی حضانت کی مان۔ جب تک کہ لڑکی سات سال کی عمر کی نہ ہوجاے ۵۲۔

اگر والدین کا مذہب ایک ہے تو مدت حضانت کا تعین کرنا بہت آسان ہے لیکن جب اونکا

---

۵۱ کیونکہ پرورش سے مستغنی ہونیکے بعد اوسکو عورتون کے آداب سیکہنے کی ضرورت ہے جو عورت اچہی طرح سے کرسکتی ہے اور بالغ ہونیکے بعد اوسکا نکاح وحفاظت کرنیکی ضرورت ہے جسکو باپ اچہی طرح سے کرسکتا ہے۔ ہدایہ۔ بمقدمہ درخواست طیب علی ہائکورٹ جلد ۲ صفحہ ۶۳ وبمقدمہ درخواست مساۃ امیر النسا ویکلی رپورٹر جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۷ تجویز ہوئی کہ لڑکے کی حالت مین سات برس کی عمر تک و لڑکی کی حالت مین اوسکے بالغ ہونے تک مان کو حضانت کا حق ہے نور قادر بنام زلیخا بی بی کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۶۴۹۔

۵۲ لاڈلی بیگم بنام محمد امیر خان کلکتہ جلد ۱۴ صفحہ ۶۱۵۔

مذہب مختلف ہے تو اسکا تعین کرنا وقت سے خالی نہین - مگر عام طور پر یہ کہہ سکتے ہین کہ چونکہ
حضانت سے صرف نابالغ کا فائدہ مدنظر ہوتا ہے اس لئے ہر مقدمہ کا انفصال اوس مذہب
کے اصول کے مطابق ہونا چاہیئے جو نابالغ کا مذہب خیال کیا جائے - واگر اوسکا مذہب
نمعلوم ہو سکے تو اس امر کا خیال رکھکر کہ ایک مسلمان بچہ کے حق مین زیادہ تر کیا مفید ہوگا -
مدت حضانت کا تعین کرینگے - الجیریا کی عدالتون نے اسی اصول پر عمل کیا ہے اور اوسکو
عملی طور پر متعلق کرنے مین کوئی خاص دقت نہین پیدا ہوئی -

فتاوی عالمگیری - نابالغ کی رشتہ دار عورتین ذیل کی ترتیب سے نابالغ کی حضانت
کی مستحق ہونگی -

۱ - ماں - ۲ - ماں کی ماں چاہے درجہ مین کتنی ہی اونچی ہو - ۳ - باپ کی ماں چاہے
کتنی ہی اونچے درجہ مین ہو - ۴ - حقیقی بہن - ۵ - اخیافی یعنی مادری بہن - ۶ - علاتی یعنی پدری
بہن - ۷ - حقیقی بہن کی لڑکی - ۸ - اخیافی بہن کی لڑکی - ۹ - حقیقی خالہ - ۱۰ - ماں کی طرف
سے خالہ - ۱۱ - باپ کی طرف کی خالہ - ۱۲ - علاتی بہن کی لڑکی - ۱۳ - بھائی کی لڑکی - ۱۴ -
حقیقی پھوپی - ۱۵ - ماں کی طرف کی پھوپی - ۱۶ - باپ کی طرف کی پھوپی - ۱۷ - ماں کی حقیقی
خالہ - ۱۸ - ماں کی ایسی خالہ جو صرف ماں کی طرف سے ہو - ۱۹ - ماں کی ایسی خالہ جو صرف باپ کی
طرف سے ہو - ۲۰ - ماں کی پھوپیاں بہ ترتیب مذکورہ بالا - ۲۱ - باپ کی خالہ بہ ترتیب مذکورہ
بالا - ۲۲ - باپ کی پھوپیاں بہ ترتیب مذکورہ بالا -

یہ قاعدہ ہے کہ حضانت کی ولایت ماں کی طرف سے مستفاد ہوتی ہے - پس اسمین
جانب مادری کو جانب پدری پر تقدم ہے -

چچا و ماموں و پھوپی و خالہ کی لڑکیوں کو حضانت کا کچھہ حق نہین ہے -

اگر مذکورہ بالا عورتون مین سے کوئی نہ ہو یا بچہ کی پرورش اونکے متعلق کرنے مین کوئی امر

بالغ ہو تو بچہ اپنے عصبہ کو دیا جائیگا - اور سب سے مقدم باپ ہوگا پھر باپ کا باپ چاہے درجہ مین کتنی ہی اونچا ہو - پھر حقیقی بہائی پھر علاتی بہائی پھر اونکی اولاد اوسی ترتیب سے پھر حقیقی چچا پھر علاتی چچا پھر اونکی اولاد بہ ترتیب مذکورہ بالا - اگر صغیر کا کوئی عصبہ نہ ہو تو مان کی طرف سے بہائی کو پرورش کے لیے دیا جائیگا - پھر اوسکے پسر کو پھر مان کی طرف کے چچا کو پھر سگے ماموں کو پھر علاتی ماموں کو پھر اخیافی ماموں کو - ۵۱ فی - مان کا باپ بہ نسبت ماموں کے اولی ہے اور بہ نسبت اخیافی بہائی کے بہی اولی ہے - سراج الوہاج -

اگر صغیر کے چند بہائی و چچا ہوں ۵۲ تو جو اون مین زیادہ صالح ہو اوسکا حق اولی ہوگا و اگر سب یکسان ہین تو سب سے مسن کو دیا جائیگا - غیر ذی رحم محرم کو صغیرہ دختر کی حضانت کا کچھہ حق نہین ہے و نہ عصبہ فاسق کو -

شیعہ مذہب مین حضانت کی مستحق اول مان ہے - پھر باپ - پھر دادا و دادی - و اگر کوئی اُنین سے نہ ہو تو ذی رحم محرم اور اِن مین جو اقرب ہو وہ بعید سے مرجح ہوگا -

اگر کوئی قدرتی ولی نابالغ کا نہین ہے یا ہے تو حضانت کے لائق نہین ہے تو قاضی یا جج نابالغ کو کسی ایسے شخص کی پرورش مین دیگا جو نابالغ کی جنس سے ہو - ایکٹ نمبر ۸ سنہ ۱۸۹۰ء مین (اسکی روسے ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۶۱ء و ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ء منسوخ ہوگئے) نابالغ کی ذات و جائداد کے ولی مقرر کرنیکے قواعد درج ہین - اس ایکٹ کے دفعہ ۱۷ مین لکھا ہے -

۱ - کسی نابالغ کے ولی مقرر کرنے یا قرار دینے مین عدالت کو ..... یہ دیکھنا ہوگا کہ مطابق اوس

---

۵۱ بمقدمہ جہانبانام الہی بخش کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۷۵ تجویز ہوئی کہ صغیرہ دختر کی حضانت کا حق نانی کو بمقابلہ صغیرہ کے چچا کے اوسوقت تک مرجح ہے جب تک صغیرہ بالغ نہ ہو جائے گو اوس صغیرہ کا نکاح ایک نابالغ سے ہو گیا ہو - ۵۲ سید امیر علی لکھتے ہین کہ جو نابالغ پر سب سے زیادہ شفقت کرتا ہے اوسکو دینگے پھر سب سے صالح کو پھر سب سے مسن کو -

قانون کے جسکا تابع نابالغ ہے نابالغ کے حق مین بلحاظ حالات کیا مفید ہے ۔

۲۔ نابالغ کے فائدہ پر غور کرتے وقت عدالت پر لازم ہوگا کہ نابالغ کی عمر و جنس و مذہب اور ولی نامزد شدہ کے چال چلن و حیثیت اور اوس قرابت پر جو وہ نابالغ سے رکہتا ہے اور نابالغ کے متوفی والدین مین سے کسی کی خواہش پر (اگر کچہہ ہو) اور کسی ایسے تعلق پر جو ولی مذکور کا نابالغ کی ذات یا جائداد کے ساتہہ موجود ہو یا پیشتر رہا ہو لحاظ کرے گی ۔

۳۔ اگر باعتبار عمر کے نابالغ ترجیح دینے کی سمجہہ رکہتا ہے تو اوس ترجیح پر عدالت غور کرسکتی ہے ۔ یہ احکام شرع محمدی کے مطابق ہین ۔

حاضنہ مین کیا صفت ہونی چاہئے

سید امیر علی ۔ حاضنہ مین چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ۔ ۱۔ صحیح العقل ہو ۔ ۲۔ استقدر عمر کی ہو کہ نابالغ کی ضرورتون کا انصرام کرسکے ۔ ۳۔ نیک چال چلن کی عورت ہو ۔ ۴۔ ایسی جگہہ سکونت رکہے جہان نابالغ کی صحت و اخلاق پر کچہہ نقصان نہ پہونچے ۔

حضانت کا حق کب زائل ہوتا ہے

تین صورتون مین حق حضانت جملہ مذاہب مین باطل ہوجاتا ہے ۔ ۱۔ جب حاضنہ نکاح ثانی کرے ۔ ۲۔ جب اوسکا چال چلن خراب ہوجائے ۔ ۳۔ جب عورت اپنے شہر سے نکل کر کسی ایسے مقام پر چلی جائے جہان باپ کو نابالغ کی ضروری غور و پرداخت کا موقع نہ ملسکے ۔

فتاوی عالمگیری ۔ نکاح کرلینے سے عورات مذکورہ بالا کا حق حضانت اوس حالت مین زائل ہوجاتا ہے جب کسی اجنبی سے نکاح کرین [۵] و اگر ایسے شخص سے نکاح کیا جو بچہ کا ذی رحم محرم ہے مثلاً ان نے بچہ کے چچا سے نکاح کیا تو حضانت کا حق باطل نہ ہوگا اور جس عورت کا حق بسبب نکاح کے باطل ہوگیا تہا اوسکا حق زوجیت منقطع ہونیکے بعد پہر عود کریگا ۔ و اگر طلاق رجعی ہے تو عدت گذرنے تک حق عود نکریگا ۔ اسواسطے کہ زوجیت ہنوز

---

[۵] مسماۃ نصیبن بنام مسماۃ گبو کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۱۵ ۔

باقی ہے۔ اگر بچہ کی مان نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور بچہ کی نانی بچہ لیکر بچہ کی مان کے شوہر کے گھر مین رہتی ہے تو بچہ کے باپ کو اختیار ہوگا کہ بچہ کو اوس سے لیلے وہ کیونکہ شوہر ثانی بچہ سے بغض وکراہت رکہتا ہوگا" در المختار۔

سید امیر علی۔ الجیریا کی عدالتون کے فیصلون مین جو شرع محمدی کے احکام کی مطابق ہین چند ایسے اصول قایم کئے گئے ہین جن سے قاعدہ مذکورہ بالا کی بہت وضاحت ہوتی ہے عدالت ہائے مذکور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر مان اس غرض سے دوسرا نکاح کرے تاکہ بچہ کو زیادہ آسایش کے ساتھہ پرورش کرسکے تو اوسکا حق حضانت باطل نہ ہوگا۔

اور اسی طرح اوس صورت مین بہی اوسکا حق باطل نہ ہوگا جب حاضنہ کے نکاح ثانی کے روز سے یا اوس روز سے جب نکاح ثانی کا علم ہوا باپ ایک سال کے اندر نابالغ کو طلب نکرے کیونکہ اس صورت مین یہ قیاس ہوگا کہ باپ اپنے حق سے دست بردار ہوگیا۔

نمبر ۲ فتاوی عالمگیری۔ اگر مان مرتدہ یا فاجرہ ہوگئی تو اوسکا حق حضانت زائل ہوگیا[۵۱] لیکن جب اوس نے مرتد ہونے وفجور کرنے سے توبہ کیا تو پہر وہ سب سے زیادہ حضانت کی مستحق ہے اسی طرح اگر مان چوٹٹی یا گانے والی (ڈومنی) یا نائحہ (جو مصیبتون مین اجرت پر روئے) ہے تو اوسکا کچھہ حق نہین ہے ۔۔۔۔ جو شخص ہر وقت گھر سے باہر چلا جاتا ہے اور بچہ کی کچھہ خبر نہین لیتا اوسکی حضانت کچھہ نہین ۔۔۔ اگر بچہ کی نانی اوسکے حق مین خیانت کرتی ہے تو پہوپہیون کو حق ہے کہ اوس سے بچہ لے لین اگر خیانت ظاہر ہے۔

بمقدمہ عباسی بنام دونی [۵۲] تجویز ہوئی کہ بازاری رنڈی اپنی نابالغ ہمشیرہ کی حضانت کی مستحق نہین ہے۔ لیکن اس مقدمہ مین یہ امر نظر انداز ہوا کہ نابالغہ کو جو بحکم مجسٹریٹ پادریون کو دی گئی تہی۔ دین عیسوی کی تعلیم دیجاتی تہی۔ اس لئے پادری اوسکی پرورش کی

---

[۵۱] بمعاملہ حسینی بیگم کلکتہ جلد ۷ صفحہ ۴۳۴۔ [۵۲] الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۵۹۸۔

کسی صورت مین مستحق نہ تہے کیونکہ شرع مین مسلمان بچہ کسی صورت مین غیر مسلم کی پرورش مین نہین دیا جاسکتا بجز اسکے کہ اگر اوسکی ماں غیر مسلمہ ہے تو البتہ بحیثیت ماں کے وہ مستحق حضانت ہوگی۔

ارتداد سے حق حضانت باطل ہوجاتا ہے۔ ایکٹ نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ع کے احکام سے اس مسئلہ شرعی مین کچہہ تغیر نہین واقع ہوا۔ ایکٹ مذکور صرف وراثت سے متعلق ہے اسلئے اگر کوئی مسلمان عیسائی ہوجائے تو اسوجہ سے اوسکا حق وراثت ساقط نہ ہوگا۔ لیکن اوسکا حق حضانت باطل ہوجائیگا۔

**نمبر ۳** فتاوی عالمگیری مین ہے کہ حضانت کا مکان زوجین کا مکان ہے۔ جبکہ دونون مین زوجیت قایم ہو۔ اس لئے اگر شوہر اپنے صغیر فرزند کو حاضنہ سے لیکر دوسرے شہر مین جانا چاہے تو اوسے یہ اختیار نہین ہے۔ اور اگر عورت نے چاہا کہ جس شہر مین ہے وہان سے دوسرے شہر مین بچہ لیکر چلی جائے۔ پس اگر اوسی شہر مین نکاح ہوا ہو تو اوسکو یہ اختیار ہوگا ورنہ نہین۔ اِلّا اوس صورت مین کہ دونون مقام ایک دوسرے کے اسقدر قریب ہون کہ اگر باپ اپنے بچہ کو دیکھنے جائے تو رات سے پہلے اپنے مکان کو واپس آسکے۔

فتاوی۔ اگر ماں حضانت سے انکار کرے تو اوسپر جبر نہ کیا جائیگا اس احتمال سے کہ شاید وہ پرورش کرنے سے معذور ہو۔ لیکن اگر بچہ کا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں پرورش کرنیکے واسطے مجبور کیجائیگی تاکہ بچہ ضایع نہ ہو بخلاف باپ کے کہ جب بچہ ماں سے مستغنی ہو اور باپ اوسکے لینے سے انکار کرے تو باپ پر جبر کیا جائیگا۔

ہدایہ۔ لڑکا و لڑکی کو بعد ختم ہونے حضانت کے یہ اختیار نہین ہے کہ چاہے باپ پاس رہین یا ماں پاس بلکہ اوسکے بعد باپ پاس رہنا ہوگا مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اونکو اختیار ہے

کہ ان دونون مین سے جسکے پاس چاہین رہین۔

# باب دہم

## ثبوت نسب کے بیان مین

## فصل اول۔ سید امیر علی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱

دیگر مہذب اقوام کے قانون کی طرح شرع محمدی کے بموجب بہی اگر نکاح صحیح یا فاسد سے بچہ پیدا ہو تو اوسکا نسب باپ سے بغیر دعوی کے ثابت ہوتا ہے اور خاندانی شرافت مین وہ اپنے باپ کا قایمقام ہوتا ہے۔

سُنی شرع کے مطابق صحیح النسبی کا قیاس اسقدر قوی ہے کہ اگر کسی شخص کے نکاح سے پورے چھ مہینہ مین یا فسخ نکاح سے دو سال کے اندر (خواہ نکاح طلاق سے فسخ ہوا ہو یا شوہر کی موت سے) بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت ہوگا۔ (عالمگیری) اور مجرد اوس شخص کے انکار کرنے سے نسب کی نفی نہین ہوسکتی۔ ایک یوروپین مقنن (یم ساٹارڑا) لکہتا ہے کہ اگر بحالت قیام نکاح کوئی بچہ پیدا ہو تو اوسکی صحیح النسبی کا قیاس قانونی اسقدر قوی ہے کہ گو زن و شو اوس بچہ کا نسب کسی اور شخص کی طرف منسوب کرین تاہم وہ قیاس زائل نہین ہوتا تاوقتیکہ شوہر بذریعہ لعان کے انکار نکرے (یعنی عورت کو لعان کے طریقہ سے زنا کا الزام نہ لگائے) کسی منکوحہ عورت کی اولاد کو حرامی ہونے کے داغ سے بچانیکا شرع مین اسقدر خیال ہے کہ کتب فقہہ مین لکہا ہے کہ اگر کوئی عورت جو مشرق مین

رہتی ہے اوس نے ایک مرد سے جو مغرب میں ایک سال کی مسافت پر رہتا ہے نکاح کیا اور تاریخ نکاح سے اوسکے چھ مہینہ پر بچہ پیدا ہوا تو چونکہ یہ بچہ دوران قیام نکاح میں پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اوسکا نسب ثابت ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ خود بذریعہ کسی ولی اللہ یا جن کے اپنی منکوحہ کے پاس تک پہونچ گیا ہو۔ درمختار ولی کے ساتھ یہ شرط ہے ودوبشرطیکہ مرد ہم بستری سے منکر نہ ہو۔ ۱۱

اس امر مین انگریزون کا قانون بہی شرع کے موافق ہے۔ انگریزی قانون کے مطابق دوران قیام نکاح مین اگر کسی جگہہ بچہ پیدا ہو تو وہ صحیح النسب ہے تا وقتیکہ اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ مرد اوس عورت سے ہم بستر نہ ہوا یا ہم بستر ہونیکا اوسکو کبھی موقع نملا۔

فتاوی عالمگیری مین لکہا ہے کہ ثبوت نسب کے تین مراتب ہین۔ اول نکاح صحیح اور جو اوسکی معنی مین ہو یعنی نکاح فاسد۔ اسکا یہ حکم ہے کہ نسب بغیر دعوی کے ثابت ہوتا ہے اور مجرد انکار کرنے سے نسب کی نفی نہین ہو سکتی ہے البتہ لعان سے نفی ہو سکتی ہے۔

مدت حمل

سید امیر علی لکہتے ہین کہ تمام مذاہب مین مدت حمل کم سے کم چھ مہینہ ہے یہ مدت قرآن شریف مین مذکور ہے اس لئے فقہا مین اسکی بابت کوئی اختلاف نہین ہے لیکن سب سے بڑی مدت کے تعین کرنے مین ان مین بہت اختلاف ہے حنفیون نے حضرت عائشہ کی ایک حدیث کی بنا پر دو برس زیادہ سے زیادہ مدت حمل قرار دی ہے بخلاف اسکے امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل نے چار برس قرار دیا ہے۔ اور بعضون نے پانچ برس اور بعضون نے سات برس تک قرار دیا ہے۔ درالمختار و فتاوی قاضی خان۔

امام مالک و شافعی اپنے قول کی تائید مین ضحاک تازی کی ولادت کی حدیث پر استدلال کرتے ہین جو کہ حمل سے چار برس بعد مثل ابن ربیعہ و ابن عجلان کو پیدا ہوا تہا ۱۵۰

۱۵۰ صاحب شرایعہ اس حکایت پر مضحکہ کرتا ہے۔ و صاحب ردالمحتار کہتا ہے کہ چند بیماریون مین۔ دیکھو صفحہ ۱۲۱

شیعہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک فتوی کی بناء پر دس قمری مہینہ معمولاً مدت حمل قرار دیتے ہین۔ ۵ل

بیلی صاحب لکھتے ہین کہ سُنی فقہانے اسقدر دراز مدت مقرر کرنے مین اون غیر معمولی حالتون کو ملحوظ رکہا ہے جو بعض وقت یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹرون کو پریشان کر دیتی ہین " بخلاف اسکے ساٹائر او ایک دوسرے یورپین مقنن کی یہ رائے ہے کہ سُنی مذاہب کے فقہا کو اس اصول کے قرار دینے مین انسانی ہمدردی محرک ہوئی ہے نہ یہ بات کہ وے قانون قدرت سے ناواقف تہے کیونکہ ایسا کرنے سے اونکا خاص مقصود یہ تہا کہ طلاق دینے والے اولاد کی صحیح النسبی سے انکار کرنیکے متعلق جو شرعی احکام ہین اونکا بُرا استعمال ایک حد تک رک جائے"

گو الجیریا مین مذہب شافعی و مالکی مروج ہے مگر وہان کے قاضیون نے اپنے فیصلون مین ہمیشہ یہ لکہا ہے کہ سب سے زیادہ مدت حمل دس ماہ ہے گو حنفی مذہب مین سب سے زیادہ مدت حمل دو برس کی لکہی ہے۔ لیکن میرے نزدیک الجیریا کے قاضیون کی رائے پر ہمارے زمانہ کے علماء کا عمل درآمد ہے۔ عالمگیری مین لکہا ہے کہ اگر کسی شخص کے

---

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۰ ۔ بہی حمل کے علامات پائے جاتے ہین اور اسیوجہ سے امام مالکؒ کو چار برس مدت حمل مقرر کرنے مین دہوکا ہوا اور سنت کی رائے مین دو برس کی مدت صحیح ہے۔ ۵ل جامع الشتات مفاتیح۔ ارشاد العلامہ۔ شرایع مین اسکے متعلق لکہا ہے "نکاح دائمی کے قیام مین جو اولاد پیدا ہو اوسکا نسب شوہر سے ثابت ہے بشرطیکہ شوہر نے وطی کی ہو اور چہ مہینہ سے کم زمانہ مین و سب سے زیادہ جو مدت حمل کی مقرر ہے اوسکے بعد نہ پیدا ہوئے ہو حمل کی مدت اکثرون کے نزدیک نو ماہ ہے لیکن ہمارے بعض علمانے اوسکو دس مہینہ تک وسعت دی ہے اور یہی صحیح خیال کیا جاتا ہے۔ اور بعض دوسرے اس مدت کو ایک سال تک بڑہاتے ہین مگر اونکی رائے نہین مانی جاتی "

نکاح سے چھ مہینہ سے کم مین بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ واگر پورے چھ مہینہ مین یا اوس
سے زیادہ مین پیدا ہو تو نسب اوس شخص سے ثابت ہوگا خواہ اوس مرد نے اقرار کیا ہو یا ساکت رہا ہو و بحالت
انکار اوس شخص کے ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے زنا کیا اور اوسکو
حمل رہ گیا بعدہٗ اوس شخص نے اوس عورت سے نکاح کر لیا اور اوسکے بعد عورت سے بچہ پیدا ہوا۔ اگر بچہ روز نکاح
سے چھ مہینہ مین یا زیادہ مین پیدا ہو تو اوسکا نسب باپ سے ثابت ہے واگر چھ مہینہ سے
کم مین پیدا ہو تو نسب ثابت نہین ہے۔ تا وقتیکہ وہ شخص اوسکو اپنا بچہ نہ اقرار کرے اور یہ نہ کہے
کہ یہ ولد الزنا ہے۔

دوسرے الفاظ مین یہ کہنا چاہئے کہ یہ اوس شخص کا حق ہے کہ ایسے بچہ کو جو چھ مہینہ
سے کم مین پیدا ہوا ہے صحیح النسب قرار دینے کے لئے وہ صریحاً یا معناً یہ اقرار کرے کہ نطفہ زمانہ
قیام نکاح قرار پایا۔ جیسا کہ بعد مین معلوم ہوگا۔ شیعہ مذہب مین ثبوت نسب کے لئے یہ ضرور ہے
کہ بعد ہم بستری کے چھ مہینہ مین بچہ پیدا ہو۔ لیکن سُنیون سے شیعہ اس امر مین متفق ہین کہ
اگر بچہ ایسی حالت مین پیدا ہوا جس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کا بچہ ہے تو تا وقتیکہ
لعان کے قاعدہ سے اوسکے نسب سے انکار نہ کیا جائے اوسکا نسب باپ سے ثابت ہوگا
عالمگیری مین ہے کہ ایسی عورت کہ جس پر عدت واجب نہین ہے اگر چھ مہینہ کے اندر بچہ
پیدا ہوا تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اور ایسی عورت کے جس پر عدت واجب ہے
اگر دو برس بعد بچہ پیدا ہوا تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت نہین ہے مثلاً اگر کسی نے قبل وطی
اپنی زوجہ کو طلاق دی اور طلاق سے چھ مہینہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو شوہر سے اوسکا نسب
ثابت ہے واگر پورے چھ مہینہ یا چھ مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔
اگر کسی نے بعد جماع کے اپنی عورت کو طلاق دی پھر اوسکے بچہ پیدا ہوا تو دو برس تک پیدا
ہونے مین نسب ثابت ہوگا اور بعد پیدا ہونیکے عدت پوری ہو جائیگی۔ واگر دو برس کے بعد بچہ

پیدا ہوا پس اگر طلاق رجعی ہے تو نسب ثابت ہے اور مرد کو اس عورت سے رجعت کرنیوالا قرار دیا جائیگا و اگر طلاق باین ہے تو نسب ثابت نہ ہوگا تا وقتیکہ شوہر دعوی نکرے و اگر دعوی کیا تو نسب ثابت ہو جائیگا۔

اگر ایک عورت نے عدت وفات مین کہا کہ مین حاملہ نہین ہون پھر دوسرے روز کہا کہ حاملہ ہون تو اوسکا قول قبول ہوگا۔ اگر اوس نے عدت یعنی چار ماہ دس یوم کے گذرنے کے بعد کہا کہ مین حاملہ نہین ہون پھر کہا کہ حاملہ ہون تو اوسکا قول قبول نہ ہوگا۔ لیکن اوس صورت مین سچی سمجھی جائیگی کہ شوہر کی موت کے وقت سے چھ مہینہ سے کم مین بچہ پیدا ہو۔ پس اوسکا اقرار نسبت انقضائے عدت باطل ہوگا۔

درالمختار مین لکھا ہے کہ اگر معتدہ رجعی کے دوسال سے زیادہ مین بچہ پیدا ہو تو ثابت النسب ہوگا اگر عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو گو مدت انقضائے عدت کی محتمل ہو کیونکہ اس صورت مین ولادت بوجہ رجعت قیاس کیجائیگی۔ و اگر دوسال سے کم مدت مین بچہ پیدا ہوا تو ولادت سے رجعت نہ ثابت ہوگی بسبب شک کے کیونکہ بچہ کا نسب دوسال سے کم مدت مین یعنی نو مہینہ و بارہ مہینہ مین پیدا ہونے سے بھی ثابت ہے۔

عالمگیری مین لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اوسکے بچہ پیدا ہوا پھر دونون مین اختلاف ہوا یعنی شوہر یہ کہتا ہے کہ نکاح کو ابھی صرف ایک مہینہ ہوا عورت کہتی ہے نہین ایک سال تو بچہ کا نسب اس شوہر سے ثابت ہوگا اگر عورت کسی بچہ کی نسبت جو مرد کی قبا بوین نہین ہو یہ کہے کہ یہ بچہ میری پہلے شوہر کا ہی اور شوہر کہتا ہے کہ نہین میرا ہے تو شوہر کا قول قبول ہوگا۔ و اگر بچہ مرد و عورت دونون مین سے کسی کے پاس نہ ہو اور شوہر کہے کہ یہ بچہ میرا دوسری عورت سے ہے اور زوجہ کہتی ہے کہ مجھ سے ہے تو شوہر کا قول قبول ہوگا و اگر بچہ شوہر و زوجہ دونون کے پاس ہو اور مرد کہے کہ تیرے پہلے شوہر کا یہ لڑکا ہے اور عورت

کہتی ہے کہ نہین یہ تمہارا ہے تو زوجہ کا قول قبول کیا جائیگا۔

سید امیر علی لکہتے ہین کہ اگر بچہ قیام نکاح و مدت عدت کے اندر پیدا ہوا ہو تو اوسکے نسب سے بہی شوہر انکار کرسکتا ہے اگر وہ کسی بیماری کیوجہ سے یا کسی اور وجہ سے یہ ثابت کرے کہ وہ عورت سے وطی نہین کرسکتا تہا۔ فتاوی عالمگیری کے بموجب یہ انکار صرف لعان کے قاعدہ سے ممکن ہے۔ ۔ ۔ ۔ عدالت ہاے ہندمین غالباً یہ انکار قیسکل ڈگری استقراریہ کے تقاضا پذیر ہو سکتا ہو گو اسلامی عدالتون مین غیر صحیح النسبی کا استقرار بموجب شرع محمدی کے بہت آسان طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ انڈین لا رپورٹ مین کوئی مقدمہ ایسا نہین ہے جسمین شوہر نے اپنے ایسے بچہ کے نسب پر اعتراض کیا ہو جو اوسکی زوجہ سے زمانہ قیام نکاح پیدا ہوا ہے۔ جن مقدمات مین صحیح النسبی کی بحث پیدا ہوئی ہے وہ اکثر لڑکون کی حیات سے تہے جنمین لڑکون نے اپنے باپ کے مرنیکے بعد متروکہ پدری مین وراثت کا دعوی کیا تہا۔

لیکن اون مقدمات مین بہی اہم بحث زوجہ کی حیثیت کی نسبت کی گئی یعنی آیا زوجہ کا نکاح جائز طریقہ پر عمل مین آیا یا نہین۔ حکام پریوی کونسل نے اپنی تجاویز مین نہایت صاف طور پر ظاہر کردیا ہے کہ جب گرد و پیش کے حالات سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہو کہ لڑکا اپنے باپ کی اولاد ہے یا اونکہ باپ نے اوسے اپنا لڑکا ہونا تسلیم کیا اور اپنی حیات مین مثل اپنی اولاد کے اوسکے ساتھ سلوک کرتا رہا تو شرع محمدی ایسے بچہ کی غیر صحیح النسب ہونیکے بیان کو نہایت کراہت کی نظر سے دیکھتی ہے[۵۱]

---

[۵۱] خواجہ ہدایت اللہ بنام رائے جان خانم اپیلہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ کیہو النسا بنام روشن جہان (کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹) اس آخر الذکر مقدمہ مین حکام پریوی کونسل کی عبارت حسب ذیل ہے۔
"جب باپ و دیگر ممبران خاندان نے ہمیشہ لڑکے کے ساتھ مثل صحیح النسب اولاد کے سلوک کیا تو قیاس پیدا ہوتا ہے کہ لڑکے کی ماں باپ کی زوجہ تہی" لالہ جسونت سنگہ جی ودی سنگہ جی بنام جیت سنگہ جی ویلے بجے سنگہ جی اپیلہاے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۳ صفحہ ۵۴۴۔ محمد اسمعیل خان بنام فدایت النسا الہ آباد جلد ۳ صفحہ ۷۲۳۔

یہودیون کی شرع مین شوہر کو اپنے بچہ کے نسب سے انکار کرنیکا پورا اختیار ہے فرانس کے قانون کے بموجب اس بنا پر انکار ہوسکتا ہے کہ شوہر ناقابل مباشرت تھا۔ جیسے رومن و فرنچ قانون مین شوہر بوجہ اپنی جسمانی ناقابلیت و نہ ہونے ہم بستری کے ایسی اولاد کے نسب سے انکار کرسکتا ہے جو قیام نکاح مین پیدا ہوئی ہے ویسے ہی شرع محمدی مین ان وجوہات سے انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن شرع محمدی اوسکے ساتھہ ہی یہ بھی کہتی ہے کہ یہ حق زوال پذیر بھی ہے۔ یعنی چند باتون کے وقوع پذیر ہونے پر یہ حق ساقط ہوجاتا ہے۔ مثلاً اگر باپ اون رسومات مین شریک ہو جو بچہ پیدا ہونے کے وقت مسلمانون کے خاندان مین بالعموم ہوتے ہین یا اوس نے اپنے طریق عمل سے لوگون کو یہ باور کرایا کہ وہ مولود کو اپنا بچہ خیال کرتا ہے۔ یا لوگون کی مبارکبادی قبول کی تو باپ کا حق انکار ساقط ہوجاتا ہے تاوقتیکہ یہ ثابت نکرے کہ اوس وقت اوسکو اپنی زوجہ کی بدکاری کی اطلاع نہ تھی۔ لے اگر شوہر بچہ پیدا ہونیکے وقت موجود ہے تو امام مالکؒ کے نزدیک اوسکو دو یوم کی مدت مین انکار کرنا چاہئے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک ہفتہ مین۔ حنفیون کے نزدیک ایک ہفتہ کے اندر کل رسومات جو بچہ پیدا ہونے کے وقت ہوتے ہین ادا ہوجاتی ہین اس لئے اوس مدت کے اندر اگر انکار نہ کیا گیا تو یہ قیاس ہوگا کہ شوہر کو بچہ کے صحیح النسب ہونیکی نسبت کوئی اعتراض نہین ہے۔

عالمگیری مین لکھا ہے کہ اوس مدت کے معین کرنے مین جسکے بعد باپ اپنے لڑکے

لے فتاوی عالمگیری مین ہے وہ جب کسی شخص نے بچہ پیدا ہونے کے وقت ہی اوسکو اپنے ولد ہونے سے انکار کیا یا اوس وقت انکار کیا جب اوسے مبارکباد دیجارہی تھی یا زچہ خانہ کی ضروریات خریدی جارہی تھین تو اوسکا انکار کرنا صحیح ہے اور شوہر سے لعان کرائی جائیگی۔ لیکن اگر وہ زمانہ مذکورہ بالا کے بعد تک انکار نکرے تو گو اوس صورت مین بھی لعان کرائی جائیگی لیکن بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔

کے نسب سے انکار نہین کر سکتا رسم و رواج پر بہی خیال رکہنا چاہئے واگر اسقدر زمانہ منقضی ہوگیا جسکے بعد عموماً نسب سے انکار نہین کیا جاتا تو امام اعظمؒ کے ایک قول کے مطابق بعد مین انکار کرنے سے کچہہ فائدہ نہ ہوگا - دوسرے قول کے مطابق یہ امر قاضی کی رائے پر چہوڑا جائیگا امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اسکی میعاد چالیس یوم کی ہے جسکے بعد پہر انکار نہین ہوسکتا۔

شیعہ مذہب نسبت مدت انکار

سید امیر علی لکہتے ہین کہ مذہب شیعہ مین چالیس دن کی مدت شوہر کو انکار کرنے کے لئے ہے یعنی کُل زمانہ نفاس خواہ شوہر موجود ہو یا غائب - آخر الذکر صورت مین یہ مدت اوس وقت سے شروع ہوگی جب شوہر کو بچہ پیدا ہونیکی خبر ہوئی -

انگریزی قانون و شمالی امریکہ کے قانون کے بموجب وہ اولاد جو قبل نکاح کے پیدا ہوئی ہے والدین کے نکاح مابعد سے صحیح النسب نہ ہو جائیگی - مگر اسکاٹلینڈ کے قانون اور اون قانون کے بموجب جنپر رومن قانون کا اثر ہے - مثلاً قانون فرانس - ایسی اولاد والدین کے نکاح مابعد سے صحیح النسب ہو جائیگی - اس امر مین شرع محمدی انگریزی قانون کے بہت مشابہ ہے - مثل انگریزی قانون کے شرع بہی اون اولاد کو جو نکاح سے پہلے پیدا ہوئی ہین والدین کے بعد مین نکاح کر لینے سے صحیح النسب نہ خیال کریگی - لیکن شرع انگریزی قانون سے اس امر خاص مین ایک قدم زیادہ بڑہی ہوئی ہے یعنی اگر قیام نکاح مین بچہ پیدا ہو مگر حمل اوس زمانہ مین نہ قرار پایا ہو تو ایسا بچہ شرعاً صحیح النسب نہین ہے - مگر انگریزی قانون کے بموجب وہ بچہ صحیح النسب ہوگا جو نکاح کے بعد پیدا ہو گو حمل نکاح سے قبل کا ہو - شرع کا یہ حکم ہے کہ والدین کا وہ فعل جسکا پہل بچہ ہے جائز معاہدہ کے زمانہ مین وقوع پذیر ہونا چاہئے -

فتاوی عالمگیری مین ہے "اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے جس سے وہ حاملہ ہو جائے اور اوسکے بعد وہ اوس عورت سے نکاح کرے اور نکاح سے چہہ مہینہ سے کم مین بچہ پیدا ہو تو اوسکا نسب اوس شخص سے ثابت نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ شخص دعوی نکرے

اور یہ نہ کہے کہ زنا سے ہے - اور اگر وہ یہ کہے کہ یہ میرا بچہ زنا سے ہے تو نسب ثابت نہ ہوگا
اسی طرح ہدایہ مین ہے وہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور نکاح سے چھ مہینہ سے
کم مین بچہ پیدا ہو تو اوس بچہ کا نسب شوہر سے ثابت نہین ہے کیونکہ اُس صورت مین حمل
نکاح سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اس لئے اوس شوہر سے یہ حمل منسوب نہین کیا جا سکتا
بمقدمہ محمد الہ داد خان بنام محمد اسمٰعیل خان ۵۱ الہ آباد ہائیکورٹ نے اس اصول کو پیش
نظر رکھا تھا مگر تجویز مین جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ کلیتاً صحیح نہین ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے
کہ بتر م صاحب چیف جسٹس کا یہ خیال تھا کہ شرع محمدی کے بموجب اگر کوئی مسلمان یہ اقرار
کرے کہ ایک شخص (جو اقرار کرنیوالے کی زوجہ کے نکاح سے پہلے پیدا ہوا تھا) واقع مین
اوسکا لڑکا ہے گو اقرار کرنیوالے نے اوسکے ساتھ مثل اپنے صحیح النسب لڑکے کے سلوک
نہ کیا ہو اور نہ اوسکو حقوق صحیح النسبی کے دینے کی نیت کی ہو تو اوس اقرار کا یہ نتیجہ ہے کہ
وہ شخص مثل اولاد صحیح النسب کے وراثت کا مستحق ہوگا بشرطیکہ ایسے اسباب موجود
نہ ہون جس سے یہ امر غیر ممکن ہو جاتا ہو کہ وہ شخص اقرار کرنیوالے کا واقع مین لڑکا ہو سکتا ہے
میرے خیال مین یہ اصول غلط قرار دیا گیا ہے -

شرایع الاسلام وجامع الشتات مین ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی عورت سے مباشرت
کرے جس سے اوسکو حمل رہجائے اور بعد مین اوس سے نکاح کرے تو اوسکے اور بچہ
کے درمیان کوئی نسب نہین ہے "

اصول مذکورہ بالا مین دو امر قابل غور ہین - صرف یہی نہین کہ سنی و شیعہ مذہب مین بہت
بڑا اختلاف ہے بلکہ فتاوی عالمگیری اور ہدایہ کے اقوال مین کسیقدر فرق معلوم ہوتا ہے

۵۱ الہ آباد جلد ۸ صفحہ ۲۳۴ - اس مقدمہ کا فرمان شاہی اپیل ہوا جو الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۹ مین درج ہے
جلد ۱۰ کا فیصلہ بہت بیش بہا ہے -

گو وہ فرق کامل غور کرنیکے بعد صرف ظاہری ہے اور حقیقت مین کچھہ نہین ہے۔ شیعہ
مین اگر نکاح سے پیشتر کا حمل ہو تو اوس بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوتا بالکل تیقن
اور فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر حمل نکاح سے قبل کا ہے اور بچہ چھہ مہینہ کے اندر پیدا
ہو تو وہ بچہ صحیح النسب نہین ہے اس لئے ضمناً یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ برعکس حالت
مین یعنی جب حمل نکاح سے قبل کا ہو اور بچہ چھہ مہینہ کے بعد پیدا ہو تو وہ صحیح النسب ہوگا
اس مسئلہ مین شبہہ کا فائدہ بچہ کو دیا گیا۔

ہدایہ مین بظاہر دوسرے طریقہ پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن نتیجہ فتاوی عالمگیری کے
قول کے مطابق ہے ہدایہ کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چونکہ کم سے کم مدت
حمل کی چھہ مہینہ ہے اس لئے اگر بچہ اوس مدت کے اندر پیدا ہو تو وہ شوہر کی اولاد نہ ہوگا
اور اوسکا نسب کسی دوسرے شخص کے ساتھہ منسوب کیا جائیگا بشرطیکہ شوہر دعوی نکرے
اس لئے عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب شیعہ سُنّی شرع سے زیادہ سخت ہے
بمقدمہ احمد حسین خان بنام حیدر حسین خان [۱] حکام پریوی کونسل نے صاف
طور پر یہ اصول قرار دیا ہے کہ وہ شرع محمدی مین نکاح سے صحیح النسب ہونیکا قیاس ہم بستری
کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس رشتہ کے باعث قیاس مذکور زمانہ ماقبل کی نسبت بھی صحیح ہوگا
یہ اصول شرایط مذکورہ بالا کے ساتھہ پڑہنا چاہئے۔

نکاح فاسد

سید امیر علی لکھتے ہین کہ جملہ مذاہب مین شرعاً نکاح فاسد کی اولاد صحیح النسب ہے
نیپولین قانون مین (یعنی فرانس کے قانون مین) بھی اگر عقد نکاح نیک نیتی سے کیا جائے
تو ایسے نکاح کی اولاد قانوناً صحیح النسب ہین گو نکاح بعد مین منسوخ ہو جائے۔

فتاوی عالمگیری مین ہے ”نکاح فاسد چند باتون مین نکاح صحیح کا حکم رکھتا ہے منجملہ اونکے

---

[۱] ایپلہائے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۹۴۔

ایک ثبوت نسب ہے۔" اسکی تائید رد المختار جلد اصفحہ ۷۷۵ سے بھی ہوتی ہے۔ مگر چھ مہینہ کی مدت کا شمار روز ہم بستری سے ہوگا نہ کہ تاریخ نکاح سے۔

مثلاً اگر کوئی شخص ایک بت پرست عورت سے نکاح کرے تو نکاح فاسد ہے کیونکہ ممکن ہے کسی وقت دین اسلام قبول کرلے اوسوقت ناجوازی نکاح کا سبب رفع ہوجائیگا لہذا ایسے نکاح کی اولاد صحیح النسب ہوگی۔ نامسلم مسلمہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ یہ نکاح بوجہ مذکور ناجائز ہوگا مگر اس نکاح کی اولاد صحیح النسب ہوگی۔

جو مسلمان ایک سے زیادہ نکاح کی جواز کا قایل ہے اگر ایک عورت سے نکاح کرکے بحالت قیام اوس نکاح کے اوسکی بہن سے نکاح کرے۔ تو دوسرا نکاح صرف فاسد ہے کیونکہ ممکن ہے کہ پہلی بی بی فوت ہوجائے یا اوسکو طلاق دیجائے تو اوس صورت مین اوسکی بہن کے ساتھہ نکاح جائز ہوگا۔ اس لئے دوسری بہن کی اولاد صحیح النسب ہوگی اور مثل اولاد زوجہ اول کے ترکہ پدری مین وراثت کی مستحق ہونگی۔

عظیم النسا خاتون بنام کریم النسا خاتون ۵۱ کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ تجویز کی کہ اگر کوئی شخص دو بہنوں سے نکاح کرے تو دوسرے نکاح کی اولاد غیر صحیح النسب ہوگی۔ یہ اصول شرع محمدی کے بالکل خلاف ہے معلوم ہوتا ہے کہ دو سوالون کے ملا دینے سے یہ غلطی واقع ہوئی۔ یعنی زوجہ ثانی کا حق بابت مہر کے اور اوسکی اولاد کے حقوق۔ اسمین شک نہین کہ زوجہ ثانی مہر کی مستحق نہ ہوگی لیکن اسمین بھی کچھہ شک نہین کہ زوجہ ثانی کی اولاد صحیح النسب ہوگی ۵۲

---

۵۱ کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰۔ ۵۲ کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰ کے فیصلہ کو سید امیر علی جس وجہ سے غلط کہتے ہین غالباً وہ وجہ صحیح نہین ہے۔ اس فیصلہ مین بھی یہ طے پایا ہے کہ نکاح فاسد کی اولاد صحیح النسب ہوتی ہے مگر ایک بہن کے نکاح مین ہوتے ہوئے دوسری بہن کے ساتھہ نکاح فاسد نہین ہے بلکہ باطل ہے اور نکاح باطل کی اولاد صحیح النسب نہین ہوتی۔ یہ قول صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا ہے۔ غالباً

سید امیر علی کی رائے کی تائید امام اعظمؒ کے قول سے و شیعہ مذہب کے اصول سے ہوتی ہے اس فیصلہ مین مستند کتابون کا حوالہ بہت صراحت سے دیا گیا ہے اور مولف کے نزدیک یہ فیصلہ بہت صحیح ہے۔

عالمگیری مین ہے کہ اگر معتدہ یعنی عدت والی عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا و شوہر ثانی عدت سے اوس حال سے واقف نہ تھا تو نکاح صحیح ہے و اگر واقف تھا تو نکاح فاسد ہے بقول امام اعظم رح کے نکاح فاسد ہونیکی حالت مین جہانتک ممکن نسب شوہر اول سے ثابت کیا جائیگا مثلاً اگر اس معتدہ کے شوہر اول کی وفات یا طلاق دینے کے وقت سے دو برس سے کم مین اور دوسرے شوہر کے نکاح سے چھہ مہینہ یا زیادہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب شوہر اول کا ثابت کیا جائیگا کیونکہ نکاح ثانی فاسد ہے و اگر شوہر اول سے نسب کا ثابت ہونا غیر ممکن ہے تو شوہر ثانی سے نسب ثابت کیا جائیگا مثلاً شوہر اول کی وفات یا طلاق سے دو برس بعد و شوہر ثانی کے نکاح سے چھہ مہینہ یا زیادہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب شوہر ثانی سے ثابت رکہا جائیگا اسواسطے کہ دوسرا نکاح اگرچہ فاسد ہے لیکن ہرگاہ نکاح صحیح سے اسکا نسب ثابت کرنا غیر ممکن ہے تو زنا پر محمول کرنے سے یہ بہتر ہے کہ نکاح فاسد سے اسکا نسب ثابت کیا جاوے۔ و اگر شوہر اول کی وفات یا طلاق سے دو برس سے زاید مین و شوہر ثانی کے نکاح سے چھہ مہینہ سے کم مین بچہ پیدا ہوا تو بچہ دونون شوہرون مین سے کسی کا نہین (یہ سب مسئلہ حمل کے شرعی مدت معینہ پر خیال کرنے سے حل ہوتے ہین)۔

سید امیر علی لکہتے ہین کہ "خلاصہ یہ کہ شبہتہ العقد کی حالت مین نسب ہر حالت مین ثابت ہوگا خواہ عقد نکاح جائز ہو یا ناجائز۔ خواہ جملہ مشائخ اوس نکاح کے ناجوازی کے قایل ہون یا اون مین اختلاف ہو اور خواہ متعاقدین اس نکاح کی ناجوازی سے واقف ہون یا نہ ہون"

لیکن صاحبین کے نزدیک ایسا عقد مشتبہ یا فاسد نہین کہا جا سکتا جسکی ناجوازی بالعموم مسلم ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی محرمات مین سے کسی کے ساتھہ نکاح کرے یا کوئی دوسرے

شخص کی زوجہ یا معتدہ سے نکاح کرے خواہ اوسکو اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ یہ عورت اوسپر حرام ہے یا آنکہ وہ دوسرے شخص کی معتدہ ہے اور اس نکاح سے کوئی اولاد ہو تو اوسکا نسب صاحبین کے نزدیک ثابت نہ ہوگا تا وقتیکہ دوسرے شخص کی زوجہ یا معتدہ سے نکاح کرنے مین فریقین مین سے کسی کو غرور یعنی دہوکا نہ ہوا ہو۔

غرور یا دہوکا کی مثالین جو کتب فقہ مین مذکور ہین وہ مسلمان سوسائٹی کی طرز معاشرت و عورتون کی پردہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہین۔ مشرقی ملکون مین نکاح سے قبل زوجہ کے دیکھنے کا رواج نہین ہے اور یہ رواج گو رسول مقبول کے صریح ارشاد کے خلاف ہے مگر تقریباً تمام مسلمانون مین پایا جاتا ہے۔ اسوجہ سے غرور کا مسئلہ اسطرح پر بیان کیا گیا ہے۔

"اگر دولہ کے گہر مین بجائے اوسکی منکوحہ کے کوئی دوسری عورت بہیجی گئی اور دولہ کو اپنی خادمہ کے بیان سے یہ یقین ہوگیا کہ یہ عورت اوسی کی منکوحہ ہے اور پہر اوس عورت سے جماع کیا تو جو اولاد اوس سے پیدا ہوگی اوسکا نسب اوس سے ثابت ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی"۔ غرور صرف اون صورتون سے متعلق ہے جسمین فریقین کی نیک نیتی ثابت ہے۔

اگر کسی معتبر شخص نے ایک عورت سے کہا کہ اوسکا شوہر فوت ہوگیا یا اوس نے اوسکو تین طلاق دی ہے۔ اور عورت کو اوس شخص کے کہنے کا اعتبار ہے تو کچہ مضائقہ نہین ہے کہ عورت عدت رکہے اور بعد انقضائے عدت کے دوسرے شخص سے نکاح کرے۔

اسی طرح اگر کسی عورت نے ایک شخص سے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے اور میری عدت گذر گئی تو وہ شخص اگر اوس عورت سے نکاح کرلے تو کچہ مضائقہ نہین ہے اور پہر اوس عورت کے چہ مہینہ سے زیادہ مدت مین کوئی بچہ پیدا ہو تو اوسکا نسب شوہر

ثانی سے ثابت ہوگا۔ لیکن اگر مرد کو یہ علم ہے کہ وہ عورت دوسرے کی منکوحہ ہے اور نکاح ہنوز قائم ہے۔ تو اولاد کا نسب اوس شخص سے ثابت نہ ہوگا۔ گو عورت نے اوس شخص سے یہ کہا ہو کہ وہ غیر منکوحہ ہے یا مطلقہ ہے۔ لیکن اگر شوہر اول نے یہ یقین دلایا ہو کہ اوس نے اپنی بی بی کو طلاق دیدی ہے تو اولاد کا نسب شوہر ثانی سے ثابت ہوگا گو شوہر اول کا بیان نسبت طلاق کے بعد مین غلط ثابت ہو۔

فتاوی عالمگیری مین ایک عام اصول یہ لکھا ہے کہ جب عورت پر عدت واجب نہ ہو تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت نہ ہوگا الا اوس صورت مین جب یہ یقین ہو کہ بچہ اوسی شخص کے نطفہ سے ہے یعنی جبکہ چھ مہینہ مین پیدا ہوا ہو۔ و جب عدت واجب ہو تو نسب شوہر سے ثابت ہوگا الا اوس صورت مین جب یہ یقین ہو کہ بچہ اوسکے نطفہ سے نہین ہے بوجہ اسکے کہ دو برس سے زیادہ مدت مین پیدا ہوا ہے۔

فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر کسی نے بعد جماع کے اپنی زوجہ کو طلاق دی پھر اوسکے بچہ پیدا ہوا تو دو برس تک پیدا ہونے مین نسب ثابت ہوگا۔ اور بعد پیدا ہونے کے عدت پوری ہو جائیگی۔ و اگر دو برس کے بعد بچہ پیدا ہوا پس اگر طلاق رجعی ہے تو نسب ثابت ہوگا اور مرد مذکور اوس عورت سے رجعت کرنیوالا قرار دیا جائیگا۔ و اگر طلاق بائن ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا تا وقتیکہ شوہر دعوی نکرے و اگر دعوی کیا تو نسب ثابت ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر شوہر اپنی زوجہ کو چھوڑ کر مر گیا پھر وقت وفات سے دو برس کی مدت مین عورت کے بچہ پیدا ہوا تو نسب شوہر متوفی سے ثابت ہوگا۔ و اگر بچہ بعد دو برس کے پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ بشرطیکہ عورت نے قبل اسکے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو۔

سید امیر علی۔ ثبوت نسب کے بارہ مین شرع اسقدر سخت ہے کہ اگر شوہر بعد نکاح مگر قبل جماع کے مر گیا اور بچہ مدت مذکور کے اندر پیدا ہوا تو وہ صحیح النسب قرار دیا جائیگا

یہ سچ ہے کہ ہر دو صورت مذکورہ بالا مین اس قیاس کی تردید کیجا سکتی ہے لیکن اول الذکر صورت مین یعنی اگر شوہر بعد جماع کے مرا ہے تو اس قانونی قیاس کے دور کرنیکے لئے بہت قوی شہادت کی ضرورت ہو گی۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ اگر عورت نے عدت منقضی ہونیکا اقرار کیا ہو خواہ وہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی اور اتنی مدت گذر نیپر اقرار کیا کہ اوس مدت مین یہ عدت گذر سکتی ہے پھر وقت اقرار سے چھہ مہینہ سے کم مین اوسکے بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہوگا ورنہ نہین۔

شیعہ مذہب کے مطابق اگر نکاح کے بعد کسی عورت کے بچہ پیدا ہو حالانکہ شوہر نے اوس سے وطی نہین کی تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت نہ ہو گا۔ واگر وطی بھی ہوئی ہو مگر بچہ چھہ مہینہ سے کم مین پیدا ہوتا ہم اوسکا نسب ثابت نہ ہو گا۔ اگر فریقین یعنی شوہر و زوجہ بالاتفاق اقرار کرین کہ جماع سے دس مہینہ بعد بچہ پیدا ہوا یا بعض استثنای حالتون مین گیارہ مہینہ کے بعد پیدا ہوا یا یہ امر ثابت کیا جائے کہ شوہر اوس تمام زمانہ مین جو مدت حمل کا سب سے بڑا زمانہ ہے اپنی عورت سے علیحدہ رہا تو ان تمام حالتون مین بچہ کا نسب شوہر سے ثابت نہ ہو گا۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ صورت ہائے مذکورہ بالا مین اگر شوہر دعوے کرے تو نسب ثابت ہو گا یا نہین لیکن اگر نکاح کے بعد وطی ہوئی ہو اور وطی سے چھہ مہینہ پر یا چھہ مہینہ سے زیادہ مین بچہ پیدا ہو تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہو گا گو عورت نے کسی دوسرے سے زنا بھی کی ہو اور شوہر بجز لعان کے اور کسی دوسرے طریق سے اوس بچہ کے نسب سے انکار نہین کر سکتا۔ واگر فریقین مین وطی و ولادت کی بابت اختلاف ہو تو شوہر کے حلفیہ بیان کو ترجیح ہو گی۔ اگر بعد جماع چھہ مہینہ یا اوس سے زیادہ مین بچہ پیدا ہو تو شوہر کو اپنی زوجہ کے مشتبہ چال چلن کی وجہ سے اوس بچہ کے نسب سے انکار کرنا جائز نہین

اور اوس صورت مین بہی انکار کرنا جائز نہین ہے جب شوہر کو بالیقین معلوم ہو کہ اوسکی زوجہ نے زنا کیا ہے ۔ و اگر شوہر اوس بچہ کے نسب سے انکار کرے تاہم اوسکے نسب کی نفی نہ کیجائیگی اِلّا ایک صورت مین یعنی جب شوہر لعان کرے ۔

اگر عورت طلاق کی عدت مین ہے اور حمل کی سب سے بڑی مدت کے اندر اوسکے بچہ پیدا ہو تو یہ بچہ اوسکے شوہر کا ہے بشرطیکہ بچہ کی مان نکاح صحیح یا فاسد کے ذریعہ سے کسی دوسرے شخص کی ہم بستر نہ ہوئی ہو ۔ اگر شوہر کو ہم بستری تسلیم ہے تو اپنی زوجہ کی اولاد کے نسب کا اقرار کرنا اوسپر واجب ہے ۔ و اگر بجز لعان کے کسی اور طرح پر وہ انکار کریگا تو یہ انکار کچہہ مفید نہ ہوگا ۔ و نہ اوس صورت مین کچہہ مفید ہوگا ۔ جب اوس مدت کی بابت کچہہ اختلاف ہو جو روز جماع و ولادت کے درمیان گذری ۔

اگر کسی شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور زوجہ نے عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور تاریخ طلاق سے چہہ مہینہ سے کم مین عورت کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ شوہر اولی کا ہوگا اگر چہہ مہینہ پر یا زیادہ مین بچہ پیدا ہوا تو شوہر ثانی کا ہوگا ۔

شبہۃ العقد کی بابت شرائع مین لکہا ہے کہ وہ اگر کسی شخص نے غلطی سے کسی غیر عورت کو اپنی زوجہ خیال کر کے جماع کیا اور اوس عورت سے لڑکا پیدا ہوا تو یہ بچہ اوس شخص کا ہوگا ۔

اگر کوئی شخص کسی عورت کو غیر منکوحہ یا بیوہ یا شوہر اولی کے مطلقہ خیال کر کے اوس سے عقد کرے اور بعد کو یہ معلوم ہو کہ اوس عورت کا شوہر اولے ہنوز زندہ ہے یا آنکہ اوس نے طلاق نہین دی تو عورت شوہر اولے کے حوالہ کیجائیگی مگر اس دوسرے نکاح کے باعث اوس عورت پر عدت واجب ہوگی ۔ لیکن اگر وہ حاملہ ہے تو اوسکا بچہ بہ تبعیت شرائط مذکورہ بالا شوہر ثانی کا ہوگا ۔ خواہ اوس عورت نے قاضی کی ڈگری کی بناء پر یا ایک یا کئی شخصون کی شہادت پر اعتبار کر کے یہ خیال کیا تہا کہ اوسکے شوہر اولے نے اوسے طلاق دی ہے یا آنکہ وہ فوت ہو گیا ہے نسب کی بابت شیعہ مذہب بہت صاف ہے ۔ شیعہ مذہب مین

صحیح وفاسد دونون طرح کے نکاح سے نسب ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص نیک نیتی سے ایسا نکاح کرے جو بالآخر فاسد قرار پائے یا اگر کوئی شخص نیک نیتی سے کسی عورت کو اپنی زوجہ خیال کرکے اوس سے جماع کرے تو ایسے نکاح یا جماع سے جو اولاد ہوگی۔ وہ قانوناً صحیح النسب ہوگی اسی طرح اگر نکاح ابتدا ہی سے باطل ہو تاہم اولاد صحیح النسب ہوگی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے محرمات ابدی مین سے یا کسی ایسی عورت سے جو عارضی طور پر محرمات مین داخل ہے نکاح کیا تو اس نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ صحیح النسب ہوگی بشرطیکہ فریقین بوقت نکاح حرمت سے واقف نہ تھے۔ اگر کسی شخص نے محض غلطی سے محرمات ابدی مین سے کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ نکاح سرے سے باطل ہے مگر اس نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ صحیح النسب ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ مین شیعہ مذہب سے حرف اتفاق ہی نہین کرتے بلکہ چند باتون مین اوس سے چند قدم آگے ہین۔ لیکن امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اسکے خلاف فرماتے ہین۔ اونکے قول کے بموجب ایسے نکاح کی اولاد جو محرمات ابدی سے ہو غیر صحیح النسب ہوگی خواہ وہ نکاح غلطی سے وقوع مین آیا ہو یا کسی اور طور پر۔ ہندوستان کے حنفی المذہب مین صاحبین کے قول پر فتوی ہے۔

شیعہ مذہب مین ولد الزنا اپنے باپ یا مان کسی سے نسب نہین رکھتا اسلئے نہ تو باپ جسکے نطفہ سے بچہ پیدا ہوا اور نہ مان جسکے رحم مین بچہ تھا ونہ اونکا کوئی اور قرابت دار اوس بچہ کا وارث ہوسکتا ہے۔ ونہ بچہ ہی اون مین سے کسی کا وارث ہوسکتا ہے۔ شیعہ مذہب کے مطابق صحیح النسبی کی بحث بمقدمہ مسماۃ صاحبزادی بیگم بنام مرزا ہمت بہادر[۵۱] کلکتہ ہائیکورٹ مین پیش ہوئی تھی۔ اس مقدمہ مین ایک ہندو راجہ مودی نراین سنگھ نے ایک شیعہ عورت مسماۃ براتی بیگم سے بیاہ کیا تھا۔ اس شادی سے چند اولاد ہوئین اور اون سبکی

[۵۱] ویکلی ریورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۵۱۲۔ یا بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۰۳۔

تربیت مطابق شیعہ مذہب کے ہوئی۔ منجملہ لڑکون کے جب ایک لڑکا اپنی زوجہ مسماۃ صاحبزادی بیگم اور ایک بھائی و ایک بہن چھوڑکر مرا تو یہ نزاع پیش ہوئی کہ آیا بھائی و بہن مستحق وراثت ہین یا نہین۔ تجویز ہوئی کہ چونکہ بھائی و بہن کا متوفی سے کوئی نسب نہین ثابت ہے اس لئے وے مستحق وراثت نہین ہین۔

ولدالملاعنہ

ولدالملاعنہ کی نسب صرف باپ سے منقطع ہوتی ہے نہ کہ مان سے۔ اس لئے مان و مان کے دیگر قرابت مند اس بچہ کے وارث ہوسکتے ہین اور بچہ اونکا وارث ہوسکتا ہے لیکن اگر باپ لعان کو فسخ کرے تو بچہ کا نسب باپ سے بھی ثابت ہوگا اور اوسکے ترکہ مین مستحق وراثت ہوگا لیکن باپ کو گو اوس نے لعان کو فسخ کردیا بچہ کے ترکہ مین وراثت کا حق نہ ہوگا۔

سنی مذہب

سُنّی مذہب مین ولدالزنا و ولدالملاعنہ کے حقوق کی نسبت کوئی فرق نہین ہے دونون کو اپنی مان اور مان کے قرابت دارون کو اِن بچون کے ترکہ مین وراثت کا حق ہے۔ اور اسیطرح مان اور مان کی جہت سے قرابت دارون کو ان بچون کے ترکہ مین میراث پہونچیگی۔ مثلاً اگر مقدمہ مذکورہ بالا مین فریقین مذہب سُنی کے تابع ہوتے تو بھائی و بہن متوفی کے ترکہ مین میراث پاتے۔

نکاح جب اسکے ... بلا واسطہ ... ت سے

اگر والدین کا نکاح شہرت کے ساتھ ہوا ہے جس سے وہ آسانی سے ثابت ہوسکتا ہے تو اولاد کے حقوق کا تصفیہ صرف ایک امر مین منحصر ہوجاتا ہے یعنی یہ کہ آیا دوران قیام نکاح مین ان اولاد کا نطفہ قرار پاکر اونکی ولادت ہوئی یا نہین۔ لیکن ایسی صورتین بھی پیش آسکتی ہین کہ نکاح کا ثابت کرنا بہت آسان نہ ہو۔ ممکن ہے کہ کسی دور دراز ملک مین نکاح ہوا ہو یا ایسی حالت مین کہ اوسکے متعلق کسی دستاویزی یا زبانی شہادت کا مہیا کرنا بالکل غیر ممکن ہو۔ ان صورتون مین بموجب شرع محمدی کے فریقین کے طریقہ رہایش اور اونکے اس اقرار سے کہ وہ باہم زن و شوہین جائز نکاح کا قیاس ہوگا بشرطیکہ اس قیاس کی منافی کوئی ناقابل تردید

واقعہ موجود نہ ہو اور نیز بشرطیکہ وہ تعلق عارضی طور کا مثل زنا کے نہ ہو بلکہ وہ تعلق دایمی ہو جس سے جائز نکاح ہونے کا قیاس قوی پیدا ہوتا ہو[۵۱] مثلاً ایک عورت منکوحہ ہے جسکے شوہر نے اوسے طلاق نہین دی اور اوس نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اوسکے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے۔ تو ایسے ساتھ رہنے کی وجہ سے بموجودگی اوس امر کے جو نکاح ثانی کے جواز کا مانع ہے (یعنی نکاح اول) نکاح ثانی کے جواز کی نسبت کوئی قیاس نہین ہوگا یا مثلاً اگر کوئی عورت کسی شخص کی محرمات سے ہے تو مثل زن وشو کے ساتھ رہنے سے جائز نکاح کا قیاس نہین ہوگا۔

لیکن اگر اسکے برعکس نکاح کے لیئے کوئی امر مانع نہین ہے اور نہ فریقین چندروزہ آشنائی کے طریق پر ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہین تو مثل زن وشو کے ہمیشہ ساتھ رہنے سے یہ قیاس ہوگا کہ اونکا نکاح جائز طور پر ہوا ہے اور جو اولاد پیدا ہوگی وہ صحیح النسب متصور ہوگی۔

اگر ہمیشہ کی ایکجائی سے نکاح کا قیاس پیدا ہوتا ہے تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ بچہ وا اپنے باپ کے اقرار سے خواہ صراحتاً ہو یا دلالتاً ثابت النسب ہو جائیگی۔ یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ باپ صریح الفاظ مین اپنے بچہ کے نسب کا اقرار کرے۔ اگر صرف اوسکے طریق عمل و برتاؤ سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ بچہ کو اپنا بچہ تسلیم کرتا ہے تو قانوناً وہ بچہ صحیح النسب متصور ہوگا[۵۲]

---

[۵۱] باقر حسین خان بنام شرف النساء اپیلہائے ہند مولفہ مور صاحب ضمیمہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۶ و خواجہ ہدایت اللہ بنام ریحان خانم اپیلہائے ہند مولفہ مور صاحب ضمیمہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ و حبیب اللہ بنام گوہر علی خان ویکلی رپورٹر جلد ۱۸ صفحہ ۵۲۳ (پریوی کونسل)۔

[۵۲] دیکھو باقر حسین خان بنام شرف النساء مذکورہ بالا و صدر دیوانی عدالت ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۸۰ مسماۃ حسنو بنام مسماۃ وحید النساء۔

بمقدمہ اشرف الدولہ احمد حسین خان بنام حیدر حسین خان ؁ حکام پریوی کونسل اس مسئلہ کو بہت وضاحت کے ساتھہ حسب ذیل بیان فرماتے ہین۔

"نکاح سے صحیح النسبی کا قیاس ہم بستری کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک نکاح قایم ہے زوجہ کا لڑکا شوہر کا لڑکا متصور ہوگا۔ لیکن یہ قیاس ہم بستری کے بعد پیدا ہوتا ہے نہ کہ زن و شو کے رشتہ کی وجہ سے زمانہ ماقبل کی نسبت ایسا قیاس ہوگا۔ نکاح کے

؁ اپیلہائے ہند مولفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۹۴ حکام پریوی کونسل کی تجویز سے جو فقرہ متن مین نقل کیا گیا ہے یہ شبہ پیدا کر سکتا ہے کہ ولد الزنا بھی اقرار کے زور سے صحیح النسب ہو سکتا ہے مگر یہ شبہ بے بنیاد ہے کیونکہ حکام پریوی کونسل نے ایک دوسرے مقدمہ یعنی صادق حسین بنام سید محمد یوسف کلکتہ جلد ۱۰ صفحہ ۶۶۳ مین اس مسئلہ کو یعنی یہ کہ ولد الزنا بزور اقرار صحیح النسب ہو سکتا ہے یا نہین قطعی طور پر فیصل کرنے سے انکار کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فقرات مذکورہ بالا مین یہ مسئلہ طی شدہ نہ خیال کرنا چاہیئے اس سے زیادہ واضح طور پر حکام پریوی کونسل نے بمقدمہ محمد عظمت علیخان بنام سماۃ لالی بیگم (کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۴۲۲) فقرات مذکورہ بالا کی نسبت یہ تحریر فرمایا کہ "وہ تجویز کے اس حصہ کو اوس مقدمہ کے واقعات سے ملا کر پڑہنا چاہیئے اوس مقدمہ مین یہ ثابت ہوا تہا کہ لڑکا کے پیدا ہونیکے بعد متعہ (نکاح) ہوا تہا اوس مقدمہ مین کوئی اقرار باپ کا نہ تہا اور بچہ کے ساتھہ جو برتاؤ کیا جاتا تہا وہ بہی مشتبہ تہا۔ بعض وقت اوسکے ساتھہ مثل صحیح النسب لڑکے کے سلوک کیا جاتا تہا اور بعض وقت نہین۔ اور بالآخر ایک دست آویز کے ذریعہ سے باپ نے اوس لڑکے کو اپنا صحیح النسب بچہ ہونے سے انکار کیا اوس مقدمہ مین (یعنی امجد حسین بنام حیدر حسین) مین یہ تجویز ہوئی کہ صریح اقرار کی عدم موجودگی مین شہادت اس امر کیلئے ناکافی تہی جس سے نکاح کی بابت کوئی قیاس پیدا ہو۔ اسلیئے احمد حسین بنام حیدر حسین کا مقدمہ اسبات کی نظیر نہین ہے کہ اگر کسی شخص کا غیر صحیح النسب ہونا ثابت ہو تو وہ اسوجہ سے کہ اوسکے والدین کا نکاح نہین ہوا یا انکہ اون مین شرعاً نکاح نہین ہو سکتا تہا تو محض اقرار سے وہ شخص صحیح النسب ہو جائیگا (دیکھو محمد الہ داد خان بنام محمد اسمعیل خان الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۹)۔

قبل کی اولاد غیر صحیح النسب ہے بغیر نکاح کے اولاد غیر صحیح النسب ہے لیکن اگر اوسکے نسب کا
اقرار کیا جائے تو اوسکو صحیح النسبی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس سلئے جب کوئی اولاد جو
درحقیقت پیدایشاً غیر صحیح النسب تہی صحیح النسب ہوگی تو یہ بزور اقرار ہوا خواہ وہ اقرار صریحی ہو یا
معنوی۔ ثابت کیا گیا ہو یا قیاس کیا گیا ہو۔ یہ قیاسات واقعات سے پیدا ہوتے ہین۔ انکی
بنیاد قانون کی بناء پر قایم ہوتی ہے اور صحیح النسبی کے دائرہ کو زنا و نکاح کو باہم خلط ملط کرنے سے
وسیع نہین کرسکتے نکاح سے جو اولاد ہو وہ معاً پیدا ہونیکہ صحیح النسب ہے زنا سے جو اولاد ہو وہ صحیح النسب ہو سکتی
ہے اگر اوسکے ساتہہ مثل صحیح النسب اولاد کے سلوک کیا جائے۔ اس قسم کا سلوک اقرار کا ثبوت ہوگا۔ کوئی
عدالت اس مسئلہ صحیح النسبی پر غور کرتے وقت کسی واقعہ کی نسبت قیاس کرنے کی مجاز نہین
ہے جسکو اصول شہادت کی معقول تعبیر خارج کرتی ہے۔ نکاح و صحیح النسبی کے قیاس کافی
وجوہات پر مبنی ہونا چاہیئے نہ کہ اوس صورت مین بہی جب اسکے خلاف ثبوت کا پلہ جہکا ہوا
ہو خواہ وہ ثبوت بلا واسطہ ہو یا قیاسی؟

ہدایہ۔ اگر کسی نے ایک لڑکے کی نسبت کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے پہر وہ شخص مرگیا بعدہٗ اس
لڑکے کی ماں آئی اور کہا کہ مین اوس میت کی زوجہ ہون تو یہ عورت میت کی زوجہ ہوگی اور یہ
لڑکا میت کا لڑکا اور دونون میت کے وارث ہونگے۔

لیکن اقرار کا صریحی ہونا ضرور ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ مگر بچہ کے ساتہہ باپ کا برتاؤ ایسا
ہونا چاہیئے جس سے یہ قیاس ہو کہ بچہ صحیح النسب ہے۔

اگر کسی شخص و عورت کے درمیان مثل زن و شو کے تعلق ہو اور اوس عورت کے بچہ کو اوس
شخص نے اپنا ولد ہونا اقرار کیا تو اس اقرار سے اوس عورت کو منکوحہ زوجہ ہونے کے حقوق ہو سکتے ہین۔ یہ
مسئلہ بمقدمہ کریم النساء بیگم بنام شہزادہ حلیم الزمان سلہ سے ملے پایا ہے۔

---

سلہ کلکتہ لا رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۳۔

اس مقدمہ مین دو بیگمات یعنی مہاٹلا و امتیاز النسا نے اپنے کو شہزادہ غلام محمد کی بیوگان ہونیکا دعوی کیا تہا چونکہ مہاٹلا کے نکاح کا کوئی ثبوت نہ تہا اس لئے عدالت نے اوسکے خلاف تجویز کیا۔ لیکن امتیاز النسا کی نسبت چیف جسٹس صاحب کی تجویز حسب ذیل ہے۔

"امتیاز النسا کی نسبت غالباً ہمکو بہت مشکل پیش آتی اگر ایک قیاس قانونی نہ ہوتا جو مہاٹلا کی نسبت نہین ہے۔ امتیاز النسا کے نکاح کا کوئی ثبوت بلا واسطہ نہین ہے۔ اور نہ اس امر کی کوئی شہادت ہے کہ اوسکے ساتہہ خاص امتیاز و شفقت سے سلوک کیا جاتا تہا بجز اوس سلوک کے جو شہزادہ حلیم کی مان ہونے کی حیثیت سے اوسکے ساتہہ ہوتا تہا اور اس مین بہی شک نہین کہ اخیر حصہ عمر مین بالخصوص وصیت نامہ مین امتیاز النسا و مہاٹلا بدرجہ مساوی رکہی گئین۔ لیکن یہ امر کہ امتیاز النسا شہزادہ حلیم کی مان ہی اور شہزادہ حلیم کو شہزادہ غلام نے ابتدا ہی سے اپنا صحیح النسب بچہ اقرار کیا اور اوسکے ساتہہ ویسا ہی سلوک کیا۔ اس سے ہماری رائے مین امتیاز النسا کے حق مین ایک بیّن فرق واقع ہوتا ہے"

"نکاح و صحیح النسبی کے حق مین جو قیاس شرعاً صریح اقرار سے یا ایسے طریق عمل سے جو بمنزلہ صریح اقرار کے ہے پیدا ہوتا ہے اوسکے متعلق ہمارے روبرو دوران بحث مین کثیر التعداد اسناد کا حوالہ دیا گیا۔ قیاس کا مسئلہ اس مقدمہ مین بہت ہی کارآمد ہے۔ ہماری رائے مین اس قیاس سے دونون بیگمات کے دعوی پر جنکے حقوق کا تصفیہ ہمکو کرنا ہے بہت بڑا فرق ہوتا ہے"

"بہت سی باتون مین واقعی نکاح کی شہادت جو منجانب امتیاز النسا کے پیش ہوئی ہے مہاٹلا کی شہادت سے زیادہ قوی نہین ہے ممکن ہے کہ شہزادہ غلام نے اون دونون کے ساتہہ ایک سی عنایت و توجہ رکہی ہو اگر کم سے کم اپنے اخیر حصہ عمر مین اون دونون کو مساوی جائداد دی ہی اور ان دونون بیگمون کے ساتہہ خود شہزادہ نے اور اوسکے مرنیکے بعد اہل خاندان نے مساوی امتیاز

ورعایت کی ساتھہ سلوک کیا ہے - لیکن قیاس کے مسئلہ کے لحاظ سے ایک بیگم کو جو فوقیت
دوسرے پر حاصل ہے وہ اسبات مین ہے کہ اوسکے ایک لڑکا ہے جسکو شہزادہ غلام نے
ابتداء سے اخیر تک واضح طور پر اپنا صحیح النسب لڑکا تسلیم کیا ہے"

"اور شہزادہ حلیم کی نسبت اقرار سے جو قیاس صحیح النسبی کا قانوناً پیدا ہوتا ہے وہ اوسوقت
تک بالکل غیر موثر رہیگا - جبتک یہ قیاس نکیا جائے کہ اوسکی مان اور اوسکے باپ کے نکاح
مین جائز طور پر تھی"

چند مقدمات کا حوالہ دیکر چیف جسٹس صاحب تحریر کرتے ہین -

"آخر الذکر مقدمہ مین ۵۱ یہ لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص علانیہ طور پر عرصہ دراز تک ایک
عورت کے ساتھہ اس طرح پر رہا ہو جیسے کہ شوہر اپنی زوجہ کی ساتھہ رہتا ہی اور ہمیشہ علانیہ طور پر
تمام دنیا کی سامنے بچون کی ساتھہ مثل اپنی اولاد کی سلوک کیا یا جب اوسنے تمام امر پر غور کرکی عام طور پر ایک
ایسی لڑکی کی نسبت جو اوسکی نطفہ سی پیدا ہو یہ کہا کہ یہ میرا لڑکا ہی تو قیاس بہمہ وجوہ مکمل ہوجاتا ہی اس صورت مین
ہماری نزدیک نکاح کی حق مین قانوناً صرف قیاس ہی نہین پیدا ہوتا بلکہ عملی طور پر قانون اسکے خلاف شہادت
دینے کو بالکل ممنوع کرتا ہے تاوقتیکہ وہ شہادت اس پایہ کی نہ ہو جس سی اوس نکاح کا ہونا قانوناً
محال ہوجاتا ہو ۵۲ ایسی حالت مین ہم درحقیقت یہ نہین باور کرینگے کہ نکاح کی رسومات واقعی
ادا ہوئین - ہمکو کچھہ شبہ نہین ہے کہ اس قسم کی کوئی بات نہین ہوئی لیکن پھر بھی نکاح کا ہونا قانوناً ممکن ہے
اور نکاح کا ہونا بالضرور قیاس کیا جائیگا نہ مثل قیاس واقعہ کے بلکہ مثل قانونی قیاس کے"

---

۵۱ مسماۃ نواب النساء بنام فضل النساء مارشل صاحب کی رپورٹ صفحہ ۲۸۴ - ۵۲ دیکھو رقیہ بیگم بنام دالا گوہر
شاہ ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷ - اس مقدمہ مین یہ تجویز ہوئی کہ اگر کوئی شخص علانیہ طور پر کسی کو اپنا لڑکا تسلیم کرتا ہی
تو شرعاً اس سے قیاس پیدا ہوگا کہ اوس اقرار کرنیوالے کا نکاح اوس لڑکے کی مان کے ساتھہ ہوا تھا اور اس
امر کا بار ثبوت کہ اون دونون مین نکاح ہونا غیر ممکن تھا فریق ثانی پر ہے -

"یہ مسئلہ امتیاز النساء کے مقدمہ سے متعلق ہے۔ بلاشک وہ مثل زوجہ کے شہزادہ غلام کے ساتھہ سالہائے دراز تک رہی اور اوسکے نطفہ سے اوسکے ایک بچہ ہوا جسکو شہزادہ مذکور نے علانیہ طور پر اپنا بچہ تسلیم کیا اور اسی طرح پر اوسکے ساتھہ سلوک کیا۔ اوسکے واقعی نکاح کے متعلق ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہین ہے جو بمقابلہ مہاتلا کی شہادت کے زیادہ قوی ہے۔ لیکن تاہم بحالات اس مقدمہ کے ہم اس قیاس کرنیکے قانوناً مجاز ہین کہ بلاشبہ شہزادہ کے ساتھہ اوسکا نکاح ہوا تھا"

# فصل دویم۔ تبنیت و اصول اقرار

سید امیر علی لکھتے ہین کہ جو مفہوم تبنیت کا ہندو لوگ سمجھتے ہین یا جیسا کہ رومن سمجھتے تھے ویسا شرع محمدی مین نہین ہے۔ رومن لوگون مین جیساکہ اس زمانہ کے ہندؤن مین ہے تبنیت زیادہ تر مذہبی خیالات سے تعلق رکھتی تھی یعنی متوفی کی روح کو ثواب پہونچانا اور اپنے گھر کی دیوتاؤن کو قایم رکھنا۔ زمانہ جاہلیت کے عربون مین بھی اسکا رواج تھا اور بلاشک اسکی ابتدا یون ہی قایم ہوئی جیساکہ اقوام مذکورہ بالا مین۔

زمانہ جاہلیت کے عرب ایسے شخص کو بہت برا نام دہرتے تھے جس نے اپنے مرنیکے بعد کوئی اولاد ذکور نہ چھوڑی ہو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اون لوگون کی نظرون مین تبنیت کی رسم کیسی باوقعت تھی۔ شاید رسول عربی نے بھی زید بن حارث کو متبنی کرتے وقت اسی رسم کی پیروی کی تھی۔ لیکن بعدمین جب آپ نے بت پرست قومون کو قبیح رسمون پر عمل کرنے سے باز رکھا اور اونکے دلون مین خانگی تعلقات کے متعلق پاکیزہ خیالات پیدا کردئے تب اون لوگونکو صاف طور پر بتلا دیا گیا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم تبنیت سے متبنے اور متبنے کرنے والے کے

درمیان کوئی ایسی قرابت نہین پیدا ہوتی جیسا کہ خون کے رشتہ سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرع محمدی تبنیت کے جواز کو تسلیم نہین کرتی درحالیکہ متبنےٰ کا نسب کسی دوسرے شخص سے ثابت ہے۔ شرع محمدی مین صرف ایک ہی طریقہ ہے جس سے کوئی شخص کسی کو اپنا لڑکا بنا سکتا ہے۔ یعنی اقرار۔ لیکن یہ حق صرف باپ ہی کو ہے کہ وہ اقرار کے ذریعہ سے ایسی قرابت قایم کرسکے ماں یا دوسرے کسی قرابت دار کو یہ حق نہین ہے۔

اقرار صریحی ہوگا یا معنوی لیکن اقرار کو جائز اور قانوناً موثر بنانے کے لئے تین شرطون کا پایا جانا ضرور ہے۔ ۵۱

۱۔ اقرار کرنیوالے کی عمر اور اوس شخص کی عمر مین جسکی نسبت اقرار کیا جائے اتنا فرق ہو جس سے یہ بات قرین قیاس ہو کہ اقرار کرنیوالا اوس شخص کا باپ ہوسکتا ہے ۵۲ مثلاً کوئی شخص اپنے اور ایک دوسرے شخص کے درمیان باپ اور بیٹے کا رشتہ نہین پیدا کرسکتا تاوقتیکہ وہ شخص ساڑھے بارہ برس عمر مین اوس دوسرے سے بڑا نہ ہو جسکو وہ اپنا لڑکا بنانا چاہتا ہے۔

۲۔ جس شخص کے نسب کا اقرار کیا جائے وہ مجہول النسب ہو اگر اوسکا نسب معلوم ہے تو اقرار کرنیوالے سے اوسکا نسب ثابت نہ ہوگا۔

۳۔ جس شخص کے نسب کا اقرار کیا جائے اوسکو یہ یقین ہونا چاہئے کہ وہ اقرار کرنیوالے کا لڑکا ہے یا کم سے کم اوسکے لڑکے ہونے پر رضامند ہو۔

---

۵۱ محمد الہ داد خان بنام محمد اسمعیل خان الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۹ و اعز النسا خاتون بنام کریم النسا خاتون کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰۔ ۵۲ یہ قاعدہ مذکر و مونث دونون سے متعلق ہے۔ دیکھو عمدہ بی بی بنام جناب علی ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۳۲ و فقیلن بی بی بنام عمدہ بی بی ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۴۶۹ و وحیدن بنام وصی حسین ویکلی رپورٹر جلد ۱۵ صفحہ ۴۰۴ بمعاملہ نجیب النساء بنگال لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۵۵۔

آخرالذکر شرط کی نسبت ہدایہ مین یہ لکھا ہے کہ یہ بھی شرط ہے کہ لڑکا اقرار کی تصدیق کرے کیونکہ یہ قیاس ہوتا ہے کہ اوسکو اپنا حال معلوم ہوگا اس لیئے وہ خود مختار ہے لیکن اگر لڑکا اپنا حال نہ بیان کرسکے تو حکم اسکے برعکس ہے ۵۱ اگرچہ اسقدر کم سن ہے کہ یہ نہین سمجھ سکتا کہ قرابت کیا چیز ہے یا اوسکو اپنا حال نہ معلوم ہو تو اوسکو اقرار سے اتفاق کرنیکی ضرورت نہین ہے نہ اقرار کے جواز کے لیئے اوسکی رضامندی ایک لازمی شرط ہے جیسا کہ بالغ کی حالت مین یہ شرط ہے۔ جامع الشتات مین ہے کہ "بہت کم سن بچہ کی رضامندی کا کچھہ خیال نہ ہوگا" اور شرایع الاسلام اوسپر یہ اضافہ کرتا ہے کہ "اگر کسی بچہ کے نسب کا اقرار کیا جائے اور وہ بعد بلوغ کے اوس سے انکار کرے تو اس انکار کا کچھہ نتیجہ نہین" مذکورہ بالا مسائل اس شرط کے تابع ہین کہ اقرار کرنیوالا کچھہ مال نہین حاصل کرنا چاہتا۔ لیکن جب اوس قرابت کی بناء پر کچھہ مال حاصل کرنا مقصود ہو مثلاً ایک عورت کسی شخص پر اس بیان سے نالش کرے کہ اوس نے اسقدر مہر پر اوس سے نکاح کیا لیکن قبل جماع کے اوسکو طلاق دیدی گئی اس لیئے وہ نصف مہر کی مستحق ہے یا کوئی عورت اپنے کو کسی شخص کی زوجہ بیان کرکے اوسپر نان نفقہ کا دعوی کرے تو قاضی بالاتفاق اوس سے حلف لیگا" دوسرے لفظون مین دعوی مین جو ضمناً اقرار ہے وہ ثبوت قرابت کے لیئے ناکافی ہے۔

اقرار کرنیوالے کو وہ جملہ قانونی حقوق حاصل ہوجاتے ہین جو قدرتی باپ کو ہوتے ہین اور جسکے نسب کا اقرار کیا جائے وہ اقرار کرنیوالے کی میراث پائیگا بشرطیکہ اقرار کرنے والے نے وارث بنانے کی نیت سے اقرار کیا ہو۔ ۵۲

---

۵۱ کدارناتھ بنام دونترے ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۲ جسمین یہ تجویز ہوئی کہ اگر چند اولاد مین تو اون مین سے ہر ایک کی نسبت اقرار صاف وصریح طور پر جدا گانہ ہونا چاہیئے اور بچون مین سے جو بالغ ہین اقرار کرنیوالے کو اپنا باپ تسلیم کرین۔ ۵۲ عبدالرزاق بنام محمد جعفر کلکتہ جلد ۱۲ صفحہ ۶۶۲ (پریوی کونسل)

بمقدمہ محمد الہ داد خان بنام محمد اسمعیل خان[1] ایچ صاحب چیف جسٹس و اسٹریٹ صاحب جسٹس نے کسیقدر وسیع الفاظ مین یہ اصول قرار دیا کہ شرع مین جو قواعد اقرار کے لکھے ہین وے درحقیقت قانون وراثت کے قواعد کے جز واصلی ہین - اقرار کی وجہ سے وہ شخص جسکی نسبت اقرار کیا گیا ہے بحالت نہ ہونے کسی شرعی مزاحمت کے مثل صحیح النسب لڑکے کے وراثت کا مستحق ہو جاتا ہی جب کسی لڑکے کی صحیح النسبی یا غیر صحیح النسبی کا کوئی ثبوت نہ ہو اور بچہ مجہول النسب ہے یعنی کوئی خاص شخص اوسکا باپ نہ کہا جاتا ہو پھر اوس بچہ کے نسب کا کوئی شخص اقرار کرتا ہے تو اس سے قطعی قیاس اس امر کا پیدا ہوتا ہے کہ وہ بچہ اوس اقرار کرنیوالے کا ثابت النسب بچہ ہی - اور جب ایک بار یہ حیثیت اوسکی قایم ہوگئی تو پھر اقرار کرنیوالے یا اوسکے قایمقام کے کسی فعل مابعد سے وہ حیثیت زائل نہین کیجاسکتی - سید محمود صاحب کی رائے بہت ہی صحیح ہے - اس ذی علم جج نے یہ تجویز کی کہ گو عام طور پر شرع مین اقرار کا وہی مفہوم ہے جیسا کہ قانون شہادت مین اقبال کی تعریف ہے لیکن کسی شخص کی نسب و دیگر حقوق متعلق نسب کا اقرار شہادت و ثبوت کی حیثیت سے بہت بڑھا ہوا ہے اور شرع کے اصل قانون کا جزو ہے وراثت کے لئے صحیح النسبی و قرابت کا ہونا لازمی شرایط ہین اور صحیح النسبی والدین کے صحیح نکاح پر موقوف ہے - لیکن جب صحیح نکاح کے ثبوت کے ذریعہ سے صحیح النسبی کا ثابت کرنا دشوار ہو تو اوس صورت مین شرع کے بموجب اقرار ایسا ذریعہ ہے جس سے والدین کا نکاح و بچہ کا نسب مثل ایک قانونی حکم کے مثبت تصور کئے جاینگے - اس قسم کے اقرار مین ہمیشہ یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ والدین کا نکاح صحیح تہا اور جس شخص کی نسبت اقرار کیا جاتا ہے - وہ اقرار کرنیوالے کا صحیح النسب بچہ ہے - اور شرع مین بخلاف مثل ہندو و رومن قانون کے تبنیت نہین مانی گئی ہے جسکے ذریعہ سے کوئی شخص بلا خیال قرابت و صحیح النسبی کے لڑکا بنا لیا جاتا ہے -

[1] الہ آباد جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۹ -

جس بچہ کے والدین کا نکاح ناجائز ثابت ہو کر بچہ غیر صحیح النسب قرار پائے تو وہ بچہ اقرار کے
ذریعہ سے صحیح النسب نہین ہوسکتا - اقرار سے صرف اوسی صورت مین بچہ صحیح النسب ہوسکتا ہے
جب واقعہ نکاح یا اوسکا زمانہ جسکی وجہ سے بچہ کے نسب پر اثر پڑتا ہے غیر متیقن ہو چنانچہ اصول
مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھکر بمقدمہ لیاقت علی بنام کریم النسا ۵۱ تجویز ہوئی کہ اگر کوئی مسلمان ایک ایسے
شخص کو اپنا فرزند بیان کرے جسکی مان سے اوسکی پیدایش کے وقت وہ اسوجہ سے نکاح نہین
کر سکتا تھا کہ وہ دوسرے کی منکوحہ تھی تو اس اقرار سے وہ لڑکا صحیح النسب نہ ہوگا -

اقرار کا مسئلہ اوس صورت سے متعلق نہین ہے جب نسب معلوم ہو اس لئے جب بچہ
اسوجہ سے غیر صحیح النسب ہے کہ اوسکے والدین کا نکاح شرعاً حرام ہے تو اقرار سے وہ
صحیح النسب نہین ہوسکتا - ۵۲

اگر کسی شخص ثالث کے ساتھ معاملہ کرنے مین زید نے بکر کو اپنا لڑکا بیان کیا اور بکر نے
زید کو باپ کہا تو شرعاً یہ اقرار مکمل ہے اور سب کے مقابل مین قطعی ہوگیا - ۵۳

جہ کا اقرار

کوئی منکوحہ عورت کسی بچہ کے نسب کا اقرار نہین کر سکتی کیونکہ اسکا اثر دوسرے شخص پر
پڑتا ہے یعنی شوہر پر مگر اوس حالت مین ہوسکتا ہے جبکہ شوہر بھی اقرار کرے -

اس قاعدہ کا مقصود یہ ہے کہ کسی شخص کی فرضی اولاد نہ بنائی جائین -

مسئلہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ ایک منکوحہ عورت یا معتدہ جو زمانہ عدت دوسرا نکاح
کرنے سے ممنوع ہے کسی بچہ کے نسب کا اقرار نہین کر سکتی تاوقتیکہ اوس اقرار کی تائید خود شوہر
نکرے یا بچہ اوس عورت کا ثابت نہ کیا جاوے -

ہدایہ مین لکھا ہے کہ اگر کوئی معتدہ بچہ جنے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اوسکا نسب ثابت

---

۵۱ الہ آباد جلد ۱۵ صفحہ ۳۹۶ - ۵۲ اعز النسا خاتون بنام کریم النسا خاتون کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰ -

۵۳ نیلو کنت رائے چودھری بنام مہتاب بی بی ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ -

نہ ہوگا مگر اس طور پر کہ اوسکے پیدا ہونیکی گواہی دو مرد یا ایک مرد و دو عورتین دین لیکن اگر حمل ظاہر ہو یا شوہر کی جانب سے اقرار پایا جائے تو بغیر گواہی کے نسب ثابت ہو جائیگا۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک سب صورتون مین ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائیگا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونیکی وجہ سے عورت اپنے شوہر کی فراش ہے اور فراش ہونے سے نسب لازم ہو جاتا ہے تو نسب ثابت کرنیکی ضرورت نہین ہے ہان اس امر کی ضرورت ہے کہ بچہ اس خاص عورت کا ہے یا نہین تو یہ امر ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائیگا جیسے نکاح قایم ہونیکی صورت مین بالاتفاق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہ دلیل ہے کہ عورت نے وضع حمل کا اقرار کیا تو عدت گذر گئی اور گذری ہوئی چیز کی کچھ بھی وقعت نہین ہوتی اس لئے از سر نو نسب ثابت کرنیکی ضرورت ہوئی پس اسکے ثبوت کے لئے پوری گواہی ہونی شرط ہے بخلاف اسکے جب حمل ظاہر ہو یا شوہر اقرار کر چکا ہو تو اس صورت مین یہ شرط نہین ہے کیونکہ بچہ کا نسب تو پیدا ہونے سے پہلے ثابت ہے رہا یہ امر کہ یہ اوسی عورت سے پیدا ہوا تو یہ بات ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہو جائیگی۔

اگر عورت اپنے شوہر کی وفات کی عدت مین ہے اور اوس نے ولادت کا دعوی کیا اور شوہر کے وارثون نے ولادت مین اسکی تصدیق کی مگر کوئی گواہ نہین ہے تو بالاتفاق تینون اماموں کے نزدیک یہ بچہ اوسکے متوفی شوہر کا ہے۔

سید امیر علی لکھتے ہین کہ ایسا بچہ بلا شبہ اپنے متوفی باپ کا وارث ہوگا۔ لیکن یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ بچہ اون وارثون کے مقابل ہی ثابت النسب قرار پائیگا۔ جو تصدیق ولادت مین شریک نہ تھے۔ یعنی ورثائے تصدیق کنندہ کی تصدیق اوس بچہ کو تمام دنیا کے مقابل ثابت النسب قرار دینے کے لئے کافی ہوگی؟ اس مسئلہ مین یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ اگر ورثائے تصدیق کنندہ کی صداقت پر کوئی شبہ نہ ہو اور اونکی تصدیق پر کوئی اعتراض

نہ وارد ہوتا ہو تو بچہ کی صحیح النسبی کل دنیا کے مقابل ثبت متصور ہوگی۔ ۵۱

ہب شیعہ

شیعہ مذہب مین بہی شرائط اقرار وہی ہین جو سُنی مذہب مین ہین۔ مگر شیعہ مذہب مین اس امر کی کوئی قید نہین ہے کہ اقرار کرنیوالا عمر مین اوس شخص سے کسقدر بڑا ہو جسکے نسب کا وہ اقرار کرتا ہے۔ عمر کی بابت صرف قانون قدرت پر لحاظ کیا جائیگا۔ اگر یہ بات ثابت ہو کہ اقرار کرنیوالے کو بچہ کی مان کے ساتھہ خلوت کا کبھی موقع نہین ملا تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔

اگر کوئی منکوحہ عورت کسی بچہ کے نسب کا اقرار کرے اور اوسکا شوہر بہی تصدیق کرے اور جملہ شرائط اقرار بہی موجود ہون تو اقرار صحیح ہے۔

لیکن اگر شوہر کی وفات کے بعد کوئی عورت بچہ جنے تو مسئلہ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر ولادت کی نسبت کوئی بحث نہین ہے تو اس مین شک نہین کہ بچہ متوفی شوہر کا ہے لیکن جب بچہ کی صحیح النسبی پر اعتراض ہو تو یہ مسئلہ شیعہ مذہب کی کتابون سے آسانی سے حل نہین کیا جا سکتا۔ اس صورت مین قانون معدلت اور فارس کے متاخرین فقہا کے قول پر عمل کیا جائیگا مثلاً شیعہ مذہب کا یہ اصول ہے کہ نسب ثابت نہ ہوگا جب تک کہ دو عادل ۵۲ گواہ شہادت ندین۔ دو اوباش شخصون کی شہادت سے چاہے وے وارث ہی کیون نہ ہون نسب نہ ثابت ہوگا۔ مگر صرف اونہین کے مقابلہ مین۔

اگر کسی میت نے اپنی بیوہ و بہائیون کو وارث چھوڑا اور بیوہ ایک لڑکے کو اپنے شوہر کا لڑکا کہتی ہے تو شیعہ مذہب مین اوس بیوہ کو بجائے ¼ کے ⅛ حصہ دیا جائیگا اور بقیہ ⅞ اوس بچہ کو دیا جائیگا گو میت کے بہائی اوس بچہ کی صحیح النسبی پر معترض ہی ہون لیکن جب بچہ کی صحیح النسبی کسی عدالت مین ثابت ہی ہو گئی ہے یا بہائیون کو اوسپر کچھہ اعتراض نہین ہے

۵۱ اگر اقرار مکمل ہے تو سب کے مقابل مین صحیح ہے دیکھو نیلو کنٹ رائے چودہری بنام مہتاب بی بی ویکلی رپورٹر جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۴-۱۶۲ ۵۲ عادل وہ شخص ہے جو راستبازی کی زندگی بسر کرے اور کبھی کسی اخلاقی جرم کا مجرم نہ ثابت ہو

تو بچہ کل ترکہ کا وارث ہوگا۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے اقرار سے علاوہ نسب کے دوسری قرابت بھی قایم ہو سکتی ہے اور اِن صورتون مین مرد و عورت کے اقرار مین کوئی فرق نہین ہے۔

مثلاً اگر کوئی مرد یا عورت کسی دوسرے کو اپنا باپ یا مان یا زوجہ یا شوہر کا اقرار کرے اور وہ دوسرا شخص اسکی تصدیق کرے خواہ وہ تصدیق اقرار کرنیوالے کی زندگی مین ہو یا بعد تو اس اقرار سے قرابت مبینہ قایم ہو جائیگی۔

فتاوی عالمگیری مین ہے کہ مرد اقرار سے باہم قرابت پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی کسی شخص کو وہ اپنا باپ یا مان یا لڑکا یا زوجہ یا مولا بنا سکتا ہے کیونکہ اِن تمام صورتون مین وہ اپنے اوپر اونکے نان و نفقہ کی ذمہ داری لازم کرتا ہے۔ عورت صرف چار قرابتون کا اقرار کر سکتی ہے یعنی باپ۔ مان۔ شوہر۔ مولا۔ لیکن عورت بچہ کو اپنا لڑکا نہین بنا سکتی تا وقتیکہ اوسکا شوہر اس امر مین اوس سے اتفاق نکرے۔

مگر ان جملہ اقرار مین یہ شرط ہے کہ فریق ثانی بھی یعنی وہ جسکی نسبت اقرار کیا جائے اوسکو منظور کرے اگر وہ منظور نہ کریگا تو وہ اقرار لغو ہوگا۔ ۵۱؎

شرایع مین ہے کہ لڑکے کے سوائے دوسری قرابت اقرار سے نہین قایم ہو سکتی تا وقتیکہ وہ شخص جسکی نسبت اقرار کیا جائے اوس قرابت کو منظور نکرے۔ اور اس اقرار کی وجہ سے جو حق وراثت پیدا ہوگا وہ صرف مابین اونہین دو شخصون کے محدود ہوگا۔ مگر جب باپ و بیٹے کا اقرار کیا جائے تو یہ حکم نہین ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کو کسی کا باپ قرار دیتا ہے اور دوسرا شخص بیٹا بننا منظور کرتا ہے تو قانوناً یہی دونون آپس مین ایک دوسرے کے وارث نہ ہونگے۔ بلکہ یہ حق اونکے ورثاء کو بھی پہونچے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص دوسرے کو اپنا بھائی

۵۱؎ بہت بہادر بنام صاحبزادی بیگم بنگال لا رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۲۔

کہتا ہے اور وہ بھی اسکو صحیح تسلیم کرتا ہے اور اوسکے بیان کے خلاف کوئی ثبوت نہین
ہے تو وہ دونون صرف ایک دوسرے کے وارث ہونگے اور یہ حق اوسکے کسی دوسرے
بھائی یا دیگر قرابت دار کے وراثت سے متعلق نہ ہوگا۔ لیکن اگر اقرار کرنیوالا کا کوئی معروف وارث ہو
تو اقرار سے اوسکے حق وراثت کو کچھہ ضرر نہ ہوگا و نہ اوس شخص کو کچھہ حق حاصل ہوگا جسکی نسبت
اقرار کیا گیا ہے۔ چنانچہ شرائع مین لکھا ہو کہ "ایسی صورت مین اوسکا اقرار نسب قبول نہ کیا جائیگا"

سنی مذہب

قرابت مذکورہ بالا کے سوائے کسی دوسری قرابت کا اقرار مثلاً بھائی یا ماموں یا چچا کا صرف
اونھین دو شخصون کے حق مین موثر ہوگا یعنی اقرار کرنیوالے کی اور اوس شخص کی جسکی نسبت اقرار
کیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص جسکے اور وارث ہین کسی کو اپنا بھائی کہے مگر ورثا اوسکے بھائی
ہونے سے منکر ہین تو اقرار کرنیوالے کی موت پر وہ موتھہ بولا بھائی دوسرے وارثون کے
ساتھہ میراث نہ پائیگا اور نہ اوسکو اقرار کرنیوالے کے باپ کے ترکہ سے کچھہ ملیگا اگر باپ
اوسکو اپنا لڑکا نہین تسلیم کرتا اگر اقرار کرنیوالے کے کوئی دوسرا وارث نہین ہے تو موتھہ بولا بھائی
وارث ہوگا کیونکہ اقرار مین دو امر شامل ہین۔ یعنی نسب و حق وراثت تو گو نسب نہ ثابت ہو کیونکہ
اسکا اثر ایک تیسرے شخص پر پڑتا ہے لیکن دوسرے امر کی نسبت اس قسم کا کوئی اعتراض
نہین ہو سکتا کیونکہ اسکا اثر صرف اقرار کرنیوالے کی ذات تک محدود ہے اور ہر شخص کو یہ اختیار
ہے کہ اپنا مال جسطرح چاہے صرف کرے بشرطیکہ اوسکے وارث یا قرضخواہ نہ ہوون۔ اگر کسی
شخص کا باپ مرگیا ہے اور اوس نے ایک دوسرے کو اپنا بھائی ہونیکا اقرار کیا تو گو اوسکا
نسب متوفی باپ سے نہ ثابت ہوگا لیکن وہ اقرار کرنیوالے کے ساتھہ میت کا وارث ہوگا۔

ی عورت ہر کا اقرار کرے

اگر کوئی عورت حالت صحت یا بیماری مین یہ اقرار کرے کہ اوس نے فلان سے بعوض
اسقدر مہر کے نکاح کیا تھا اور وہ شخص بھی اوسکے قول کی تصدیق اوسکی حیات مین کرے اور بعد
مین عورت اپنے قول سے مکر جائے تو نکاح ثابت ہوگا لیکن اگر اوس مرد نے عورت کے

مرنیکے بعد اوسکے قول کی تصدیق کی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوگا اور نہ وہ مرد اوس عورت کا وارث ہوگا لیکن صاحبین کے نزدیک نکاح ثابت ہوگا۔ یہ مسئلہ ذیل کے مسئلہ سے اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔

اقرار نسب مین اقرار کرنیوالے کی موت کے بعد بچہ اوسکے قول کی تصدیق کرے یعنی یہ کہے کہ مین اقرار کرنیوالے کا لڑکا ہون تو یہ تصدیق صحیح ہے کیونکہ اس اقرار سے جو قرابت قایم ہوتی ہے وہ بعد موت کے بھی باقی رہتی ہے۔ اسی طرح عورت کی تصدیق بھی صحیح ہے اگر وہ اپنے کو متوفی اقرار کرنیوالے کی زوجہ منکوحہ ہونا تسلیم کرے۔ کیونکہ نکاح کا اثر بعد موت کے زمانہ عدت تک باقی رہتا ہے۔ اور اسی طرح اگر شوہر نے بعد وفات زوجہ کے اوسکے اقرار کی تصدیق کی۔ تو امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک صحیح ہوگی بوجہ حق وراثت کے جو منجملہ اون حقوق کے ہے جو نکاح سے پیدا ہوئے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ موت سے تو خود عقد نکاح منقطع ہوجاتا ہے اور تصدیق کی بنیاد حق وراثت پر قایم نہ کیجائیگی کیونکہ یہ حق اقرار کے وقت وجود مین نہ تھا اور تصدیق اوسی اقرار کی ہے۔ فتوی امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے۔ ہدایہ۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نسب منجملہ اون باتون کے ہے جو ایکبار ثابت ہونیکے بعد پھر کالعدم نہین کیجاسکتی اس لیئے جب ایکبار کسی شخص نے ایک بچہ کے نسب کا اقرار کیا تو پھر اوسکے انکار سے نسب کی نفی نہین ہوسکتی۔ اسی طرح برعکس صورت مین بھی یعنی جب ایک بار کسی شخص نے ایک بچہ کو کسی دوسرے شخص کا بیان کیا اور جب اوسکا بیان مقبول نہ ہوا تو کہا کہ میرا بچہ ہے تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

جو شخص کہ قانوناً معاہدہ کرسکتا ہے وہ اقرار بھی کرسکتا ہے۔ یعنی اوس شخص کو عاقل بالغ اور آزاد ہونا چاہیئے۔ اگر کسی نابالغ یا مجنون نے اقرار کیا یا کسی نے جبر واکراہ سے اقرار کیا تو یہ

اقرار نا جائز ہین۔ لیکن ایک مجنون کے نسب کا اقرار کوئی دوسرا شخص کر سکتا ہے۔
لیکن جب کسی ایسے بچہ و مجنون کے نسب کا اقرار کیا جائے جو رضامندی دینے کی اہلیت نہین رکھتا تو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس اقرار سے نابالغ یا مجنون کے حقوق کا ضرر نہین ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جماع کرنے مگر زنا کے طریق پر نہین اور اوس عورت سے بچہ پیدا ہو جسکو وہ شخص اپنا صحیح النسب بچہ تسلیم کرتا ہے تو اس اقرار سے اگر نکاح کی شہادت مین کوئی نقص ہے وہ رفع ہو جائیگا۔ صحیح النسبی کے اقرار مین یہ امر مضمر ہے کہ والدین کا نکاح صحیح تھا۔ لیکن اگر یہ بات ثابت ہو کہ نکاح نہین ہوا تھا تو بچہ کے ساتھہ اچھے سلوک سے جو صحیح النسبی کے اقرار معنوی کا قیاس پیدا ہوتا ہے وہ بہت کم وقعت ہو جاتا ہے۔ حکام پریوی کونسل نے حال مین جو دو ایک مقدمات فیصل کیئے ہین اون مین اس قیاس کے مسئلہ کو اس طریق پر بیان کیا ہے جس سے عدالت ہائے ہند مین تھوڑی سی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔
بمقدمہ لاڈلی بیگم بنام عظمت علیخان [۱] حکام ممدوح تحریر فرماتے ہین "جو بحث اس مقدمہ مین پیدا ہوتی ہے۔ اول یہ ہے کہ آیا نواب و مسماۃ لاڈلی کا نکاح قبل ولادت مدعیان کے ہوا تھا یا نہین اگر ہوا تھا تو ہر دو مدعیان صحیح النسب ہین۔ دوم اگر یہ بات یعنی نکاح ثابت نہ ہو تو اس امر کا کوئی ثبوت ہے یا نہین کہ نواب نے دونون مدعیان کو اپنا صحیح النسب بچہ اقرار کیا اور اونکے ساتھہ اوسی طرح پر سلوک کیا جس سے وے مستحق وراثت و صحیح النسب اولاد ہو گئے"
"نکاح کے متعلق شہادت بہت لائق اطمینان نہین ہے اور بعض امورات مین تناقض ہے تاہم اس امر کی شہادت ہے کہ مدعیان کی ولادت کے قبل نکاح کی رسومات ادا ہوئین"

---

[۱] کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۴۲۲۔

اسکے خلاف منفی شہادت اون گواہون کی ہے جو کہتے ہین اگر نکاح ہوا ہوتا تو اسکی اطلاع اونکو ضرور ہوتی - اگر صرف یہی شہادت ہوتی تو اسکی بناء پر نکاح کا تسلیم کرنا مشکل تہا لیکن پہر بہی شہادت ہے اور یہ بحث یقیناً پیدا ہوتی ہے کہ آیا اوس سلوک سے جو مدعیان تا بالغان کے ساتہہ نواب مثل اپنی اولاد کے کرتا تہا اور جسکا ذکر بعد ازین کیا جائیگا اور اوس اقرار سے جو نواب نے اوسکے نسب کی بابت کیا ہے نکاح کے مفید ایسا قیاس قوی پیدا ہوتا ہے یا نہین جس سے اون گواہون کی شہادت کو جنہون نے نکاح کا ہونا بیان کیا ہے وہ وقعت حاصل ہو جو اور نہج پر اوسکو نہ ہوتی -

"لیکن حکام عالی مقام کے نزدیک یہ ضرور نہین ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ اس بناء پر کیا جائے کہ نکاح واقعی ثابت ہوا - کمشنر لاہور کی یہ تجویز ہے کہ نکاح ثابت نہین ہے - ہائیکورٹ کے دو حاکم نکاح کو مشتبہ نہین کہتے - بلکہ لندسی صاحب جسٹس کا میلان رائے اسکے خلاف ہے لہذا حکام ہائیکورٹ نے یہ نہین تجویز کی کہ نکاح بوقوع مین نہین آیا گواونہون نے اسکا وقوع مین آنا بہی تجویز نہین کیا - حکام عالی مقام بہی اس امر کو ضروری نہین خیال کرتے کہ نکاح کی فی الحقیقت وقوع مین آنیکی نسبت اپنی رائے واضح طور پر بیان کرین کیونکہ حکام عالی مقام کی رائے مین مدعیان اس بناء پر وراثت کے مستحق ہین کہ یہ امر ثابت ہوا ہے کہ نواب نے اونکی صحیح النسبی کا اقرار کیا ہے "

بعدہٗ شہادت پر بحث کر کے حکام ممدوح نے قانونی مسئلہ کو حسب ذیل بیان کیا -

"اس جز و مقدمہ کی نسبت جو امر باقی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان اقرارات کا کیا نتیجہ ہے - ہر دو حکام چیف کورٹ نے جنہون نے لیاقت اور احتیاط کے ساتہہ تجویز صادر کی ہے اون اسناد پر جو اس مسئلہ کے متعلق ہین پورے طور پر غور کیا ہے - لیکن حکام عالیمقام کو اون اسناد پر غور کرنیکی ضرورت اسوجہ سے نہین ہے کہ بارسٹرون نے شرع محمدی کے

اس قاعدہ کی نسبت کوئی بحث نہین چھیڑی کہ اگر کوئی مسلمان شخص بچون کو اپنی اولاد ہونیکا اقرار کرے اور اوسکے مطابق عمل بھی کرے تو اس اقرار و عمل سے اون بچون کو ایسی حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ بطور پسران صحیح النسب کی وراثت کے مستحق ہو جاتے ہین بشرطیکہ چند باتین موجود نہ ہون جو اس مقدمہ مین نہین ہین۔

"شرع محمدی کے قاعدہ مذکور کی نسبت کوئی اعتراض نہین کیا گیا۔ اس مقدمہ مین صریحی بات نہین ہے کہ نواب مدعیون کے ساتھ بطور اپنی اولاد کے برتاو کرتا تھا جس سے بعض حالات مین اقرار کا قیاس کیا جا سکتا ہے بلکہ تمام بردگان کے واقعی اقرار کئے جانیکا ثبوت ہمارے روبرو ہے۔ چند مقدمات مین یہ تجویز ہوئی ہے کہ صریح اقرار کا ثبوت ضروری نہین ہے بلکہ جب کوئی مسلمان شخص بچون کے ساتھ مثل اپنے صحیح النسب اولاد کے علانیہ طور پر سلوک کرے تو اس سے اقرار مستنبط ہو سکتا ہے۔ یہ امر کہ آیا اقرار کا قیاس کرنا چاہئے یا نہین ہر مقدمہ کے خاص حالات پر منحصر ہے"

"بحث کی نوعیت پر خیال کر کے حکام عالی مقام جس سند کا حوالہ دینا ضروری سمجھتے ہین وہ صرف مقدمہ اشرف الدولہ احمد حسین خان بنام حیدر حسین خان ؎ کا ہے۔ مقدمہ مذکور مین حکام عالی مقام نے یہ تجویز کیا ہے "نکاح سے صحیح النسبی کا قیاس ہم بستری کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ وبحالت قیام نکاح کہ عورت کی اولاد شوہر کی اولاد متصور ہوتی ہے لیکن یہ قیاس بعد ہم بستری کے ہوتا ہے۔ نہ کہ زن و شو کے رشتہ کی وجہ سے۔ زمانہ ماقبل کی نسبت یہ قیاس صحیح ہوگا۔ اور نکاح سے قبل کی اولاد غیر صحیح النسب ہوتی ہے جو اولاد بلا نکاح پیدا ہو وہ غیر صحیح النسب ہے اگر اوسکی نسبت اقرار کیا جاوے تو اوسکو حیثیت صحیح النسبی حاصل ہوتی ہے"۔ حکام عالی مقام نے کبھی صاف طور پر یہ تجویز نہین فرمائی کہ جب کسی مرد و عورت مین شرعاً نکاح

---

؎ ایپیلہائے ہند مجموعہ مؤلفہ مور صاحب جلد ۱۱ صفحہ ۹۴ و ۱۱۳۔

نہ ہوسکتا ہو یا یہ بات علانیہ معلوم ہو کہ اونکا کبھی ایک دوسرے سے نکاح نہین ہوا تہا اور اوس عورت سے کبھی کوئی بچہ ہو تو مرد کے مجرد اقرار سے اوس لڑکے کو صحیح النسبی کے حقوق حاصل ہوجاوینگے گو اس ملک کی عدالتون مین اس فیصلہ کی ایک حد تک ایسی ہی تعبیر کی گئی ہے۔ حکام پریوی کونسل بمقدمہ صداقت حسین بنام محمد یوسف ۵۱ تحریر فرماتے ہین۔

دو مقدمہ ہذا مین اصل امر تنقیح طلب اور ایک ہی امر تنقیح طلب جسکی نسبت تجویز کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ سلیم سے جو بلاشبہ امیر حسن کا لڑکا ایک عورت موسومہ ڈومنی سے تہا امیر حسن نے ایسے سلوک کئے تہے یا نہین کہ اوسکی حیثیت ایک ایسے پسر کی ہوگئی جو مستحق وراثت ہو۔ تالش امیر حسین کی جائداد کی بابت ہے وہ ۱۸۶۶ء مین فوت ہوا اگر سلیم مثل پسر کے مستحق وراثت ہے تو مدعی مقدمہ ہذا جو بطور منتقل الیہ اوسکے حق کا دعوی کرتا ہے مستحق وراثت ہے۔ کونسل اپیلانٹ نے ایک اہم بحث پیش کی وہ یہ کہ سلیم کی حیثیت ایسی نہین متصور ہو سکتی کہ مثل پسر کے مستحق وراثت ہو کیونکہ کونسل موصوف نے یہ حجت کی ہے کہ امیر حسین و مسماۃ ڈومنی کا تعلق زانیون کا سا تہا کیونکہ مسماۃ کا نکاح پیشتر ایک ایسے شخص سے ہوا تہا۔ جو اوسوقت زندہ تہا اور اب بہی زندہ ہے بدین وجہ خواہ امیر حسین کی ہم بستری سے پہلے امیر حسین کے ساتہہ رسوم نکاح عمل مین آئی ہون یا نہ دونون صورتون مین وہ ہم بستری از قسم زنا تہی اور شرع محمدی کے مطابق ایسی ہم بستری سے جو اولاد ہوگی وہ بطور وارث ورثہ نہین پاسکتی و نہ بذریعہ اقرار کے پسر کی حیثیت حاصل کرسکتی ہے۔"

اوس لئے اول اس امر پر غور کرنا ضرور ہے کہ مسماۃ ڈومنی کا نکاح ایک شخص مسمی جمن کے ساتہہ قابل اطمینان شہادت سے ثابت کیا گیا ہے یا نہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمن اوسی حیثیت کا آدمی ہے جس حیثیت کی مسماۃ ڈومنی ہے جسکے باپ کا نام بہی جمن ہی تہا یہ نکاح

۵۱ کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۶۶۳۔

اگر کبھی ہوا ہی تو بہت تھوڑے سے پہلے یا قریب قریب اوسی زمانہ کے ہوا ہوگا جس زمانہ
مین امیر حسین اور مسماۃ ڈومنی کا نکاح ہونا بیان ہوا ہے جمن کا نکاح ڈومنی کے ساتھہ ۱۸۵۲ء
یا ۵۳ مین ہونا بیان کیا گیا ہے۔ امیر حسین کا نکاح بھی قریب قریب اوسیوقت مین ہوا ہوگا۔"
"امیر حسین ۱۸۶۶ء مین فوت ہوا اور سلیم اپنے پسر کو آٹھہ نو برس کی عمر کا چھوڑا اس حساب
سے وہ ۱۸۵۷ء یا ۵۸ مین پیدا ہوا ہوگا اوس سے قریب چار برس قبل امیر حسین کے اور
ڈومنی کے ایک دوسرا بچہ پیدا ہوا تھا پس اگر نکاح مابین امیر حسین اور ڈومنی کے کبھی ہوا ہی تو
یہ اوسیوقت ہوا ہوگا جب نکاح متظہرہ مابین جمن اور ڈومنی کے ہوا مگر جمن کا بیان ناقابل اعتبار
سے ہے۔ جمن یہ کہتا ہے کہ وہ ڈومنی سے اوسوقت واقف ہوا جب وہ اس خاص موقع مین
سکونت پذیر ہونیکے لئے گیا" جمن اور ڈومنی کے نکاح کے متعلق شہادت پر غور کرنیکے بعد
حکام ممدوح تحریر فرماتے ہین "لہذا حکام عالی مقام نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ فریقین جمن اور
ڈومنی کے نکاح ثابت کرنے سے قاصر ہے اسوجہ سے حکام ممدوح کو اوس اہم مسئلہ قانونی
کی نسبت جو کونسل اپیلانٹ نے پیش کیا رائے ظاہر کرنیکی کوئی ضرورت نہین" بعدہٗ حکام
عالی مقام مقدمہ محمد عظمت علیخان بنام مسماۃ لاڈلی بیگم مذکورہ بالا کا حوالہ دیکر تحریر فرماتے ہین۔
"حکام عالی مقام کا ہرگز یہ ارادہ نہین ہے کہ اس قاعدہ کے (یعنی جو نظیر محولہ مین قرار دیا گیا ہے)
خلاف عمل کرین یا اوسکی نسبت کچھہ شبہ قایم کرین حاکم عدالت مرافعہ اول جس نے گواہون کو دیکھا
اور اونکے اظہارات لئے اور حکام سپریم کورٹ جنہون نے بعد ازان شہادت مذکور کو جانچا۔
اس امر مین متفق الرائے ہین کہ اس امر کی شہادت کافی موجود ہے کہ امیر حسین نے سلیم کو بطور
اپنے پسر کے تسلیم کیا جس سے مناسب طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ باپ کی یہ نیت تھی کہ اوسکو
ایسے پسر کی حیثیت دے جو مستحق وراثت ہو اس رائے سے حکام ممدوح اتفاق کرتے ہین
حکام عالی مقام کے نزدیک اقرار کی وجہ سے سلیم کی حیثیت ایسے پسر کی ہوگئی جو بطور وارث کی

دعوی کرسکتا ہے؟

مقدمہ مذکورہ بالا میں حکام پریوی کونسل نے جس قانونی مسئلہ کی نسبت رائے ظاہر کرنی سے انکار کیا اوسکو الہ آباد ہائیکورٹ نے بمقدمہ لیاقت علی بنام کریم النسا [۵۱] طے کردیا یعنی اگر کوئی عورت کسی شخص کی منکوحہ ثابت ہوئی مگر اوسکا طلاق دینا ثابت نہیں ہوا تو وہ عورت کسی دوسرے شخص سے شرعاً نکاح نہیں کرسکتی۔ اس لیے اگر وہ عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ مثل زن وشو کے عرصہ دراز تک ساتھ رہی اور اوس سے اونکے اولاد بھی پیدا ہوئی جنکو اس مرد نے مثل اپنی صحیح النسب اولاد کے پرورش کیا اور اونکے ساتھ ویسے ہی سلوک کیا تو اس سلوک سے وہ اولاد صحیح النسب متصور نہ ہوگی و نہ اوسکو صحیح النسب اولاد کے حقوق حاصل ہونگے۔

[۵۱] الہ آباد جلد ۱۵ صفحہ ۳۹۶۔

باب ششم

# اشتہار شمس التواریخ

شب تار کی سیاہی تمام ہے سکوت عالم کا اختتام ہے جانوران خوش الحان کی نغمہ سرائیاں نامحدود ہیں۔
زاہدان جوان یاد معبود میں سربسجود ہیں افق مشرق میں نور کے فوارے چھوٹ رہے ہیں سحر خیز قدرتی بہار کے مزے لوٹ رہے
ہیں آفتاب عالمتاب کی آمد آمد پر چشم شوق براہ ہے ہر مخلوق کی ادھی طرف نگاہ ہے آخر کیوں نہو اس صانع حقیقی کے نمونہ
قدرت کا انتظار ہے جسکی صناعی رنگارنگ سے رونق روزگار ہے ہزاروں برکتوں کا پیش خیمہ اسکے ساتھہ اور لاکھوں
فوائد کا سرانجام اسی کے ہاتھہ ہے حضرت لیجیے وہ طلوع ہوا ذرا چشم بینا سے دیکھیے گا جناب عالی آپ کی نظر کدہر ہے مشرق میں
کیا خاک ہے یہ تو ایسی طلوع ہوا ہے چند ساعت میں غروب ہو جائیگا استغفار ادہر ملاحظہ کیجیے یہ **شمس التواریخ**
ہے جسکے لمعات نور میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہے اور روزافزوں ہی ہوتی جائیگی اس تاریخ میں مہر سپہر رسالت
جناب خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلعم کے چند پشت پہلے سے لیکر تا زمانہ خلفاء راشدین تفصیل
حالات متعدد کتب مستند سے اخذ کرکے درج کیے ہیں مصائب و شدائد معجزات۔ غزوات سرایا جنگ و جدال بایں شرح و بسط
تحریر کیے ہیں کہ ہر موقع و معرکہ کا نقشہ ہو بہو پیش نظر ہو جاتا ہے سرزمین عرب کا جغرافیہ اس طریق سے لکھا گیا ہے کہ سیاحان و عازمان
حج کے لیے رہبر کامل کا کام دیتا ہے جابجا نقشہ ہای رنگارنگ ضروری مقامات کے مناظر دکھلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں جہاں جہاں
تیر اسلام پہنچا ہے مثل چین و ماچین۔ روم و یونان۔ اندلس و ہندوستان وغیرہ کی شرح کیفیت مع وہاں کی تمدنی حالت کے بیان
کیجائیگی جس سے یقین ہے کہ پھر دوسری تاریخ کو دیکھنے کی ضرورت نہ رہیگی یہ تاریخ مبالغہ وغیرہ سے بالکل پاک و صاف ہوگی اگرچہ وقت اختتام
کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا لیکن امید ہے کہ قلیل مدت میں کثیر سرمایہ تاریخ اسلام کا فراہم ہو جائیگا جس سے کہ زبان اردو ابتک محروم ہے تاریخ
ہذا کے پانچ جزو ہر مہینہ میں بقیمت (۱۲) مع محصول ڈاک خریدار کو بھیجے جایا کرینگے اگست سنہ ۹۹ء سے جز ماہواری بھیجے جاتے ہیں صاحب
فرمایش کو اس وقت تک کے تیار شدہ اجزاء ایک ساتھ بھیجے جاوینگے۔ اڈیٹران اخبار و رسائل جات وغیرہ اسکے تبادلہ میں اگر چاہیں اشتہار
شایع کرکے منگا لیا کریں۔ تقطیع ۲۰×۲۶ کاغذ ولایتی چھپائی و لکھائی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ فقط

المشتہر محمد امیر الدین و اسحٰق علی مطبع لامع النور محلہ گلابخانہ آگرہ

# نرخنامہ چھپائی مطبع ہذا

ہمارے مطبع مین ہر قسم کا کام مثل اردو - عربی - ناگری بہت احتیاط اور نہایت صحت کے ساتھ طبع ہوتا ہے جو صاحب اپنی کتاب چھپوائینگے انشاء اللہ تعالے بہت خوش ہونگے - نرخ چھپائی حسب ذیل ہے -

کاغذ ولایتی تقطیع ۲۰×۲۶ مثل تقطیع کتاب ہذا کے

| | | |
|---|---|---|
| ایکہزار جلد کیواسطے ۱۰۰۰ | فی روپیہ | ۴۰ جزو - |
| پانچسو جلد کیواسطے ۵۰۰ | " | ۳۲ جزو - |
| ڈہائی سو جلد کیواسطے | " | ۲۵ جزو - |

کاغذ سیرامپوری تقطیع بشرح صدر

| | | |
|---|---|---|
| ایکہزار جلد کیواسطے | فی روپیہ | ۵۰ جزو - |
| پانچسو جلد کیواسطے ۵۰۰ | " | ۴۰ جزو - |
| ڈہائی سو جلد کیواسطے | " | ۳۲ جزو - |

دیگر تقطیع مثل ۲۲×۲۹ و ۱۸×۲۲ و ۱۷×۲۷ وغیرہ کے لئے باہمی خط وکتابت سے تصفیہ ہوسکتا ہے -

علاوہ اسکے مختلف رنگون سے بھی مینا کار و مرصع چھاپا جاسکتا ہے جسکی بابتہ بھی معاملہ خط وکتابت سے طے ہوگا -

ہر حالت مین نصف روپیہ پیشگی اور نصف بعد تیاری کتاب دینا ہوگا -

المشتہر

محمد اسحاق علی مالک مطبع لامع النور آگرہ